باب دہر
تحریر: مہرالنساء شاہ میر

آسمان نے سیاہ چادر اوڑھ کر ہجر کا غم منانا چاہاتو چاند نے حفظ ماتقدم اپنی روشنی مدھم کر دی۔تاروں نے روپوش ہونے کا عندیہ دیا۔اور آسمان کے ہجر کا بھرم رکھ لیا۔یوں جو تاروں اورچاند جیسے وفادار اور غمگسار ساتھ ملنے لگیں تو بھلا جیون سے شکوہ ہی کیسا؟

اسی سیاہ تاریک رات میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں کا رخ کرو تو کئی کہانیاں منہ لپیٹے لکڑی کے بوسیدہ دروازوں سے جھانکتی نظر آئیں گی۔کوئی کہانی تلاش کریں؟کر لیتے ہیں۔

کئی گلیاں پھلانگ کر،کئی نکڑ ٹاپ کر،زرد بلب کے گرد پروانوں کا رقص دیکھتے،پہاڑوں کی اوٹ سے ابھرتی بھیڑیوں کی آواز سنتے،کئی خوشبوؤں کو پیچھے چھوڑے،کئی سازشوں کو ساتھ جوڑے ایک لمبی ،پرسرار خاموش سی گلی میں پوری شان سے کھڑے ایک پتھروں کے بنے گھر کی طرف آؤ تو بھوری لکڑی کا رنگین نقش و نگار والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔رات جوں جوں گہری ہوتی جا رہی تھی برف باری کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔آسمان سے گرتے روئی کے گولے گھر کی

دیواروں، سڑک، اور دروازے کے سامنے ایک پہاڑ کی سی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ اسی برف باری میں اس گھر کے صحن میں کھڑے تین مرد اب داخلی دروازے کی اور بڑھ رہے تھے۔ انکے چہرے غیر واضح تھے، آوازیں مدھم۔

انکے وجود سے کوئی پوشیدہ بھید، کسی راز کے کھل جانے کا خوف آتا تھا۔

گھپ اندھیرے میں پیلے بلب کی روشنی میں راستہ بناتے ہوئے گھر کے اندر آؤ تو لکڑی کا یہ گھر کسی بھول بھلیاں جیسا تھا۔ جہاں راہداریاں ہی راہداریاں تھیں۔ صحن کے ایک طرف اوپر چھت کو جاتی سیڑھیوں کے قریب فرش پہ ایک دروازہ تھا۔ وہ شاید نیچے تہہ خانے کی طرف جانے کا راستہ تھا۔ گردن جھکا کر نیچے جھانک کر اس تہہ خانے نما جگہ کی طرف آؤ تو نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ سانس روکے ایک ایک سیڑھی پہ قدم رکھتے ہوئے نیچے کی طرف آؤ آخری زینے پہ کھڑے ہو کر دیکھو تو یہاں گھر کے ہی رقبے جتنا تہہ خانہ تھا۔ ایک کونے میں کاٹھ کباڑ پڑا تھا، باقی کونے خالی تھے۔ اور اگر نگاہیں گھما کر ایک زاویے پہ دیکھو تو ایک پل کے لئے ساکن ہو جاؤ۔ تہہ خانے کے وسط میں پانچ کرسیاں تھیں۔ اور ان پانچ کرسیوں پہ کچھ لوگ تھے۔ زندہ لوگ۔ پانچ لوگ۔

انکے چہرے ایک طرف ڈھلکے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پہ کسی قسم کے زخم کا نشان نہیں تھا ہاں مگر ان میں سے ایک مرد کے بازو پہ پلستر تھا۔ ماتھے پہ زخم کا نشان بھی صرف اسی کے تھا۔

قریب سے دیکھو تو انکے وجود پہ لباس برانڈڈ تھے،بدن سے مہک اٹھتی تھی۔پیروں کے جوتوں سے لاکھوں روپے کی مالیت کا اندازہ ہوتا تھا۔وہ یقیناً اعلیٰ عہدوں پہ فائز رہے ہوں گے۔چار مردوں کے ساتھ پانچویں اسیر ایک لڑکی تھی۔اسکے گلے میں ایک پتلی چین تھی۔جس میں سبز ہیرہ جگمگا رہا تھا۔ہم رنگ ہیرے اسکے کانوں اور انگلیوں میں بھی تھے۔

اسکے جوتے،یہ جوتے بھی سبز تھے۔ہائی ہیلز۔اگر ذہن پہ زور دے کر یاد کیا جائے تو یہ وہی جوتے تھے جو چھ ماہ پہلے ہونے والے پیرس فیشن شو ویک میں پیش کئے گئے تھے۔انکی مالیت کروڑوں میں تھی۔ان جوتوں کو بڑے بڑے گھروں کے فرش پہ رکھا جانا تھا،انہیں پہن کے دنیا کے مہنگے ماربل کو اعزاز بخشنا تھا۔اور آج یہ مٹی سے اٹے فرش پہ داغ دار ہو رہے تھے۔کسی کے پیر ان جوتوں پہ پڑے تھے اور ان پہ نمایاں داغ بن چکے تھے۔اگرانکی مالکن کو ہوش آجاتا تو وہ ان جوتوں پہ لگے مٹی کے داغ دیکھ دوبارہ بے ہوش ہو سکتی تھی۔

دوسرے اسیر کے جسم پہ ڈینم جیکٹ تھا۔بظاہر عام سا،مگر کسی ذوق رکھنے والے شخص کو اگر یہ جیکٹ دکھاؤ تو وہ ضرور اسے چھو کر محسوس کرنا چاہے۔اور اسکی مالیت کا اندازہ لاکھوں میں لگائے۔

تیسرے اسیر کے سفید جاگرز، وہ جاگرز قابل تعریف تھے۔قابل تحسین بھی۔کوئی جوتوں پہ لاکھوں روپے کیسے خرچ کر سکتا تھا؟کوئی اس اسیر سے سوال کرے۔

کافی دیر بعد ان میں کسی ایک نے آنکھیں کھولی تھیں۔شاید نشہ ٹوٹ رہا تھا۔

اس اسیر کے بدن پہ لٹکا اوور کوٹ پورے ایشیاء میں یہ کوٹ صرف تین لوگوں کے پاس تھے۔اب مالیت کا اندازہ تم لگاؤ۔

اسکے ساتھ دو اور مردوں کا نشہ بھی ٹوٹنے لگا۔مگر انکی حرکت سست تھی۔دھیرے دھیرے اس پہلے نے آنکھیں کھولیں۔فرش گھومتا محسوس ہوا۔جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔اسے سردی لگی تھی۔بے اختیار بے حد سردی۔آنکھیں کھولے کئی منٹ وہ یونہی گردن ڈھلکائے پڑا رہا۔ہاتھوں پہ بندھی رسیاں سخت سردی کے اس موسم میں اسکی کلائیوں کو چیر رہی تھیں۔اسے تکلیف سی ہوئی۔اور اسی تکلیف میں اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔بھوری آنکھیں ایک پل کے لئے بلکل ساکن ہو گئیں۔اسکے ساتھ کرسیوں پہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔وہ آنکھیں پوری طرح کھولے بے یقینی سے آس پاس دیکھ رہے تھے۔اسکے دوست،اور وہ کسی جگہ قید ہو چکے تھے؟یہ حقیقت تھی،مذاق یا پھر سراب۔

"شادان . . . . . زبرج . اٹھو زبرج اٹھو۔"وہ ان دونوں کو پکار رہا تھا جنہیں ابھی ابھی ہلکا سا ہوش آیا تھا۔سخت سردی میں اب اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔وہ دونوں نیم غنودگی میں تھے۔اس نے اپنی کرسی گھسیٹی۔آواز پہ ایک مرد نے آنکھیں کھولیں۔دوسرا مرد ابھی بھی کرسی کو گھسیٹتے ہوئے اپنے باقی ساتھیوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔اسکے ہاتھ بندھے ہوئے تھے،مگر ٹانگیں آزاد تھیں۔اور اب وہ انہی آزاد ٹانگوں سے اپنے ایک ساتھی کی کرسی کو ٹھوکر مار رہا تھا۔دوسرا اسیر بھی آنکھیں کھول چکا تھا اور اب وہ آس پاس دیکھ کر اس جگہ کو اور اپنے یہاں ہونے کے مقصد کو سمجھنا چاہتا تھا۔وہ بھی اتنا ہی شاکڈ تھا جتنا پہلا مرد۔

تیسرے نے بھی ہلکی ہلکی آنکھیں کھولیں۔اسے اپنے ہاتھ سن ہوتے محسوس ہوئے۔اسکی کلائی میں بندھی اسکی گھڑی فرش پہ پڑی تھی۔وہ سانس لینا بھول گیا۔اسکی مہنگی گھڑی کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔دوسری طرف اس شور شرابے کے دوران باقی دونوں بھی ہوش میں آ چکے تھے۔ہر کوئی اتنا ہی شاکڈ تھا جتنا انہیں جگانے والا مرد۔وہ پانچ لوگ بے یقینی سے اپنے اطراف میں دیکھ رہے تھے۔یہ لمحہ جیسے کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ ہو۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟ہم کہاں ہیں؟"لڑکی کی آواز میں حیرت اور خوف دونوں تھے۔وہ بے قراری سے آس پاس دیکھ رہی تھی۔

"یہی سوال میں تم سب سے پوچھنا چاہتا ہوں۔یہ سب کیا ہے؟ہم کہاں ہیں اور . . . ہمیں باندھ کر کیوں رکھا ہے؟"یہ وہ تھا جسے سب سے پہلے ہوش آیا تھا۔

"کیا ہم کڈنیپ ہو چکے ہیں؟"

"یہ کیسی جگہ ہے؟ہم یہاں کیسے آئے ہیں؟"وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تو کبھی اپنے آس پاس۔ہراس سا ہراس تھا جو انکے جسموں سے لپٹ گیا تھا۔

"یہ تو تم ہمیں بتاؤ گے ناں زلطان کیونکہ ہم نے تمہیں جاگے ہوئے دیکھا ہے۔کیا بکواس ہے یہ ہم کہاں ہیں۔"یہ آواز ترش تھی،طنز میں ڈوبی ہوئی۔

"تم مجھ پہ شک کر رہے ہو شادان؟ کیا معلوم یہ تمھارے کسی حریف کا کام ہو جس میں ہم خوار ہو رہے ہیں۔" زلطان نے بھی کہہ ڈالا۔ اپنے ہاتھوں کو جھنجھوڑتے ہوئے وہ رسی کھولنے کی سعی کر رہا تھا۔

"صرف میرے حریف نہیں، زخرف کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اسکے باپ کے قاتل بھی تو دھمکی دے رہے تھے۔" وہ جھنجھلایا۔ خوف زدہ ہوا۔

"مجھے اپنے معملات میں مت گھسیٹو شادان۔" لڑکی کی آواز بیٹھی ہوئی، مگر مستحکم تھی۔ "میں تو خود حیران ہوں۔"

"لڑنا بند کرو تم لوگ۔ اور یہ سوچو ہم یہاں آئے کیسے۔؟" جس کے بازو پہ پلستر تھا وہ ذرا تحکم سے بولا تو ہر ایک نے طنزیہ گردن جھٹکی۔ "یہ کیسی جگہ ہے؟" سردی سے کپکپاتے ہوئے وہ اس تہہ خانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"سوچنا کیا ہے ہمیں یہاں جس نے بلایا وہ تم ہو حسن اور زخرف تم دونوں کے علاوہ یہ کون کر سکتا ہے؟" کافی دیر سے خاموش بیٹھا گہری بھوری آنکھوں والا زبرج بولا تو زلطان نے کرسی کو ٹھوکر مار کر اسے نیچے گرایا۔

"اپنی بکواس بند رکھو تم سب۔ زخرف کو اکیلی لڑکی سمجھ کر چڑھائی مت کرو۔"

"تم اسکی اتنی حمایت کیوں کر رہے ہو؟ ملے ہوئے ہو کیا؟" شادان تضحیک سے بولا۔ اور اسکے بعد وہ سب آپس میں بھڑ پڑے تھے۔ ہاتھ بندھے ہوئے تھے مگر وہ ٹانگوں سے ایک دوسرے کی

کرسیوں پہ ٹھوکر مار رہے تھے۔ چیخ رہے تھے۔ایک دوسرے کو گالیاں نکال رہے تھے۔انکی آواز بلند تھی۔جان کے خوف سے زیادہ نفرت حاوی ہونے لگی۔

”تمہاری وجہ سے ہوا ہے ۔ ۔ ۔ “۔

”یہ تمہارے دشمنوں کا کام ہے تم نے ہمیں پھنسایا ہے۔“

”تم اپنے دوست پہ شک کر رہے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ شرم آنی چاہیے تمہیں ۔۔“

”تم گھٹیا ۔ ۔ تمہاری ۔ ۔ وجہ ۔ ۔ ۔ تمہارے دشمن تم ۔۔“

اور پھر ایک آواز آئی تھی۔گولی چلنے کی آواز آواز اور ان تمام قیدیوں کی زبانیں ساکت ہو گئی۔آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔سیڑھیوں سے اتر کر کوئی آ رہا تھا۔وہ جس کے ہاتھ میں پستول تھی۔اور وہی جس نے فائر کیا تھا۔وہ مسرور سی چال چلتا ہوا آ رہا تھا۔اسکا وجود اندھیرے میں تھا۔آخری زینہ طے کرتا وہ آگے آیا اور اگلے چند پل میں وہ انکے سامنے کھڑا تھا۔وہ کچھ کہنے لگا تھا مگر ابھی نہیں تمہیں اسکے الفاظ سننے کے لئے تحمل سے کام لینا ہوگا۔کیونکہ یہ کہانی یہاں سے شروع نہیں ہوتی۔یہ تو کلائمکس ہے۔کہانی یہاں سے شروع نہیں ہوتی۔

”دس سال قبل۔“

لندن۔

لندن انگلستان کا دل خاموش, پر سکون سا شہر۔ جہاں آئے دن مینہ برستا ہے، سڑکیں ہمہ وقت گیلی ہوتی ہیں۔ جہاں رونقیں ہیں، جہاں رنگ اور خوشیاں ہیں۔ لندن کی عمارتیں اونچی اور قدیم ہیں۔ دوڑتی بھاگتی سرخ بسیں سرمئی سڑکوں پہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ تیز رفتاری سے بھاگتی میٹروپل میں تمہاری آنکھوں کو ایک جہاں سے دوسرے جہاں لے جاتی ہیں۔ چھتری تانے، ارد گرد سے بے نیاز لوگ لندن کی مغروریت کا لبادہ اوڑھے گھومتے ہیں۔ شاہانہ ریستورانز اور شاپنگ مالز اس شہر کو پر تعیش بناتے ہیں۔ خالی سڑکوں پہ بیٹھے کبوتروں کے غول اس شہر کے قصیدے کہتے ہیں۔

لندن مغرور ہے، اکھڑ اور خشک بھی۔ آنے والوں کو جلدی قبول نہیں کرتا، اور جانے والوں کو یوں اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے کہ انہیں لندن سے جانا جان سے جانے کے مترادف لگتا ہے۔ روشنیاں تو لندن کے لیے بنی ہیں۔ کھانے تو لندن سے شروع ہوتے ہیں، ذائقہ اس شہر کی پہچان ہے۔ ملکہ کا شہر لندن کئی کہانیاں سینے میں سموئے، چپ کی چادر اوڑھے تمکنت اور حاکمیت کا سیمبل ہے۔ لوگ لندن کو دنیا کہتے ہیں، مگر دنیا کو لندن کہنا چاہیے۔ خزاں کے پتوں سا خشک، بہار سا ہرا بھرا، سرما کا سفید اور گرما کا میٹھا میٹھا گرم لندن۔ زندگی میں اگر لندن نہیں دیکھا تو تم نے زندگی گزار لی، جی نہیں۔

شام بیت چکی تھی، اور رات نے لندن پہ اپنے پر پھیلا لئے۔ اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا۔ مصنوعی روشنیوں سے جگمگ کرتا شہر آنکھوں کو بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ قدیم عمارتوں سے پھوٹتی زرد روشنی ناسٹلیجیا کا سا تاثر دیتی تھیں۔ اس پہر سٹریٹ پولز جلنے لگے تھے، سرمئی گیلی سڑکوں پہ پولز کا عکس بنتا تھا۔ ملکہ کے محل کی رونق رات میں مزید بڑھ گئی تھی۔ لندن کے رنگین مزاج والے اپنی

شامیں کسی بار، کلب یا پھر ریستوران میں گزارنا پسند کرتے تھے۔ان کے بر عکس کچھ خاموش طبع فطرتاً سکون کی تلاش میں بھٹکتے لوگ، کسی پر سکون گوشے کی تلاش میں نکل جاتے تھے۔لندن رات کا راجہ ہے، رونقوں کا مرکز ،اور یہ پہر انہی رونقوں کا تھا۔

ٹاور برج کے عین سامنے ایک شاہانہ ریستوران ہے۔جہاں اس وقت زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ہلکی ہلکی بوندا باندی اب تھم چکی تھی۔گیلی سڑکیں اور ہاتھوں میں کافی کے گرم مگ لئے لوگ آتے جاتے ہوئے لندن کو پر رونق اور مصروف بنا رہے تھے۔ریستوران کی طرف آؤ تو ہال میں گول میز کے گرد رکھی کرسیوں کے اوپر خوبصورت پھولوں کی لڑیوں کا چھجا بنا تھا۔یہ میز اور ریستوران بلندی پہ تھا یہاں سے ٹاور برج کا خوبصورت نظارہ دیکھنے کو ملتا تھا۔گرل سے باہر شہر کی روشنیاں بھی دکھتی تھیں۔

میز کی طرف آؤ تو اس کے گرد کرسی کھینچ کر ایک لڑکا بیٹھا تھا۔سیاہ گول گلے والی شرٹ کے اوپر سیاہ جیکٹ اور سیاہ ہی پینٹ میں ملبوس وہ اپنے جاگرز والے پیر جھلا رہا تھا۔اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی۔اور بے زاری بھی۔آس پاس کانٹے چمچوں کا شور اسکے اعصاب پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔

"سر آپ کا آرڈر؟"با ادب بیرے کے مہذب انداز سے پکارنے پہ اس نے چہرہ اٹھایا کر اسے دیکھا تھا۔گندمی رنگت، سیاہ آنکھیں اور پر کشش نقوش والے لڑکے کے اندر غصے کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔اور نکالنے کو ٹارگٹ بھی مل گیا۔

”ایک بار کہا ہے کہ میرے دوست آجائیں تو آرڈر دیتا ہوں، لیکن آپ مجھے بار بار تنگ کر رہے ہیں ہے ناں؟“اس کا لہجہ دھیما تھا،صاف صاف انگریزی بولتے ہوئے بھی علاقائی عنصر نمایاں۔صاف لگتا تھا کوئی سندھی اردو بول رہا ہے۔

”سر معذرت مگر۔۔“

”کیا معذرت ہاں؟آٹھ بج کر تیس منٹ پہ میں نے تمہیں انتظار کرنے کو کہا تھا۔اب آٹھ بج کر پینتالیس منٹ پہ تم دوبارہ آ گئے ہو۔کیا میں یہاں فی گھنٹہ کے چارجز پے نہیں کر رہا؟۔“وہ اسکی جرح پہ اتر آیا تھا۔”میں یہاں اس لئے آیا تھا،کیونکہ مجھے لگتا تھا آپ لوگ پروفیشنل ہیں لیکن نہیں۔آپ یہاں۔“

”تم جا سکتے ہو۔“سیاہ جیکٹ والے لڑکے کی بات کاٹی گئی۔اس کے عقب میں کھڑے اسی کے ہم عمر لڑکے نے بیرے کو جانے کو کہا۔اور خود کرسی کھینچ کر بیٹھا۔اسکا انداز کافی پر سکون تھا۔

”سید شادان شاہ . . . . مستقبل کے اینکر ہو۔حال میں پریکٹس شروع کر دی ہے؟“آنے والے لڑکے نے اسے لگامیں ڈالیں۔شادان نامی لڑکے نے صبر کے گھونٹ پیئے۔مگر کافی کڑوے تھے،آئندہ وہ نہیں پینا چاہے گا۔

”تم نے وقت دیکھا ہے زبرج؟میں یہاں آدھے گھنٹے سے ان سرخ چمڑی والے انگریزوں کو دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں یار۔“وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔”ان کھاں بھلو ہوئیو لت ڈئی سمی پواں ہاں۔“**(اس سے اچھا تھا میں آرام سے سو جاتا)**“آخری بات اس نے زیر لب کہی تھی۔زبرج اسکی

بات پہ مسکرایا۔حلیہ اس کا بھی شادان سے مختلف نہ تھا،مگر نقوش خوبصورت تھے۔رنگت گوری،سرخ اور آنکھیں ہلکی گہری بھوری۔قد کاٹھ سے وہ اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا۔

"تو پھر کسی ایسے ہوٹل چلتے ہیں جہاں بھوری چمڑی والے ایشیائی ہوں۔"زبرج نے حل پیش کیا۔شادان کو کوفت ہونے لگی۔

"تمہارا جوک تمہاری طرح ٹھنڈا تھا۔"اس نے کہتے ہوئے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ نظر ڈالی۔

"اب یہ زلطان کہاں رہ گیا ہے؟"شادان اکتایا۔

"زلطان خود کو سلطان اور ہمیں رعایا سمجھتے ہوئے ہمیں انتظار کروانا چاہتا ہے۔"وہ مینیو کارڈ دیکھتے ہوئے اب بھی پر سکون تھا۔صاف ظاہر تھا اگر زلطان رات کے تین بجے بھی آئے تو زبرج کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ہاں بس بھوک لگ سکتی تھی۔

"اپنی بکواس بند رکھو یار۔پتہ کرو یہ زلطان آخر ہے کہاں؟"اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔اسے غصہ بہت آتا تھا۔

زبرج نے مینیو کارڈ واپس رکھا،میز پہ ہاتھ رکھے آگے کو جھکا۔"زلطان وہاں ہوگا،جہاں اسکی زخرف ہوگی۔"معنی خیزی سے کہتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا۔شادان کی بے زاری فنا ہوئی وہ کمینگی سے مسکرایا۔اندر تک شانتی اتر گئی۔اگلے کئی پل وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیزی،اور ابلیسی نظروں سے دیکھتے رہے،پھر دونوں آگے ہوئے،ماتھے ٹکرا لئے۔آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گاڑ لیں۔

"کیا لگتا ہے آج پروپوز کرے گا زلطان؟"شادان کی شاداب سی سرگوشی۔

"کیا مطلب ہے؟زلطان کی زبان کو اعتراف کی ضرورت بھی ہے؟"اس نے شاہانہ انداز میں ہاتھ جھلایا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے آج بھی صرف ڈنر ہوگا،یا دوست کو لڑکی ملنے کی پارٹی بھی؟"شادان کا ایک اور تجسس۔

"اگر پارٹی ہوئی تو میں "اسے" بھی بلا لوں؟"زبرج کو نام نہیں لینا پڑا۔"اس"سے ہر دوست واقف ہوتا ہے۔

"وہ نہیں کہے گا یار،مر جائے گا لیکن کہے گا نہیں۔کم از کم زبان سے نہیں۔"

"اب آنکھوں کی زبان زخرف بی بی کو کون سمجھائے؟"

مایوسی سے کہتے ہوئے وہ پیچھے ہوا۔اب اس بات سے زبرج بھی اتفاق کرتا تھا۔زلطان جب زخرف کو دیکھتا تھا،اس کے آس پاس ساری دنیا تھم جاتی تھی۔اسکی آنکھوں میں وہ چمک آتی تھی جس کا مقابلہ کوئی دوسری چمک نہیں کر سکتی۔

وہ دونوں انتظار کرنے لگے مگر ہم کہانی کے دوسرے حصے کی طرف بڑھتے ہیں۔

ٹاور برج کے سامنے بنے اس ریستوران سے باہر نکل کر، گیلی سڑک پہ پیر دھرتے ہوئے، ہاٹ چاکلیٹ کی خوشبو نتھنوں سے ٹکراتے ہوئے، سڑکوں، پارکوں میں کھڑے محبت لٹاتے جوڑوں پہ نظر ڈالتے ایک گرلز ہاسٹل کے باہر پچھلے دروازے کی طرف آؤ تو مدھم روشنیوں کے درمیان تمہیں دو ہیولے نظر آئیں گے۔یہ ایک کشادہ سی صاف ستھری گلی تھی۔جس کے دونوں اطراف میں مختلف عمارتیں کھڑی تھیں۔انہی عمارتوں میں ایک ہاسٹل کی عمارت بھی تھی۔زرد رنگ کی قدیم عمارت۔

ہاسٹل کی دیوار سے لٹکتی بیلوں نے دیوار کو ڈھک دیا تھا،انہی ڈھکی ہوئی بیلوں اور قدیم دیواروں کے ساتھ دو لوگ اپنی پشت جوڑے کھڑے تھے۔سانس روکے، ہر آہٹ کو ساکن کیے۔

ہاسٹل کے اندر سے شوروغل کی آوازیں یہاں تک آتی تھیں۔اندر شاید کوئی پارٹی چل رہی تھی۔یکدم میوزک تھم گیا۔شاید کھانے کا وقفہ تھا۔اسی پل بیلوں کی اوٹ سے ایک مردانہ ہیولہ باہر نکلا، آس پاس چوکنا نظر دوڑائی،اور پھر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے دوسرے ہیولے کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔زنانہ ہیولہ باہر آیا،وہ ننگے پیر تھی۔مرد نے اس کی اونچی ہیل ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی،اور اسکا بیگ گردن میں جھول رہا تھا،جیکٹ بازو پہ اور ان سب کے ساتھ وہ نیچے بیٹھا۔یہاں سے روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

بھوری رنگت، ہلکی بھوری آنکھیں،ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو اور اٹھی ہوئی ناک۔وہ اچھا دکھتا تھا۔سوبر اور معصوم سا۔حلیہ وہی جو شادان اور زبرج کا تھا۔نیچے جھکے ہوئے اس نے،شو لیس کھولے ،اور

پھر اپنے جوگر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ذرا سے فاصلے پہ گارڈز کھڑے تھے۔اگر جو انہوں نے ہیل کی ٹک ٹک سن لی ہوتی تو کیا ہوتا وہ دونوں جانتے تھے۔

لڑکی نے اپنا حق سمجھتے ہوئے پیر جوگرز میں ڈالے،اپنے ہاتھ میں پکڑی لپسٹک اور بلش کی کٹ اسے تھمائی۔جوتے پہن کر وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور لمحوں کے اندر وہ دونوں چھپاک سے گلی سے باہر بھاگ آئے تھے۔بھاگتے بھاگتے کافی دور آ کر ایک جگہ وہ رکے۔

گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے،کمر جھکائے چند لمبے گہرے سانس لئے۔پھر سیدھے ہوئے۔سٹریٹ پولز کی روشنی میں لڑکی کا سراپا واضح تھا۔سیاہ رنگ کا لمبا ٹخنوں کو چھوتا گاؤن پہنے،سیاہ ریشمی اور سیدھے بال بیوٹی بون کو چھوتے تھے،بالوں میں بھوری اسٹرکنگ کروا رکھی تھی۔چہرہ گول مٹول سا تھا،گال بھرے بھرے،اور وزن بھی اچھا خاصا۔موٹی نہیں صحت مند ضرور تھی وہ۔

”تم چلے جاتے زلطان،میری وارڈرن اگر تمہیں دیکھ لیتی تو جان لے لیتی تمہاری“اس نے اپنی سفید رنگ کی ہیل اسکے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

”میری جان لیتی اور تمہیں تو جیسے سونے کے تاج پہناتی۔ملکہ کہہ کر۔“اس نے اب بازو پہ ڈالا جیکٹ زخرف کی طرف بڑھایا۔

”مجھے بھلا کسی تاج کی ضرورت ہے کیا؟میں بے تاج ملکہ ہوں۔“اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ساتھ زلطان کو تادیبی نظروں سے دیکھا۔“no appreciation ?”

"بی بی تمھیں appreciation کی نہیں چندے کی ضرورت ہے۔" وہ نیچے جھک کر اپنے جوتے پہنتے ہوئے بولا۔ انداز لا پرواہ تھا۔ لیس باندھتے ہوئے اس نے سر جھکا رکھا تھا۔ "پھر کیا خیال ہے میں مہم چلاؤں یا پھر یہ کام بھی تمھارے ڈیڈی کر لیں گے؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نیم اندھیرے میں کھڑا وہ دراز قد لڑکا مسکرا کر بولا۔

"میرے ڈیڈی کو انڈر اریسٹیمیٹ مت کرنا۔ ورنہ میں بھول جاؤں گی تم میرے کچھ لگتے بھی ہو۔"

"تمھیں الزائمر ہے؟ آہ مجھے تم سے ہمدردی ہوئی۔ اب چندے کے لئے الفاظ بڑھانے پڑیں گے۔" وہ اسی انداز میں اسکے چہرے پہ نظریں جما کر بولا۔

"آج ہمارا آخری دن ہے اور تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو؟"

"آخری دن؟ تمھیں کونسی بیماری ہے یار؟ بتایا کیوں نہیں۔" لڑکی نے پیر پٹخا اور آگے بڑھ گئی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ مہم کا نام کیا ہو گا۔ چندہ برائے ملکہ کا تاج؟"

"میرے پیچھے مت آنا زلطان صفدر، ورنہ جہنم واصل کر دوں گی۔"

"یعنی تمھارے ساتھ گزارا کرنے کا بعد ایک اور جہنم بھی ہو گی؟" وہ مصنوعی تعجب سے بولا۔ اب کے لڑکی کچھ نہ بولی تو زلطان کو معملے کشیدہ ہوتے محسوس ہوئے۔

وہ اسے آوازیں دیتے ہوئے اس کے پیچھے جانے لگا تھا۔لندن کی اس گلی نے ان مناظر کو تاریخ کی طرح اپنے سینے پہ رقم کر لیا تھا۔ کبھی نہ بھولنے کے لئے، کبھی نہ مٹانے کے لئے۔

تھوڑی دیر بعد اگر واپس ریستوران کی طرف آؤ تو گول میز پہ عدالت لگی تھی۔نوارد سرکار کے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

شادان سخت نظروں سے زخرف اور زلطان کو گھور رہا تھا۔جیسے بتانا چاہتا ہو **"تم لوگوں نے سید شادان شاہ کے دربار میں دیر سے حاضری لگا کر دنیا کا سب سے بڑا گناہ کیا ہے،اور میں اسے بھولوں گا نہیں۔"** زبرج نارمل تھا،یوں جیسے اگر ریستوران کی چھت بھی گری تو کپڑے جھاڑ کر اٹھے گا،اور باہر نکل جائے گا۔اس کے لئے وہ سلاد اہم تھی جس کے پتے وہ چن چن کر کھا رہا تھا۔

"کھانا آرڈر کرتے ہیں کیا خیال ہے۔؟"زبرج نے شادان کی سلگتی نگاہوں کا رخ دوسری جانب کرنا چاہا۔وہ ہنوز ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

"ملکہ برطانیہ اور کینیڈین سرکار شروعات کریں،یوں بھی ہم رعایا کی آپ کے آگے کیا اوقات ہے؟"وہ ہتھیلی پہ چہرہ گرائے کٹیلے انداز میں بولا،زخرف اور زلطان نے پہلو بدلا۔شادان گروپ کا بگڑا بچہ تھا،جس کے بگڑ جانے سے ہر کوئی خوف کھاتا تھا۔"کیا خیال ہے پھر آقا آرڈر کریں۔یا پھر ہم مزید انتظار کریں؟"طنز کے تیر۔زلطان نے ایک نظر زخرف کو دیکھا،دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ لیا۔انہیں لفظوں کی ضرورت کم پڑا کرتی تھی۔

"ہم دونوں کے ساتھ کوئی تیسرا بھی ہے۔"ایک سانس میں ایک ساتھ کہا تو شادان بھنوئیں سکیڑے پیچھے ہو بیٹھا،زبرج نے گردن ہلائی، جیسے کہا ہو "اوہ اچھااوکے کول۔مطلب ایک اور سلاد بھی ملے گی؟۔"

"آجاؤ۔"ان دونوں کے ایک ساتھ کہنے پہ،کوئی تھا جو پلر کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا تھا۔اسکی آنکھیں سیاہ تھیں ،چمکدار اور زہین۔چہرہ خوبرو،اور ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔معصوم سادہ مسکراہٹ۔تین لوگ اسے مسکرا کر ہی دیکھ رہے تھے،مگر شادان کی نس نس میں لاوا دوڑ گیا۔سارے کا سارا آتش فشاں پھٹ گیا۔

"حسن معراج سلطان۔تمہاری جرات کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟"شادان نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیئے۔حسن نے مسکرانے پہ اکتفا کیا۔لندن اور اس کے مضافات میں تیسری جنگ عظیم کا وقت ہوا چاہتا ہے۔

\-----------------

"میں جرات سے تھوڑی،میں تو پیروں سے آیا ہوں۔"کافی دیر بعد ذرا سا سنبھل کر بشاشیت سے کہتے اس نے اپنی کرسی سنبھالنی چاہی مگر شادان نے برق رفتاری سے کرسی پہ اپنے پیر رکھ لئے۔آنکھیں اسکی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"تمہیں لگتا ہے تم جیسے غدار کو میں دوبارہ معاف کر سکتا ہوں؟" بھنوئیں اچکا کر پوچھا گیا۔حسن نے گہری سانس لی۔اپنی انیس سالہ زندگی میں اسے سب سے بہترین دوست یہاں لندن آکر ملے تھے،اور اب وہی ناراض تھے۔وہ معصوم کرتا تو کیا کرتا؟

"مجھے بتانا پسند کرو گے آخر میرا گناہ کیا ہے؟"حسن سلطان نے بازو سینے پہ باندھ لئے۔سید شادان عرف راجہ صاحب اب ان کے گناہ گنوانے کو تیار تھے۔باقی رعایا توبس سننے والی تھی۔

"سب سے پہلی بات ہم چاروں ایک ہی کالج میں پڑھتے ہیں،جبکہ تم الگ۔لیکن تم پھر بھی ہمارے گروپ میں شامل ہو گئے۔"

"وہ تو تم سب نے میری کیوٹنس کی وجہ سے۔"وہ بولتے بولتے رکا۔شادان سمیت ہر کوئی اسے گھور رہا تھا۔

"ہمارے گروپ میں کیوٹنس نہیں کمینگی کی بنیاد پہ داخلے ہوتے ہیں۔اور اس میں تمہارا نمبر پہلا ہے۔"زلطان کے کہنے پہ شادان خوش ہوا۔یعنی اسکی رعایا اس سے سیکھ رہی تھی۔گڈ گڈ۔گلہ کھنکار کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"دوئم ہم چاروں اٹھارہ سال کے ہیں اور تم انیس سال کے۔مس فٹ یو نو۔"ہاتھ جھلایا گیا۔

"کیا پتہ حسن کے ابو نے کاغذات میں اسکی عمر غلط لکھوائی ہو؟"سلاد کے پتے چباتے زبرج نے یونہی پوچھا۔مگر شادان کی گھوری پہ اس نے لبوں پہ انگلی رکھ لی۔

"سوئم تم بیس فیصد ہمارے کرائمز میں شامل نہیں ہوتے۔"

"کیونکہ اسے اپنی عزت پیاری ہے تمہاری طرح تھوڑی . . . ."روانی سے کہتے وہ زبان دانتوں تلے دبا گئی۔شادان نے صبر کا کافی سے بھی کڑوا گھونٹ بھرا اور خطاب جاری رکھا۔عوام کو کوڑے کھانے کی اشد ضرورت تھی۔

"چہارم تم وقت پہ نہیں آتے،اور ہم سے باتیں چھپاتے ہو۔سب معاف ہے لیکن باتیں چھپانا نہیں۔"سب نے متفق ہو کر سر ہلایا۔شادان نے پیر کرسی سے ہٹا لئے،گویا راجہ صاحب نے فریادی کو بیٹھنے کی جگہ دے دی ہو۔اتنا ظالم نہیں تھا وہ۔

"یار دیکھو میں اس دن پارٹی میں آنا چاہتا تھا لیکن ۔۔۔"

"دیکھا یہ پھر باتیں چھپا رہا ہے۔"زخرف انگلی اٹھا کر چمک کر بولی۔زلطان کا جی چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔کاش حسن اس کا فیملی فرینڈ نہ ہوتا،نہ لندن میں پڑھتا اور نہ ان کے گروپ میں شامل ہوتا۔اور نہ اسکے فوت ہوئے باپ کی زلطان کے زندہ و جاوید باپ سے کوئی دوستی رہی ہوتی۔

"لیکن میرا بہنوئی کہتا ہے،مجھے تم سب سے نہیں ملنا چاہیے۔"اس نے بات پوری کی۔اور کرسی پہ آ کر بیٹھاn

"اسے کیسے پتہ تم ہم سے ملتے ہو؟"زبرج کی آنکھیں مشکوک انداز میں سکڑیں۔

"اسے سب پتہ ہوتا ہے۔"بے بسی سے شانے اچکائے۔"میں تم لوگوں کے ہر پلان میں شامل ہوتا ہوں،لیکن جب کبھی رہ جاؤں اس کا مطلب ہے عمر حیات کو پتہ لگ گیا۔اور وہ تم سب کے سخت خلاف ہے۔"

"ایک منٹ یہ تمھارے بہنوئی کو ہم سب سے مسئلہ کیا ہے؟ کیا ہم کوئی گرے پڑے ہیں۔؟" زلطان کو اختلاف ہوا۔ "اگر یاد پڑتا ہو تو میرے ڈیڈ وزیر اعلیٰ ہیں۔"

"وزیر اعظم ہوں عمر حیات تب بھی نہ مانے۔" وہ بس سوچ سکا۔

"اور میری ماما خیبر کی سب سے مہنگی لائر۔" زخرف نے جتایا۔ حسن مسکرایا زبردستی۔

"مہنگی کے ساتھ جھوٹی، فراڈ، کون لگائے گا؟" وہ اب بھی بس سوچ سکا۔

"جدی پشتی رئیس ہیں ہم۔" ٹانگ پہ ٹانگ جما کر شادان نے اضافہ کیا۔ "آدھا جامشورو(**سندھ کا ایک شہر**) مرے ابا کا مرید ہے اور باقی آدھا میرے چچا صاحب کا۔"

"تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ سارا جامشورو تمھارے خاندان کا مرید ہے۔" حسن خود کو باز نہ رکھ سکا۔

"ایسے کیسے؟ ابا کی شہرت چچا کو دے دوں اور چچا کی ابا کو؟ حق اور انصاف بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟" وہ سلگ ہی تو اٹھا تھا۔ زبرج نے ایک بے نیاز نگاہ ان سب پہ ڈالی اور دوبارہ موبائل پہ متوجہ ہو گیا۔ اسکے پاس گنوانے کو ایسا شجرہ نسب نہیں تھا۔ حسن آگے کو ہوا گلا کھنکھارا۔

"مسئلہ تم سب کا خاندان یا ریپوٹیشن نہیں ہے۔ مسئلہ میرے بہنوئی کا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تم سب کے ساتھ میں پیسے خرچ کرتا ہوں، اور جب اکاؤنٹ خالی ہوتا ہے تب مرے بہنوئی کی آنکھیں بھرنے لگ جاتی ہیں۔" اس نے ایک سانس میں کہہ ڈالا۔ چہرے پہ مسکینیت تھی۔ "میں تم لوگوں کے ساتھ وفادار ہوں کیا یہ کم ہے؟"

"تم کہو تو ہم اس کا پتہ صاف کر دیں؟ آخر ایسا کونسا کام ہے ہو ہماری گینگ نے آج تک نہ کیا ہو؟" زخرف نے مدد کی آفر دی۔ اسکی چمکدار آنکھیں مخلص لگتی تھیں۔

"وہ تم سب جیسے چار صبح بیچ کر کھائے اور چار رات کو آئے بڑے۔"

"پھر تمہاری بہن؟اس کا کیا۔ اگر وہ اکاؤنٹ خالی کر دے؟" زبرج نے آگے ہو کر رازداری سے پوچھا۔ حسن نے کڑوا سا منہ بنا لیا۔

"میری بہن کو تو عمر حیات کا قتل بھی معاف ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"بس اب اور نہیں۔" راجہ شادان صاحب نے دربار برخاست کیا۔"چونکہ تم غدار نہیں مجبور ہو اس لئے آج میری عدالت میں تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔ آج ہم سب کی فیرول پارٹی ہے۔ کل سے ہم سب الگ الگ جگہوں کے لئے فلائے کریں گے۔ یہ ہمارا دن ہے۔ سید شادان کی طرف سے پارٹی انجوائے کریں۔" خطاب کے دوران کوئی نہیں بولتا تھا مگر ...

"ویسے ایک بات ہے۔" کانٹے میں پڑا (**جو تھوڑی دیر پہلے بیرہ رکھ گیا تھا**) کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے حسن نے بات شروع کی۔"آج تم سب کی فیرول پارٹی ہے۔ لیکن تم محفل چھوڑ کر یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

"جہاں ہم پانچ ہوتے ہیں۔ وہیں محفل ہوتی ہے۔ باقی سب اضافی ہے۔ لوگ بھی، رونق بھی، محفل بھی۔" زلطان مسکرا کر بولا تو باقی سب نے افسردگی سے اسے دیکھا۔ آج کالج کا آخری

دن تھا۔دوستوں کو کہا جانے والا الوداع ہر الوداع سے مشکل ہوتا ہے۔آگے جانے کے لئے انکی آنکھوں میں کئی خواب تھے مگر انہی خوابوں کے پیچھے دوست چھوڑنے کی نمی بھی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ اب تم سب کہاں جاؤ گے اور کیا کرو گے؟میٹ اپس کا کیا ہو گا؟"حسن نے پوچھا۔

"میں تو لندن میں ہوں۔تمہاری جونیئر ہوں گی۔لاء کر رہی ہوں ناں۔"زخرف جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔اسی پل حسن کی نظر سامنے والی میز پہ بیٹھی ایک حجابی لڑکی پہ پڑی۔وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔حسن بھی مسکرایا۔رابطہ مل گیا۔

"میں واشنگٹن جا رہا ہوں۔مستقبل کا اینکر سید شادان شاہ۔"گلاس ہوا میں بلند کیا،لڑکی اب سینے پہ انگلی رکھے کوئی اشارہ کر رہی تھی۔جیسے پوچھ رہی ہو۔

"میں یہاں آؤں؟"

"میں امریکا جا رہا ہوں۔زبرج شاہنواز مستقبل کا مایا ناز انجینیئر بنے گا۔"تیسرا گلاس بھی ہوا میں بلند ہوا۔حسن مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ہاتھ کے اشارے سے **"تم وہیں رکو میں آ رہا ہوں"** کہا اور اسکی طرف بڑھا۔سب نے بے یقینی سے اس غدار کو جاتے دیکھا۔ہوا میں بلند گلاس،اور نظریں زلطان پہ تھیں۔آخر اب وہ کیا کہے گا۔ظاہر ہے وہ زخرف کے ساتھ یہیں رکے گا۔زلطان نے سنجیدہ نظریں اٹھا کر زخرف کو دیکھا،شادان اور زبرج موقع کا خیال کرتے "ہم ابھی آتے ہیں" کہہ کر اٹھے۔

"بتاؤ ناں زلطان تم کیا کرو گے آگے؟"جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے اس نے سادگی سے پوچھا۔وہ ہنوز انہی سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔دل بے حد زور سے دھڑک رہا تھا۔اسے بھی یہیں لندن آرٹ اسکول میں رہنا تھا،ابا کو منع کر کے وہ یہیں رہنا چاہتا تھا اگر زخرف بھی رہنا چاہے۔اسے نہیں کرنی سیاست،وہ بس پینٹ کرے گا۔

"تم لاء کرنے کے بعد کیا کرو گی؟"

"اس کے بعد پاکستان واپس جاؤں گی اور پریکٹس کروں گی۔تم بتاؤ تم . . . . "وہ بولتے بولتے رکی۔فون کے بجنے کی آواز تھی۔اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔"**مام**"کے نمبر سے وائس نوٹ تھے۔پلے کا بٹن دبایا تو ایک نرم مگر تحکم بھری آواز سنائی دی۔

"تم سے کہا تھا ناں،فرقان سے ایک بار مل لو۔بچے ابھی تم دونوں ملنا شروع کرو گے۔دوستی اور انڈرسٹینڈنگ ہوگی۔جانتی ہو اسکا خاندان کتنا اونچا ہے؟ایک اچھی جگہ فٹ ہونے کے لئے بہت شروع سے محنت کرنی ہوتی ہے۔"ایک وائس نوٹ ختم ہوا تو دوسرا شروع ہوا۔زلطان کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا۔

"تمھارے ڈیڈ اور میری شادی میں کمیونیکیشن گیپ تھا نتائج تمھارے سامنے ہیں آگے جو تم چاہو۔"آواز بند ہو گئی۔زخرف نے بے زاری سے گلاس رکھا،زلطان یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ان کے درمیان راز نہیں تھے۔

"ماما چاہتی ہیں میں انکی دوست کے بیٹے کے ساتھ کمیٹڈ ہو جاؤں۔"زلطان نہیں جانتا تھا کیا مگر اسے کچھ برا لگا تھا۔کچھ دل پہ لگا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟"اس نے خود کو کہتے سنا۔نظریں اسکی آنکھوں میں تھیں۔

"مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بس مجھے پریشرائز نہ کیا جائے۔وقت چاہیے مجھے۔ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔"

"اس کے علاوہ تمھیں کوئی مسئلہ نہیں ہے؟"وہ اسکی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔زخرف نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔زلطان مسکرا بھی نہ سکا۔اسکے اندر تک خاموشی چھا گئی۔یعنی وہ زلطان صفدر کے لئے کسی قسم کے کوئی جذبات نہیں رکھتی؟

اپنی غائبانہ موجودگی ان دونوں کی میز سے غائب کرتے ہوئے حسن سلطان کی میز کی طرف جاؤ تو وہ کرسی کھینچ کر حجاب والی خوبصورت سی لڑکی کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔باتیں ہوئیں،تعارف ہوا۔مگر

"میرا ایک بھائی ہے۔یوایس اے میں ہوتا ہے۔آپ مجھے بلکل اس کے جیسے لگے ہیں مسٹر حسن۔"حسن کی مسکراہٹ سمٹی۔"آپ سے مل کر ایسا لگا جیسے بہت عرصہ بعد اپنے بھائی سے دوبارہ ملی ہوں۔"وہ رکی حسن کے فق ہوتے چہرے کو دیکھا۔پندرہ منٹ کی محبت؟"ہم سیلفی لے سکتے ہیں؟پلیز؟"وہ میز پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھا تھا۔چہرہ تمتما رہا تھا۔

”بھائی جیسا ہوں بی بی بھائی نہیں۔نا محرم کے ساتھ سیلفی حرام ہے۔“چبا چبا کر کہتے وہ اٹھ گیا تھا۔لڑکی حیران سی اسے جاتے ہوئے تکتی رہی۔اپنی میز کی طرف جاتے ہوئے اسکی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔”پندرہ منٹ کی محبت ہک ہاہ۔“

”میں امریکا جا رہا ہوں۔“تھوڑی دیر بعد میز کے گرد بیٹھے لوگوں نے زلطان کو کہتے سنا۔”پڑھائی مکمل کروں گا،پھر ابا کے ساتھ سیاست میں حصہ لوں گا۔“شادان کا جی چاہا تھا اسے دو تھپڑ رکھ کر دے،زبرج نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا اور حسن نے استہزائیہ مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی۔(**اسکی تو دو سالہ محبت تھی**)چار لوگ اس وقت آکورڈ تھے مگر زلطان مسکرایا تھا۔جوس کا گلاس ہوامیں بلند کیا۔آج بس اسکے لب مسکرائے تھے۔آج یہ الوداع صرف دوستوں سے نہیں تھا۔آج وہ ملکہ کے شہر میں اپنے دل کی ملکہ سے دستبرداری دینےلگا تھا۔

”ہم یہاں سے جانے کے بعد ہر سال ملیں گے۔“اس نے اعلان کیا۔

”ہم ہر ہفتے ایک دوسرے کو کالز کرتے رہیں گے۔“زخرف نے گلاس بلند کیا۔

”ہم دوست بنا سکتے ہیں،مگر ہم کبھی کسی کو وہ اہمیت نہیں دیں گے جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔“شادان کا گلاس بھی بلند ہوا۔

”ہم میں سے جب کسی کا جیب خرچ بند ہو گا،ایک دوسرے کی مالی مدد ضرور کریں گے۔“حسن کا گلاس باقی تین گلاسوں سے ٹکرایا۔

”ہم ایک دوسرے سے وفادار رہیں گے۔“آخری گلاس زبرج کا تھا۔لندن نے ان پانچ لوگوں کو الوداع کہتے سنا،اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔آہ لندن غمگین تھا۔

”دس سال بعد۔“

”باب دہر کے کھلنے سے ایک ہفتہ قبل۔“

شام چار بجے۔

یہ ایک نجی ٹی وی کے سٹوڈیو کا منظر ہے۔آنکھوں کو بے تحاشا چبھتے سبز رنگ کی دیواروں والے سیٹ اپ میں کمرے کے بیچ وں بیچ ایک چھوٹی سی میز اور اس کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔آس پاس کیمرہ مین،میک اپ آرٹسٹ،اسپاٹ بوائے،مینجر اور باقی افراد کھڑے تھے۔اسی سٹوڈیو میں شیشے والی دیوار کے اس پار شولائیو کرنے کی تیاری چل رہی تھی۔شیشے کی دیوار کے عین اوپر ایک سرخ نقطہ تھا۔جس پہ **"آف لائن"** لکھا تھا۔

سٹوڈیو کی حالت ابتر تھی۔مگر جب شو ٹی وی پہ آتا تو ایڈیٹنگ وغیرہ کے کے پس منظر کو خوبصورت کر دیا جاتا۔کمرے کے وسط میں رکھی کرسی پہ بیٹھے اینکر کے کانوں میں لگے آلے میں ایک پیغام آیا،اس نے شیشے کی دیوار کے پار تھمز اپ کا اشارہ کیا،اپنے سامنے سوٹڈ بوٹڈ سے آدمی کو دیکھا۔سرخ بتی سبز میں بدلی اور یہ ہوا شو آنلائن۔

”السلام و علیکم نظرین۔"**سوال حق ہے**" کہ ساتھ میں ہوں آپ کا میزبان، سید شادان شاہ۔“ اٹھائیس سالہ اینکر کی گردن اٹھی ہوئی تھی،لباس سے مہک اٹھ رہی تھی اور لہجے میں اعتماد بولتا تھا۔وہ پاکستان کا سب سے قابل اور کم عمر اینکر پرسن تھا۔چند سالوں کے اندر ہی اس نے بلندیوں کا وہ سفر طے کیا تھا کہ آج اسے آدھی دنیا جانتی تھی۔

”آج ہمارے مہمان ہیں،ملک کی وہ شخصیت جن کی سیاست کو پچھلے دنوں "**بیرونی سیاست**" کا نام دیا گیا۔عوام کے سوالات کے جواب ،اور حقائق سے پردہ آج اٹھایا جائے گا۔جی عبداللہ نواز صاحب۔لفظ،بلکہ الزام بیرونی سیاست پہ آپ کیا کہنا چاہیں گے؟کیاالیکشنز سے کچھ ہی دن قبل آپ کے حوالے سے یہ لفظ استعمال کرنا ایک ”**ایجنڈا**“ ہے۔؟“وہ میز پہ رکھے کاغذات نہیں دیکھ رہا تھا،وہ کیمرہ دیکھ رہا تھا،اور مہمان کی آنکھیں۔کاغذات ردی تھے۔شادان وہ کہتا تھا جو اسکا دل کہتا تھا۔

”ہماری سیاست کو میلا کرنے کے لئے زلطان صلاح الدین،اور انکے خاندان نے جو الزامات لگائے ہیں۔ان کے جواب منہ سے دینا ہمارا شیوہ نہیں۔صفدر حسین اور انکے بیٹے ......“ وہ کچھ اور بھی کہہ رہے تھے،مگر شادان ایک نام پہ اٹک گیا تھا۔آس پاس وہ سبز دیواریں،وہ بولتا ہوا فربہہ شخص غائب ہوا۔اسکی آنکھوں کے آگے مناظر بدلے،باب دہر کھلا اور وہ ماضی میں جا پہنچا۔

فلائٹ کی پرواز میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔مسافر اپنی نشستیں اور سامان سنبھال رہے تھے۔

پندرہ ،سولہ سالہ شادان جہاز کی سیٹ پہ کھڑکی کی طرف بیٹھا تھا۔تاثرات تنے ہوئے،ہاتھ میں موبائل جسے کبھی دیکھتا، کبھی بے زاری سے دوسری سیٹ پہ ڈال دیتا۔کئی بار اس نے اٹھ اٹھ کر آس پاس جھانکنے کی کوشش کی تھی۔کوئی اسکا ہم عمر نہیں تھا۔وہ سخت بور ہو رہا تھا۔کھڑکی والی سائیڈ سے ہٹ کر اب وہ دوسری طرف بیٹھ گیا۔

دفعتاً کوئی اس کے آگے سے گزر کر اس کے ساتھ والی سیٹ پہ آ کر بیٹھا۔شادان نے پوری طرح گھوم کر، بھنوئیں سکیڑ کر اپنے ساتھ بیٹھتے لڑکے کو دیکھا۔آنکھیں باقاعدہ چھوٹی کر لیں۔دماغ میں اسکا اسکین کیا۔تفصیلی جائزے کے بعد وہ رخ موڑ کر بیٹھ گیا۔ابا اسے ناردرن ایریاز کی سیر کروانے لائے تھے، مگر شومئ قسمت اسلام آباد آ کر اسے لندن روانہ کر دیا۔کافی دیر بعد اس نے اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے کو مخاطب کیا۔انداز میں ایک بے اختیار سا رعب تھا۔

”نام کیا ہے تمہارا؟اور لندن کیوں جا رہے ہو؟“

لڑکے نے کتاب سے سر نکالا اور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔”زلطان صفدر،میں لندن پڑھنے کے لئے جا رہا ہوں۔“

”سبجیکٹس؟“

”سائنس۔“یک لفظی جواب۔شادان اب پھیل کر بیٹھا،ایکسٹرووَرٹ کو بولنے کے لئے موقع چاہیے ہوتا ہے۔اور اسے وہ مل گیا تھا۔

”خود جا رہے ہو یا ابا نے بھیجا ہے؟“

زلطان پھر سے مسکرایا۔دھیرے سے،نرمی سے۔"ابا نے،مگر میری مرضی سے۔"

"یہ آخر ہم دونوں کے اباؤں کو ہمیں لندن بھیجنے کا خیال آیا ہی کیوں؟ہاں ٹھیک ہے میں کلاسز بنک کرتا تھا،اسکول سے بھاگ جاتا تھا،کبھی کبھی اسکول میں گینگ بھی چلاتا تھا،لیکن کیا بیٹوں کے کوئی حقوق نہیں ہوتے؟تم بتاؤ بھلا میری کوئی غلطی تھی اس میں ؟"

زلطان نے نفی میں سر ہلایا۔"بلکل نہیں بیٹے تو ایسا کرتے ہیں۔یہ تمہارا حق تھا۔لیکن باپ کے بھی کچھ فرض ہوتے ہیں۔غریب باپ ایسی صورت حال میں بیٹے کو لوڈر رکشہ دلوا دیتا ہے،اور امیر باپ "**لندن**" بھیج دیتا ہے۔فرائض یو نو۔"اس نے کہتے ہوئے سر دوبارہ کتاب پہ جھکایا۔شادان قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔زلطان جھکے ہوئے سر کے ساتھ بس مسکرایا۔

"ابا نے کہا تھا غلط سنگت میں نہ پڑنا،اور اماں نے کہا تھا زندگی جینا مت چھوڑنا۔میری بات مان کر تم نے جینا سکھایا۔اور ابا کے فرائض بتا کر اپنی سنگت کو کلئیر کیا۔دوست بنیں؟" اس نے ہاتھ بڑھایا۔آنکھوں میں چمک در آئی۔زلطان نے گردن اٹھا کر ایک نظر اسکا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا،دوسری نظر اسکی آنکھیں۔وہ لوگوں کو انکے "**منہ**" سے کہے لفظوں سے نہیں ، آنکھ میں آتے" **تاثر** "سے جج کرتا تھا۔

"دوست اتنا جلدی نہیں بنانے چاہیے،ہاں البتہ "**بانڈ**"بنا سکتے ہیں۔"شادن اس پہ بھی راضی تھا۔لندن کا سفر اسکی زندگی کا بہترین سفر بننے والا تھا۔وہ جانتا تھا۔اب وہ زلطان کو اس جہاز میں

بیٹھے لوگوں کے متعلق بہت کچھ بتا رہا تھا۔وہ سنتا رہا،رائے دیتا رہا۔سید شادان اسکی برداشت سے متاثر ہوتا رہا۔

حال میں وہ انٹرویو ختم کر کے گاڑی میں بیٹھا تھا۔کوٹ پچھلی سیٹ پہ ڈال رکھا تھا۔اور آنکھیں خوابیدہ سی لگتی تھیں۔ہاتھ میں پکڑے اپنے موبائل پہ کانٹیکٹ لسٹ کھولی تو ہزاروں لوگوں کے نمبر کھل گئے۔وہ عہدے داران تھے،وہ امیر تھے،وہ مدد کرنے آتے تھے مگر وہ دوست نہیں تھے۔شاید تھے مگر دل پہ ویسا تاثر نہیں چھوڑتے تھے۔

وہ سکرین پہ انگلی چلاتے انگریزی حرف **"زیڈ"** تک گیا،اور ڈھیر سارے لوگوں کے درمیان اس کا نمبر نکالا۔"**زلطان** "اس نے پہلے میسج ٹائپ کیا،پھر مٹا دیا،وائس ریکارڈ کرنی چاہی پھر ارادہ ترک کر دیا۔کال کرنے ہی لگا تھا مگر . . . . مگر رک گیا۔یہ رابطہ تو کبھی اتنا مشکل نہیں رہا تھا پھر آج کیوں ؟

آخری بات چار ماہ پہلے ہوئی تھی۔وہ کال بھی شادان کی طرف سے تھی۔اب اسے کرنی چاہیے۔انا نے وار کیا،اور شادان نے کرنے دیا۔کیا اسے کرنے دینا چاہیے تھا؟

باب دہر کے کھلنے سے ایک ہفتہ قبل۔

اسلام آباد، پاکستان۔

وقت دوپہر تین بجے۔

کوسوں دور ایک لمبے سفر پہ نکلو تو اسلام آباد ہائی کورٹ کے باہر زینوں پہ وکیل آ جا رہے تھے۔کئی مجرمین کے چہرے پہ کپڑا ڈالے،پولیس والے انہیں بے زاری سے واپس پولیس موبائل میں بٹھا رہے تھے۔کئی لوگ روتا،کئی بے زار اور کئی پر امید چہرہ لئے کورٹ کی راہداریاں طے کر رہے تھے۔

وکلاء اور عام لوگوں کے اس ہجوم میں ایک شناسا چہرہ بھی تھا۔سفید قمیض شلوار کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے بالوں کا نفیس جوڑا بنائے،جس میں پنسل اٹکا رکھی تھی۔پیر اونچی سیاہ ہیل میں مقید تھے۔سرمئی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔کورٹ کی راہداریوں میں چلتے ہوئے اس کے ہر انداز سے نمایاں تھا کہ وہ یہاں اس کورٹ میں ایک حیثیت رکھتی ہے۔آتے جاتے کئی وکلاء نے اسے سلام کیا تھا وہ محض سر کے اشارے سے جواب دیتی رہی۔اپنے چیمبر میں آ کر اس نے کوٹ اتار کر کرسی پہ پھیلایا۔فائلز کے انبار ڈیسک سے ذرا ہٹائے دفعتاً دروازہ بجا،اس نے یس کہہ کر اجازت دی۔

کوئی پچیس چھبیس برس کی لڑکی تھی،خود کو چادر میں ڈھانپے چہرے پہ سوگواریت لئے اندر داخل ہوئی۔ساتھ میں کوئی فربہہ سی عورت بھی تھی۔زخرف نے ان دونوں کو دیکھ کر گہری سانس لی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ میں آپ کا کیس نہیں لڑ سکتی؟آپ کو ایک بات سمجھ نہیں آتی؟"اس کا لہجہ سخت نہیں تھا مگر اٹل ضرور تھا۔لڑکی دھیرے سے اس کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔آنسو اسکی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔زخرف ان آنسوؤں کے مکر کو جانتی تھی۔

"میرے بھائی کی جان اب آپ ہی بچا سکتی ہیں۔اسے قتل کے جھوٹے مقدمے میں پھنسایا گیا ہے۔آپ جتنے پیسے چاہیں گی،ہم دے دیں گے ہم . . . . "وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔اسکے ساتھ آئی اسکی ماں بھی رو رہی تھی۔ساتھ ہاتھ جوڑ لئے تھے۔وہ بول نہیں سکتی تھیں۔

"میرا بھائی قاتل نہیں ہے۔"

"ریپسٹ تو ہے ناں؟"زخرف ٹھنڈے لہجے میں بولی۔لڑکی نے بے یقینی سے گردن اٹھائی۔اسکی ماں اس سے زیادہ بے یقین تھی۔

"جس لڑکے کا قتل ہوا ہے،اسکی بہن کا دو ماہ پہلے ریپ ہوا تھا۔جو کہ تمھارے بھائی نے کیا تھا۔اور جب وکٹم کے بھائی کو پتہ چلا اور اس نے کیس کروانا چاہا تب تمھارے بھائی نے بے دردی سے اسکا قتل کر دیا۔"عورت کو سانپ سونگھ گیا تھا جبکہ لڑکی چڑھ دوڑی۔نیکی اور پارسائی کا چڑھایا ہوا ملمع ایک پل میں اتر گیا۔

"نیک بننے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟ڈیفینس لائر ہو ناں آج تک کتنے مجرمین کو بچا چکی ہو؟اور وہ سارے کے سارے کیا دودھ کے دھلے تھے؟ پیسے لے کر تو تم اپنے باپ کے مجرم تک چھوڑ سکتی ہو۔ایک مجرم اور سہی۔پیسہ تو پورا دے --"

"تم سے زیادہ پیسہ ہے میرے پاس۔" زخرف ایک دم مختلف انسان بن گئی۔ "اتنا کہ تمھارے منہ میں ٹھونستی جاؤں، ٹھونستی جاؤں یہاں تک کہ تمھاری سانس بند ہونے لگے۔ اور تم مر جاؤ۔ اتنا پیسہ کہ تمھاری لاش کو کوڑے دان میں ڈال دوں، اور کوئی میرے خلاف منہ نہ کھولے۔" وہ رکی شیرنی جیسی آنکھیں لڑکی کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ "بلکہ اتنا پیسہ کہ تمھارے بھائی کو کئی سال یونہی جیل میں سڑاتی رہوں۔ پیسے کی لالچ زخرف وقار کو دینا ضائع جائے گا۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ورنہ مذید القابات سن لو گی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر بے زاری سے کہا۔ پھر نرم نظروں سے بوڑھی عورت کو دیکھا۔

"میں آپ کے بیٹے کو بچا لیتی۔ اگر دوسری طرف ایک پورا خاندان نہ تباہ ہوا ہوتا۔ گنہگاروں سزاؤں کی جگہ رہائی ملنے لگی تو دنیا جہنم بن جائے گی۔ بری ہوں بے ضمیر نہیں۔" عورت نے سر کے خم سے سمجھ جانے کا اشارہ کیا اور روتی، بلکتی باہر نکل گئی۔ وہ دونوں چلی گئیں تو کوئی اور آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا نہ اجازت مانگی۔ آہٹ پہ جوڑے والی لڑکی نے مڑ کر دیکھا تو اس کے لب ہلکے سے وا رہ گئے۔ آنکھیں پھیل گئیں۔ اور چہرے پہ ایک الوہی چمک آئی۔ وہ چمک وہ مسکراہٹ بے اختیار تھی۔

"زبرج تم؟ اوہ مرے خدایا . . . . تم یہاں؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سرمئی تھری پیس میں ملبوس، گہری بھوری آنکھوں والا آدمی مسکرایا۔ سادہ مسکراہٹ، ایسی مسکراہٹ جو کلفتیں غائب کر دے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے برابر کھڑے تھے۔

”ایکٹیوسٹ activistصاحب کو یہاں گواہی دینے بلایا گیاہے۔پھر سوچا تم سے ملتا جاؤں۔کیسی ہو؟“وہ مسکرا کر بولا،پھراسکے ساتھ آگے بڑھ آیا۔کرسی سنبھال کر بیٹھا۔

”ہم تین سال بعد مل رہے ہیں ویسے۔کام کیسا جا رہا ہے۔“وہ گھوم کر آئی اپنی کرسی پہ بیٹھی۔پوری توجہ سے اسے دیکھا۔

”ٹھیک جا رہا ہے۔دنیاسے ظلم،و بربریت کا علاج مشکل ہے۔تم بتاؤ مجرموں کا علاج کیسا ہے؟ “

”بس گزارا ہو رہا ہے۔“اس نے دانستہ موضوع بدلنا چاہا۔زبرج نے بھی زور نہیں دیا۔”زلطان اور حسن کیسے ہیں؟بات ہی نہیں ہوتی۔“

”میری بھی بات نہیں ہوئی۔ it's been nine months" زبرج نے کہا۔

”حسن سے اب بھی نہیں ہوئی؟“زخرف کے سوال پہ وہ تھم گیا۔آخری فون کال یاد آئی۔وہ جھگڑا یاد آیا۔حسن اسکے پاس کچھ غلط فہمیاں لے کر آیا تھا اور بدلے میں بدگمانیاں لئے چلا گیا۔

”مجھے اسکی شکل بھی نہیں دیکھنی۔“وہ سخت لہجے میں بولا۔”اسے لگتا ہے اسکے پاس پیسہ ہے تو کسی کو کچھ بھی کہہ سکتا؟

”وہ ایسا نہیں ہے زبرج۔“

”اور اگر میں کہوں شادان ایسا نہیں ہے تو تم اپنے اختلاف اس سے ختم کرلو گی؟“

وہ خاموش رہی۔کچھ دیر کے لئے ان دونوں کو سمجھ نہ آیا اب کیا کہا جائے۔ان دونوں نے گہری سانس لی،دہر کے چکر نے انہیں گھمایا اور کئی باب کھلے،انکی آنکھیں دن میں خواب دیکھنے لگیں۔

کالج میں انکا پہلا دن تھا۔وسیع و عریض رقبے پہ پھیلی گھاس کے قطعے پہ کھڑی قدیم اور عالیشان عمارت کالج آنے والوں کا دل موہ لیتی تھی۔کالج کے طویل دورے کو ملتوی کئے سن گن لیتے ہوئے آؤ تو گراؤنڈ کے ایک کونے میں ایک لڑکا سر جھکائے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پہ زخم کے نشان تھے۔قریب سے گزرتے شادان اور زلطان اسے دیکھ کر رکے تھے۔وہ چہرے سے پاکستانی یا بھارتی لگتا تھا۔ساتھ چھوٹے بالوں والی صحت مند لڑکی بیٹھی تھی۔اسکی سرمئی آنکھوں میں خفگی کا تاثر تھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا زبرج ان سے پنگا مت لو،وہ دس ہیں اور تم ایک۔میرا کیا ہے میں بس ماما کے آنے کا ویٹ کر رہی تھی۔پھر ان bullies کے ساتھ وہ ہوتا کہ دنیا یاد رکھتی۔"وہ اس کا زخم اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے ڈپٹ رہی تھی۔اسکے بھرے بھرے ہاتھ دوا لگانا تک نہیں جانتے تھے۔شادان اور زلطان ان دونوں کو کلاس فیلو کی حیثیت سے جانتے تھے مگر آج غیرت جوش میں آگئی تھی۔زبرج اور زخرف کے پاس وہ دونوں رک گئے تھے۔

"وہ جیک اور اس کا بھائی تمہیں بھی بلی کرتے ہیں؟"شادان کے ڈائریکٹ سوال پہ زخرف نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔اسکی آنکھوں میں شناسائی ابھری۔

"صرف مجھے ہی نہیں ہر بھارتی اور پاکستانی کو بُلی کرتے ہیں۔یہ تمہارا دوست جو منہ میں دہی جما کر کھڑا ہے،سب جانتا تو ہے۔"اس نے انگلی اٹھا کر زلطان کی طرف اشارہ کیا۔وہ مسکرایا۔اسے یہ لڑکی ہمیشہ سے اچھی ہی لگی تھی۔آج وہ اسے مخاطب کر رہی تھی۔"ویسے تو بڑے بنتے ہو تم دونوں ہم وطنوں کا کوئی خیال ہے کہ نہیں؟"

"بدلہ چاہیے،یا معافی؟"اب کے زلطان کی طرف سے پوچھا گیا تھا۔زبرج اور زخرف چند پل اسے دیکھتے رہے۔آنکھیں یکدم مشترکہ رنگ میں چمکیں۔پھر یک زبان ہو کر کہا۔

"بدلہ۔"

اور پھر پورے کالج نے اگلے دن ایک منظر دیکھا تھا۔جیک اور اس کا گروپ چہرے پہ زخم کے نشان لئے ہر سٹوڈنٹ سے معافی مانگ رہے تھے۔سننے میں آیا تھا کہ کل رات چار نقاب پوش آئے تھے جیک اور اس کے ساتھی شراب کے نشے میں دھت تھے،اسی پل ان چاروں نے ہاکی اور بلے مار مار کر انکا حشر بگاڑ دیا تھا۔کالج نے ایک اور منظر بھی دیکھا جس میں چار لوگ ایک قطار میں کھڑے تھے۔عقب میں کالج کی عمارت تھی۔

زبرج،زلطان،شادان اور زخرف۔بازو سینے پہ بندھے تھے اور آنکھوں میں شیطانی لئے وہ جیک کے گروپ کو دیکھ رہے تھے۔ہاتھ ایک دوسرے کے کندھے پہ جما رکھے تھے۔اور گردن فخر سے اکڑی تھی۔

"کیا آج سے ہم سب دوست ہیں؟"زبرج کی نظریں اب بھی دور جمی تھیں۔شادان نے اس کے کندھے پہ بازو پھیلایا۔

"آج سے ہم خاندان ہیں،کرائم پارٹنر ہیں اور،راز دار ہیں۔"

سب متفق تھے۔سب خوش تھے۔ایک خاندان پاکستان میں چھوڑنے پہ انہیں دوسرا خاندان اس دیار غیر میں ملے گا انہیں اندازہ نہ تھا۔اس روز سے ان چار لوگوں کی دوستی کو آدھا کالج جاننے لگا تھا۔وہ ساتھ کھاتے،لڑتے،مار کھاتے۔مارتے۔اور ضرورت پڑنے پہ بنک کرتے۔کلاس سے باہر نکال دیئے جانا تو انکے لئے بڑی بات تھی ہی نہیں۔وہ عجیب اور خوبصورت دور تھا۔مگر افسوس کہ گزر چکا تھا۔

حال میں وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔پانچ منٹ کے دوران سب باتیں ہو گئی تھیں۔زبرج نے لندن میں پڑھائی کے دوران ہی شادی کر لی تھی ایک بیٹا تھا اور اب اسکی بیوی علیحدگی چاہتی تھی۔زخرف کو سن کر دکھ ہوا۔زخرف کی منگنی ٹوٹ گئی تھی۔اور اب وہ کسی دوسرے لڑکے سے شادی کر رہی تھی۔حال احوال ہو گیا تھا تھا۔اب شکوے تھے،جو کرنے چاہئے تھے مگر وہ دونوں لب سیئے بیٹھے رہے۔کافی دیر تک ایک آکورڈ سی خاموشی رہی۔زبرج جانے کو اٹھا تو وہ اسے پکار بیٹھی۔

"کہیں ملنے کا پروگرام بنائیں؟" زبرج ٹھہر گیا۔کیا وہ مل سکتے تھے۔کیا انہیں ملنا چاہئے؟کیا کچھ باقی تھا جس کے لیئے ملا جائے۔؟اسکے پاس واقعی جواب نہیں تھا۔وہ چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔لا جواب سا۔

باب دہر کے کھلنے سے ایک ہفتہ قبل۔

اسلام آباد، پاکستان۔

وقت دوپہر ساڑھے تین بجے۔

اسلام آباد کے ایک پوش علاقے میں کھڑا عالیشان مینشن سارے میں اپنی دھاک بٹھائے ہوئے تھا۔سفید سنہری رنگ کا یہ مینشن کسی سلطنت کا محل لگتا تھا۔وسیع و عریض گھاس کا قطعہ پار کرتے،ملازمین کی فوج کو ایک نظر دیکھتے،عالی شان سجاوٹی سامان سے آنکھوں کو خیرہ کرتے اندر آؤ تو ڈائننگ ہال میں لگی میز کے گرد دو لوگ بیٹھے تھے۔

سربراہی کرسی پہ سفید شلوار قمیض کے اوپر کریم کلر کا کوٹ پہنے،ہاتھ میں مہنگی گھڑی اور بالوں کو سلیقے سے سجائے زلطان صفدر بیٹھا تھا۔گزرے وقت نے اسے زیادہ نہیں بدلا تھا۔بس چہرے پہ سنجیدگی چھاگئی تھی اور ذات کا وقار بڑھ گیا تھا۔اس کے دائیں طرف،سیاہ ڈریس شرٹ کے ساتھ سرمئی دھاری دار پینٹ والا حسن سلطان بیٹھا تھا۔انتیس کے ہندسے کو چھوتا مرد ،بردبار اور سنجیدہ

تھا۔وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ہر تھوڑی دیر بعد وہ کسی بات کو شروع بھی کر دیتے تھے۔آج کھانے پہ خاموشی تھی۔حسن کو یاد آیا کبھی کسی دور میں وہ کھانے پہ لڑا کرتے تھے۔اسکی آنکھوں نے ماضی کا سفر کیا اور ایک واقعہ اسکی یادداشت کا حصہ بنا۔

کالج کے کینٹین میں بیٹھے ہوئے ان کے سامنے پزا رکھا تھا۔شادان بڑی سنجیدگی سے نائف ہاتھ میں لئے ہر ایک کے لئے برابر پیس کاٹ رہا تھا۔

"میرا پیس چھوٹا ہے۔پچھلے پزا سے بھی مجھے دو سلائس ملے تھے۔"حسن نے شکایت کی۔

"سلائس کم ملے کیونکہ تم ہر دفع شیئر بھی کم دیتے ہو۔"خاموش بیٹھا زبرج بولا،پھر غور سے شادان کو سلائس کاٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔کہیں اس کے حصے کا سلائس چھوٹا نہ ہو جائے۔ہر ایک کو سلائس مل چکے،حسن کا حصہ کم تھا۔اس نے للچائی نظروں سے شادان کو دیکھا۔

"میں نے سنا تھا جامشورو کے لوگ بہت سخی ہوتے ہیں۔ویسے اپنا پزا چکھانا ذرا۔"شادان کا چلتا منہ رک گیا۔بات اس کے شہر پہ آگئی تھی۔اس نے پزا کا سلائس حسن کے منہ کے قریب کیا۔آنکھوں میں انجانا خوف تھا۔

"وہ دیکھو امینڈا آگئی۔"حسن کے اشارے پہ اس نے مڑ کر دیکھا،اور اسی لمحے حسن سلطان نے پزا کا سارا سلائس اس کے ہاتھ سے لے کر منہ میں بھر لیا۔شادان صدمے سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔باقی سب بھی اسکی پھرتیوں پہ حیران تھے۔

"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جامشورو والے اپنا کھانا کھا جانے والوں کی ہڈی پسلی ایک نہیں کرتے۔" وہ بھرے بھرے منہ سے بولا۔شادان اب کسی بھی وقت رو سکتا تھا۔بات دوبارہ اسکے شہر پہ آگئی تھی۔

حال میں حسن بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر چپ تھا۔زلطان اس کے کہنے کا منتظر۔گزرے وقتوں نے ان پانچوں کے درمیان بہت کچھ بدل دیا تھا۔حسن نے ایک لڑی کی طرح ان چاروں کو جوڑے رکھنا چاہا تھا، مگر وہ تھک چکا تھا۔بابا نے اسے کہا تھا دوستوں پہ ایفرٹس کرتے ہیں، مگر وہ بد گمانیوں کا کیا کرے۔؟زلطان نے کھانا کھاتے ہوئے سر اٹھایا، حسن کے بازو پہ بندھے پلستر کو دیکھا۔حسن ایک ہائی پروفائل کیس لڑ رہا تھا،کئی دھمکیوں کے بعد بھی جب وہ باز نہ ہی آیا تو ڈیمو کے طور پہ اسے بازو پہ گولی ماری گئی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا، تمہیں تھوڑا محتاط رہنا چاہیے۔"زلطان نے اس کے بازو کی طرف اشارہ کیا۔حسن نے ہاتھ جھلایا۔اور گلاس ہاتھ میں اٹھا لیا۔دو گھونٹ بھرے پھر واپس رکھا اور کانٹا اٹھا لیا۔

"یہ ہماری خاندانی روایت ہے، جاب کے دوران جب تک گولیاں نہ کھائیں، تنخواہ ہضم نہیں ہوتی۔"اس نے بات کو ہوا میں اڑایا۔اس کے بہنوئی نے بھی تو ایسی ہی گولیاں کھائیں تھیں۔ہائے بیچارہ۔

”حسن . . . . “اس نے سنجیدگی سے پکارا۔”میں کہہ رہا ہوں محتاط رہو۔جو کام تم کر رہے ہو،وہاں خطرہ ہے۔اس کیس کو چھوڑ دو۔تمہارا بہنوئی مسائل سے نکل سکتا تھا،تم اس کے جیسے نہیں ہو۔تمہارا باپ مختلف انسان تھا تمھارے پاس انکے جتنے تعلقات نہیں۔“حسن نے کانٹا رکھا،اسکے چہرے کو غور سے دیکھا۔

”ہم ڈیڑھ سال بعد مل رہے ہیں۔مجھے لگا تم نے اپنے "دوست" کو بلایا ہے۔لیکن تم نے بیرسٹر حسن سلطان کو بلایا ہے تو لیٹ می ٹیل یو ون تھنگ،جن لوگوں نے تمہیں مجھے وارن کرنے بھیجا ہے،ان سے کہنا حسن سلطان موت سے نہیں ڈرتا۔نہ سولہ سال کی عمر میں ڈرا تھا نہ انتیس کی۔“اس نے دو ٹوک انداز میں کہا،اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر بیٹھا۔

”میں نے کھانے سے تو نہیں روکا حسن، کھانا کھاؤ۔“سیاست نے اس کے اندر ایک چیز کو کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔اور وہ تھا اپنے جذبات قابو کرنا، تاثرات سپاٹ رکھنا۔آگ لگا دینے والی بات پہ برف کی طرح ٹھنڈا رہنا۔

”نہیں کھانا مجھے۔بھر گیا میرا پیٹ۔“بے زاری سے کہا۔اور نیکپن سے لب تھپتھپائے۔

”جب ہم پہلی بار ملے تھے،تب تم ایسے نہیں تھے حسن۔“سنجیدہ تبصرہ۔

”ہم میں پہلے جیسا کچھ رہا ہے کیا؟“وہ تندہی سے بولا۔”حملہ صرف مجھ پہ نہیں ہوا دو ہفتے پہلے شادان کی گاڑی پہ بھی گولیاں چلائی گئی تھیں۔“

”لیکن وہ زندہ ہے، زخمی بھی نہیں، آج شو بھی کیا ہے۔اچھا لگ رہا تھا وزن بڑھایا ہے اس نے؟“زلطان سکون سے بولا۔

”زبرج جس اینجیو میں کام کرتا تھا،وہ دیوالیہ ہو کر بھاگ گئی ہے۔زبرج کا ڈریم پراجیکٹ ادھورا رہ گیا ہے،دو سال سے اسکی نوکری چھوٹ گئی ہے۔وہ دو ہفتوں سے تھیراپی سیشنز لے رہاہے۔“

”therapy heals“

دو لفظی تبصرہ۔سارا دھیان کھانے پہ۔

”زخرف کے باپ کے قاتل اسے بھی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ۔۔“

”زخرف ٹھیک ہے؟“وہ حسن کی بات کاٹ کربولا۔۔ایک لمحے کو،بس ایک لمحے کو وہ دس سال پہلے والا زلطان لگا تھا۔اس کی آنکھوں میں سارے جہاں کی فکر تھی۔وہ اپنی آنکھوں کا حال نہیں چھپا سکتا تھا۔۔حسن نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

”ہم کون ہیں زلطان؟ہم کیا بن گئے ہیں کبھی سوچا ہے؟ہم سب کے درمیان اتنی دوریاں کیوں آگئی ہیں؟“زلطان نے پہلو بدلا۔”ہم ایسے نہیں تھے۔ایک دہر تھا جس میں ہم ۔۔“

”پلیز حسن میں اس وقت تمہارا لیکچر نہیں سن سکتا۔ہر وقت مجھے ہی کیوں سناتے رہتے ہو۔کبھی کسی اور دوست سے کیوں کچھ نہیں کہتے؟“

”میں تم سب کے درمیان آیا تھا۔اور میں ہمیشہ تم سب کے درمیان آؤں گا۔دہر کا چکر بدل چکا ہے۔مگر حسن سلطان آج بھی ویسا ہی ہے۔“

”کاش تم ہم سب کے درمیان نہ آئے ہوتے۔“زلطان بڑبڑایا۔اور اپنی پلیٹ پہ جھک گیا۔ہاں مگر کھانے سے ذائقہ رفع ہو چکا تھا۔حسن اسے دیکھتا رہا،دیکھتا رہا یہاں تک کہ مناظر بدل گئے۔

باب دہر نے اپنے پٹ جدا کئے اور دس سال پرانا بھولا بسرا منظر ہماری آنکھوں کے آگے ہے۔

لندن میں ہر قسم کے کھانے دستیاب ہیں۔مگر ان پزا برگر,اور باقی ہر قسم کے فاسٹ فوڈ کو چھوڑ نہاری،کڑاہی،پائے،نان چنے،پالک گوشت بریانی کھانے کا جی چاہے تو کیا لندن آپ کو مایوس کرے گا؟اونہوں۔لندن مہمانوں کو مایوس نہیں کرتا۔

لندن اور اس کے مضافات میں کئی دیسی ریستوران ہیں۔جہاں خالص،دیسی مرچ مسالحوں والے کھانے دستیاب ہیں۔ایسے ہی ایک ریستوران میں چپکے سے قدم رکھو تو ایک گول میز کی گرد چار کرسیاں رکھی تھیں۔جن پہ چار لوگ بیٹھے تھے۔چاروں نے اسکول یونیفارم پہن رکھا تھا،گلے کی ٹائی میز پہ رکھی تھیں۔جن سے وہ چاروں وقتاً فوقتاً اپنے ہاتھ صاف کرتے تھے۔سٹوڈنٹ کارڈز بھی اسی میز پہ خوار ہو رہے تھے۔میز کی طرف نظر اٹھاؤ تو پراٹھے، نان چنے،سادہ
چپاتی،قورمہ،بریانی،آلو گوشت،آلو کی بُجھیا رکھی تھی۔

ساتھ لسی کے بڑے بڑے چاندی کے گلاس۔انگریزی لباس پہنے دیسی کھانا کھاتے وہ چاروں کوئی اور ہی مخلوق لگتے تھے۔انگلیوں پہ لگے سالن کو انگلیوں سے چاٹ لیتے تھے،اور ایک دوسرے سے

زیادہ کھا لینے کے لئے زیادہ سے زیادہ کھانا اپنی پلیٹ میں نکال تے تھے۔ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی پلیٹ بھی بھرتے جاتے تھے۔ان چاروں سے ذرا فاصلے پہ رکھی میز پہ ایک سیاہ آنکھوں والا لڑکا بیٹھا تھا۔

گلاس وال کے پار آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے،وہ تمیز اور تہذیب سے پراٹھا اور انڈا کھا رہا تھا۔بے اختیار اسے اپنے بہنوئی کے بنائے کشمیری پراٹھے یاد آئے۔کمبخت منہ سے زہر اگلتا تھا مگر ہاتھوں سے شاہکار بناتا تھا۔اسے یاد کر کے وہ مسکرایا۔حسن سلطان یونہی بیٹھے بیٹھے ایک ذرا کی ذرا نظر اپنےسے فاصلے پہ بیٹھے ان چار لوگوں پہ بھی ڈال لیتا تھا۔ان میں سے دو لوگوں کو وہ جانتا تھا۔ایک زلطان،کیونکہ صفدر حسین صاحب سے اس کے باپ معراج سلطان کی اچھی خاصی دوستی رہی تھی۔اور دوسری زخرف۔جس کی ماں سے حسن کی بہن کے اچھے خاصے تعلقات تھے۔ایلیٹ کلاس کی فیشن آئکنس۔وہ اٹھ کر انکے پاس نہیں گیا۔یہ اسکا انداز نہیں تھا۔

"مجھے تو لگا تھا تم پیسے لائے ہوگے،یہ کیا طریقہ ہے؟"آواز پہ اس نے گردن موڑی۔شادان حسب توقع بھڑک رہا تھا۔بھاری بھرکم سی پاکستانی مالکن ان چاروں کو خون آشام نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

"شادان پچھلے ہفتے بھی میں نے بل دیا،اور مجھے لگا آج تم سب ہو یہاں تو مجھے کیا ضرورت ہے والٹ لانے کی؟"زلطان کا چہرہ مارے شرمندگی کے سرخ پڑ رہا تھا۔زخرف کا بس نہ چلتا تھا کہ

کسی کونے میں چھپ جائے۔کسی کو اگر فرق نہیں پڑتا تھا تو وہ زبرج تھا۔اگر اسے کہہ دیتے کہ چلو تم نے برتن دھونے ہیں،وہ ہنسی خوشی پیا دیس چلا جاتا۔

”تم لوگ پیسے لائے ہو یا نہیں اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔مجھے میرے پیسے چاہیے ورنہ تم سب ابھی مجھے جانتے نہیں۔“مالکن کی آواز پہ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔**(چوتھا اس وقت باقی بچے کھانے کے ساتھ انصاف کرنے لگا تھا۔آہ پلیٹ خالی کرنا کب سیکھیں گے اسکے دوست۔)**

”کتنے پیسے ہوئے؟“حسن سلطان اپنی میز سے اٹھ آیا تھا۔کسی قسم کے دکھاوے کے لئے نہیں،ہاں البتہ سکھائے گئے آداب کے لئے۔

عورت اب اسے پیسے بتا رہی تھی۔حسن کا منہ باقاعدہ کھلا تھا۔دس سے بارہ لوگوں کا کھانا وہ چار لوگ کیسے کھا گئے تھے؟اس نے والٹ سے پیسے نکال کر عورت کی طرف بڑھائے،جب شادان نے انڈین سوپ سیریل کے فلاپ ہیرو کی طرح اپنا ہاتھ بیچ میں لایا۔آس پاس بنا آواز کے دھوم دھوم تنا نا نا دھیرنا دھیرنا بجنے لگا تھا۔کیمرہ مین کا بجٹ نہیں تھا ورنہ”شف شف“کی آواز کے ساتھ ایک ایک کردار کا چہرہ بھی دکھایا جاتا۔

”تم ہمارے باپ لگتے ہو جو بل پے کرو گے؟“باقی تینوں نے برا منایا۔بھلا ان کے باپ کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔

"اگر میری اولاد تم چاروں جیسی ہوتی تو اپنی بیوی پہ کیس کر دیتا۔اور خود کتا مار پی کر مر جاتا۔"

"چوہا مار نہیں ہوتا؟"زبرج پلیٹ سے چہرہ اٹھا کر پہلی بار بولا۔حسن نے مڑ کر اسے دیکھا۔آنکھوں میں تمسخر تھا۔

"تمھیں لگتا ہے تم چاروں جیسی اولاد کے بعد صرف چوہا مار اثر کرے گا؟"

"آپس کی بات ہے کتا مار بھی اثر نہیں کرے گا ہاں مگر ایک ہیڈ شاٹ . . . . ."زبرج کی چلتی زبان باقی تین کی گھوریوں پہ رک گئی تھی۔اسکا علاج تو وہ ہاسٹل جا کر کریں گے۔

"یہ حسن سلطان ہے۔بابا کے دوست کا بیٹا۔"زلطان نے ان تینوں سے حسن کا تعارف کروایا۔پھر حسن کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔"بابا نے مجھے تم سے ملنے کا کہا تھا۔آئی ایم سوری میں وقت نہیں نکال سکا۔"حسن نے اسکا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما،زخرف نے اسے ہلکی آواز میں ہائے کہا۔اور شادان کے دل پہ دوستوں کی یہ پرانی سنگت آئے ،ہائے کی طرح لگی تھی۔پیسے دے کر حسن واپس اپنی میز کی طرف جانے لگا۔جب زلطان نے اسے روک لیا۔

"ہم پرسوں تھیٹر جا رہے ہیں۔تم بھی جوائن کرو ناں۔ہمیں ملتے رہنا چاہیے۔"حسن سے مل کر اسے واقعی اچھا لگا تھا۔اور زلطان صفدر اچھے لوگوں کو اپنے پاس save کر لیا کرتا تھا۔

"اگر یہ تھیٹر آیا تو میں اپنی نس کاٹ لوں گا۔"اپنے دوستوں کے بڑھتے ہوئے التفات دیکھ شادان کو غصہ چڑھا۔سب نے ٹھہر کر ایک نظر اسے دیکھا۔پھر زخرف نے اسکی کلائی پکڑی۔

"یہاں سے کاٹنا یہاں سے۔"وہ انگلی سے اسکی کلائی پہ نشاندہی کر رہی تھی۔"یہاں سے کٹ گئی تو زندگی کا کوئی امکان نہیں بچے گا انشااللہ۔"

شادان نے صدمے سے اسے دیکھا، پھر باقی دوستوں کو۔"یعنی میں واقعی نس کاٹ لوں؟"

"ویسے تو تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن اگر یہی تمہارا آخری فیصلہ ہے تو میں دوستوں کے فیصلے کی عزت کرتا ہوں۔" زلطان نے اسکا کندھا تھپکا۔

"اور اگر ہو سکے تو اپنی ڈینم جیکٹ مجھے دے دینا۔"اسے" میں اس جیکٹ میں اچھا لگتا ہوں۔"زبرج کی فرمائش۔

زلطان صفدر نے سر جھٹکا اور پھر حسن کو دیکھا۔وہ انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"میرے پاس تمہارا نمبر ہے، ایڈریس بھیج دوں گا۔"زلطان خوشدلی سے بولا۔

"آج تم نے پے کیا ہے، تھیٹر کے لئے پاپ کارن اور کافی میں لے آؤں گا۔"زبرج کی شاہ خرچی۔

"تم سے مل کر بہت اچھا لگا حسن۔"زخرف مسکرا کر بولی۔شادان اب بھی اسے قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔حسن اپنی میز کی طرف جاتے جاتے رکا،مڑ کر اسے دیکھا۔انکھوں میں شیطانی چمک تھی۔

”باقی تینوں کا بل بھر دیا ہے، مگر تم پہ یہ فیور ادھار رہا۔کیونکہ میں تمہارا باپ نہیں،اور نہ ہی مجھ پہ تمہاری نس کاٹنے کی دھمکی اثر کرے گی۔“

شادان کا بس نہ چلتا تھا،وقت کو پیچھے لے جائے اور اس ریستوران آنے پہ لعنت بھیجے۔اس دن کے بعد بہت کچھ بدل گیا تھا۔ان چار لوگوں میں پانچویں کا کا اضافہ ہوگیا۔تھیٹر کے ٹکٹس پانچ ہو گئے، میٹرو کی سیٹس پانچ ہو گئیں،کافی کے کپ پانچ،پزا کی ٹکڑے پانچ ہوتے تھے۔ادھار مانگنے کے لئے ایک فرد بڑھ گیا تھا۔پلان میں حصے بٹ گئے۔کپڑے مانگنے کے لئے ایک اور وارڈروب بڑھ گئی۔خاندان میں ایک فرد کا اضافہ ہوگیا تھا۔

”کیا کہتے ہو حسن کو کال کر لیں؟“زخرف کی بات پہ دروازہ پار کرتا زبرج تھم گیا۔آہستگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔آنکھوں میں تاریکی تھی۔زخرف کی آنکھوں میں امید۔

"ہمارا ایونٹ آرگنائزر تو شادان ہوا کرتا تھا ناں؟“زبرج کی یاددہانی پہ زخرف کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔تلخی سے سر جھٹکتے ہوئے اس نے حسن کو ویڈیو کال ملا لی۔یہاں سے دور ڈائننگ ہال میں بیٹھے حسن سلطان کا موبائل بجا۔ایک سرسری نگاہ موبائل پہ ڈالتے ہوئے وہ بے اختیار چونک گیا تھا۔جلدی جلدی کال اٹینڈ کی۔زلطان جو پاس کھڑے ملازم سے کچھ کہہ رہا تھا،اس نے جونہی گردن موڑی حسن کے موبائل کی سکرین پہ اسے ایک چہرہ نظر آیا۔

وہ تھم گیا۔ ہر آہٹ تھم گئی۔ ہر آواز تھم گئی۔ اسکے قدموں کے نیچے زمین ساکن ہو گئی۔ ایک پل کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا تھا۔ اگر اس کے دل پہ ہاتھ رکھ کر دیکھو تو وہ بھی تھما تھا۔ اسکی آنکھوں کی چمک واپس آ گئی تھی۔ وہ چمک جو بس ان سرمئی آنکھوں کو دیکھ کر آتی تھی۔

"کیسے ہو حسن؟ لانگ ٹائم نو سی۔" زخرف مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مگر اسی پل اسکی نظر زلطان پہ پڑی۔ سارے الفاظ بھول گئے۔ سارے چہرے ایک دم سے غائب ہوئے کچھ دکھائی دیا تو بس زلطان۔ اور اس وقت اگر وہ کچھ نہیں دیکھنا چاہتی تھی تو وہ بھی تھا زلطان۔

"کیسی ہو زخرف؟" وہ سنبھل کر بولا۔ با دقت سانس لی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟" اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیرا بال درست کیئے۔ وہ نروس ہوئی۔

"تم کیسے ہو زبرج؟" اب وہ چوکھٹے میں ابھرنے والے دوسرے چہرے سے پوچھ رہا تھا۔

حال احوال کے بعد ان سب کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ بس حسن تھا جو کچھ کہنے کی کوشش کرتا تھا۔ زبرج خاموشی سے بیٹھا تھا۔ جب حسن نے ہی کہنا شروع کیا۔

"میں شادان کو بھی کال پہ لا رہا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے ایک اور کال ملائی۔ کوسوں دور اپنے کمرے میں بالکنی کی ریلنگ پہ ہاتھ جمائے کھڑے شادان کا فون بجا تو وہ خیالوں کی رو سے باہر آیا۔ پینٹ کی پاکٹ سے موبائل نکال کر اس نے نمبر دیکھا تو اسے اچھنبا سا ہوا۔ وہ دونوں تو اچھے ٹرمز پہ نہیں تھے پھر یہ کال؟

گہری سانس بھرتے کال اٹینڈ کرتے ہوئے وہ سنگل صوفے پہ آ بیٹھا۔ سکرین کے چوکھٹے میں اسے چار لوگ نظر آئے۔ خوشی ہونے کے بجائے اس کے چہرے پہ طنز تھا۔ ہزار باتیں تھیں، ہزار طنز ہزار گلے شکوے تھے۔ اس نے دل میں رکھے اور دل ہی دل کڑھتا رہا۔

"میرا خیال تھا کہ ہم مل لیں۔ ہم سب . . . . چند دن کا ناردرن ایریاز کا ٹور کیسا رہے گا؟" زخرف نے ایک بار پھر کچھ کہنا چاہا۔

"میں مصروف ہوں۔" زلطان بولا۔

"ایک دن کے لئے اندرون لاہور کی سیر؟ شادان تمھارے لئے تو گولڈن چانس ہے۔ دیسی کھانوں کے بہت شوقین تھے تم۔" حسن بولا۔

"وقت گزر گیا، شوق بدل گیا۔ جو تھا وہ ماضی میں ہی رہ گیا۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔ زخرف کی رنگت بجھنے لگی۔ اسے ان لوگوں کو یوں اچانک کال نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"ماضی کی راکھ پھیلاؤ ذرا کیا معلوم کچھ نکل آئے۔ کوئی شوق، کوئی گلہ؟ کوئی کارنامہ؟" زلطان کا بس نہ چلتا تھا اسکی گردن تک اپنے ہاتھ لے جائے۔

"قصہ تو حال کا بھی کوئی مختلف نہیں ہے۔ لوگ کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں، اور بتاتے کچھ ہیں۔" ان دونوں کے درمیان حالات سنگین ہونے لگے تھے۔ حسن بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا۔ کاش اس کے بس میں ہوتا تو وہ باب دہر کھولتا، دس سال پیچھے سفر کرتا اور وہاں اس ریستو

ران میں بیٹھے ان چار لوگوں کو نظر انداز کر کے چلا جاتا۔ہک ہاہ دہر کے پٹ بند ہو چکے تھے۔اب جو تھا یہی تھا۔

”ہم ویک اینڈ پہ ملیں گے۔“زبرج سارے وقت میں پہلی بار بولا تھا۔”کیفے ونگ چارم۔شام سات بجے۔“

ہر کوئی انکار کر سکتا تھا۔مگر اس کے لئے بولنا پڑتا ہے،اور یہاں موجود ان پانچ لوگوں نے بولنا خود پہ حرام کر رکھا تھا۔انہیں کڑھنا آتا تھا،رنجشیں پالنی آتی تھیں۔بغض رکھنا آتا تھا۔

”میں زیادہ وقت نہیں دے پاؤں گا،ہاں مگر آدھے گھنٹے کے لئے آ سکتا ہوں۔“شادان کی بات پہ کوئی کچھ نہ بولا۔بس سر اثبات میں ہلادیئے گئے۔ہر کوئی راضی تھا۔آدھے گھنٹے کی ملاقات کر ہی کیا لے گی؟

اس وقت وہ پانچ نفوس یہ نہیں جانتے تھے کہ آدھا گھنٹہ انکی زندگی کے چکر پورے بدلنے والا تھا۔وہ نہیں جانتے تھے یہ آدھا گھنٹہ دہر کے اس باب کو کھول دے گا جسے وہ چاہ کر بھی بند نہیں کر پائیں گے۔بس ایک آدھا گھنٹہ۔صرف ایک آدھا گھنٹہ۔

”دو دن بعد۔“

سات جنوری۔

"باب دہر کے کھلنے سے چند گھنٹے قبل۔"

سیاہ رنگ کی لمبی لینڈ کروزر کے چمچماتے شیشوں میں اس شاہراہ کے ہر کیفے، شاپ، ریستو ران کا عکس بن اور مٹ رہا تھا۔ گاڑی کے اندر ڈرائیونگ سیٹ پہ سید شادان شاہ براجمان تھا۔ گندمی رنگت ہلکی سی دھوپ پڑنے پہ دمک رہی تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل تھامے ہوئے اسکے ہاتھ کی کلائی میں بندھی گھڑی ذرا سی ڈھیلی تھی۔ اسے کلائی قید کرنا پسند نہیں تھا۔ مگر مہنگے سامان اپنے وجود پہ بے حد پسند تھے سو جہاں سے ملتی جتنی ملتی وہ uniqueness چرا لیا کرتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسکا موبائل بجنے لگا۔ "**اماں کالنگ**" سکرین پہ جگمگاتے الفاظ دیکھ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ مسکرانے پہ اسکے ایک گال میں گڑھا بنتا تھا۔ کال اٹینڈ کرکے موبائل گاڑی کے اسپیکر کے ساتھ جوڑ دیا۔ جس میں سے اب کسی کی خفا خفا سی آواز گونجنے لگی۔

"بے غیرت دل تا کرے تی توکھے جوتا ہنڑاں، سو گنڑاں ہِک۔ (**بے غیرت دل کرتا ہے تمہیں سو جوتے ماروں اور گنوں ایک۔**)" وہ کوئی ادھیڑ عمر نسوانی آواز تھی۔ نہ حال نہ احوال سیدھا جھاڑ۔

"موکھے پہلے ہی خبر ہوئی، توہاں نجی گنتی خراب آ۔ (**مجھے پہلے ہی پتہ تھا آپ کی گنتی خراب ہے۔**)" وہ مزے سے بولا۔ دوسری طرف عورت مزید آگ بگولا ہو گئیں۔

"شادان . . تمہاری عمر میں میرے اور تمہارے ابا کے تین بچے تھے۔" انہوں نے جیسے اسے شرم دلانی چاہی ہو۔ "میں جب جب کال کے درمیان شادی کا ٹاپک چھیڑتی ہوں تم نیٹ ورک کا بہانہ کر دیتے ہو۔"

"شادی سے کس کمبخت کو انکار ہے اماں۔" وہ گاڑی چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"مسئلہ لڑکی کا ہے۔جب مل گئی کر لیں گے۔"لمبی مصروف شاہراہ پہ اب ایک کیفے کے سامنے وہ گاڑی روک چکا تھا۔دوسری طرف ایک پل کے لئے خاموشی چھا گئی۔شادان کے چہرے پہ بھی اب کچھ دیر پہلے والی جاذبیت نہیں رہی تھی۔کچھ تھا جو درمیان میں آ گیا تھا۔

"تین سال ہو گئے بچے اور کتنا عرصہ اسے ڈھونڈو گے؟" وہ سنبھل کر بولیں۔

"صرف تین سال ہی تو ہوئے ہیں اماں کم از کم تیس تو ہونے دیں۔اتنا جلدی اس پہ گو اپ کر دوں؟" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔اسکی آنکھیں نہ مسکرا سکیں۔دل کا ایک زخم سا تھا جو ایک بار پھر ادھڑ گیا تھا۔

"تیس سال لمبا عرصہ ہوتا ہے۔خود پہ اتنا ظلم نہ کرو۔"نرم سی تنبیہ۔شادان گاڑی سے اتر آیا موبائل کان سے لگائے اب وہ کیفے کا شیشے کا دروازہ پار کر رہا تھا۔ملٹری گرین رنگ کی شرٹ کے اوپر ڈینم جیکٹ اور اسکے ساتھ شرٹ کی ہم رنگ جینز پہنے مرد کا عکس شیشوں میں بن رہا تھا۔

"آپ نہیں سمجھ سکتیں اماں۔میں تیس سال اسکا انتظار تو کر سکتا ہوں مگر ان تیس سالوں کے پورے ہونے کے قبل کسی کو اپنا انتظار نہیں کروا سکتا۔" وہ آس پاس دیکھے بغیر چلتا ہی جا رہا تھا۔شاید وہ اپنی مطلوبہ میز ڈھونڈ رہا تھا۔

"اپسراؤں کی حصول میں جانے والے واپس نہیں آئے شادان۔"

"شکر ہے پھر میں ایک انسان کے پیچھے ہوں۔" وہ ڈھیٹ مسکرایا۔

”وہ نہیں ملے گی۔“اب کے انہوں نے کہہ ڈالا۔شادان کے دل پہ جیسے کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔اسکی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

”پھرایک بات سمجھ لیں۔اگر شادان کے لئے وہ نہیں تو پھر شادان کسی کے لئے نہیں۔“قطعی لہجے میں کہہ کر وہ زینے طے کرتا اوپر آیا اور بالکنی میں رکھی میز پہ آ بیٹھا۔یہاں دو میزوں کی جگہ تھی اور یہاں سے نظر آتا منظر بے حد خوبصورت تھا۔بالکنی کی گرل سے لٹکتی بیلیں اور دونوں طرف دیوار پہ لگے رنگ برنگے گملے اس جگہ کو ایک aesthetic سانظارہ دیتے تھے۔

”میں نے تمھارے لئے بہت اچھی لڑکی دیکھی ہے ایک بار اس سے مل تو لو۔“وہ مصر ہوئیں۔شادان مسکرایا۔.

”اماں یہاں نیٹ ورک کا مسئلہ آ رہا ہے،بعد میں بات کرتا ہوں۔“دوسری طرف اسکی ماں نے باقاعدہ اسے القابات سے نوازا ہوگا وہ جانتا تھا۔موبائل میز پہ رکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور آس پاس نظر دوڑائی۔اسکا پسندیدہ ویٹر اسی طرف آرہا تھا۔

جس جگہ وہ بیٹھا تھا وہاں دیوار پہ سبز بیلوں کے ساتھ رنگین چھوٹے چھوٹے گملے ٹنگے تھے۔جن میں کیکٹس کے پودے تھے۔گملوں کے اوپر اسٹکی نوٹس لگے تھے جن پہ مختلف عبارات لکھی تھیں۔

”اسپریسو ڈبل شاٹ رائٹ؟“ویٹر اسکے پاس کھڑے ہو کر مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔یا پھر بتا رہا تھا۔

”آج چائے پلا دو۔“وہ بڑی بے تکلفی سے بولا۔ساتھ ایک آس سے اسے دیکھا۔

"وہ دوبارہ آئی تھی کیا؟"آس اور امید کا ایک ٹمٹماتا دیا تھا جو اسکی آنکھوں میں جل بجھ رہا تھا۔

"وہ نہیں آئیں۔"بیرے نے مایوسی سے کہا۔

"آجائے گی۔"وہ ہنوز مسکراتا رہا۔مگر آنکھوں کی وہ چمک ماند پڑ گئی تھی۔

"جاؤ چائے لے آؤ۔"ساتھ اس نے جھک کر اسٹکی نوٹ پہ کچھ لکھا اور جب تک وہ چائے لے آیا تب تک وہ تین نوٹس تیار کر چکا تھا۔

"وہ آئے تو یہ اسے دے دینا۔"شادان نے وہ نوٹ اسکی طرف بڑھایا۔صرف وہی تھا جو اسکا راز دار تھا۔جس نے تین سال قبل اس لڑکی کو دیکھا تھا۔جو شادان کے انتظار کا گواہ تھا۔

چائے رکھ کر وہ وہیں کھڑا رہا تو شادان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔"کپ خالی کرنے تک یہیں رہو گے کیا؟"انداز میں سرد مہری نہیں تھی وہ بہت نارمل تھا۔بیرہ ذرا سا جھجھکا پھر بلا خر کہہ ڈالا۔

"تین سال ہو گئے سر۔تین سال بہت ہوتے ہیں۔"

"مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا کہ تین سال کتنا لمبا عرصہ تھا۔"اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔"وہ مل جائے گی۔آج نہیں تو کل۔تین سال بعد نہ سہی، تیس سال بعد سہی۔تیس سال بعد نہ سہی تو کسی اور جہاں میں۔"وہ پر یقین تھا کسی معجزے کے انتظار میں۔کسی باب دہر کے کھلنے کے انتظار میں۔وہ باب جس کے پار اسے وہ مل جائے گی۔کون؟جانتا ہے؟

آنکھیں موند کر وقت میں تین سال پیچھے سفر کرو،اس جدید تراش خراش کے کیفے سے چند چیزیں،لوگ،میز کم کرو اور جس میز پہ مستقبل کا شاداں بیٹھا تھا اسی میز کی طرف آؤ تو وہاں ایک لڑکی بیٹھی تھی۔

سرخ سپید رنگت،مناسب قد کاٹھ ،آنکھیں شہد رنگ تھیں۔۔ناک میں زیور تھا اور ہاتھ میں کانچ کی چوڑیاں۔ لباس بے حد عام سا تھا۔بڑے بڑے پائنچوں والے سرخ ٹراؤزر کے ساتھ ہم رنگ قمیص اور سر پہ سفید دوپٹہ لے رکھا تھا۔وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھی،بس واجبی سے نقوش تھے۔

"آپ مجھے رافع حیدر کے گھر میں ہونے والے ریڈ کے بارے میں کچھ تفصیل سے بتا سکتے ہیں؟"وہ اپنے سامنے بیٹھے ایک لڑکے سے پوچھ رہی تھی۔بیلوں والی دیوار کی دوسری طرف بیٹھے شاداں نے لڑکی کی آواز پہ اسے مڑ کر دیکھا تھا۔اسکی بوریت دور کرنے کا سامان مل چکا تھا۔

"آپ اس وقت وہاں رپورٹ کر رہے تھے ناں؟میرا ایک کریکٹر ہے۔وہ بھی اسی طرح ایک جگہ ریڈ میں شامل ہوتا ہے۔یعنی وہ نیب وغیرہ سے نہیں ہوتا وہ بس ایک عام سا رپوٹر ہوتا ہے اور ایک جگہ ریڈ میں شامل ہوجاتا ہے۔"وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بول رہی تھی۔اسکی ہر ہر حرکت کے ساتھ اسکی چوڑیاں ہلنے لگتیں اور شور سا پیدا ہوتا۔کافی پھینٹتے شاداں کے ہاتھ یکدم ساکت ہوئے۔وہ اس وقت صرف ان چوڑیوں کی آواز سننا چاہتا تھا۔

"تو مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ ریڈ سے ایک جرنلسٹ کا کیا تعلق؟ کیا میں اسے کسی طرح اس منظر میں فٹ کر سکتی ہوں؟" وہ از حد پریشان، ایکسائٹڈ، اور نروس نظر آتی تھی۔ لکھاریوں کے مسئلے یونو۔ لڑکا سوچ میں پڑا۔

"آپ نے اپنے کردار کو جرنلسٹ ہی کیوں رکھنا ہے؟ آپ ایسا کریں اسے پولیس میں بھرتی کر دیں۔" مشورہ دے کر وہ سینڈوچ کھانے لگا۔

"اب اپنے کردار میں آپ سے پوچھ کر ڈرافٹ کروں گی؟" وہ یکدم تنک کر بولی۔ شادان قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ لڑکی نے باقاعدہ گردن گھما کر ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ شادان نے ہاتھ اٹھا کر معذرت کی ہو جیسے۔ پھر چہرہ موڑ لیا۔ "اصل میں . . میں نے دو قسطیں شائع کر دی ہیں۔" اب کے وہ ذرا تحمل سے بولی۔ اسکے سامنے بیٹھا لڑکا اس کی بات سے زیادہ دلچسپی اسکے چہرے میں رکھتا تھا۔

"ان دو قسطوں میں ہیرو ایک جرنسلٹ ہے۔ اب ظاہر ہے میں یہ چیز بدل نہیں سکتی۔ اور میرے ہیرو کو اس ریڈ میں جانا ضروری ہے کیونکہ وہ وہاں جاتا ہے اور جس کے گھر میں ریڈ ہوتا ہے وہ افسر بعد میں اس سے اپنی سبکی کا انتقام لیتا ہے۔ اب آپ بتائیں آپ اس افسر کے گھر خود گئے تھے یا پھر یہ سیاسی پروٹوکول ہوتا ہے؟"

وہ سوال پوچھ کر اب دونوں ہاتھوں کو باہم ملائے جواب کی منتظر تھی۔اسد عابد نامی وہ صحافی نہایت سکون سے چاکلیٹ کوکیز کھا رہا تھا۔لڑکی سوچ چکی تھی اپنے ایک کردار کو اس قدر بے حسی سے کوکیز کھاتے ہوئے ضرور لکھے گی۔

”مس حنزلہ احمد زئی آپ کی ہیروئن کیسی ہے؟کیا وہ خوبصورت ہے؟آپ کی طرح؟“

وہ اس آدمی کو دیکھ کر رہ گئی۔وہ اس سے کیا پوچھنا چاہ رہی تھی،اور وہ کیا بتا رہا تھا۔اسکا چہرہ پل بھر میں سرخ ہوا۔مگر وہ مٹھیاں بھینچ گئی۔ترچھے رخ پہ بیٹھا شادان اسکے ہر ہر انداز کو نوٹ کر رہا تھا۔وہ جاننا چاہتا تھا اس لڑکی کے برداشت کی حد کیا ہے۔

”میری ہیروئن کے خوبصورت ہونے سے آپ کا کیا تعلق؟اور میرے جیسی ہونے سے کیا تعلق؟“

اسد عابد مسکرایا۔اور سینڈوچ کی پلیٹ اپنی طرف کھسکا لی۔”ویسے ہی جنرل نالج کے لئے پوچھ رہا ہوں۔اصل میں صحافی میرے جیسا ہے ناں تو ہیروئن ۔۔۔“

”مسٹر عابد۔“اب کے وہ بولی تو اسکا لہجہ مختلف تھا۔کچھ کچھ سخت سا۔”دعا نے جب مجھے آپ کا کنٹیکٹ نمبر دیا تھا تب اس نے مجھے باور کروایا تھا کہ آپ "**شریف**"اور" **مہذب**"آدمی ہیں۔میں چاہتی ہوں کہ جب وہ پوچھے میری ملاقات آپ سے کیسی رہی تو میں اسے بتاؤں کہ وہ ٹھیک تھی۔آپ کیا چاہتے ہیں،میں اسے کیا بتاؤں۔دعا آپ کی کزن ہے ناں ؟“اسد نے سینڈوچ کا ٹکڑا

کس طرح نگلا یہ وہی جانتا تھا۔شادان کی دلچسپی اس لڑکی میں مذید بڑھ گئی۔آج پہلی بار وہ کافی سے زیادہ کسی انسان میں دلچسپی لینے لگا۔

”جی جی . . . آپ صحیح کہہ رہی ہیں مس حنزلہ میں بس مذاق کر رہا تھا۔“وہ سنبھل کر بولا۔سینڈوچ سے ہاتھ کھینچ لیا۔”پوچھیں آپ کیا پوچھنا چاہتی تھیں؟“

حنزلہ نے سپاٹ انداز میں اپنا سوال دہرایا۔شادان نے اپنی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کھجائی۔آنکھیں چھوٹی کر کے ان دونوں کو دیکھا۔گردن ڈھلکا دی۔اسکے شیطانی دماغ میں کسی کی برداشت آزمانے کیا خیال آیا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھا کافی کا مگ ہاتھ میں تھا۔

”ٹک ٹک ٹک۔“میز کی دائیں طرف رک کر اس نے ہتھیلی کی پشت سے میز کو بجایا۔میز پہ بیٹھی مصنفہ اور جرنلسٹ دونوں نے بیک وقت چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔اسد عابد گڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا تکلیف ہے آپ کو؟“وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔”کافی دیر سے آپ کی آنکھیں قابو میں نہیں آ رہی تھیں اور اب ہاتھ۔“

”شادان سر آپ؟“اسد کا لہجہ ڈھیر سارے رعب کے زیر اثر تھا۔حنزلہ بس انہیں دیکھ رہی تھی۔اسکی نظریں پنڈولم کی مانند گھوم رہی تھیں۔

”تم اس طرح آفس کی باتیں،سیکریٹس اپنی کسی "ڈیٹ" کو سناتے ہو؟“وہ ڈیٹ پہ زور دے کر بولا۔مصنفہ کا چہرہ سرخ ہوا۔

”زبان سنبھال کر . . . “حنزلہ کی بات آدھے میں رہ گئی۔

”میں اپنے جونیئر سے بات کر رہا ہوں مس۔ آپ خاموش رہیں۔“ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس اسد کو دیکھ رہا تھا۔ یونہی اسے دیکھتے ہوئے وہ اسد کی چھوڑی ہوئی کرسی پہ آ کر بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔

”شادان سر اصل میں یہ میری کزن کی دوست ہیں۔ بہت قابل رائیٹر ہیں انکو کچھ ڈیٹیلز چاہیے تھی تو ۔۔“

”تو تم نے سوچا کہ کیوں نہ آفس سیکریٹس، سیاسی پروٹوکول، کسی بے حد قابل عزت افسر کے گھر پہ ہونے والے ایک بے مقصد ریڈ کی تفصیل سنا دی جائے؟“

”وہ افسر کتنا قابل عزت ہے یہ ہم سب جانتے ہیں۔ اور آپ کا تعلق جس شعبے سے ہے وہ بھی ہم جانتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنا کام کریں اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔“ وہ تیز تیز بولتے ہوئے اسد کی طرف مڑی۔

”ہم کہیں اور چل سکتے ہیں اسد صاحب؟ یہاں کچھ غیر ضروری اور ڈھیٹ لوگ آ چکے ہیں۔“ آخری بات شادان کو دیکھتے ہوئے کہی۔ وہ دل کھول کر مسکرایا۔ جیسے اپنی تعریف پسند آئی ہو۔ پھر بازو سینے پہ باندھے فرصت سے اسد عابد کو دیکھا۔

”آپ ان کو مذید تفصیلات دینا چاہتے ہیں؟“

وہ گومگو کی سی کیفیت میں چند پل کھڑا رہا۔ اور پھر جلدی سے اپنا موبائل اور بائیک کی چابی اٹھائی اور اگلے ہی لمحے وہ کیفے کا داخلی دروازہ پار کر گیا تھا۔ حنزلہ بے یقینی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی

رہی۔وہ اسکا آخری کنٹیکٹ تھا۔جو اسے تین ماہ کی خواری کے بعد ملا تھا۔اسے پندرہ دن بعد قسط شائع کرنی تھی اور جو ہوا تھا وہ اسے پراسیس نہیں کر سکی۔

”آئندہ کسی reliable انسان سے رابطہ کرنا اور۔۔“

”تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟“اسکی نظریں داخلی دروازے پہ ٹکی تھیں۔آنکھوں میں کچھ کرب سا۔جسے کوئی لکھاری سمجھ سکتا تھا۔جس کا مسودہ ادھورا ہو اور اس سے اسکی سیاہی چھین لی گئی ہو۔”وہ میرا آخری کنٹیکٹ تھا۔“اس نے شادان کی طرف دیکھا۔اسکے لہجے میں کچھ تھا۔جس نے ایک پل کے شادان کے لب مقفل کر دیئے۔وہ تو بس مذاق کر رہا تھا۔

”ہم emerging رائیٹرز کو کیا کیا جھیلنا پڑتا ہے جانتے ہو؟اپنے آپ کو اس ملک میں منوانے کے لئے جہاں صرف تین سے چار لکھاریوں کا کام پڑھا جاتا ہے ہم وہاں اتنا لکھتے ہیں کہ ہاتھ گھس جائیں اور شاید ہم تب کسی کو نظر آجائیں۔اتنا کہ راتوں کی نیند ختم ہو جائے،اتنا کہ ہم اپنی ہی کتاب پہ ٹکے کا فائدہ نہ لے سکیں اتنا کہ ہر مسودے پہ بے کار،تھرڈ کلاس،کے ٹھپے سن لیں۔لیکن ہم نہیں رکتے جانتے ہو کیوں ؟“وہ دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو جھکی۔آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا۔وہ واقعی ہرٹ ہوئی تھی۔

”جان مارنی پڑتی ہے ایک ذرا سی ریسرچ اور "کنٹیکٹس"کے لئے۔تین ماہ سے میں نے پاکستان کے کئی چھوٹے بڑے جرنلسٹس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔تمہیں بھی ڈی ایمز اور ای میل

بھیجا ہو گا اگر آپ سرکار کی نظر پڑی ہو تو۔تم نے ایک منٹ کے اندر اندر اسے یہاں سے بھگا دیا۔تم جانتے ہو تم نے میرا کتنا بڑا نقصان کیا ہے؟"اسکا دل چاہ رہا تھا وہ چیخ چیخ کر رونے لگے۔

شادان ہکا بکا رہ گیا۔کیا واقعی اسکا کوئی بڑا نقصان ہو گیا تھا؟وہ ہر آئے دن یونہی کیفے میں بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ پرینک کر دیتا تھا۔عادت سے مجبور مگر اس نے کبھی کسی کا نقصان کرنے کا نہیں سوچا تھا۔

"میں . . مجھے نہیں نہیں پتہ تھا کہ آپ . "وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔حنزلہ پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی۔شادان اسکے لئے کچھ نہ کر سکا۔سوائے اسے جاتے ہوئے دیکھنے کے،اور سوائے اس میز پہ خالی ہاتھ رہ جانے کے۔حنزلہ احمد زئی سے اسکی پہلی ملاقات اچھی خاصی ناخوشگوار رہی تھی۔

"وہ اس سے دوبارہ بھی ملا تھا۔"

کیفے والے قصے کوئی ایک ہفتہ بیت چکا تھا۔کسی ضرورت کے تحت ایک پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کرتے ہوئے اسے وہ نظر آئی تھی۔سیٹ کی تلاش میں اسکی متلاشی نظریں بھٹک رہی تھیں۔جب اسے پوری میٹرو میں صرف ایک جگہ خالی نظر آئی۔اور اگر وہ بھری ہوئی ہوتی تب بھی وہ یہ جگہ خالی کروا سکتا تھا۔

وہ سیٹ پہ آ کر بیٹھا تو کھڑکی والی سیٹ پہ بیٹھی لڑکی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ایک لمحے میں اسکا چہرہ سرخ ہوا تھا اور آنکھوں میں خون اتر آیا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی شادان کہہ اٹھا۔

"اس دن کے لئے آئی ایم سو سوری۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بے حد معذرتی انداز میں بولا۔"ایک نئے لکھاری کے لئے جتنی مشکلات آتی ہیں میں انہیں سمجھ سکتا ہوں۔"

"میں آپ کی بکواس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں غرائی۔اسکا بس نہ چلتا تھا شادان کو چلتی بس سے دھکا دے دے۔مٹھیاں بھینچ کر اس نے ضبط کرنے کی کوشش کی۔

"بکواس مت سنو،بات اور التجا سن لو۔بلکہ valid points سن لو۔میں اس دن بس مذاق کر رہا تھا ہاں مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا مگر کیا۔دوسرا وہ لڑکا تمہیں انفارمیشن دینے سے زیادہ تمھارے چہرے اور کافی میں دلچسپی رکھتا تھا۔تیسری بات۔کہانی کاروں کے لئے یہ دنیا کتنی ظالم ہے میں تم سے زیادہ اچھے سے سمجھتا ہوں۔"

وہ یہاں چیخ چلا نہیں سکتی تھی۔وہ اسکا سر نہیں پھاڑ سکتی تھی لہذا رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔اس وقت وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

"ہم دونوں کہانی کار ہیں۔تم لکھتی ہو،میں سناتا ہوں۔تم گڑھتی ہو میں حقیقت بیان کرتا ہوں۔تمہاری کہانیوں میں ہیپی اینڈنگز ہوتی ہوں گی۔میری کہانیوں میں بس اینڈنگ ہوتی ہے۔مجھے اگلی بار یہ مت کہنا کہ میں تمہیں سمجھ نہیں سکتا۔"حنزلہ کچھ نہیں بولی مگر اسکے تنے تاثرات ڈھیلے

پڑ چکے تھے۔باقی کا سارا سفر وہ اسی رخ موڑے ہوئے بیٹھی رہی۔دوبارہ اسے مخاطب شادان نے بھی نہیں کیا تھا۔وہ بس کاغذ پہ کچھ لکھتا رہا۔

شادان کا اسٹاپ آگیا جب بلاخر اس نے کاغذ فولڈ کیا۔پین واپس اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔کاغذ اپنی سیٹ پہ رکھ دیا۔حنزلہ کاغذ کو یوں گھور رہی تھی جیسے کوئی محبت میں بھیجا گیا رقعہ۔شادان سیٹ پہ ہاتھ رکھے ذرا سا جھکا۔

"لگتا نہیں ہوں مگر یقین کریں بہت شریف آدمی ہوں۔لڑکیوں کو رقعے نہیں دیتا۔"

"رقعے دیتے نہیں یا کوئی لیتی نہیں؟"وہ تڑخ کر بولی۔شادان مسکرایا۔

"آپ کو دے کر دیکھ لیتے ہیں۔کبھی میں آپ کو رقعہ دوں تو لے لیں گی؟"

"میں رقعہ تمھارے منہ پہ دے ماروں گی۔"

"یعنی آپ لے لیں گی؟منہ پہ مارنے کے لئے بھی اسے لینا ضروری ہوتا ہے۔"وہ ہنوز مسکراتا رہا۔حاضر جوابی میں کوئی اسکا ثانی نہیں تھا۔لڑکی نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر۔

"اس میں وہ تمام ڈیٹیلز ہیں جو تمہیں چاہیے تھیں۔ای میل پڑھی تھی تمہاری۔اگر میری باتوں پہ یقین نہ آئے تو آخر میں دو نمبر ہیں۔ان کو کال کر لینا۔تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"بھیک نہیں چاہیے تمہاری۔"

”جانتا ہوں۔لیکن میں بس ایک کہانی کار کی مشکلات آسان کر رہا ہوں۔بغیر کسی مفاد،اور مفاہمت کی خواہش کے۔“وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔حنزلہ اگلے کئی لمحے اس کاغذ کو دیکھتی رہی۔پہلے غصے سے،پھر بے بسی سے،پھر تھک کر اور پھر بلاخر ایک ماں کی سی ممتا سے اسے سنبھال کر بیگ میں رکھ دیا۔اس نے کہا تھا اسے بھیک نہیں چاہیے۔لیکن یہ تو ازالہ تھا ناں؟اور بھلا کاغذ سے کیسی ناراضگی یہ اس اینکر کے باپ کی میراث تھوڑی تھا؟

لکھاریوں کے پاس خود کو اور لوگوں کو دینے کے لئے کئی تسلیاں ہوتی ہیں۔

”وہ تیسری بار بھی ملے تھے۔“

بس والے واقعے کے بعد وہ اس سے اکثر ٹکرانے لگا تھا۔پہلے تو وہ اسے گھوریوں سے نوازتی چلی جاتی۔پھر دھیرے دھیرے اسکا غصہ کم ہوا تھا۔اب ان دونوں کے درمیان ہائے ہیلو کا تبادلہ ہوجایا کرتا تھا۔وہ ہر روز صبح اس کیفے میں لکھنے اور شادان کافی پینے آتا تھا۔پہلے وہ ناغہ کر لیا کرتا تھا مگر اب،اب کچھ تھا اس بیلوں سے لدی دیوار کے ساتھ والی میز میں۔کچھ تھا اس کیفے کی کافی،گرل کے پار نظر آتے شہر میں جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔پہلے وہ عام سے حلیے میں بھی آجاتا تھا آج کل وہ خوشبو اور لباس کا بہت خیال رکھتا تھا۔

ایک احساس سا جو اس لڑکی کی موجودگی سے منتھی ہو گیا تھا،ایک وجدان سا جس نے شادان شاہ کی سماعتوں میں محبت نامی گیت محفوظ کر ڈالا تھا۔ایک حفاظتی حصار سا جس نے اسکے دل کے گرد پہرا ڈال دیا۔اور وہ اس پہرے سے جان نہیں چھڑانا چاہتا تھا۔

اس روز بھی وہ لیپ ٹاپ پہ کچھ لکھتے ہوئے رک جاتی۔ پھر لکھتی پھر رک جاتی۔ کبھی سکرین گرا دیتی۔ کبھی آس پاس دیکھنے لگتی۔اسی پل اسکی نظر داخلی دروازے سے موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے اندر آتے شادان پہ پڑی۔وہ مسکرایا۔ حنزلہ نے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔ مگر ناکام۔وہ کبھی بھی اسکے پاس خوامخواہ نہیں گیا تھا مگر اس روز وہ چلا گیا۔شاید آج وہ خوامخواہ نہیں گیا تھا۔

اس روز ان دونوں نے اسکے ناول کے متعلق ڈھیر ساری باتیں کی تھیں۔اپنے آفس سے آنے والی ہر کال اس نے اگنور کی تھی۔ یہاں تک کہ اسے اپنے سیکریٹری کے دھڑا دھڑ میسجز آنے لگے تھے۔

”دس منٹ میں شو آن ایئر جانے والا ہے آپ کہاں ہیں سر؟“سر کیا بتاتے کہ وہ ایک کیفے میں بیٹھے ایک مصنفہ کے دکھ سن رہے تھے۔مسئلہ یہ تھا کہ رائیٹر صاحبہ کو اپنی ہی لکھی کہانی میں "**کیمسٹری**" نظر نہیں آ رہی تھی۔اور اگر رائیٹر کو اپنی کہانی میں جھول نظر آ رہاہے تو ساری دنیا اسکی تعریف کر دے،وہ اس تعریف کو دل پہ نہیں لیتا۔جی ماشاءاللہ سے بہت ڈھیٹ ہوتے ہیں لکھاری۔

”شو کینسل کر دو،یا پھر جو مرضی کر لو میں نہیں آ رہا۔۔“ٹکا سا جواب لکھ کر بھیجا۔

اسکی سیکریٹری باقاعدہ غش کھاتے کھاتے گری ہو گی۔اتنا غیر پروفیشنل جواب؟

”سر آپ اس طرح بغیر کسی وجہ کے شو کینسل نہیں کر سکتے۔“

شادان نے ایک نظر اس میسج کو دیکھا،دوسری نظر اس لیپ ٹاپ پہ کھلے مسودے جو اسے پڑھنے کے لئے دیا گیا تھا۔اسکی اگلی نظر حانی(**چند گھنٹوں میں وہ اسے نک نیم دے چکا تھا**) کی طرف اٹھی۔وہ جس بے چینی،اظطراب سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ شو تو کیا کیریئر بھی کینسل کر سکتا تھا۔

"وجہ تو ہے۔جسے تم سمجھ نہیں سکتیں۔اور شاید میں بھی نہیں۔"اس نے میسج بھیج کر موبائل آف کر دیا اور پھر مکمل انہماک سے اس مسودے کو پڑھنے لگا۔قسط کی آخری سطر پڑھتے ہوئے اسکی آنکھوں میں ستائش تھی۔ہیرئن فرنچ تھی اور ہیرو پاکستانی۔اسکے فرنچ مکالمے اس خوبصورتی سے لکھے گئے تھے کہ شادان دنگ رہ گیا۔

"تمھیں فرنچ آتی ہے؟"اس نے حنزلہ سے پوچھا۔

"مجھے فرنچ حفظ ہے۔بہت پسند ہے مجھے یہ زبان۔"

شادان مسکرایا۔اور دوبارہ پڑھنے لگا۔

"اگر یہ کیمسٹری نہیں ہے تو پھر دنیا میں کیمسٹری نامی کوئی چیز ہی نہیں۔"آخری سطر پڑھتے ہوئے اس نے فرنچ میں کہا اسکا حرف حرف سچ تھا۔بغیر کسی بناوٹ کے۔لکھاریوں کو الفاظ لہجے بن کے سنائی دیتے ہیں۔یہ وہ مخلوق ہیں جو سچ ہونٹوں سے نہیں آنکھوں اور چہرے کے تاثر سے جان لیتے ہیں۔حانی سچ جان چکی تھی۔

"تمھیں فرنچ آتی ہے؟"وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"مجھے فرنچ حفظ ہے۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔" یہ پرفیکٹ ہے حانی۔ فکر کرنا چھوڑ دو۔"

اسکا مسودہ پرفیکٹ تھا۔ آج اسے شادان اتنا برا نہیں لگا جتنا پہلے لگا کرتا تھا۔ اس شام انہوں نے اس ناول، اسکے اگلے ناول اور اگلے پانچ سالوں کی کہانیوں کے متعلق بہت ساری باتیں کی تھیں۔

ایک پرائم ٹائم شو کرنے والا اینکر اپنا شو کینسل کر کے، ایک گمنام لکھاری کے مسودے کے جھول درست کر رہا تھا۔ کافی کا عادی وہ چائے کے کپ پی رہا تھا۔ مورخ کو چاہیے تھا کہ اس واقعے کو تاریخ کے پنوں میں درج کرے۔ کبھی نہ مٹنے کے لئے۔

"اور پھر وہ آخری بار بھی ملے تھے، شاید کبھی نہ ملنے کے لئے۔"

پورے تین ماہ وہ اس کیفے میں ہر روز ملتے رہے تھے۔ یہ بھی اسی طرح کا ایک عام سا دن تھا۔ وہ لیپ ٹاپ میز پہ سامنے رکھے کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ شادان اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ خاموشی سے اسے دیکھتا ہوا۔ وقفے وقفے سے وہ کوکیز اور سینڈوچ توڑ توڑ کر اسکی طرح بڑھا رہا تھا۔ جنہیں وہ لے لیتی، مگر اسے دیکھے بغیر کھا لیتی۔ کافی کے گھونٹ بھرتی اور ایک بار پھر لکھنے لگ جاتی۔ وہ کافی دیر برداشت کرتا رہا پھر بلاخر پھٹ پڑا۔

"تمہیں رائٹنگ بلاک کب ہو گا؟ اور کتنا لکھو گی؟" حانی نے نگاہیں اٹھا کر تعجب سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہو رہی ہے؟ اتنے وقت بعد تو لکھنا شروع کیا ہے۔ تم چاہتے ہی نہیں ہو کہ میں لکھوں ہے ناں؟" وہ سلگ اٹھی۔

"تم مجھے اگنور کر رہی ہو۔وہ بھی ڈیڑھ گھنٹے سے۔"

"میں کام کر رہی ہوں شادان۔ آج اسے جمع کروانا ہے آخری تاریخ ہے۔"

وہ سیدھا ہو بیٹھا۔"تو تم کل جمع کروا دینا۔یا پھر مجھے بعد میں بلوا لیا ہوتا۔کم از کم میں یوں اگنور تو نہ ہو رہا ہوتا۔"

"کل نہیں کر سکتی کل مجھے واپس جانا ہے۔"

"واپس کہاں؟"شادان کی حسیات ایک لمحے میں بیدار ہو چکی تھیں۔

"گاؤں جانا ہے۔اپنے گھر۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو؟کہاں ہے تمہارا گھر؟کونسا گاؤں؟"یہ خیال کہ وہ اسے اب روز نہیں دیکھ سکے گا اس خیال نے ہی شادان کے رگ وپے میں بے چینی بھر دی تھی۔

"سب بتاتی ہوں۔تم پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہارا آج کا شو تم نے اس میں مدثر رزاق کو بلوایا ہوا ہے ناں؟"یکدم اس نے لیپ ٹاپ سے نگاہیں ہٹا کر شادان کے چہرے پہ جمائیں۔"وہ کہتا ہے کہ اسکا کسی ملک دشمن سرگرمی سے کوئی تعلق نہیں۔تم اسے ثابت کر پاؤ گے؟تمھارے پاس کوئی لیڈ ہے؟"

”ہاں ہے۔“وہ لاپرواہی سے بولا۔”لیکن یہ کانفیڈینشل ہے۔کسی تھرڈ پرسن کو نہیں بتا سکتے۔“وہ روانی میں کہہ گیا مگر جب اسکی نظر حانی کے چہرے پہ پڑی وہ بے اختیار پچھتایا۔اسکا چہرہ سپاٹ ہو چکا تھا۔

”حانی میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم تھرڈ پرسن ہو۔میں تمہیں جانتا ہوں۔تم . . . “اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔جو تھا وہ صرف شادان کی جانب سے تھا۔حنزلہ تو آج بھی شاید اسے ایک کیفے میٹنگ سمجھتی تھی۔”اچھا چھوڑو یہ بتاؤ تم کہاں جا رہی ہو۔کب اور کیوں؟“

”کانفیڈینشل ہے۔کسی تھرڈ پرسن کو نہیں بتا سکتے۔“وہ اسی کے انداز میں بولی تو شادان نے بے اختیار کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔حنزلہ اب اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔شاید اسکا کام ہو چکا تھا۔

”بیٹھو حانی . . واپس بیٹھ جاؤ۔“اسے اٹھتے ہوئے دیکھ وہ ذرا سختی سے بولا۔

”آخری اطلاعات تک نہ تم میرے باپ ہو نہ بھائی۔ایک تھرڈ پرسن کو میں اجازت نہیں دیتی کہ وہ مجھے اٹھائے،بٹھائے۔“

شادان نے اب کے ضبط کیا اور اپنا موبائل اٹھا لیا۔یہاں سے وہاں کلک کرتے وہ ایک فائل کھول چکا تھا اور اب وہی فائل کھولے موبائل میز پہ اسکے سامنے رکھا۔حانی تھم گئی۔

”یہ ہے وہ لیڈ،ثبوت اور مدثر کی قبر میں آخری کیل۔میرے لئے تم تھرڈ پرسن نہیں ہو۔“وہ دھیرے سے میز پہ واپس بیٹھ گئی۔ایک ایک کرتی وہ مختلف تصاویر،ویڈیوز اور کاغذات دیکھ رہی

تھی۔شادان لب بھینچے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔تھوڑی دیر بعد وہ موبائل میز پہ رکھ چکی تھی۔شاید وہ شرمندہ بھی تھی۔اگر تھی تو چہرے سے نظر کیوں نہیں آیا؟

اینکر صاحب نے اپنا موبائل اٹھایا۔گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔ایک لمحے کو اسے دیکھا۔"مجھے ابھی ابھی احساس ہوا ہے کہ ہم تین ماہ سے مل رہے ہیں اور مجھے تمھارے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

حنزلہ نے بھی اسے دیکھا۔اسکی آنکھوں میں،اسکے چہرے کے تاثرات میں کچھ تھا کہ شادان ششدر رہ گیا۔وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔اسکی آنکھیں کہتی تھیں کہ وہ ملتے نہیں رہے۔"اتفاق"انکی ہر ملاقات ایک اتفاق تھی۔اور اگر پلان تھی تو صرف شادان کی طرف سے۔حنزلہ اس کیفے میں صرف کام کرنے آتی تھی اور شادان صرف حنزلہ کے لئے۔تین ماہ،وہ تین ماہ تک ایک لکھاری سے بے وقوف بنتا رہا تھا؟کیونکہ وہ الفاظ کے رد و بدل سے کام لیتی رہی؟

"تین ماہ . . پورے تین ماہ۔اور ان تین ماہ میں میرے پاس صرف ایک چیز ہے تمہارا ای میل۔آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تم شادان کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ چکی ہو اور میں تو پورے تین ماہ تمھارے کردار،تمہاری کہانی،تمھارے الفاظ میں گھرا رہا۔"

"میں نے تم سے یہ سب کرنے کو کبھی نہیں کہا تھا سید شادان شاہ۔اور اب اگر تم کر چکے ہو تو مجھے نہیں لگتا تمہیں جتانا چاہیے۔"وہ لمحے کے اندر غیر ہوگئی۔

شادان نے جواباً بہت کچھ کہا تھا۔خاموش وہ بھی نہ رہ سکی تھی۔وہ غصے سے باہر نکل گیا تھا۔مگر رات آٹھ بجے اسکا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا جب اسکے لائے ثبوت،اسکی لیڈز،اور اسی کے انداز میں کوئی اور صحافی مدثر رزاق کی پکڑ کئے ہوئے تھا۔یعنی حنزلہ نے صرف وہ ثبوت دیکھے نہیں؟شاید وہ انہیں اپنے ای میل ایڈریس پہ بھیج بھی چکی تھی۔اسے اپنے پیروں سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی۔اسے اپنے سینے میں شدید درد ہوتا محسوس ہوا۔اسکا باس اس پہ چلا رہا تھا۔زندگی میں پہلی بار شادان کا شو آن ایئر ہوا تھا مگر اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔وہ بے وقوفوں کی طرح کبھی مہمان کو دیکھتا کبھی کیمرے کو۔وہ لائیو شو سے اٹھ کر کیفے آیا تھا۔

لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔کیفے کا عملہ بھی۔بیلوں والی میز خالی تھی۔وہ وہاں نہیں تھی۔شادان نے لرزتے ہاتھوں سے اسے ای میل بھیجنے کی کوشش کی مگر ایڈریس غیر ویلڈ تھا۔آج پہلی بار وہ کیفے میں کسی اور نشست پہ بیٹھ گیا۔شاکی،ششدر۔اسے رونا بھی نہ آ سکا۔وہ شل تھا۔سوشل میڈیا پہ لوگ نہ جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔اسے دھڑا دھڑ کالز کی جا رہی تھیں مگر وہ سن تھا۔

”یہ میڈم نے آپ کے لئے دیا تھا سر۔“عملے میں سے کسی نے سرخ اسٹکی نوٹ اسکی طرف بڑھایا۔شادان نے وہ تھام لیا۔ایک موہوم سی امید کے تحت۔ایک آس کہ شاید وہ اسکے لئے کوئی پتہ چھوڑ کر گئی ہو۔مگر وہ الفاظ کچھ مختلف تھے۔

”آئندہ کسی reliable انسان پہ بھروسہ کرنا۔“الفاظ تھپڑ کی طرح اسکے چہرے پہ لگے،شاید دل پہ بھی۔

اسے غصہ آیا تھا۔اسے بے بسی محسوس ہوئی۔اسے ملال ہوا۔اسے شکست محسوس ہوئی۔آج کے شو میں ہونے والی غیر پروفیشنل حرکت،اور اسکی لیڈ کسی اور کو مل جانا اسکی جاب جا چکی تھی اسے یقین تھا۔حنزلہ سے اب وہ نہیں مل سکتا یہ وجدان تھا۔اس رات اس کیفے میں بیٹھ کر اس نے بہت کچھ ہار دیا تھا۔جاب،دل،سکون۔سرفہرست تھے۔

آج حال میں اس کیفے میں بیٹھے ہوئے اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ تین سال گزار آیا ہے۔زندگی نے اسے ان تین سالوں میں سب واپس دیا تھا۔کام،شہرت،مقام اگر کچھ نہیں دیا تھا تو وہ حنزلہ تھی۔

گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کاغذ پہ چند الفاظ گھسیٹے۔تین سالوں میں وہ ایسے کتنے نوٹ لکھ چکا تھا اسے گنتی بھول گئی تھی۔مگر وہ ہر ماہ یہاں آ کر ایک اسٹکی نوٹ پہ چند سطور لکھتا۔اور اسے بیرے کے حوالے کر دیتا۔آج ایک بار پھر اس نے ایک بار پھر ایک نوٹ لکھا۔والٹ اور چابی اٹھائی۔اور اٹھ کھڑا ہوا۔چائے،کافی آج بھی ان چھوی تھی۔

آج ایک بار پھر اس کیفے سے باہر جاتے ہوئے اسکا دل بھاری تھا۔بے حد بھاری۔ہر گزرتا دن اسکے دل کے زخم ہرے کر دیتا تھا۔

باب دہر کے کھلنے سے چار گھنٹے قبل۔

تاریخ سات جنوری۔

شام چار بجے۔

سنگھار میز کے سامنے کھڑا وہ ایک ہاتھ سے اپنے بالوں میں برش کر رہا تھا۔سیاہ بال سلیقے سے جم گئے تو اس نے کلائیوں پہ ہلکا ہلکا پرفیوم اسپرے کیا۔گردن پہ کچھ زیادہ ہی۔اب وہ خود کو آئینے میں دیکھ رہا تھا۔سفید رنگ کے شرٹ کے اوپر سرمئی سوئیٹر تھا۔جس سے شرٹ کے کالر اور کف جھانکتے تھے۔سفید ہی سرمئی رنگ کے سلیکس پہنے اب وہ آئینے سے سے ہٹا۔

بیڈ پہ بیٹھ کر اس نے جوتے پہنے۔اسکے سیاہ جاگرز۔جن پہ سنہری پٹے تھے۔جوتوں پہ وہ ہمیشہ سے لاکھوں روپے لٹا دیا کرتا تھااور افسوس نہیں ہوتا تھا۔

وہ اٹھ کراس کیفے کے لئے نکلتا کہ اسکا موبائل جل کر بجھا۔حسن سلطان نے ساتھ رکھا موبائل ہاتھ میں لیا۔زخرف کا میسج تھا۔

”میں نے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے شادان کو میسج کیا تھا۔اور ابھی تک جواب نہیں آیا۔تم اسکارویہ دیکھ رہے ہو ناں؟میں نے پہل کر دی لیکن وہ اب تک وہی حرکت کر رہا ہے“حسن گہری سانس لیتے ہوئے ٹائپ کرنے لگا۔

”وہ مصروف ہوگا یار۔ضروری بات ہے تو دوبارہ ٹیکسٹ کر لو۔“

”ہاں ظاہر ہے تم نے اسی کی سائیڈ لینی ہے۔ذات برادری جو ہے۔“حسن سر پکڑ کر رہ گیا۔وہ ان لوگوں کا کیا کرے؟وہ انکے مسائل کا کیا کرے۔یونہی بیٹھے بیٹھے یکدم اسکے ذہن میں سالوں پہلے کا بھولا بھٹکا سا منظر ابھرا۔

ہائی کورٹ کی لمبی چوڑی راہداریوں میں بھانت بھانت کی بولیوں کی درمیان،ڈھیر سارے شور سے اپنے کانوں کے پردے سن کرواتے وہ اپنے باپ کے ساتھ چل رہا تھا۔وہ دراز قد تھے۔ سنجیدہ اور مہربان سے۔

"آپ کو پتہ ہے وہ دونوں ایسے پریٹینڈ کر رہے تھے جیسے انہوں نے کچھ کہا ہی نہ ہو۔ پھر کیا تھا میں نے بھی انکی طرح ہی اداکاری کی اور ایسے ظاہر کیا کہ میں نے ان دونوں کے اپنا نام لیتے سنا ہی نہیں۔" وہ اسکول سے واپسی پہ گھر نہیں باپ کے کورٹ آیا کرتا تھا۔سولہ سال کی عمر میں وہ سولہ قتل کرنے والے مجرمین کے بیان سنتا تھا۔عام بچہ نہیں تھا وہ۔

"تمہارے دوست تمھارے بارے میں بات کر رہے تھے اور تم نے سن لی؟" وہ اسکی لمبی چوڑی باتوں کا مفہوم نکال رہے تھے۔ساتھ راہ داری میں گزرتے ہر سلام کرنےوالے وکیل،پولیس افسر کو سر کے خم سے سلام کہتے جاتے تھے۔"کیا معلوم وہ تمہاری برائی نہیں اچھائی بیان کر رہے ہوں؟"حسن سلطان راہداری کی عین بیچوں بیچ تھم سا گیا۔معراج بھی چلتے چلتے رکے تھے۔

"چونکہ وہ دونوں تمھارے دوست ہیں تو تمہیں لگا وہ دونوں مل کر گروپ بندی کر لیں گے اور تمہیں ایک طرف کر دیں گے۔" وہ آگے آئے۔ حسن کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔" mutual friendshipsبڑی آزمائش ہوتی ہیں بچے۔یہاں سنبھل کر چلنا ہوتا ہے۔"حسن چپ سا ہوگیا۔تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھے تھے۔معراج سلطان اپنے موبائل پہ

کچھ دیکھ رہے تھے حسن الجھا ہوا تھا۔انہوں نے گہری سانس لی۔اور ورکنگ آورز ختم ہونے کے بعد بھی ایک "**کیس**"کی طرف مڑے۔

”مسئلہ کیا ہے حسن؟“

”آپ اتنے شیور کیسے ہو سکتے ہیں کہ وہ دونوں میری برائی نہیں کر رہے تھے۔“اس نے کہہ ڈالا۔

”کیونکہ میں جانتا ہوں تم ایسے کام نہیں کرتے جن پہ دو لوگ بیٹھ کر تمہاری برائی کریں۔یا شاید میں اپنی جگہ رکھ کر سوچ رہا ہوں۔اگر میں وہاں ہوتا تو مجھے یقین ہوتا میرے دونوں دوست میری برائی نہیں کر رہے۔“وہ سنجیدگی سے بولے۔حسن سوچ میں پڑا۔

”اور آپ کو ایسا کیوں لگتا؟“

”کیونکہ میں دوستوں سے بدگمانیاں نہیں پالتا۔“حسن ٹھٹھک گیا۔”کیونکہ میں دوستوں کے ساتھ ڈرامہ،اداکاری نہیں کرتا۔جیسے کہ تم نے انہیں بتا دینا تھا کہ تم نے انکی بات سنی ہے اور اب تمھیں وضاحت چاہیے۔بجائے اسکے کہ تم انکے ساتھ اداکاری کرتے۔دوست آئینہ ہوتے ہیں۔بدگمانیاں اس آئینے کو دھندلا کر دیتی ہیں۔دوستوں سے اچھے گمان رکھا کرو۔“آخری بات جیسے ہدایت تھی۔

تھوڑی دیر گاڑی میں خاموشی رہی۔ پھر جیسے کسی خیال کی تحت انہوں نے حسن کو پکار لیا۔ "کیا تم گوسپس میں حصہ لیتے ہو حسن؟" اور یہاں حسن سلطان کو لگا تھا وہ ہل نہیں سکے گا۔ اس نے منہ سے کچھ نہ کہا مگر اسکا چہرہ سب کہہ رہا تھا۔

"اگر کرتے ہو تو چھوڑ دو۔ کیونکہ جو انسان غیبت کرتا ہے اسکے دل کا ایک کونہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ الرٹ بھی۔ اسے ہر وقت یہ خوف رہتا ہے کہ اسکا کوئی دوست ضرور اسکی برائی کر رہا ہو گا۔ دوستوں پہ یقین یونہی نہیں آجایا کرتا۔ ہر عمل کی شروعات خود سے کرنی ہوتی ہے۔ جب تم اس عمل کو یقینی بناؤ گے کہ تم کسی دوست کی غیبت کا حصہ نہیں بن رہے۔ تو کوئی تمہاری غیبت نہیں کرے گا۔ دوستیاں آسان ہوتی ہیں بچے۔ نبھانی مشکل۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتی بابا۔ میرے mutual friends جب آپس میں ناراض ہو جاتے ہیں تو ایک دوسرے کی برائی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے اب وہ سننی پڑتی ہے۔ اس لئے جب وہ دونوں واپس راضی ہو جائیں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ لوگ میری بارے میں برائی کریں گے۔" بلآخر اس نے اپنے خدشات کو زبان دی۔ معراج سلطان مسکرائے۔ نرم مہربان مسکراہٹ۔

"میں نے کہا ناں۔ mutual friendships بڑی آزمائش ہوتی ہیں۔ یہ ترازو کے پلڑے ہوتے ہیں۔ کبھی ایک بھاری، تو کبھی دوسرا۔ لیکن ترازو تو آپ کا ہے ناں؟ یہی تسلی کافی ہونی چاہیے۔" وہ ذرا دیر کو چپ ہوئے کہ حسن انکے الفاظ پراسیس کر لے۔ ذرا دیر کے توقف کے بعد وہ پھر بولے۔

"بجائے اس کے کہ تم اپنے مشترکہ دوستوں کے مسائل،اور برائیاں سنتے رہو تم انکی صلح کیوں نہیں کرواتے؟"حسن چونک سا گیا۔کیا یہ ممکن تھا؟"اچھے دوست کا کام یہی ہے کہ جب دو لوگوں کے درمیان مسائل ہوں تو وہ صلح جو بن کر آئے اور معملہ رفع دفع کر دے۔"

"اور اگر وہ دونوں راضی نہ ہوئے تو؟"

"اگر وہ دونوں واقعی دوست ہوئے تو ایک دن مان جائیں گے۔ایک دوست سے دوسرے دوست کی برائی نہ سننا بیٹا ہاں تم یہ کر سکتے ہو کہ جب ان میں سے کوئی شکایت لے کر تمھارے پاس آئے تو تم اسے مختلف توجیہات پیش کردو۔جس سے اسے یہ نہ لگے کہ تم کسی کی سائیڈ لے رہے ہو۔جس سے تم پہ بھی الزام نہ لگے کہ تم غیبت کر رہے ہو۔"وہ بول کر خاموش ہوئے اور پھر مسکراہٹ دبا کر حسن کو دیکھا۔جو ابھی سے نڈھال لگتا تھا۔

"مشترکہ دوستیاں واقعی آزمائش ہیں۔"ماضی میں اس نے یہ جملہ کسی اور رو میں کہا تھا اور حال میں پلنگ کی پائنتی پہ بیٹھے اس نے یہ جملہ تھک کر کہا تھا۔وہ واقعی تھک چکا تھا۔جوتے پہن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا۔

"کئی بارآزمائشوں کا ختم ہوجانا حل ہوتا ہے۔"وہ دھیرے سے خود کو باور کرواگیا۔آج اس کیفے کی طرف بڑھتے اسکے قدم صلح جو نہیں تھے۔وہ تھک گیا تھا۔اب وہ اس آزمائش کو ختم کرنے جا رہا تھا۔اسکی طرف سے سب ختم۔دہر کے اس باب کو بند ہوجانا چاہیے۔کم ازکم حسن سلطان کی طرف سے بند ہو ہی جانا چاہیے۔

باب دہر کے کھلنے سے تین گھنٹے قبل۔

شام پانچ بجے۔

تاریخ سات جنوری۔

صفدر مینشن میں اتری وہ شام تازہ دم تھی۔ماسٹر بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر آؤ تو زلطان صفدر ابھی تک نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔بال بکھرے ہوئے تھے۔واک ان کلازٹ کے اندر سفید رنگ کی الماری کو کھولے وہ اپنے سامنے ٹنگے ڈھیر سارے برانڈڈ کپڑوں کو دیکھے گیا۔ہر روز یہ کام اسکے ملازمین کیا کرتے تھے مگر آج کچھ تھا کچھ خاص سا۔کم از کم آج جن سے ملنے وہ جا رہاتھا اسکے لئے کسی ملازم کی پسند کا لباس نا قابل قبول تھا۔

ہر،ہر لباس کو ہاتھ میں لیتا،پھررد کرتا وہ بلاخر ایک سفید رنگ کے ہائی نیک سویٹر کے ساتھ سیاہ رنگ کا اوور کوٹ بازو پہ ڈالے ہوئے باہر آیا تھا۔پیروں میں سفید رنگ کے جوگرز تھے۔اس نے جوگرز بڑے احتیاط کے ساتھ پہنے تھے۔وہ کافی پرانے تھے۔مگر کچھ تھا جو زلطان کے لئے ہمیشہ ایک سا رہتا۔

وہ شیشے کے آگے کھڑا بال بنا رہا تھا جب دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔اسکی اجازت کے بعد کوئی اندر آیا تھا۔

"آپ سے کہا ہے آپ کو دستک کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔" اس نے ہر دن دہرایا جانے والا جملہ ایک بار پھر دہرا دیا۔ آنے والا رف سے حلیے میں تھا۔اور ہاتھوں میں کچھ کاغذات اٹھا رکھے تھے۔وہ زلطان کے نکلنے سے پہلے اس سے مل لینا چاہتا تھا۔دیوار کی ساتھ رکھے ایک صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس نے زلطان سے پوچھا۔

"کاغذات نامزدگی جمع کروانے ہیں۔صرف کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔تمھیں اور ابا کو اب صلح کر لینی چاہیے اور ۔"بولتے بولتے وہ رک گیا۔اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔وہ زلطان کے پیروں میں ان سفید جاگرز کو دیکھ رہا تھا۔دس سال کیا دس سال بعد بھی وہ اسے نہیں بھول سکا تھا؟

"اور؟" زلطان نے خود پہ پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے سوال کیا۔وہ اپنے بڑے بھائی کی نظروں سے بے خبر تھا۔

"دوستوں سے ملنے جا رہے ہو؟" لفظ "**دوست**" پہ زلطان چونکا تھا۔"وہ بھی آ رہی ہے؟" اس بار وہ چونکا نہیں۔کئی بار ہماری زندگی میں موجود قریبی لوگ ہمارے "**وہ،اس،**" سے بڑی اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔

"ہاں آ رہی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے۔اس بار بھی دل پہ بوجھ رکھ کر آؤ گے یا کہہ آؤ گے؟" شاید اسے دلچسپی ہوئی تھی۔

"کہہ آؤں گا۔میں اسکے والد کے جنازے پہ نہیں آ سکا۔کہہ آؤں گا۔" وہ آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے ہوئے بولا۔آنکھیں سپاٹ تھیں۔ہر تاثر سے خالی۔اسکے عقب میں بیٹھا سراج صفدر ہنس پڑا۔

"میں اسکے باپ کے جنازے کی نہیں،اسکی بارات کی بات کر رہا ہوں۔باحیثیت دولہا اس میں کب شرکت کرو گے؟"

"یہ حقوق وہ کئی سال پہلے کسی اور کو دے چکی ہے۔"زلطان نے سرسری سا کہا۔اور بیڈ پہ پڑا اپنا اوور کوٹ بازو پہ ڈالا۔

"اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ منگنی ٹوٹ چکی ہے۔دوبارہ کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"میں ایک گیٹ توگیدر کے لئے جا رہا ہوں۔کسی پروپوزل کے لئے نہیں۔اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے وہ ایک ہفتہ بعد نکاح کر رہی ہے۔" وہ صوفے پہ اسکے قریب آ بیٹھا۔اور کاغذات گھٹنے پہ رکھ کر اوراق پلٹائے۔ سراج بدستور اسے دیکھتا رہا۔

"یہ جوتے تمھارے پیروں میں اچھے نہیں لگ رہے۔"اس نے برملا کہا۔اوراق پلٹتے زلطان کے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی۔"دس سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔چیزیں بدل لینی چاہیے۔"ایک لمحے کے لئے زلطان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔آنکھوں کے پردے پہ زندگی فلیش بیکس کی صورت چلنے لگی۔جب وہ بولا تو آواز مدھم تھی۔

"دس سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔" اس نے جیسے اعتراف کیا۔ "دس سال میں چیزیں بدل سکتی ہیں۔ ان سے جڑے احساس اور جذبات نہیں۔" اس نے سائن کرنا چاہا مگر جانے کیوں اسکے ہاتھوں میں لرزش آ گئی۔ پرانی محبت پرانے مرض جیسی ہوتی ہے جسم کے کونے کونے میں سرایت کر جاتی ہے۔ پھر جب کہیں اس بھولی بسری محبت کا ذکر چھڑ جاتا ہے۔ جسم کا ہر، ہر حصہ اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ یہ محبت جسم کے حصوں سے جونک کی طرح چمٹ جاتی ہے۔ اسے نکالنا، جسم کو کھینچنے کے مترادف ہے۔

اس نے کاغذات پہ دستخط نہیں کئے اور سراج کی طرف بڑھائے۔ کچھ دیر پہلے والی جاذبیت اب مفقود تھی۔ وہ ڈسٹرب لگتا تھا۔

"مجھے لگا تھا ان دس سالوں میں تم اپنے جذبات کو فراموش کر چکے ہو۔"

زلطان اس سارے میں پہلی بار مسکرایا۔ "جذبات کو فراموش کر دینے سے انسان، انسان نہیں رہتا۔ مجھے رہنا تھا۔ سو میں نے ان پہ قابو پانا سیکھ لیا۔"

"اور مجھے لگ رہا ہے تم وہ قابو کھو رہے ہو۔" اس گفتگو میں پہلی بار زلطان کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ لیکن بس ایک لمحے کے لئے۔

"یہی تو اسٹرگل ہے۔ کھونا، پانا اس کھیل کا حصہ ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے جانا تھا۔ "میں نے فیکٹری کے کاغذات پہ دستخط کر دیا ہے۔ نامزدگی کا دیکھا جائے گا۔ کوئی اور مسئلہ ہو تو دیکھ لیجئے گا۔ میں کچھ دن چھٹی پہ جا رہا ہوں۔"

"میں نے تمہارے دوست شادان کا شو دیکھا تھا۔"زلطان کمرے کے وسط میں رک گیا۔"جب مصطفیٰ زاہد تمہارے بارے میں الزام لگا رہا تھا شادان خاموشی سے سن رہا تھا۔"

"وہ ہوسٹ تھا بھائی۔ظاہر ہے اسے سننا تھا۔"انداز مدافعانہ تھا۔"اور ہم نے کبھی دوستی میں غیر ضروری فیورز نہیں مانگے۔"

"لیکن وہ دوست ہے۔جب وہ ان الزامات کی تردید نہیں کرے گا تو دنیا تم پہ بھٹہ لگا دے گی۔ہماری کریڈیبلٹی،ہماری پوزیشن دوست بناتے اور خراب کرتے ہیں۔اپنے انداز بدلو یا پھر دوست۔"یہ کچھ دیر پہلے والے بھائی کا لہجہ نہیں تھا جسے زلطان جواب دیتا۔یہ کنگ میکر تھا۔اسکا سب سے بڑا بھائی جس نے اپنے باپ،چچا،اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو سیاست کے میدان میں ہر بازی جتوائی۔اس خاندان میں کوئی اسکا حکم نہیں ٹال سکتا تھا۔

"جذبات کی جنگ میں تم ہار جیت نہیں سکتے۔یہ سیاست ہے یہاں صرف جیت کا جشن ہوتا ہے۔"

"لیکن ۔۔"

"زخرف وقار نے دو سال پہلے بھی چچا کے خلاف کیس پہلے ہی چچا کے خلاف کیس لڑا ہے۔اور اب وہ ایک بار پھر وہی کر رہی ہے۔وہ جانتی تھی شہر کے درجن بھر وکیل ہمارے خلاف لڑنے سے منع کر چکے ہیں۔اور ہم وکٹم تھے۔زخرف کے کیس لیتے ہی آدھی دنیا پہ ظاہر ہوگیا ہم گلٹی تھے۔کیونکہ وہ تمہاری دوست تھی۔"

"ہم گلٹی تھے بھائی۔" اسے نہیں معلوم تھا کیوں آخر کیوں وہ ہائی اسکول کے بچھڑے ان ساتھیوں کی طرف داری کر رہا تھا۔ ایک پل کے لئے دس سال کہیں دور چلے گئے۔ یہ وہ زلطان تھا جو اپنے خاندان کے لئے لڑ سکتا تھا۔

"ہاں ہم گلٹی تھے۔ لیکن دنیا نہ مانتی اگر ہمارے خلاف کھڑے ہونے والے تمھارے دوست نہ ہوتے۔"

سراج اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ زلطان کے قریب آ کر رکا۔ اسکا چھوٹا بھائی اس سے قد میں اونچا تھا۔ سراج نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ چار سال پہلے سیاست میں آنے کے بعد زلطان کی آنکھیں ہر تاثر کھو چکی تھیں مگر آج ان میں کچھ تھا۔ کوئی بے یقینی سی، کچھ بے چینی سی۔ اسے یہ کچھ خاص پسند نہ آیا۔

"میں کنگ میکر ہوں زلطان۔ لیکن ایک بات بتاؤں؟" وہ اسکے کان کے پاس جھکا۔ "جذبات دیمک ہیں۔ تخت کھا جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ، دھیرے دھیرے۔" وہ سرگوشی کرتے ہوئے پیچھے ہٹا۔ اسکے بازو پہ پڑا کوٹ اٹھایا اور اسکے عقب میں کھڑے ہو کر اسے وہ کوٹ پہنانے لگا۔ ملائمت سے، نرمی سے۔

"تمہیں تخت ملنے والا ہے۔ دیمک کو پیچھے چھوڑ کر آؤ۔ وہ دہر اب گزر چکا ہے۔ اس باب کو بند کرو۔ یا پھر مختلف انداز میں کھولو۔ بس چیزیں تمھارے حق میں ہونی چاہیے ورنہ۔" وہ آگے

آیا۔ کوٹ کا بیلٹ اسکی کمر پہ فکس کیا۔ "مجبورا مجھے کچھ اقدام لینے ہوں گے۔ اور تمہیں پسند نہیں آئیں گے۔"

یہ لمحہ زلطان صفدر کے لئے چناؤ کا لمحہ تھا۔ کرسی یا پھر دیمک؟ اسے کیا چننا چاہیے؟

سات جنوری۔

شام چھ بجے۔

باب دہر کے کھلنے سے ایک گھنٹہ قبل۔

گاڑی کی گمبھیر اور دم گھونٹ دینے والی خاموشی اس فون کال نے توڑی تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہائی فائی کالونی کا موڑ مڑتے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی اور اسپیکر گاڑی سے جوڑ دیا۔

"کہاں ہو؟" کوئی مردانہ آواز گاڑی میں گونجی۔

"دوست کے گھر جا رہ ہوں کوئی کام؟"

"تم یو این کے اجلاس میں شریک ہو رہے ہو؟ تم ایک ہفتہ بعد . . . . "سامنے والا جیسے الفاظ بھول گیا۔ "تمہاری نوکری نہیں چلی گئی تھی؟ تم وہی انسان نہیں ہو جو ڈیڑھ سال سے بے روزگار ہے۔" وہ اب تندہی سے پوچھ رہا تھا۔

زبرج کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں آیا۔

"میں نے دو سال یونیسیف کے لئے جھک ماری ہے۔تم بھول گئے ہو؟اور میں اب بھی بے روز گار ہی ہوں۔ایک ہفتہ بعد میں امریکا جاؤں گا۔اور یونیسیف ہی کی طرف سے یو این کے اجلاس میں شرکت کروں گا۔اب اس میں تیر مارنے والی کوئی بات ہے نہیں جو میں تمھیں بتاتا۔"اسکا انداز بے حد سرد تھا۔یہ خوشیاں اور کامیابیاں اس پہ اثر انداز ہونا چھوڑ چکی تھیں۔

"یہ ایک بہت بڑا موقع ہے زبرج۔تمھیں ایک اچھی جاب،اچھا پیکج دوبارہ مل سکتا ہے۔وہاں جاؤ تو پلیز کوئی مسائل پیدا مت کرنا۔"زبرج خاموشی سے سنتا رہا۔

"دانین سے ملاقات ہوئی تھی میری۔تم دونوں کی طلاق ہو رہی ہے؟تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

زبرج نے بے زاری سے کال کاٹ دی۔جو باتیں وہ خود سے نہیں کرنا چاہتا تھا وہ دوسرے دہرا رہے تھے اور اسے بے حد اکتاہٹ ہونے لگی۔سٹوریج باکس سے سیگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے وہ رکا۔گہری سانس لی۔سر جھٹکا۔اور پیکٹ واپس رکھ دیا۔

باقی کا راستہ وہ یہ سوچتے ہوئے آیا تھا کہ اب کس طرح خوشیوں کے دروازے خود پہ بند کرنے ہیں؟اگر اسکا ڈاکٹر کہتا تھا وہ خودکشی کرنے کے قریب ہے تو درست کہتا تھا۔

لان میں رکھے زمرد سبز رنگ کے صوفوں پہ وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔زخرف ذرا تھکی تھکی سی لگتی تھی البتہ زبرج نارمل تھا۔وہ آج کل اسلام آباد میں ہی تھا سو اس نے زخرف کے ساتھ ہی کیفے جانے کا فیصلہ کیا۔اس فون کال کے بعد وہ سیدھا یہاں آیا تھا۔

سیاہ جینز کے اوپر سفید شرٹ تھی۔جس کے اوپر بغیر بازوؤں والا سوئٹر پہن رکھا تھا۔چہرے پہ سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔دس سال پہلے اسکی آنکھوں میں بے فکری ہوا کرتی تھی۔آج دس سال بعد وہاں حلقے تھے۔دس سال پہلے وہ کم گو ہوا کرتا تھا،آج اسے بولنا تھکا دیتا تھا۔

زخرف خاموش سی بیٹھی تھی۔اسکے ہاتھ میں پکڑا کافی کا مگ کافی دیر پہلے بھاپ اڑانا چھوڑ چکا تھا۔وہ کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"یہ کلر زلطان کا فیورٹ ہے۔"کافی دیر کی خاموشی سے وہ اکتایا تو کسی طرح بات شروع کی۔زخرف بری طرح چونک گئی۔اس نے زمرد رنگ کا مخمل کی شرٹ اور ہم رنگ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔شرٹ کے بازو پورے تھے۔مگر لمبائی بس کمر ڈھانپ لیتی تھی۔شرٹ کے بازو، گلے اور انکے آخر میں سفید نگینے جڑے تھے۔کچھ ایسا ہی کام گلے پہ بھی تھا۔پیروں میں اسکے سبز رنگ کی ہائی ہیلز تھیں۔اس سردی میں ہائی ہیلز کوئی پاگل ہی پہن سکتا تھا۔مگر جس پاگل نے پہن رکھے تھے وہ اتنے خوبصورت تھے کہ ان سے نظر ہٹانا مشکل تھا۔

"تمھارے جوتے بھی خوبصورت ہیں۔پیرس فیشن ویک کی بیسٹ کلیکشن رائٹ؟"

زخرف نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔چند لمحے وہ زبرج کو دیکھتی رہی۔"زلطان کا یہاں کیا ذکر؟"

زبرج ہنس پڑا۔"کم آن زی اب تم اٹھارہ سال کی نہیں ہو اور نہ میں۔تم جانتی ہو ناں زلطان تم میں انٹرسٹڈ تھا؟"

"تم کیا کہہ رہے ہو میں . . میں کیا کہوں تمہیں؟" اسکی رنگت فق ہو گئی تھی۔ عدالت میں جب وہ بولتی تھی تو لوگ دم سادھ لیتے تھے۔ آج وہ خود سانس نہ لے سکی۔ کوئی زلطان کے حوالے سے یوں اس سے باز پرس کرے گا اسے اندازہ نہیں تھا۔

"زلطان تمہیں پسند کرتا تھا۔" زبرج نے نرمی سے اسکی مشکل آسان کردی۔ "کرتا ہے۔ کچھ وقت قبل اس نے تمہیں پروپوز کرنے کا سوچا تھا۔ لیکن تم اپنی ممی کے کسی دوست کے بیٹے میں انٹرسٹڈ تھیں۔"

"میں نہیں تھی۔" وہ بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن تم شاید زلطان میں بھی انٹرسٹڈ نہیں تھیں۔ ورنہ تم اس سے پوچھے بغیر لندن میں نہ رکتیں۔"

"اور مجھے اس سے کیوں پوچھنا تھا؟" وہ ٹھنڈے انداز میں بولی۔ "ہاں میں نے ممی کے لائے پروپوزل پہ کوئی ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں زلطان کو انکار کر رہی ہوں۔ لندن میں رہنا، پڑھنا میرا فیصلہ تھا۔ زلطان اگر مجھ سے آگے کے پلانز پوچھتا تو اس میں خود کوٹاپ پہ پاتا۔" زبرج آج اسے دیکھے گیا۔ دس سال ان چار لڑکوں نے اپنے دوست کی تباہی کا ذمہ دار اسے ٹھہرایا تھا۔ آج دس سال بعد وہ خود کو بری الذمہ کر رہی تھی۔ اور کیا کمال کر رہی تھی۔ "کچھ عرصہ پہلے میری دوبارہ منگنی ہو گئی اس سے پہلے بھی وہ کبھی میرے لئے نہیں آیا۔"

"وہ آیا تھا مگر تمہارے ابا نے تمہارا رشتہ کہیں کر دیا تھا۔"

"تو؟ابا نے رشتہ کیا تھا ناں میں نے پسند تو نہیں کیا تھا اگر زلطان صفدر مجھے میری منگنی کے دن بھی پروپوز کرتا تو میں ناں نہیں کہتی۔" وہ سانس لینے کو رکی۔

"سچ یہ ہے کہ زلطان صفدر کی انا اتنی اونچی ہے کہ اس نے جھک کر میری آنکھوں اور دل میں اپنا عکس دیکھا ہی نہیں۔منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا ہے وہ اسے لگتا ہے ہر چیز اسے بغیر کہے مل جانی چاہیے مگر۔" اس نے کافی کا کپ میز پہ واپس رکھا اور انہی ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ "اپنے دوست کو بتاؤ کہ محبت باپ کی میراث نہیں ہوتی،ماں کے جہیز میں ملا ترکہ نہیں ہوتی ،جو بغیر کہے،بنا کسی محنت کے مل جائے۔" اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔مگر ایک اشتعال سا تھا جو نکل گیا۔زبرج ہنوز اسے دیکھ رہا تھا۔

"دوست ہیں ہم۔اگر اسے کوئی اشارہ،کوئی تاثر تم دے دیتیں تو کیا تمہاری انا چھوٹی ہو جاتی؟"

"میری منگنی تین سال پہلے ٹوٹ گئی۔اور ان تین سالوں میں وہ مجھ سے ملنے ایک بار بھی نہیں آیا۔میرے بابا مر گئے وہ نہیں آیا۔ایک ٹیکسٹ کی کیا اوقات تھی۔اس سے وہ تک نہیں ہو سکا۔اسکا آخری میسج ایک سال پہلے آیا تھا۔اپنے چچا کی وجہ سے وہ مجھ سے لڑا،چیخا اور ایک سوری تک نہیں کہا۔اور تم کہتے ہو اسکے اس انداز کے ساتھ میں اسے کوئی گرین سگنل دیتی۔شاید دے دیتی لیکن کیا ہے ناں اب ہم اٹھارہ سال کے نہیں رہے۔" وہ اسکے الفاظ اسے ہی لوٹا رہی تھی۔مگر وہ برا نہیں منا رہا تھا۔حیران کن۔

”اور شادان؟تم دونوں کے درمیان جو سرد جنگ ہے اس سے کون واقف نہیں ہے۔تم نے ڈھیروں ڈھیر لوگوں کے سامنے کہہ دیا کہ کہ پرائم شو کرنے والوں کی باتوں کو سیرئیس نہ لیں۔ان بیچاروں کو بولنے کے پیسے ملتے ہیں۔یہ الفاظ تم اپنے دوست کے بارے میں کیسے کہہ سکتی ہو؟ “

زخرف اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اسکا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔”وہ اپنے شو میں بیٹھ کر میرا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ مجھے زلطان کے چچا کے خلاف کیس نہیں لینا چاہیے تھا کیونکہ وہ بے قصور ہیں۔اور میں نے یہ کیس اس لئے لیا کیونکہ یہ مجھے سارے اسلام آباد کی نظروں میں لے آئے گا؟یہ صحیح تھا؟ہاں ظاہر ہے یہ صحیح ہوگا کیونکہ تم تو اسی کا ساتھ دو گے۔تم تو ۔“

”یہ غلط تھا۔“وہ یکدم اسکی بات کاٹ کر بولا۔زخرف ٹھہر گئی۔”یہ غلط تھا اور میں نے اسے غلط کہا اسی لئے وہ پچھلے آٹھ ماہ سے میرے ٹیکسٹس کا جواب نہیں دیتا۔“زخرف نے کچھ کہنا چاہا مگر

”اور یہ میں نے اس لئے نہیں کہا کیونکہ تم ایک لڑکی ہو۔اس لئے کہا کیونکہ اب ہم اٹھارہ سال کے نہیں رہے۔“الفاظ طمانچے کی صورت اسکے رخسار پہ کھب گئے۔اسکے پیر یخ پڑ گئے۔وجہ سردی نہیں تھی۔وجہ جانے کیا تھی۔

”تم نے الزام دینا سیکھ لیا ہے زخرف۔اگر باب دہر کھول کر وقت میں پیچھے دیکھو تو تم اتنی وکٹم نہیں جتنی بن رہی ہو۔“

"تو تم کیوں آئے ہو یہاں؟صاف صاف کہو اب تم نہیں رہنا چاہتے دوست۔" وہ چیخ کر بولی۔زبرج چند لمحے اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"تمہیں لگتا ہے یہ کوئی میٹ اپ یا گیٹ ٹو گیدر ہے؟آج ہر کوئی ایک باب بند کرنے آ رہا ہے۔ دوستی،اعتبار،وفا۔اور . . "وہ دو قدم آگے آیا۔سن،ساکت کھڑی زخرف کے سامنے آ کر رکا۔"اور شاید محبت کا بھی۔آج بہت کچھ ہو گا۔بہت کچھ۔"

زخرف ساکت رہ گئی۔یعنی وہ یہ عہد کرنے والی اکیلی نہیں تھی؟یعنی خاندان ٹوٹنے والا تھا؟یعنی سب ختم؟دی اینڈ؟

وہ پانچ لوگ دہر کے ایک باب کو بند کرنے والے تھے،ایک ایسا باب جس کے پیچھے رنجش،خلش،کسک،آزردگی دفن تھی۔مگر مدفن رازوں میں،ایک جذبہ سازش کا بھی تھا جسے وہ پانچ لوگ فراموش کر چکے تھے۔باب دہر کسی کے چاہ لینے سے بند نہیں ہوجاتے۔

سات جنوری،شام سات بجے۔

"کیفے ونگ چارم۔"

باب دہر کے کھلنے سے چند لمحے قبل۔

اسلام آباد کے مضافات میں ایک چھوٹا سا گاؤں **"زور گڑھ"** آباد ہے۔چاروں اور پہاڑی سلسلہ اور درمیان میں واقع یہ گاؤں لوگوں کے لئے جنت جیسا تھا۔جہاں پہاڑ کی چوٹیاں برف سے سفید ہوتی ہیں۔سبزہ زار اس گاؤں کی امانت ہے۔پہاڑوں سے گرتے چشموں کا شور کسی گیت جیسا ہے اور جھیل کا شفاف پانی آنے والوں کو اپنے حصار میں جکڑ لیتا ہے۔یہ چھوٹا سا گاؤں بہت ترقی یافتہ ہے کیونکہ یہاں **"اسکائی ہائی"**sky high ہوٹل ہے۔پاکستان کا دوسرا خوبصورت اور عالیشان ہوٹل۔کئی سال پہلے یہ ہوٹل وجود میں آیا تھا۔اور اسلام آباد،مری آنے والے ہزاروں لوگ اس ہوٹل میں رکنا چاہتے تھے وجہ صرف خوبصورتی،اور شان و شوکت نہ تھی۔

یہ اسلام آباد اور مری کو جوڑتا تھا۔سیاحوں کو مری اور اسلام آباد کے ہوٹلز میں جگہ پانے کے لئے اب خوار نہیں ہونا پڑتا تھا۔اس کے علاوہ یہ گاؤں اور اسکا حسن دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے کھنچے چلے آتے تھے۔غیر معمولی خوبصورتی کا حامل زور گڑھ سیاحوں کی توجہ کھینچ لیتا تھا۔

کہانی کا مرکز اس وقت **"کیفے ونگ چارم"** ہے۔اسکائی ہائی کے عقب میں اور پہاڑوں کے بلکل روبرو یہ کیفے قدیم طرز کی تھیم پہ بنا تھا۔بڑے بڑے پتھروں کی بنی کرسیاں اور انکے اوپر جھونپڑی نما چھجے۔میز بھی پتھر کو کاٹ کر ایک خوبصورت شکل میں ڈھال کر بنائی گئی تھیں،اور لائے جانے والے برتن ایسے تھے جیسے کسی بادشاہ کے زیر استعمال رہے ہوں۔

ایک لمبی پتھر کی میز کے گرد اس وقت دو لوگ بیٹھے تھے۔زلطان صفدر اور حسن سلطان۔وہ سب سے پہلے آئے تھے۔زلطان جب سے آیا تھا بے مقصد موبائل پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔حسن نے دو

بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ مختصر جواب دیتا رہا۔اسی پل کیفے کا داخلی دروازہ کھلا اور دو لوگ ایک ساتھ اندر آئے۔زلطان نے کسی احساس کی تحت نظر اٹھائی اور موبائل پہ چلتی اسکی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔آنکھیں ایک رخ پہ جم گئیں اور دل،دل اتنی زور سے دھڑکا کہ آواز میلوں تک گئی۔وہ یک ٹک آنکھیں جھپکے بغیر اسے تک رہا تھا۔وہ اسکی طرف آتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔زلطان مسکرا بھی نہ سکا۔اسکے کانوں اور گلے میں سبز ہیرے تھے،مگر زلطان کے لئے اسکی آنکھوں کی چمک دنیا کی ساری چمک پہ بھاری تھی۔چھوٹے بال کرل کر کے شانوں پہ ڈالے وہ پر اعتماد قدم اٹھا رہی تھی۔

وہ قریب آ کر رکی تو حسن اٹھ کھڑا ہوا۔زلطان بھی سر جھٹکتے ہوئے اٹھا۔علیک سلیک کے بعد وہ زمرد شرٹ کے اوپر پہنا سفید رنگ کا اوور کوٹ اتار کر اسے کرسی پہ ٹانگ رہی تھی۔اب وہ چاروں شادان کا انتظار کرنے لگے۔

"آج کل کیا کر رہے ہو زبرج؟"حسن نے گفتگو کا آغاز کیا۔زلطان اور زخرف اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔

"یہ سوال تم جان بوجھ کر کر رہے ہو؟کیا تم نہیں جانتے میری دی والیہ ہو گئی تھی؟تم نہیں جانتے ان پہ فراڈ کا الزام لگا تھا؟"وہ تیز لہجے میں بولا۔حسن تو حسن زلطان اورزخرف بھی اسے دیکھنے لگے۔وہ تو ان سب میں سب سے زیادہ **"کالم"** رہا کرتا تھا۔"بیرسٹر صاحب ہر کوئی آپ کی طرح پریویلج نہیں ہوتا کہ ایک نوکری چلی جائے تو دوسری چوکھٹ پہ ہاتھ جوڑے کھڑی رہے۔"

"کالم ڈاؤن زبرج حسن نے بس ایک بات کی تھی۔" زلطان نے اسے ٹوکا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تمہاری نوکری نہیں رہی ظاہر ہے اب کچھ نیا تو کرنا ہے ناں؟ اور تم یو این کے اجلاس میں جا رہے ہو ناں؟"

"کیا تم دونوں مجھے میری کم مائیگی کا احساس دلانا چاہتے ہو؟ تم لوگ یہ بتا رہے ہو کہ اگر میں ایک دن گھر بیٹھ گیا تو میرے لئے گزارہ مشکل ہو جائے گا؟" اسکی کنپٹی کی رگیں تک پھڑکنے لگی تھیں۔ زلطان نے کچھ سخت کہنا چاہا مگر حسن نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروا دیا۔ زبرج نارمل نہیں لگ رہا تھا۔

"اس ٹاپ کو ختم کرتے ہیں۔" زخرف مدبرانہ انداز میں بولی۔ "تم بتاؤ زلطان کاغذات نامزدگی جمع کروا رہے ہو؟" وہ براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"جس کام کے لئے لندن چھوڑا تھا اسے تھوڑی چھوڑ سکتا ہوں؟"

"یعنی تم مانتے ہو تم نے لندن "**اپنی**" وجہ سے چھوڑا تھا۔" وہ ترکی با ترکی بولی۔ "دیکھا میں نے کہا تھا ناں؟ زلطان صفدر اتنا انا پرست ہے کہ وہ دوسروں کے لئے کچھ چھوڑ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی کسی کے لئے رک سکتا ہے۔" آخری بات اس نے زبرج کو دیکھ کر بظاہر مسکراتے ہوئے کہی تھی۔ زلطان صفدر کو اگر یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی تو وہ معاف نہ کرتا، مگر زخرف وقار کو بہت کچھ معاف تھا۔ سرفہرست زلطان پہ طنز کرنا تھا۔

"میری کچھ حدود ہیں۔اس لئے میں دوسروں کی حدود کا بھی احترام کرتا ہوں۔اور یہ سچ ہے میں جگہیں اپنی وجہ سے تبدیل کرتا ہوں۔مجھ پہ میری ماں کے بھیجے ہوئے وائس نوٹس اثر نہیں کرتے۔"حسن اور زبرج اس وائس نوٹ کے قصے سے لا علم تھے سو خاموش رہے۔زخرف کا چہرے ایک لمحے میں سرخ ہوا تھا۔اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر سامنے سے آتے شادان کو دیکھ خاموش ہو گئی۔

زلطان نے ایک نظر اسے دیکھا۔وہ نہیں جانتا تھا کیوں مگر اسکے چہرے پہ ایک مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ناسٹلیجیا سی مسکراہٹ۔کسی عزیز کو دیکھ کر آنے والی ایک بے ریا،بے اختیار مسکراہٹ۔

وہ اب ان سب کے قریب رک کر ہر ایک سے پنجہ ملا رہا تھا۔سب سے آخر میں زلطان تھا،اس نے شادان کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھا۔زلطان صفدر کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ایک تیر سا تھا جو اسکے دل میں کھب گیا۔شادان . . . وہ صرف دوست نہیں تھا۔شادان اسکا خاندان تھا۔وہ ہمیشہ سب سے پہلے،اور جاتے وقت سب سے آخر میں زلطان سے ملا کرتا تھا۔وہ زلطان سے نہیں ملا؟زلطان کے چہرے کی رنگت پل بھر میں متغیر ہوئی۔

"اتنی دیر کر دی شادان؟تمہیں یہاں جلدی آجانا تھا۔"حسن کی بات پہ وہ پر تکلف سا مسکرایا۔

"میں جلدی آگیا تھا۔لیکن پھر سوچا یہاں انتظار کر کے وقت **"ضائع"** کرنے سے بہتر ہے،ذرا گاؤں دیکھ لوں۔"سفید جھوٹ بول رہا تھا کمبخت۔وہ گھنٹہ بھر پہلے آگیا تھا اور اسکائی ہائی کے

ٹیرس پہ کھڑے ہو کر سیگریٹ پھونک رہا تھا۔ایک طرح سے وہ اپنے دوستوں کو انتظار کروانا چاہتا تھا۔کیوں وہ نہیں جانتا تھا۔

"اگر تمہارا وقت اتنا ہی قیمتی تھا تو تم نے آنے کی حامی کیوں بھری تھی؟جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم گاڑی خود چلا کر،پورے ہوش و حواس میں آئے ہو۔نہیں؟"زلطان بازو سینے پہ باندھے بڑے ہی خوشگوار لہجے میں بولا۔

"شکر ہے میں دوستوں کے بلانے پہ آ تو گیا۔سچ کہوں تو میں زبرج کے لئے آیا ہوں۔"اس نے ساتھ بیٹھے زبرج کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔آنکھوں میں ترحم سا تھا۔"میں نے تم سے کہا تھا زبرج یہاں مت اپلائی کرو۔میرے پاس تمھارے لئے بہتر آپشنز تھے۔تم میری نہیں سنتے،بلکہ تم سب زلطان کی سنتے ہو اور دیکھو ہم کہاں ہیں۔"اس نے زلطان کو دیکھا۔وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔کوئی نفرت نہیں،کوئی غصہ نہیں۔وہ کالم تھا۔وہ بس وجہ جاننا چاہتا تھا اس تلخی کی اس بے رخی کی۔

"اور تم کیا کہہ رہے تھے زلطان؟"وہ ہاتھ میز پہ رکھے آگے کو ہوا۔آنکھوں میں تپش تھی۔"میں نے آنے کی حامی کیوں بھری؟کیونکہ میں زبان کا پکا آدمی ہوں۔دوستوں کے غم اور خوشی میں شامل ہوتا ہوں۔ہاں مگر کچھ لوگ "میت" سے زیادہ ایک ٹی وی شو کو فوقیت دیتے ہیں۔"

میز پہ دھرے زلطان کے ہاتھ کی مٹھی بھینچ گئی۔زخرف وقار کے دل پہ کسی نے کچھ دے مارا تھا۔وہ اسکے باپ کی میت کو چھوڑ ایک ٹی وی شو اٹینڈ کر رہا تھا۔وہ کیسے بھول سکتی تھی؟

میز پہ یکدم آکورڈ سی خاموشی چھاگئی۔ہر کوئی اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھا تھا۔کئی یادیں تھیں،کئی بیتے لمحے تھے جو یادداشت کا حصہ بن،اور مٹ رہے تھے۔دوستوں کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات امر ہوجاتے ہیں۔دوستیاں مر کھپ جاتی ہیں،لمحات نہیں مرتے۔آخری سانسیں لیتی دوستیوں کے امر لمحات جب یاد آتے ہیں دل کو آرے سے چیرے جانے کی تکلیف سی ہوتی ہے۔یہی تکلیف اس وقت اس میز پہ بیٹھے ہر شخص نے محسوس کی۔

"کافی یا پھر کھانا؟"حسن سلطان نے سکوت توڑا تھا۔زرد روشنیوں میں ان سب کے بے چین چہرے کوئی جواب نہ دے پائے۔

"کافی منگوا لیتے ہیں اسکے بعد کھانا اوکے؟"اس نے ویٹر کو آواز دی۔اور مختلف کافی کے فلیور آرڈر کیئے۔اسکے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ساتھ اس نے موبائل نکالا،اور سب کو کیمرے کی طرف دیکھنے کو کہا۔خاموشی سے تصویر لی گئی۔آج بحث نہیں ہوئی۔آج میرا چہرہ نہیں آ رہا کی رٹ نہیں لگی۔

"زخرف . . . ایک بات بتاؤ۔"حسن نے خوشگوار انداز میں بات کا آغاز کیا۔" میں جسٹس ابتسام والے کیس میں کورٹ آیا تھا تم اتنی زور سے "**یور آنر**" کہہ رہی تھیں۔بیچارہ جج باقاعدہ ڈر گیا تھا۔"

"اسکی تو شروع سے عادت ہے۔" زبرج بولا۔"یاد ہے سر تھامس کی کلاس میں جب وہ کان کا آپریشن کروا کر آئے تھے۔انہوں نے باقاعدہ زخرف سے ہاتھ جوڑ کر عرض کی تھی کہ وہ بولے مت۔جو پوچھنا ہے لکھ کر پوچھ لے۔"

"ہاں تو صرف میں نہیں ہاتھ تو انہوں نے شادان کے آگے بھی جوڑے تھے کہ بھائی تم چپ رہا کرو۔جب بولتا تھا زہر اگلتا تھا۔" وہ فوراً سے بولی۔شادان نے کچھ نہیں کہا بس ہلکا سا مسکرایا۔سادہ بے اختیار مسکراہٹ۔

"شادان غصے کا تیز تھا،مگر جو بات وہ کرتا تھا وہ صحیح ہوتی تھی۔سر تھامس کو اس سے خوامخواہ کا بیر تھا بس۔"زلطان اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں کم ازکم بولتا تو تھا۔زبرج کے منہ سے الفاظ نکلوانے کے لئے میری اماں کو چلہ کاٹنا پڑتا تھا۔"شادان بھی بولا۔

"لگتا ہے تمہاری اماں چلہ کاٹتے ہوئے اپنا دھیان بٹا لیتی تھیں۔کیونکہ رزلٹ تو آج بھی زیرو ہے۔"حسن نے شادان اور زبرج دونوں پہ چوٹ کی۔حسب معمول شادان بھڑک اٹھا۔

"تم نے دیکھا زلطان؟اسی لئے میں ہمیشہ سے اسکے خلاف تھا۔یہ ایک تو ہمارے درمیان گھس آیا اوپر سے ہم پہ ہی طنز کرتا ہے تم ہمیشہ اسکی حمایت . . . ."تیز تیز بولتے وہ رکا۔یکدم،اچانک سے اسے احساس ہوا کہ وہ خول سے نکل رہا ہے۔دوستوں کے سامنے تو انسان فلٹر فری ہوتا ہے۔کیا وہ بھی ہو رہا تھا؟لیکن ان کے سامنے نہیں۔

زبرج کے ہونٹوں سے ہلکی سی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی، زخرف کی آنکھوں کی چمک ختم ہو گئی اور شادان کی نگاہوں سے شفقت یکدم رخصت ہوئی۔ بس ایک حسن تھا۔ صرف حسن جس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ کیا وہ انہیں جوڑ نہیں سکتا تھا؟ کیا وہ آج واقعی انہیں کھو دے گا؟

کافی آگئی ہر کوئی اپنے اپنے مگ کی طرف متوجہ ہوا۔ یوں جیسے اس سے زیادہ ضروری کام کوئی اور نہ ہو۔ دل میں ڈھیر سارے شکوے، رنج، باتیں تھیں۔ مگر کہتے ہوئے ناک آڑے آتی تھی۔

زلطان نے اپنا کافی کا مگ اٹھایا۔ ترچھی نگاہیں زخرف پہ جمی تھیں۔ کیا وہ اس سے معذرت کرے؟ کیا وہ شادان کے ساتھ معملات درست کرے؟ کیا وہ زبرج کی طرف پہل کرے؟

شادان کے گرم کافی سے اپنا حلق تک جلا لیا۔ ہاتھ کی بند مٹھی بھینچ رکھی تھی۔ کیا وہ زخرف سے پوچھے کہ اس نے ایک کیس کو دوستی پہ فوقیت کیوں دی؟ کیا وہ زلطان سے کہے کہ اسے معلوم تھا سراج پہ حملہ ہونے والا ہے مگر اس نے نہیں بتایا؟ کیا وہ زبرج کا بازو بنے؟ یا وہ زخرف سے معافی مانگ لے؟

زخرف کی کافی کا کپ اسکے دونوں ہاتھوں کی درمیان میں تھا۔ اس نے زلطان کو دیکھا۔ وہ آج بھی ویسا تھا۔ نرم دھوپ جیسا۔ محفوظ قلعے جیسا۔ اسکی آنکھیں، وہ ان آنکھوں میں جھانکنے میں اتنی دیر کیوں کر چکی تھی کیا اسے یہ کہنا چاہیے؟ کیا وہ حسن سے کہے کہ وہ اس سے انسکیور ہے؟ کیا وہ شادان کا غصہ کم کرنے کے لئے صفائی دے۔؟ یا اسے اپنی ناراضگی کی وجہ بتائے؟

زبرج کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔کیا وہ اپنا کپ زمین پہ توڑ کر اپنے غصے کا اعلان کرے؟کیا وہ ان سب کو بتائے کہ اب اسکا فلیٹ بک رہا تھا۔اسکی بیوی اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔اسکا بیٹا۔۔۔۔وہ اسے مس کرتا تھا۔کیا وہ ان سے شکوہ کرے؟یا پھر انکے سامنے اپنے رنج کہے؟

حسن سلطان کے چہرے پہ ملال تھا۔کیا وہ ان سب کو بتائے کہ اب وہ ان سب کے مسائل سن سن کر تھک گیا تھا؟کیا وہ ان سے پوچھے کہ جب اسے بیچ سڑک پہ گولیاں ماری گئیں تو کوئی اس سے ملنے ہسپتال کیوں نہیں آیا؟وہ کس سے کیا کیا کہتا اب یہ دوستی نہیں چل سکتی تھی۔اب بس.
۔۔۔

"مجھے کچھ کہنا ہے۔"حسن نے اپناادھ پیا مگ میز پہ رکھا۔

"مجھے بھی۔"زلطان شاید سراج صفدر کی بات مان چکا تھا۔

"مجھے بھی۔"زخرف نے ہار مان لی۔

شادان اور زبرج نے بھی اپنے اپنے مگ میز پہ رکھے۔وہ پانچوں میز پہ آگے کو ہوئے،ان پانچوں نے ہاتھ باہم جوڑ لئے،اگلے ہی پل ان پانچوں کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا۔سارے کیفے میں گھپ اندھیرا۔لوگ آوازیں دے رہے تھے،کوئی چیخ رہا تھا۔کوئی موبائل کی ٹارچ آن کر رہا تھا۔انکے سر بیک وقت چکرانے لگے۔اس اندھیرے میں وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتے تھے مگر ان پانچوں

کے حواس معطل ہو رہے تھے۔آنکھیں دھیرے دھیرے بند،اور جسم سن۔کسی نے ان پانچوں کے جسم میں کچھ نوکیلا چبھو دیا تھا۔

نیم غنودگی کی حالت میں شادان اور زلطان نے محسوس کیا کوئی انہیں اٹھا کر گاڑی میں ڈال رہا تھا۔

حسن پہ بے ہوشی پوری طرح طاری نہ ہو سکی تھی۔کسی نے اسکے ماتھے پہ کچھ دے مارا تھا۔اسکے سر میں ٹیسیں اٹھیں۔

زخرف وقار کے سبز جوتوں پہ اس نے بند ہوتی آنکھوں سے ایک بھاری بوٹ پڑتے دیکھا۔زبرج شاہنواز نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔اسے قبول تھا۔موت بھی،سزا بھی۔اسے بس دوبارہ ہوش میں نہیں آنا تھا۔

آدھے گھنٹے کی یہ ملاقات ایک ٹریجڈی میں بدلنے کی شروعات کر چکی تھی۔کیا تم تیار ہو؟

"باب دہر کھل چکا تھا۔"

موجودگی۔

Existence .

کلائمکس سے شروع کرتے ہیں۔گولی چلنے کی آواز اس تہہ خانے میں گونجی تو وہ پانچ وجود ٹھہر سے گئے۔انکے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔نوارد نوجوان تھا۔سفید شلوار قمیض کے اوپر گہرا بھورا

سوئیٹر اور ساتھ سیاہ رنگ کی شال پہن رکھی تھی۔پیلے بلب کی روشنی میں اسکی سنہری ہلکی بڑھی داڑھی چمک رہی تھی۔وہ مسکرا رہا تھا، مگر اسکی آنکھیں ٹھنڈہ تاثر لئے ہوئے تھیں۔برف جیسا ٹھنڈہ کچھ تھا اسکی آنکھوں میں جس نے پل بھر کے لئے ان پانچ لوگوں کو برف کر دیا تھا۔ساکن، صامت۔

”پا خیر راغلے۔آنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں ہم۔“بڑی ہی خوشدلی، اور دوستانہ اندز سے کہتے وہ کرسی کھینچ کر انکے سامنے بیٹھا۔اسکے لہجے سے پختون عنصر جھلکتا تھا۔

”میرا نام بہرام خان ہے۔ویسے تو لوگوں کو مجھ سے مل کر خوشی ہوتی ہے مگر . . . .“اس نے طائرانہ نظر انکے چہروں پہ ڈالی۔پھر اسے جیسے تاسف ہوا۔”تم سب کو نہیں ہوئی ہوگی۔خیر یہ جسٹیفائیڈ ہے۔اب میں تم سب کو ایسے باندھ کر رکھوں گا تو تم نے خوش تھوڑی ہونا ہے؟“

”اپنی بکواس بند کرو اور مجھے یہ بتاؤ تم کون ہو؟اور ہمیں یہاں کیوں لائے ہو۔“شادان غصے سے پھنکارا۔بہرام خان کی مسکراہٹ سمٹی۔

”دوبارہ مجھے ٹوکنا مت، ورنہ بہت برا پیش آوں گا۔“سرد لہجے میں کہہ کر وہ زلطان کی طرف مڑا۔”ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تم سب کے یہاں ہونے کا ایک مقصد ہے۔“

”کس کے لئے کام کرتے ہو تم؟کون ہے تمہارا باس؟اور اسکے تلوے چاٹنے کے لئے کیا لیتے ہو؟“

اب کے بہرام اپنی جگہ سے اٹھا۔اور پستول کو انگلیوں میں گھمایا۔پھر اسے ہاتھ میں لیا اور ہاتھ پیچھے کر کے پوری قوت سے پستول کا دستہ اسکے سر پہ دے مارا۔سید شادان شاہ کو دنیا چکراتی محسوس ہوئی۔باقی زبرج اور زلطان سپاٹ نظروں سے اسکے ماتھے سے بہتی خون کی دھار دیکھتے رہے۔جبکہ زخرف نے آنکھیں میچ لی تھیں۔خوف نے اسکے سارے جسم کو جکڑ لیا تھا۔

"جاہل انسان تم ایک انسان کو اس طرح سے کیسے مار سکتے ہو؟"حسن غرایا تھا۔بہرام نے گردن ایک طرف ڈھلکا دی اور مڑ کر دلچسپی سے اسے دیکھا۔یونہی اسے دیکھتے دیکھتے اس نے دستہ ایک بار پھر گھمایا اور شادان کو دیکھے بغیر ایک بار پھر اسکا ماتھا زخمی کر دیا۔اس بار وہ چیخ بھی نہ سکا۔وار کاری تھا۔اس نے گردن ڈھلکا دی۔جسم کا ہر ہر عضو درد سے چیخ اٹھا۔وہ گہرے لمبے سانس لینے لگا تھا۔

"کسی اور کو کچھ جاننا ہے؟یا میں اپنی بات جاری رکھوں ؟"اس نے مڑ کر ان سب کو باری بری دیکھا۔شادان کی آنکھیں نقاہت سے بند ہونے لگی تھیں۔مگر اسکی زبان نہیں۔

"میرے . . ہاتھ . کھولو . .میں نے تمھیں زندہ نہ گاڑا تو . . میرا نام سید شادان نہیں۔۔"

بہرام خان کا غصہ ایک بار پھر عود کر آیا۔اس نے کنپٹی کو سہلایا۔"جبل خان یارا دیخوا راشا۔**(جبل خان یار ادھر آؤ۔)** "اس نے تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہانک لگائی۔شاید وہاں کوئی تھا جو اب تک نیچے نہیں آیا تھا۔

”جبل خان کے ساتھ اپنے باپ کو بھی بلا لو ضرورت پڑے گی۔“زبرج کی بات پہ وہ مڑا اور پستول کا ایک دستہ اسکے منہ پہ بھی دے مارا۔اسکے ہونٹ سے خون فوارے کی مانند بہنے لگا۔وہ اگر یہاں خوف وہراس قائم کرنا چاہ رہا تھا تو کامیاب رہا تھا۔

”دا اغا خو مخ باورلا روان کم **(خدا کی قسم میں اسکا جبڑا توڑ دوں گا۔)**"اس نے ایک بار پھر ہانک لگائی۔جیسے اوپر کھڑے شخص کو وارن کر رہا ہو۔۔آواز میں سخت طیش تھا۔اوپر سے اب بھی ہلکی ہلکی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ساتھ ساتھ کسی کی آواز بھی آئی۔

”آرہا ہوں۔“آواز بھاری تھی۔سنجیدہ بھی۔

”اب اگر اگلی بار تم نے ان پہ ہاتھ اٹھایا تو بہت برا ہوگا۔زبان سے بات کرو۔“ زلطان صفدر تحکم سے بولا۔گردن اٹھا رکھی تھی۔بہرام ابھی کچھ کہتا کہ شادان نے اسے دوبارہ گالی نکالی۔اسکی آنکھیں سرخ ہوئیں۔رگیں تن گئیں۔

”اس بہ دی ما مجبوری چی لاس اوچت کم۔”اب یہ مجھے ہاتھ اٹھانے پہ مجبور کرے گا۔“اسکا اشارہ شادان کی طرف تھا۔حسن اورزخرف اسے چپ کروا رہے تھے مگر وہ اسے گالیاں بک رہا تھا۔بہرام نے اب کے جمے ہوئے ہاتھ کا مکا اسکے جبڑے پہ دے مارا۔ساتھ دو مکے اسکے پیٹ پہ مارے۔اسکے منہ سے خون نکلنے لگا۔شادان کو اپنے دماغ کی تاریں ہلتی محسوس ہوئیں۔

”تم مجھ سے بات کروگے یا پھر بزدلوں کی طرح چھپتے پھروگے جبل خان۔“زلطان ،شادان کے ماتھے سے بہتے خون کو دیکھ پوری قوت سے غرایا۔سیڑھیوں کے پار کھڑے آدمی نے اپنے سامنے

کھڑے آدمیوں کو جانے کا اشارہ کیا۔"اگر تمھارے اس وزیر نے ایک بار پھر میرے لوگوں پہ ہاتھ اٹھایا تو زلطان صفدر کو تم جانتے نہیں ہو۔"

"اور یہ تمہارا آدمی۔اسکا زبان بند کیوں نہیں ہوتا۔اسکو بولنے کا بیماری ہے؟"بہرام بھی غرایا۔

"جب تک تمہارا ہاتھ اٹھتا رہے گا وہ بولتا رہے گا۔اسے بولنے کی نہیں غیرت کی بیماری ہے۔ہاتھ باندھ کر مارو گے تو وہ منہ سے مارے گا۔"حسن کی آواز دھیمی تھی۔اسے غصہ نہیں،اسے خوف آ رہا تھا۔آج پندرہ سال بعد اسے ویسا خوف آیا تھا جو وہ ایک بار پہلے بھی محسوس کر چکا تھا۔جب اسکے بہنوئی نے اسکے سامنے کسی آدمی کے ران پہ گولی داغ دی تھی۔وہ سفاکی،اسے بہرام کے اندر نظر آئی۔وہ فرش پہ بہتا خون اسے آج شادان کے چہرے پہ نظر آیا۔حسن سلطان کو خوف نے جکڑ لیا تھا۔اسے خون سے خوف آتا تھا۔

"ہمارا غیرت کا کیا؟یہ ہم کو گالی دے رہاتھا۔بات کرنے آیا ہے ہم بات کرنے دی؟"

"تمھیں پھر بھی اس پہ ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔"جبل خان نے سیڑھیوں پہ پہلا قدم دھرا۔اسکی آواز تہہ خانے میں گونجنے لگی۔"یہ سب ہمارے مہمان ہیں۔تمھیں چاہیے تھا کہ ان سے تمیز سے پیش آؤ۔تم ہماری روایات کا پاس رکھنا کب سیکھو گے؟"وہ اب انکے قریب آ رہا تھا۔آواز میں ہلکی سی ملامت تھی۔تمام نگاہیں اسکی طرف لگ گئیں،ہر، ہر سماعت کو اسکے بولنے کا انتظار ہوا۔وہ آتے ہی سحر پھونکنے لگا تھا۔

"میرے مہمان خانے میں خوش آمدید۔" روشنی اسکے نقوش واضح کرنے لگی۔وہ خوش شکل تھا۔دراز قد،اور سرمئی آنکھوں والا۔چہرے پہ رعب اور سنجیدگی بیک وقت تھیں۔اسے دیکھ کر کئی پل ٹھہر جانے کو دل کرے۔"امید ہے میرے بھائی نے آپ سب کو زیادہ تنگ نہیں کیا ہوگا۔"اسکے لہجے میں بھی پشتون عنصر تھا۔وہ آگے آیا اور شادان کے قریب آکر رکا۔ہاتھ بڑھا کر اسکے ماتھے کے زخم کو چھوا،پھر ٹٹول کر دیکھا۔آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔پھر اس نے انگلیوں کی مدد سے اسکا زخم پورا کھول دیا۔شادان کی روح تک تکلیف سے بھر گئی۔

"زیادہ گہرا زخم نہیں ہے۔پھر بھی میں مرہم پٹی کا انتظام کروا دوں گا۔"پانچ لوگوں کو قید کر کے،ان کو مار کر،انکا خون بہا کر وہ اب انکے لئے مرہم پٹی کا انتظام کر رہا تھا۔آہ اسکی عظمت کو سلام۔

"میں اپ کے لیڈر سے بات کرنا چاہوں گا۔"اس نے جیب سے رومال نکال کر شادان کے چہرے سے خون صاف کرنا چاہا۔وہ پیچھے ہوا،جبل نے اسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے ایک جگہ جما دیا۔

"کاپریٹ کریں،ہم بھی کریں گے۔"زخم صاف کر کے وہ جونہی مڑا اسکی نظر زخرف سے ٹکرائی۔سرمئی آنکھیں ایک پل کے لئے بلکل بدل گئیں،ان میں کچھ آیا تھا کوئی چمک سی اگلے ہی پل وہ دوبارہ سخت ہوئیں۔زخرف اسے دیکھ آنکھیں میچ گئی تھی۔اسے یہ آنکھیں میچنا برا لگا۔بہت برا۔

”میں کچھ وقت بعد آؤں گا تب تک آپ لوگ اپنا لیڈر یا پھر اسپاکس مین چن لیں۔“اس نے اوپر آواز دے کر کسی کو بلایا۔کوئی تیز تیز زینے پھلانگتا نیچے آیا تھا۔اسکے گلے میں کیمرہ لٹک رہا تھا۔

"یہ میرا بھانجا ہے اسفند۔“جبل نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔”بہت اچھا فوٹو گرافر ہے۔اب آپ ذرا تصاویر لینے دیں اسے۔“وہ انہیں یوں بہلا رہا تھا جیسے وہ کچی پکی کے سٹوڈنٹس ہوں۔یا جیسے انکا فوٹو شوٹ پرائم ٹائم میں چھپنا تھا۔لہجہ ایسا ملائم تھا جیسے وہ ان پانچ لوگوں سے بے حد محبت کرتا ہو۔

تصاویر لینے کے لئے انہیں تگ و دو نہ کرنی پڑی۔اگر کوئی تصویر نہ کھنچواتا تو بہرام کی پستول کا دستہ اسکے چودہ طبق روشن کر دیتا۔چند پل بعد لڑکا تصاویر لے کر باہر نکل گیا۔

”کیا تم یہ تصاویر ہمارے گھر والوں کو بھیجو گے؟اغواہ برائے تاوان رائٹ؟“زخرف اس سارے وقت میں پہلی بار بولی تھی۔جبل نے اسے نہیں دیکھا۔وہ اسے دوبارہ دیکھنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔دوسری نظر زنجیر ہوتی ہے،وہ بندھ نہیں سکتا تھا۔

”دماغ پہ زور دیں اور سوچتے رہیں کچھ وقت بعد ملاقات ہوگی۔“وہ کہتے ہوئے بہرام کو اشارہ کرتا جس طرح آیا تھا،اسی طرح چلا بھی گیا۔وہ پیچھے سے اسے آوازیں دیتے رہے چیختے چلاتے رہے۔”**موجودگی**“وہ پانچ لوگ اپنی اس جگہ موجودگی کو قبول نہیں کر پائے تھے۔

”یار یہ کیا طریقہ ہے؟“باہر آتے ہی بہرام ناخوشی سے بولا۔”تمہیں مجھے فری ہینڈ دینا تھا اور وقت کیوں دیا انکو ابھی مار مار کر ان کو لیول کر دیتا۔“

جبل نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔”تم نے مار کر انہیں خوف زدہ کیا،میں نے تصاویر نکلوا کر انکا دماغ دوسری رخ پہ کردیا۔میں انہیں کمزور کر رہا ہوں،تھکا رہا ہوں۔تم کھیل کے اصولوں سے ناواقف ہو بہرام۔“اس نے اپنے چھوٹے بھائی کا کندھا تھپکا اور آگے بڑھ گیا۔

”وہ لاتوں کے بھوت ہیں باتیں ان پہ اثر نہیں کریں گی۔“بہرام ناگواری سے بولا،مگر کچھ کر نہیں سکا۔یہ بساط،مہرے،یہ کھیل اسکا نہیں تھا۔وہ بس ایک سپاہی تھا،ایک وزیر۔

سات جنوری۔

وقت:رات کے ساڑھے گیارہ۔

قریباًایک گھنٹہ بعد جبل خان واپس اس تہہ خانے میں قدم رکھ چکا تھا۔وہ ایک گھنٹہ ان اسیروں کے لئے ایک صدی کے برابر تھا۔وہاں سردی تھی،بھوک تھی،خوف تھا،کپکپاہٹ تھی۔ہر ہر گزرتا لمحہ انہیں ان دیکھے شکنجے میں جکڑ رہا تھا۔سوچ سوچ کر انکا دماغ پھٹ رہا تھا۔کوئی دشمنی کوئی عناد ایسا نہیں تھا جس کی بنا پہ کوئی انہیں اس طرح اغوا کر لیتا۔

بہرام اور جبل خان کے واپس آتے ہی جیسے انکی جان میں جان آئی، یا پھر انکی جان نکل گئی۔وہ اندازہ نہیں کر سکے۔

"مجھے آپ کے لیڈر سے بات کرنی ہے کیا آپ اسے چن چکے ہیں؟" وہ ان سب کے چہرے باری باری دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں ہوں لیڈر۔ مجھ سے بات کرو۔کون ہو تم؟ہم یہاں کیوں ہیں؟" زلطان کے کہنے پہ وہ کرسی کو ہاتھ سے کھینچ کر اسکے عین سامنے لے آیا۔ بہرام اس سارے وقت میں خاموش رہا تھا۔ہاتھ میں عجیب سی کھجلی ہونے لگی تھی۔

"شروع سے شروع کرتے ہیں۔" اس نے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ گردن سیدھی کئے زلطان کو دیکھتے وہ اب بولنے کو تیار تھا۔"بظاہر آپ سب ہمارے پاس ہیں۔ کڈنیپڈ یو نو۔لیکن ایسا بلکل نہیں ہے۔ہم آپ کو کوئی نقصان نہیں دیں گے۔کیونکہ آپ سب سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"پھر مجھے اپنے گھر کی طرف دیکھا تھا کیا؟" شادان عجیب سی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ بہرام طیش سے اسکی اور بڑھا، مگر جبل اسکا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔ساتھ اسے دھیرج رکھنے کو کہا۔

"گھر کی طرف نہیں جانا چاہیے تمھیں۔ورنہ ایک لڑکی تمھارے ساتھ بھی ہے۔" بہرام غرایا۔

"اگر تم نے دوبارہ اس لڑکی کو درمیان میں لانے کی کوشش کی،تو کوئی مفاہمت، کوئی ٹیبل ٹاک نہیں ہوگی۔" زلطان کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ مگر لہجہ دھیما تھا۔زخرف اب بھی سن

تھی۔ساکت،شل۔اسے اندازہ ہوا کہ چار لڑکوں کے درمیان وہ اکیلی تھی اور سب سے زیادہ نقصان اسے ہو سکتا تھا۔

”بہرام . . . خاموش رہو۔“تنبیہہ پہ وہ ٹھہر گیا۔

”تم ہمیں یہاں کیوں لائے ہواور یہ کونسی جگہ ہے۔صاف صاف بتاؤ۔تمھارے اگلے الفاظ میرا جواب ہونے چاہییے۔؟“حسن بے حد ترشی سے بولا۔

”یہ زور گڑھ ہے۔زور گڑھ جانتے ہو ناں؟شہر نہیں۔یہ وہ جگہ ہے جو شہر سے فاصلے پہ ہے۔پہاڑوں کے عقب میں۔دنیا سے چھپی ہوئی۔اور آپ جیسوں نے چھپائی ہوئی۔“جبل دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔”بظاہر یہاں سب ٹھیک ہے۔حکومت ہمیں سب دیتی ہے۔حقوق،ووٹ کا حق،پانی،نوکری،کاروبار کی آزادی،پڑھائی سب . . . جو ہمارے پاس نہیں ہے۔وہ ہماری زمین ہے۔زور گڑھ سٹی کی زمین،اسکائی ہائی کی زمین۔یا پھر اس زمین نے بدلے پیسہ۔“وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا تاکہ اسکی بات سمجھی جائے۔

"تم سب اس وقت ملک کے سب سے مشہور لوگ ہو۔

زلطان صفدر نوجوانوں کا محبوب لیڈر،حسن سلطان ایک کامیاب،دلیر اور مسیحا بیرسٹر،زبرج شاہنواز ایک ماہر سوفٹ ویئر انجینیئر اور سوشل ورکر۔سید شادان شاہ ملک کے سب سے مشہور اینکر پرسن۔“وہ بولتے بولتے رکا۔وہ جو ہاتھ اٹھا کر نشاندہی کرتے ہوئے بول رہا تھا۔جب زخرف

کی باری آئی تو اسکا ہاتھ ساکت ہوگیا۔ایک لمحے کے لئے آنکھیں بھی۔اور شاید دل بھی۔اگلے ہی پل وہ ہر تاثر پہ قابو پا گیا۔

”مس وقار صاحبہ تو اس وقت ملک کا ہاٹ ٹاپک ہیں۔آپ کے والد صاحب کے قاتلوں کے حملے نے آپ کو مشہور کر دیا ہے۔“

”اگر تمھیں لگتا ہے میں اپنی شہرت کو تمھارے حق میں استعمال کروں گی تو تم غلط ہو۔“اسکی آواز بیٹھی ہوئی، مگر مضبوط تھی۔آنکھوں میں خوف تھا مگر سرخی بھی۔

”میں آپ کے لیڈر سے بات کرنا چاہوں گا۔“وہ زلطان کی طرف واپس مڑا۔”آپ سب کو ایک فون دیا جائے گا۔اپنے گھر والوں سے کہیں کہ زور گڑھ کے معملے کو میڈیا پہ لائیں۔تاریخ دلوائیں۔اور کیس جیتوائیں۔آپ سب بھی ایک ویڈیو ریکارڈ کریں گے۔اور ہم اسے اپلوڈ کر دیں گے۔چونکہ آپ کی کریڈبلیٹی ہے تو میرا خیال ہے ہم نظر میں آجائیں گے۔ہمیں ہمارا حق ملے گا۔لوگ ہمیں سنیں گے۔آپ کو بس ہماری آواز بننا ہے۔بس اتنی سی بات ہے امید ہے کسی کو انکار نہیں ہو گا۔“

”ہم کوئی ویڈیو نہیں بنائیں گے تم لوگ کوئی وکٹم نہیں ہو۔“زبرج زلطان سے پہلے پڑا۔

”سہی کہا ہم وکٹم نہیں ہیں۔“جبل تلخی سے بولا۔”میں ذرا آپ کو یاددہانی کروائے دیتا ہوں۔زور گڑھ کی زمین بیچ کراس سارے گاؤں نے ایک کمپنی میں انویسٹ کیا تھا۔کیونکہ وہ کمپنی سال کے اندر اندر ہمیں ڈبل دینے والی تھی سو ہر کوئی راضی ہوگیا۔اور کمپنی اور زور گڑھ کے درمیان یہ

معاہدہ کروانے والے کچھ اہم لوگ تھے۔جن میں جسٹس سمیہ (زخرف کی والدہ)،اینکر پرسن سید منور شاہ (شادان کے والد)۔وزیر اعلیٰ سمیع صفدر (زلطان کے بھائی)اور شاہنواز درانی (زبرج کے والد)شامل تھے۔"اس نے حسن کی طرف دیکھا۔نظروں میں ترس تھا۔

"تم یہاں صرف انکے دوست ہونے کی وجہ سے ہو۔تم ایک بار پھر غیر ضروری اضافہ ہو۔"حسن خاموش رہا۔کچھ بول نہ سکا۔

"پلاٹ ٹوئسٹ یہ کہ کمپنی کا مالک کروڑوں روپے لے کر بھاگ گیا۔"ان سب کی سانسیں ایک پل کے لئے اٹک گئیں۔"اور زور گڑھ کی بیچی ہوئی زمین پہ اسکائی ہائی کی تعمیر شروع ہو گئی۔ساتھ ساتھ کچھ اور پراجیکٹس بھی۔لوگ پاگل ہونے لگے۔انکے لاکھوں کروڑوں روپے جو انہوں نے چند قابل اعتبار لوگوں کے کہنے میں آ کر ایک کمپنی کو تھما دیئے تھے وہ غائب تھے۔گاؤں کے سربراہ اور باقی لوگ کئی بار ان پانچ لوگوں کے پاس گئے مگر بے سود۔کوئی ہماری آواز نہیں سنتا تھا۔آج پندرہ سال گزر چکے ہیں۔اور ہم وہاں کے وہاں ہیں۔اس لئے۔یا تو تم ہماری مدد کرو۔یا پھر ہم اپنے طریقے سے کروا لیں گے۔"جبل نے پوری روداد کہہ ڈالی۔

ان پانچ لوگوں نے سوچنے کے لئے ایک منٹ بھی نہیں لگایا تھا۔اور" ناں "کہہ دیا تھا۔زور گڑھ باغی تھا۔زور گڑھ اسکائی ہائی میں ہونے والے حملے میں سیکڑوں لوگوں کا قاتل تھا۔اور سب سے بڑھ کر زور گڑھ جن لوگوں کے خلاف تھا وہ اقتدار میں تھے۔کمپنی کا مالک وزیر اعظم کا بہنوئی تھا۔اور اسکائی ہائی کا مالک وزیر اعلیٰ تھا۔کمپنی کے مالک کے بارے میں ساری دنیا جانتی تھی وہ چور

ہے،اور اس وقت کینیڈا میں اربوں روپے کا کاروبار کر رہا ہے۔مگر کوئی اسکے خلاف نہیں بولے گا۔کسی کی اتنی جرات؟

"یعنی آپ سب ہماری مدد نہیں کریں گے؟"جبل گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔البتہ مایوس نہیں تھا وہ۔"ٹھیک ہے پھر۔"شال کا پلو درست کرتے ہوئے وہ اٹھا۔بہرام کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"they're all yours "

وہ مسکرایا۔عجیب سی جنونی مسکراہٹ۔" I'll serve them with honour "وہ اسی پشتون لب و لہجے میں بولا۔

"خاتون آپ میرے ساتھ آئیں گی۔"

جبل چھوٹے چھوٹے قدم لیتازخرف کی طرف آیا اور اسکے ہاتھوں میں بندھی رسیاں کھول دیں۔وہ زخمی شیرنی کی مانند پھرتی سے اٹھی اور پوری قوت سے ایک مکا اسکے جبڑے پہ دے مارا۔جبل خان اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں،زخرف نے اسی تیزی سے اسکے پیٹ پہ لات ماری،اور ایک اور مکا اسکی طرف بڑھایا جسے وہ روک چکا تھا۔ہر کوئی دم سادھے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔یہاں تک کہ بہرام بھی۔

اسکے دونوں بازو اسکی پشت تک لے جاتے،وہ اسے بری طرح پھڑپھڑانے پہ مجبور کر گیا۔اسکی آنکھیں سرخ پڑگئی تھیں۔بہرام جیسے ہوش میں آیا اور اس نے آگے بڑھ کر اسکے ہاتھ واپس باندھ دیئے۔

"وہ تمھارے ساتھ کہیں نہیں جائے گی۔جو بات کرنی ہے یہاں مجھ سے کرو۔"زلطان بے بسی سے پھڑپھڑانے لگا تھا۔"ہاتھ ہٹاؤ . . . . چھوڑو اسے۔"

جبل نے دھیرے سے زخرف کو آزاد کیا۔"یہ میرے ساتھ جائیں گی۔یہاں تم میرے آرڈرز سننے کے لئے ہو،میں تمھارے نہیں۔"وہ زلطان کے پاس آ کر رکا۔اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔جانے کیوں . . . جانے کیوں ان دونوں کی درمیان اس ملاقات کے پہلے ہی گھنٹے"**رقابت**"کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔"تمہاری خاطر تواضع کے لئے میرے خاندان کے کچھ مذید مرد یہاں آنا چاہتے ہیں۔مجھے یقین ہے اتنے سارے مردوں میں تمھیں خاتون کی موجودگی کچھ خاص پسند نہیں آئے گی۔"

"تم اسے اپنے ساتھ بھی نہیں لے کر جا سکتے۔مجھے تم پہ اعتبار نہیں ہے۔"وہ جھٹپٹایا۔خود کو چھڑوانے کی ناکام کوشش کی۔

"تمہیں جو بات کرنی ہے یہاں کرو۔وہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔"اب کے زبرج بھی بولا تھا۔شادان شاید حواسوں سے بے گانہ ہو چکا تھا۔

"تم جاؤ انکے اصول اور ضابطے میں درست کرتا ہوں۔" بہرام جھلا کر بولا۔ ساتھ اوپر کھڑے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیں۔ "لے کر جاؤ اسے یہ خون خرابہ دیکھ کے بے ہوش نہ ہو جائے۔" اسکے بس میں نہیں تھا دھکے دے کر اپنے بھائی کو نکالتا اور یہاں موجود لوگوں پہ اپنا ہاتھ صاف کرتا۔ اسکی ایک آواز پہ سیڑھیوں سے اترتے کئی لوگ تہہ خانے کی طرف آئے۔

جبل نے گردن ترچھی کر کے زخرف کو دیکھا۔ ہلکی سرمئی آنکھیں گہری سرمئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ وہ آنکھیں نم تھیں۔ کچھ تھا جو جبل خان کے دل میں کھب سا گیا۔ کوئی درد سا، کوئی سکون سا۔ ہمیشہ کے لئے۔ دوسری نظر مل چکی تھی اور اسکا دل بری طرح جکڑا جا چکا تھا۔ "آپ چلیں گی خاتون یا مذید طاقت آزمائی کرنی ہے؟"

وہ جواب دیتی کہ جبل نے شال کا پلو ہاتھ پہ لپیٹ کر اسکا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ زخرف سن، ساکت اسکے ساتھ چلنے پہ مجبور ہو گئی۔ زلطان صفدر کے دل پہ جیسے کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔ اس نے بے اختیار خود کو چھڑوانے کی کوشش کی، گردن اٹھا کر اس اور دیکھنے کی کوشش کی جہاں سے وہ اسے لے کر گیا تھا مگر راستہ بلاک ہو گیا۔ بہرام خان اپنے ساتھیوں سمیت انکے آگے کھڑا تھا۔ وہ شال اتار کر کرسی پہ رکھ رہا تھا۔ اس نے کف موڑے، اسکے ایک ساتھی نے ہاکی، ایک نے بلا اٹھایا۔ کوئی چاقو اٹھا رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کی ملاقات ٹارچر روم میں تبدیل ہو چکی تھی۔ دہر کا یہ باب انکے لئے مشکلات کا انبار لے آیا تھا۔ اور وہ پانچ لوگ اس بات کا اعتراف کرتے تھے۔

آٹھ جنوری۔

رات ایک بجے۔

یہ ایک کشادہ اور گرم کمرہ تھا۔آتش دان میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔آتش دان کے آگے دو صوفے رکھے تھے۔اور انہی صوفوں میں سے ایک پہ زخرف پیر سمیٹ کر بیٹھی تھی۔بال بکھرے ہوئے،چہرہ متورم ،اور آنکھوں میں ڈھیر ساری بے چینی۔اسکے ہاتھ اب بھی اسکی پشت پہ بندھے ہوئے تھے۔اسے یہاں سے جانا تھا۔وہ یہاں نہیں آنا چاہتی تھی۔

یہاں آکر اسے گرماہٹ کا احساس ہوا تھا۔مگر وہ تہہ خانے کی سردی ،وہ خوف وہ زائل ہونے کی بجائے بڑھ گیا تھا۔وہاں زلطان تھا،حسن،تھا۔وہاں سب تھے اور یہاں وہ اکیلی۔ہر تھوڑی دیر بعد تہہ خانے سے عرش تک جاتی چیخیں اور کراہیں اسکا دل سکیڑ کرر کھ دیتی تھیں۔وہ جاہل لوگ اسکے دوستوں کو مار رہے تھے۔بہت بری طرح مار رہے تھے۔اسکے آنسو بہنے لگے۔

"بازو چھوڑو . . . . اسکے بازو پہ گولی لگی ہے بازو چھوڑو۔"زبرج کے چلانے کی آواز نے اسکے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔وہ دہل کر اپنی جگہ سے اٹھی،ابھی آگے جانے کو قدم بڑھاتی کہ باہر سے جبل خان اندر داخل ہوا۔وہ اپنی جگہ تھم گئی۔اسکے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی۔جس کے ہاتھ میں ٹرے تھا۔وہ ٹرے میز پہ رکھے پلٹ گئی۔

"نہیں مت مارو۔ ہم نے آخر تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تمھیں کوئی شرم نہیں آتی؟" وہ رونے لگی تھی۔ باہر سے آتی آوازیں ہر لمحے تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ جبل نے ایک نظر اسے دیکھا پھر دروازے کو۔

"انکی آوازیں یہاں تک آ رہی ہیں۔ پلیز کچھ کرو۔ پلیز یہ مت کرو۔"

"اچھا آوازیں؟" وہ جیسے سہولت سے بولا۔ پھر دو قدم آگے بڑھ گیا دروازے کو بند کر دیا۔ "اب نہیں آئیں گی۔" دھیرے سے دروازہ بند کر کے وہ پلٹا۔ زخرف وقار کا سارا خون سمٹ کر اسکے چہرے پہ آگیا۔ وہ اس وقت کسی غیر مرد کے ساتھ تھی۔ خوف بے حد چھوٹا لفظ تھا جو اسے اس وقت محسوس ہوا۔

"دروازہ کھولو ورنہ آج میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں گی۔"

جبل اثر لئے بغیر چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکی اور بڑھا چلا آیا۔ اسکے عقب میں کھڑے ہو کر اسکے ہاتھ کھولے۔ "بیٹھ جائیں خاتون۔ ہم نے اور آپ نے ابھی بڑے معملات طے کرنے ہیں۔" ایک شان سے وہ اسکے سامنے والے صوفے پہ آ کر بیٹھا۔ درمیان میں چھوٹی میز تھی۔ اور اسی میز کے ساتھ زخرف کے سبز جوتے رکھے تھے۔ داغدار جوتے۔

"چائے یا قہوہ؟" وہ قدرے جھک کر آگے کو ہوا اور ٹرے اپنی جانب کھسکاتے ہوئے کہا۔

"میرے دوستوں کو، اور مجھے جانے دو۔ تمہارا مسئلہ ہم نہیں ہیں۔ ہمارے پیرنٹس یا گھر والوں نے جو بھی کیا تم اسکی سزا ہمیں نہیں دے سکتے۔" وہ تیز تیز بول رہی تھی۔ جبل خاموشی سے کیتلی

سے چائے کپ میں انڈیلتا رہا۔"تم ان پڑھ ہو۔تم گاؤں کے رہنے والے ہو تمہیں معلوم ہی نہیں کہ ہم چار پانچ لوگوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ہماری کون سنے گا؟"

"چینی یا شہد؟" وہ اسکے لیکچر سے یکسر بے نیازی سے بولا۔

"دیکھو میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ہم سب معمولی سے لوگ ہیں۔" وہ صوفے پہ آگے کو ہوئی۔"ہاں ٹھیک ہے لوگ ہمیں جانتے ہیں۔ہماری سنتے ہیں لیکن زور گڑھ . . . . زور گڑھ بہت بڑا معملہ ہے۔اگر ہم اس میں انوالو ہوئے، پورا ملک ہم سے اختلاف کرے گا۔ساری دنیا ہمارے خلاف ہوگی اور ہم سب اپنی ریپوٹیشن کھو دیں گے۔ہم برباد ہو جائیں گے۔ختم۔فنیش۔۔" اسکی آنکھیں دوبارہ بہنے لگیں۔اسے سمجھ نہ آیا وہ اس ڈھیٹ آدمی کو کیا اور کیسے سمجھائے۔

"تم اور تمھارے لوگوں نے اسکائے ہائی پہ جو حملہ کیا تھا اسکے بعد سے کوئی بھی تمھیں مظلوم نہیں سمجھتا۔تم وکٹم نہیں ہو۔اور جو تمھارے ساتھ کھڑا ہو گا وہ ولن ہو گا۔۔"

"یہ پھیکی ہے۔" اس نے سبز چائے کا کپ اسکی اور بڑھایا۔"ہم اسے ان ٹکیوں کے ساتھ پیتے ہیں۔آپ بھی ٹرائے کریں۔" وہ اسکی بات کاٹ کر بولا بھی تو کیا زخرف نے کپ اٹھا کر پوری قوت سے زمین پہ دے مارا۔مارے بے بسی کی وہ کانپ رہی تھی۔

”تمہارا دماغ خراب ہے؟تم سن بھی رہے ہو میں کہہ کیا رہی ہوں؟“وہ حلق کے بل چیخی۔”تم لوگوں نے ملک کے اعلیٰ عہدہ داران،اور عام لوگوں پہ حملہ کیا۔لوگ مارے گئے تم سمجھ رہے ہو؟تم سمجھ بھی رہے ہو کیا ہوا ہے؟"

”آرام سے بات کریں۔چیخنے سے آپ مجھ پہ دھاک نہیں بٹھا سکتیں۔“وہ تحمل سے بولا۔چہرے کے تاثرات اب بھی برف تھے۔”اسکائی ہائی پہ حملہ ہوا،لوگ مارے گئے،عمارت کو نقصان پہنچا یہ سب آپ کو کس نے بتایا؟

representersنے۔اور وہ کون تھے؟وہ لوگ جو ہمارا حق کھا کر بیٹھے ہیں۔وہ جنہوں نے ہماری زمین،ہمارا پیسہ ہتھیا لیا۔ہم ولن نہیں تھے۔ہم بس سادہ تھے۔ہم پہ الزام لگے،اور کسی نے اسکی تردید نہیں کی کیونکہ ہمارے پاس ثبوت نہیں تھے۔کیا ثبوت نہ ہونے سے انسان گنہگار ہوجاتے ہیں؟“اس نے آنکھیں زخرف کی آنکھوں میں گاڑے ہوئے ایک سوال کیا۔

سرمئی آنکھوں والی لڑکی نے گردن کڑا لی۔”ہاں . . ہوجاتے ہیں۔جن کے پاس ثبوت نہ ہوں۔وہ مجرم ثابت ہوجاتے ہیں۔“

”غلط کہا خاتون . . . “وہ زخمی مسکراہٹ لئے آگے کو ہوا۔”مجرم وہ نہیں ہوتے جن کے پاس ثبوت نہ ہوں،مجرم وہ ہوتے ہیں۔جن کے خلاف ثبوت ہوں۔ہمارے خلاف کسی کے پاس کیا ثبوت تھا؟“زخرف وقار کے اوپر جیسے کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔وہ برف ہوگئی۔کیا انکے پاس

کوئی ثبوت تھا؟کیا میڈیا کے پاس کوئی کوریج تھی؟کیا جنہوں نے الزامات لگائے انکے لفظوں میں صداقت تھی؟

"پندرہ سال پہلے ہمیں خوشحالی کے خواب دکھا کر ہم سے ہماری زمین اور پیسہ لیا گیا۔اب آپ ہم سے یہ مت کہیئے گا کہ ہم نے اپنا پیسہ اور زمینیں کیوں دیں۔ہر انسان کو خوش حال مستقبل اور اچھے حال کی خواہش ہوتی ہے۔اگر میرے لوگوں کو بھی تھی تو اس میں غلط کیا تھا؟"اسکے لہجے میں نری ملامت تھی۔مگر اس ڈھیٹ وکیل پہ جیسے کوئی اثر ہی نہ ہوا۔کھوٹے دل،ہک ہاہ۔

"غلطی ،غلط انسانوں پہ بھروسہ کرنا تھا۔"وہ چبا چبا کر بولی۔

"غلط انسان کون تھے؟اگر آپ کو کوئی جج اٹھ کر کہہ دے کہ کہ اس کیس کے بعد آپ کو بڑی امارات ملیں گی،عہدہ ملے گا تو کیا آپ یقین نہیں کریں گی؟شاید نہ کریں لیکن اگر وہ اپنے ساتھ چار معزز لوگ لے آئے تو آپ بھروسہ کر لیں گی کیوں؟کیونکہ انکی کریڈبلیٹی ہوگی۔کیونکہ وہ سسٹم میں بیٹھے لوگ ہیں۔کیونکہ وہ قانون دان ہیں۔ہمارا قصور یہ نہیں تھا کہ ہم نے کسی پہ بھروسہ کیا۔مقتول سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ قاتل سے قتل کیوں ہوا۔مقتول کو انصاف دلایا جاتا ہے۔وہی انصاف جو ہمیں پچھلے کئی سالوں سے نہیں مل رہا۔اگر ہم قصور وار ہیں بھی تو کوئی ہمیں فیئر ٹرائل کیوں نہیں دیتا۔پندرہ سال اور صرف تین تاریخیں؟تین سنوائیاں؟"نہ جانے کیوں مگر اسکے لہجے میں تلخی گھل گئی۔رنج اور ملال بھی۔

"پندرہ سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے جبل خان۔یہ فیصلہ تم نے نہیں کیا تھا۔یہ یقیناً تمھارے بڑوں نے کیا ہوگا۔تم ان بڑوں کی جھونکی ہوئی آگ میں خود کیوں جھونک رہے ہو؟"

"یہ آگ نہیں ہے۔یہ بغاوت ہے۔یہ تحفہ ہے۔یہ غیرت ہے۔میرے دا.جی نے مرتے وقت مجھے تحفے میں میرے لوگوں کی ذمہ داری دی تھی۔میں ان سے منہ نہیں موڑ سکتا۔یہ زمین ہمارا انعام ہے۔میں اس میں غیروں کا حصہ نہیں نکال سکتا۔"وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔"تحفوں کی قدر کی جاتی ہے،کوئی انکی ناقدری کرے انہیں نقصان پہنچائے تو برا لگتا ہے۔....لگتا ہے ناں؟"

زخرف اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔وہ یک ٹک شیشے کی میز کے ساتھ رکھے اپنے مخملیں سبز جوتے دیکھ رہی تھی۔سماعتوں میں ایک فقرہ گونج رہا تھا۔

"تم یہ جوتے پہن کر اور اونچی لگو گی زخرف یہ میرا تحفہ ہے اسکی قدر کرنا اور کروانا۔"

اسکے باپ نے وفات سے ایک ماہ قبل اسے یہ جوتے خرید کر دیئے تھے۔اورآج ان جوتوں پہ کسی کے پیروں کے دباؤ کی وجہ سے مٹی کے بڑے بڑے دھبے لگ گئے تھے۔شاید تھوڑا سا کیچڑ بھی۔وہ صاف ہوجاتے مگر پہلے جیسے نہیں۔

"تم صحیح کہتے ہو . . . . . "اسکی آواز ہلکی تھی۔بے حد ہلکی۔"کوئی تحفوں کی قدر نہ کرے . . . . "اسکی آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی باڑ آگئی۔

"تو برا لگتا ہے . . . بہت برا لگتا ہے۔"سر ہاتھوں میں گرائے وہ بے آواز روتی گئی۔چھوٹے کٹے بال چہرے کے اطراف میں پھیل گئے۔

جبل خان نے اسکے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔وہ اسکی کلائیوں پہ بنے زخم کو دیکھ رہا تھا۔کمرے میں گونجتی اسکی سسکیاں سن رہا تھا۔آج سے پہلے جبل خان کو کسی عورت کے رونے سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

اس نے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھایا۔اپنی شال کے ایک کونے پہ پانی گرایا،یہاں تک کہ وہ گیلی ہوگئی۔پھر اس نے جھک کر دھیرے سے اسکا سبز جوتا اٹھا کر اپنے گھٹنے پہ رکھا۔اور شال کے گیلے حصے سے ان داغوں کو مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔قبیلے کا سردار، گاؤں کا سب سے معزز مرد اپنی شال سے ایک عورت کے جوتے صاف کر رہا تھا۔بغیر ماتھے پہ شکن لائے،بغیر کسی ہچکچاہٹ کے۔آتش دان نے دم سادھ لیا،دیواریں ساکن سی اسے تکتی رہیں۔

زخرف نے سر اٹھایا اور دھک سے رہ گئی۔"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"اس نے دہل کر اپنا جوتا اس سے واپس لینا چاہا مگر اسکی گرفت ہلکی نہیں تھی۔

"تم یہ سب کر کے میرا فیصلہ بدل نہیں سکتے۔میرا دل نہیں بدلے گا۔"

"کاش اللہ نے انسانوں کو دل بدلنے کے اختیار دے رکھے ہوتے۔"وہ بڑبڑایا۔زخرف نے ایک بار پھر جھپٹ کر اپنا جوتا لینا چاہا۔مگر ناکام۔

"اگر دیا ہوتا تو کیا؟تم زور گڑھ کے لوگوں کے لئے میرا دل بدل دیتے؟"

"نہیں۔ ۔ ۔ "اس جس طرح جوتا اٹھایا تھا اسی طرح واپس بھی رکھ دیا۔"میں کوشش کرتا کہ آپ کے شہر والوں کے لئے آپ کا دل بدل دوں۔"اسکی آنکھوں کے آگے زلطان صفدر کا چہرہ تھا۔اور جبل خان نے اپنی ساری زندگی میں کسی انسان کے چہرے سے اتنا حسد نہیں کیا تھا۔

"میرے شہر کے لوگوں کے لئے میرا دل کیوں بدلنا ہے تمھیں؟"

"کیونکہ آپ انہیں اپنے morals سے زیادہ چاہتی ہیں۔اس وقت یہاں بیٹھ کر جب آپ کو ہمارے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے تھی،آپ ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔میں نے اپنا مقام اپنی کرسی کی شان کی پرواہ کئے بغیر آپ کی جوتے تک صاف کر دیئے کیونکہ یہ نقصان ہماری وجہ سے ہوا تھا۔کوئی مقام کوئی کریڈ بلیٹی کسی کی ملکیت سے بڑا نہیں ہوتا۔"وہ صفائی سے بات بدل گیا تھا۔"چائے لیں پلیز۔"اس نے اپنا کپ اسکی طرف بڑھایا۔

زخرف یونہی بیٹھی رہی۔ایک نظر دروازے کو دیکھا۔"تم مجھے میرے دوستوں سے دور یہاں اس کمرے میں لے آئے ہو۔اور اب تمھیں لگتا ہے میں تمھارے ہاتھوں سے یہ چائے لے لوں گی؟یقیناًتم نے اس میں بے ہوشی کی دوا ڈالی ہوگی اور تم چاہتے ۔۔"

"میرے ذہن میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ہاں البتہ آپ کا آئیڈیا اچھا ہے۔پہلے دیتیں تو عمل کرنے کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔"اسے گویا افسوس ہوا۔زخرف کو صدمہ سا لگا۔جبل گہری سانس لیتے ہوئے آگے کو ہوا۔

”دیکھیں خاتون . . . اس وقت میری واحد دلچسپی صرف ہمارا پیسہ اور ہماری زمین ہے۔اگر میری دلچسپی آپ ہوتیں تواس وقت آپ کو مجھ سے کوئی بچا نہیں سکتا ہے۔خود میں بھی نہیں۔اس لئے بہتر ہے کہ ہم بات کریں۔“

”میں مر کر بھی تمہاری اس تجویز پہ عمل نہیں کروں گی جبل خان۔“وہ پھنکار کر بولی۔

”میں آپ کو سوچنے کا وقت دیتا ہوں۔“وہ کہتے ہوئے اٹھا اور ساتھ باہر سے کسی کو آواز دی۔دو لڑکیاں بھاگی چلی آئیں۔

”نہایت احترام سے خاتون کے ہاتھ دوبارہ باندھو اورانکے پاس بیٹھو۔بہرام انہیں واپس لینے آجائے گا۔“

”مجھے یہاں تم لائے ہو اور چھوڑنے بھی تم ہی جاؤ گے۔میں اس جنگلی کی ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

جبل خان دروازے کی طرف جاتے جاتے مڑا۔زخرف اب دو لڑکیوں کے نرغے میں تھی۔”معذرت مگر یہاں آپ میری hostage ہیں میں آپ کا نہیں۔“

وہ رکا۔ایک تیز نظر ان لڑکیوں پہ ڈالی۔جو اسکے ہاتھوں کو بری طرح دبوچے ہوئے تھیں۔”ذرا نرمی سے پیش آؤ۔لڑکی ہے وہ۔“اس نے دونوں عورتوں کو پشتو میں گھرکا۔

”صاف صاف اردو میں بتاؤ ناں کیا کہا ہے۔کیا میرے سن لینے کا خوف ہے؟“

جبل خان اپنی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔"میں نے ان سے کہا ہے کہ ذرا سختی سے ہاتھ باندھیں،خاتون کے ہاتھ بہت چلتے ہیں۔"

زخرف نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر وہ جا چکا تھا۔اسکے ہاتھوں پہ رسیوں کی گرفت مضبوط ہوئی۔اسے رونا آیا اسے بے اختیار رونا آیا۔کاش وہ وقت کو پیچھے لے کر جا سکتی اور اس آدھے گھنٹے کی ملاقات پہ لعنت بھیجتی کاش . . کاش . . کاش۔

دہر کے کھلے باب بند کرنا انسانوں کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

آٹھ جنوری۔

رات،ڈیڑھ بجے۔

تہہ خانہ ویسا بلکل نہیں تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔بہرام اسے جنگلیوں کی طرح تقریباً گھسیٹ کر لایا اور فرش پہ پھینک کر چلا گیا تھا۔اسے جبل اور بہرام کے رویے میں واضح فرق اب نظر آیا تھا۔اسے "**مرد**"اور "**اغواکار**"کا مطلب اب سمجھ آیا تھا۔آنکھیں اسکی تب پھٹیں جب اس نے ان چار اسیروں کی حالت دیکھی۔اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔خون کی اس بو میں وہ واقعی چند پل کے لئے سانس نہیں لے سکی تھی۔

کرسیاں ٹوٹی پڑی تھیں۔اور اسے یقین تھا وہ ان چار لوگوں کے جسم پہ ہی توڑی گئی ہوں گی۔شادان بے ہوش تھا۔اسکے ماتھے پہ خون جم چکا تھا۔ناک پہ ایک کٹ تھا اور آنکھ کے نیچے نیل۔اسکا جسم شرٹ سے خالی تھا اور جسم پہ بھی اسی طرح کے سرخ نشان۔زخرف نے اسکو کندھے سے جھنجھوڑا۔ساری دشمنی سارا عناد دور جا سویا وہ شادان کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اس سے ذرا فاصلے پہ زبرج پڑا تھا۔وہ گہرے لمبے سانس لے رہا تھا۔آنکھیں ادھ کھلی تھیں۔اسکی سیاہ جیکٹ دور پڑی تھی مگر جسم پہ شرٹ موجود تھی۔جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی۔خون سے گیلی۔

کراہنے کی آواز پہ اس نے یونہی اپنے وجود کو آگے گھسیٹا۔حسن سلطان با مشکل دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔کنپٹی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پہ جم گیا تھا۔گردن اور چہرے پہ ڈھیر سارے نیلے،سرخ نشان پڑ گئے تھے۔اسکی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی بھر رہا تھا،وجہ زخم نہیں تھے اسکے بازو سے پلستر ادھڑا ہوا تھا۔زخرف وقار اپنی جگہ جامد ہو گئی۔اسکے بازو پہ گولیاں لگی تھیں اور ابھی بھی اسکے زخم ہرے تھے۔یہ پلستر ادھڑنا دوبارہ گولیاں لگنے کے مترادف تھا۔وہ اسکے سامنے بیٹھی بے آواز آنسو بہاتی رہی۔

”یہ کیا ہے حسن یہ کیا ہے؟ . . . . کیسی جہنم ہے یہ . . . ہمارا کیا قصور ہے؟ . . . ہم نے کیا کیا ہے؟“اسکے بس میں ہوتا تو وہ ابھی کے ابھی اسے ٹھیک کر دیتی۔وہ بس اسے دیکھ کر رو سکتی تھی۔اسکے علاوہ کچھ بھی اسکے بس میں نہیں تھا۔

"میں ٹھیک ہوں زخرف۔۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔" وہ کراہتے ہوئے بامشکل بول رہا تھا۔۔۔"شادان کو دیکھو . . زلطان کو دیکھو۔"

وہ جیسے ایک جھٹکے سے ہوش میں آئی۔زلطان؟وہ کہاں تھا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔اور اپنے سامنے تہہ خانے کے آخری کونے میں اسے وہ نظر آیا۔وہ اسکے قریب آ کر بیٹھی۔سفیدہائی نیک سوئیٹر نے اسکے جسم کے زخم چھپا رکھے تھے مگر ان پہ لگی ضرب وہ محسوس کر سکتی تھی۔ان تینوں کو دیکھ کر اسکے دل میں ہوک اٹھی تھی مگر زلطان کا ایک ایک زخم اسے اپنے دل پہ پڑتا محسوس ہوا۔

اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسکے سینے پہ گھونسا دے مارا ہو۔وہ بے بسی سے اسکا چہرہ دیکھنے لگی۔نیل،زخم،پھٹا ہوا ہونٹ . . . سب باقیوں جیسے تھے۔مگر آنکھیں،اسکی آنکھوں میں عجب بغاوت تھی۔وہ یک ٹک چھت کو دیکھ رہا تھا۔اسے دیکھ کر کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ اسے کوئی درد ہوا ہو گا،اسے کوئی تکلیف ہوئی ہو گی۔اگر ہوئی تھی بھی تو وہ اسے مہارت سے چھپا گیا تھا۔

"اس نے تم سے کیا کہا؟" اسکی آواز بے لچک تھی۔انداز ٹھہرا ہوا۔جملے رواں۔"کوئی بد تمیزی کی؟تمہیں کچھ کہا؟"

"تمہیں درد ہو رہا ہو گا ناں؟مجھے بتاؤ میں تمھارے لئے کیا کروں زلطان۔ . . میں کیا کروں؟میں کر بھی کیا سکتی ہوں؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔اسکے سرے آنسو بظاہر زلطان کی ہتھیلی پہ گر رہے تھے مگر وہ جانتا تھا یہ آنسو کیسے اسکے دل پہ بھی گر رہے تھے۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں تم ٹھیک ہو؟" اس نے گردن موڑ کر زخرف کو دیکھنا چاہا۔زخرف نے گردن جھکا دی۔اسکے رونے میں روانی آ گئی تھی۔وہ اسکا صبر آزما رہی تھی۔یکدم اسکی نظر زلطان کی گردن پہ دائیں طرف پڑی۔اسکا دل دھک سے رہ گیا۔وہاں چاقو کا زخم تھا اور اس سے خون رس رہا تھا۔مگر اسکے ڈھیٹ پن کا یہ عالم تھا کہ اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

وہ طیش کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھی۔زلطان نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔وہ زخرف کو دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ رہا تھا۔اسکے جسم میں سکت نہیں تھی کہ اٹھ کر اسے روک لیتا۔

"زخرف . . . .واپس آجاؤ . . . . وہ تمہیں نقصان دے سکتا ہے۔فار گاڈ سیک ادھر آؤ زخرف۔" اس نے چیخنے کی کوشش کی مگر اسکی آواز دب گئی۔گردن میں ایسا درد اٹھا تھا کہ الامان۔زخم تکلیف دینے لگا تھا۔

وہ آخری سیڑھی پہ کھڑی زور زور سے دروازہ بجا رہی تھی۔اسکے انداز میں جارحیت تھی۔آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔اسکا ڈل پھٹ رہا تھا۔

"جبل خان . . . دروازہ کھولو گھٹیا انسان باہر نکلو۔اگر تمھارے اندر اتنی ہی غیرت ہے تو جا کر ان لوگوں سے لڑو جنہوں نے تمہارا حق کھایا ہے . . . . ." وہ دھڑا دھڑ دروازہ پیٹتے ہوئے غرا رہی تھی۔

”جرات کیسے ہوئی تمہاری میرے دوستوں پہ ہاتھ اٹھانے کی۔اگر اتنی غیرت ہے تو کھولو انکی رسیاں اور پھر مقابلہ کرو . . . . دروازہ کھولو جبل خان . . . . . گھٹیا . خبیث انسان دروازہ کھولو۔“

”واپس آؤزخرف۔...اسے مت بلاؤ ادھر واپس آؤ۔“زلطان اب کے سختی سے اسے پکار رہا تھا۔مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔وہ رو رہی تھی،چیخ رہی تھی اور بس جبل اجلال خان کو آواز دے رہی تھی۔

اسی پل دروازہ کھلا۔زخرف نے نہیں دیکھا سامنے کون ہےاس نے ہاتھ گھمایا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اسکے منہ پہ دے مارا۔وہ جبل خان تھا۔اسکے ساتھ آئے دو لوگوں نے آگے بڑھ کر ویسے ہی تھپڑ اسکے منہ پہ مارنا چاہا مگر جبل خان کے ہاتھ کے اشارے سے رک گئے۔زخرف کا غصہ کسی طور کم نہ ہوتا تھا۔غصہ تو اس وقت جبل کی آنکھوں میں بھی تھا۔اسکی آنکھیں کہتی تھیں وہ اس وقت کسی کے بھی ٹکڑے کر سکتا تھا۔وہ اس وقت کسی قہر سے کم نہیں لگتا تھا۔

”کیا حالت کی ہے تم نے ان کی۔انسان ہو یا حیوان۔تم پاگل ہو گئے ہو؟ہم سے کس بات کا بدلہ لے رہے ہو تم۔“چیخ چیخ کر اسکا حلق دکھ رہا تھا۔

”آئندہ آپ کا ہاتھ میرے چہرے تک نہیں آنا چاہیے خاتون۔ورنہ میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ آپ کا ہاتھ چند دن کے لئے مفلوج رہے۔“وہ ایسے کاٹ دار انداز میں بولا کہ زخرف کو

اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔مگر وہ ڈٹ کر کھڑی تھی۔جبل خان کی سرد نظریں اسکے اندر تک گڑھ رہی تھیں۔

"اگر تم نے زلطان پہ دوبارہ ہاتھ اٹھایا تو میں تمھارے منہ پہ دوبارہ ایسا تھپڑ ماروں گی۔اگر تم نے میرا ہاتھ توڑ دیا تو میں تمہیں گالیاں بکوں گی۔اگر تم نے۔"اس نے انگلی اٹھائی اور اسکی سرخ آنکھوں کے سامنے لہرائی۔"دوبارہ زلطان صفدر پہ ہاتھ اٹھایا تو خدا کی قسم میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"کیا ہو کہ میں زلطان صفدر ہی کو زندہ نہ چھوڑوں؟یا پھر مجھے اجازت ہے کہ اسے چھوڑ کر باقی سب کو زندہ نہ چھوڑوں؟"اس نے کہتے ہوئے اسے کندھوں سے پکڑ ایک جھٹکے سے گھمایا اور اسکے ہاتھ اسکی پشت سے لگائے،۔وہ جھٹپٹائی۔مگر خود کو آزاد نہ کروا سکی۔جبل کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم کسی کو کوئی نقصان نہیں دو گے۔اگر تم نے دوبارہ میرے دوستوں پہ ہاتھ اٹھایا تو بہت برا ہو گا۔"

جبل نے اپنے ساتھ آئے دو لوگوں کو آگے چلنے کا کہا،خود جیب سے ایک پتلی رسی برامد کی۔اور بڑے ہی سکون سے اسکے دونوں ہاتھ اسکی پشت پہ باندھنے لگا۔وہ اسی لائق تھی اسے یقین ہوگیا۔

ہاتھ مت باندھو میرے ۔ ۔ ۔ ۔ میں کہتی ہوں ہاتھ مت باندھو میرے ۔ ۔ ۔ ۔ "اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑوایا۔وہ ہاتھ باندھ چکا تھا سو گرفت ڈھیلی چھوڑ دی۔سرخ سپید چہرے پہ انگلیوں کے نشان پڑ گئے تھے۔جبل اسے بازو سے پکڑے نیچے لے آیا۔

"ہمارے ہاتھ باندھ کر ہم پہ ٹارچر کر کے خود کو بڑا سورما سمجھتے ہو؟"

"اور آپ خود کو کیا سمجھتی ہیں؟میری جگہ یہ تھپڑ بہرام خان کو مارا ہوتا تو آج وہ آپ کو ایک بہت اچھا سبق دیتا۔"

"میں تمھارے اس پالتو کتے سے ڈرتی نہیں۔"

"وہ اس لئے کہ ابھی میں نے اسے آپ پہ چھوڑا نہیں ہے۔"وہ آگے آیا،دو قدم مزید آگے۔اسکی سرخ ہوتی آنکھوں میں الاؤ دہک رہے تھے۔"جانوروں سے ڈرا کریں خاتون،کب،کہاں،کیوں کیسے کاٹ لیں علم بھی ہو گا اور زہر سے آپ کا جسم سبز پڑ جائے گا۔"وہ پیچھے ہوا۔حسن اور زبرج چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے۔

"تم خود کو جانور کہتے ہو ۔ ۔ ۔ "چھت سے آنکھیں لگائے زلطان صفدر کی روبوٹک آواز پہ وہ مڑا۔"میں نہیں سمجھتا۔کیونکہ جانوروں کا بھی ایک وجود ہوتا ہے۔تم برم ہو،بے کار،بے غیرت۔"

جبل خان اسکے سامنے آ کر رکا۔یوں کے اب وہ اسے فرش پہ گرے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔وہ اسکا چہرہ،اسکی بھوری آنکھوں میں جلتا طیش دیکھ سکتا تھا۔

”تمہاری غیرت پہ تو پھر عش عش کرنا چاہیے مجھے۔ایک عورت کو جذباتی کر کے دروازہ کھولنے بھیج دیا؟“وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔افسوس سے اسکا چہرہ دیکھا۔”زخم اتنے گہرے تو نہیں تھے کہ تمہاری مردانگی انہیں سہہ نہ سکتی۔“

زلطان ہنس پڑا۔عجیب سرد،کھوکھلی ہنسی۔”فرض کرو اگر اسے میں نے بھیجا بھی تھا تو تمہارے چہرے کے نشان یہ بتاتے ہیں میرا فیصلہ درست تھا۔“وہ ہنستا گیا،زور زور سے کروٹ بدل بدل کر ہنستا رہا۔ذہن میں کوئی اور الفاظ گونج رہے تھے۔

("جب مقابل تیاری کے ساتھ آئے،تو تمھیں چاہیے کہ تم بھی تیاری کرو۔مقابلہ ہر بار جسم،طاقت،زور بازو کا نہیں ہوتا۔کئی بار مقابلے "دماغ،جذبات،اور برداشت "کے ہوتے ہیں۔حریف کا جسمانی طور پہ مضبوط ہونا کئی بار وقعت کھو دیتا ہے،اور اگر کسی چیز کی اہمیت رہتی ہے تو وہ ہے "تحمل،برداشت،مستقل مزاجی۔۔")

"یارا جبل خانا . . . . “اس نے بہرام کی نقل اتاری۔”تم سے تو ایک عورت بھی قابو نہ ہوا۔چار مردوں کو کیسے جھیلے گا تم؟“وہ ہوبہو اسکی نقل اتارتے ہوئے ہنس رہا تھا۔یہ کسی تو طیش دلانے والی ہنسی تھی۔

”ہنسنا بند کرو . . . . “وہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔تیر نشانے پہ لگ رہا تھا۔

("غصہ انسان کی عقل کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے۔انا پہ ہونے والا وار انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم کر دیتا ہے۔غصہ،طیش بنے بنائے کھیل بگاڑ دیتا ہے۔انسان کو اسکے پیٹرن

سے ہٹا دیتا ہے۔بڑے سے بڑے سورما جنگیں اس وجہ سے نہیں ہارتے کیونکہ وہ طاقت کھو دیتے ہیں،وہ جنگ اس لئے ہارتے ہیں۔کیونکہ وہ برداشت کھو دیتے ہیں۔۔")

”اپنے قبیلے کے سردار ہو ناں تم؟یہ تھپڑ والا چہرہ لے کر جاؤ۔خدا کی قسم سرداری تو کیا چوکیداری بھی نہیں ملے گی تمہیں۔“وہ اور زور سے ہنسنے لگا،ہنستے ہنستے اسے کھانسی کا دورہ پڑا،مگر وہ ہنستا رہا۔زخرف دم سادھے اسے تک رہی تھی۔

”میں نے کہا ہے ہنسنا بند کرو زلطان صفدر۔“اسکی آواز ہڈیاں چٹخانے جیسی سخت تھی۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ہاتھ کی نسیں ابھر کر باہر آنے لگی تھیں۔

("مقابل کو اگر مات دینی ہے تو Make them loose their patience غصہ غالب آئے گا تو صرف گردن کی نسیں سخت نہیں ہوں گی،بلکہ تمھارے حریف کی ایک پرفیکٹ پلان کو کھینچتی رسی بھی سخت ہو گی۔ضرورت سے زیادہ سخت۔

اور زیادہ سے زیادہ غصہ آنے پہ صرف اس کے ہاتھ نہیں لرزیں گے وہ پلان کی سخت رسی بھی اس لرزتے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔اور یہاں ہو گی اور یہاں ہو گی تمہاری جیت۔کیونکہ جہاں غصہ آجائے،وہاں کھیل صرف ایک فریق کے حق میں جاتا ہے۔۔")

”ویسے ایک بات بتاؤ . . . .“وہ اپنی ہتھیلی پہ زور دیتے ہوئے اٹھنے لگا۔ساتھ کراہا۔ذرا سی جدوجہد کے بعد وہ اٹھ بیٹھا۔دلچسپی سے اپنے سامنے پنجوں کے بل بیٹھے جبل خان کو دیکھا۔”سردار

بنانے کے لئے تو قبیلے کے لوگ اکھٹے ہوتے ہیں ناں؟"تمھیں" سردار بنانے کے لئے کونسے نامرد اکھٹے ہوئے تھے؟"

جبل کا چہرہ ایک لمحے میں سرخ ہوا۔جبکہ وہ کہتے ہوئے گردن پیچھے پھینک کر ایک بار پھر ہنس پڑا۔اسکی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

"ہنسنا بند کرو۔۔"

"کیوں تمھیں غصہ آ رہا ہے؟مارنا چاہتے ہو مجھے؟آؤ مارو . . . یا پھر نہیں ہے غیرت؟ . . غصہ آ رہا ہے جبل؟"

"ہنسنا بند کرو،تمہاری گردن سے خون تیزی سے بہہ رہا ہے۔"زلطان کی ہنسی لمحے کے ہزارویں حصے میں تھم گئی۔ہنسنے اور اسکی گردن کی حرکت سے اسا خون واقعی روانی سے بہہ رہا تھا۔جبل اپنی جگہ سے اٹھا۔

"تم سیاست کر رہے تھے میرے ساتھ اور میں تمھیں اسٹڈی۔"اسکے الفاظ چابک کی طرف زلطان کے چہرے پہ لگے۔

"تمھیں کیا لگتا ہے میں یونہی تمھیں اس کیفے سے اٹھا کر یہاں لے آیا۔سات ماہ،پورے سات ماہ میں نے تمھیں، تمھارے اندز، تمھارے پیٹرن اسٹڈی کئے ہیں۔تم لوگوں کو مجھے جانتے ہوئے سات گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہوں گے لیکن میں پورے سات ماہ سے تمھارے ایک ایک عمل پہ نظر

رکھے ہوئے ہوں۔"وہ کرسی پہ آ کر بیٹھا۔بڑی فرصت اور کمینگی سے زلطان اور اسکے باقی ساتھیوں کو دیکھا۔

"میں ہوم ورک کر کے آیا ہوں۔"

وہ مسکرایا تھا۔مگر کوئی اسکے ساتھ مسکرا نہ سکا۔ہر ایک اپنی اپنی جگہ ساکت تھا۔اگر زلطان صفدر کا دماغ اس آدمی کے سامنے ردی تھا تو پھر وہ باقی لوگ تو کسی کھاتے میں نہیں آتے تھے۔

"ایک ماہ قبل۔"

"زور گڑھ۔"

نیم تاریک کمرے میں واحد روشنی ان سکرینز کی تھی،جو دیوار میں نصب تھیں۔ایک نہیں،دو نہیں ڈھیر ساری سکرینز۔

انکے عین نیچے لمبی میز اور اس میز کے سامنےرکھی کرسی پہ کوئی بیٹھاتھا۔اسکی سرمئی آنکھیں روشنی پڑنے پہ مختلف رنگوں میں منعکس ہوتی تھیں۔وہ سکرین کے چوکھٹے پہ چلتی ان پانچ لوگوں کی تصاویر دیکھ رہا تھا جنہوں نے بہت جلد اسکا مہمان بننا تھا۔

دفتعاً دروازے پہ آہٹ ہوئی۔اور ایک لاابالی سا نوجوان اندر آیا۔وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔اسکی نظر سکرین پہ ٹھہر گئی۔اسکے لبوں کو ایک عجیب سی پرسرار مسکراہٹ نے چھوا۔

"فرض کرو اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو وہ کون ہو گا؟"نوارد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

سرمئی آنکھوں والے مرد نے سکرین سے نگاہیں نہ ہٹائیں۔

"میں انہیں مارنے کے لئے نہیں لا رہا۔وہ ہمارے مہمان ہوں گے۔"اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔پھر اپنی کرسی کو ذرا سا موڑا۔اب کے روشنی اسکے داہنے رخ پہ پڑنے لگی، آدھا وجود اندھیرا، آدھا وجود روشنی۔

"وہ یہاں سے زندہ واپس جائیں گے۔ہے ناں؟"

نوارد نے سر ہلادیااور ہلکا سا مسکرایا۔اس بات سے بے خبر کہ بہت جلد وہ اپنی بات سے ایسے مکرے گا کہ تاریخ یاد رکھے گی۔وہ چلا گیا۔وقت گزرا اور شام کا پہر آگیا۔

دیوار پہ لگی ڈھیر ساری سکرینز پہ اس وقت چار مختلف لوگوں کے گھر،ورک پلیس،کیفے کی فوٹیج چل رہی تھیں۔سکرینز کے آگے تین سے چار لمبی کرسیاں رکھی تھیں۔اور انہی کرسیوں میں سے ایک پہ اس وقت جبل خان بیٹھا تھا۔اسکی آنکھوں میں اس وقت کوئی جذبہ نہیں تھا۔وہ یک ٹک سکرین کو تک رہا تھا۔سکرین پہ ایک منظر تھا،سیاہ بالوں والی لڑکی سفید جوڑے میں ملبوس،سیاہ کوٹ بازو پہ لٹکائے تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔لوگوں کے رش کو چیرتے ہوئے،موبائل ایک کان سے لگائے سنجیدگی سے دوسری طرف بات سنتے ہوئے وہ کورٹ کی راہداریوں میں کھڑے لوگوں کو خود کو دیکھنے پہ مجبور کرتی تھی۔

"تم نے کچھ سوچا ہے ہم ان سب کو ایک ساتھ کیسے لائیں گے؟" درمیانی کرسی پہ بیٹھے لڑکے نے یکدم گردن اسکی طرف موڑی۔ جبل نے نظریں سکرین پہ جما کر رکھیں۔

"ایجنٹ انہیں اکھٹا کرے گا۔ کس طرح یہ اسکا کام ہے۔ ہمیں لوکیشن ملے گی اور ۔۔"

"تمھیں ایجنٹ پہ اتنا یقین کیوں ہے؟ وہ انکا ہی دوست ہے۔ ہاں ٹھیک ہے اسکے باپ نے اسے ہمیشہ حق کے ساتھ رہنا سکھایا ہے۔ لیکن ہم باپ کی وجہ سے بیٹے پہ اعتبار نہیں کر سکتے۔ کم از کم میں نہیں کر سکتا۔" اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اعلان کیا۔ جبل اب بھی سکرین کو تکتا رہا۔ کچھ تھا وہاں۔ کوئی تعلق سا، کوئی کشش سی۔ نظریں پھیر لینا اسے دنیا کا سب سے مشکل کام لگا۔

"میری بات دوبارہ مت کاٹنا۔" بلاخر اس نے سکرین سے نظریں ہٹا لیں۔ کرسی کو گھمایا اور اب اسکا مکمل رخ اس لڑکے کی جانب تھا۔ "پانچ لوگ، ان پانچ لوگوں کو توڑنا، جوڑنا یا پھر ایک جگہ ساتھ لانا آسان نہیں تھا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں ہاتھ پشت پہ باندھے اب وہ سکرینز کے سامنے کھڑا تھا۔

"ہر محل کے چار ستون ہوتے ہیں۔ اور ایک چھت۔ چاہے محل اندر سے کیسا بھی ہو چھت، اور ستون اسے ہر تباہی سے بچا سکتے ہیں۔ اور اگر ایک ستون نکال دو تو؟"

"محل گر جائے گا۔" اب کے دائیں کونے والا لڑکا بولا۔ جبل نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"مگر محل کا دوسرا ستون تعمیر کرنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے؟" اس نے نظریں دوبارہ سکرین پہ جما لیں۔ دو کونے دو مرد۔

زبرج،زلطان۔

دوسرے دو کونے اورزخرف،شادان۔وہ ان چار لوگوں کو دیکھے گیا۔وہ چار ٹارگٹ تھے۔اور پانچواں . . . ؟

”ستون چھوڑ کے میں نے پانچویں چیز پہ غور کیا۔اور مجھے معلوم ہوا کہ چھت . . . گھر کا سب سے ضروری حصہ گھر کی چھت ہے۔جو دھوپ،بارش،گرمی،سردی سے بچاتی ہے۔“اسکی نظروں میں دھیرے دھیرے سفاکی اترنے لگی۔”سو میں نے سوچا چھت چھین لی جائے۔تم جانتے ہو ان سب میں چھت کون ہے؟“

”وہی جو اس وقت سکرین کا حصہ نہیں؟“درمیانی کرسی والا لڑکا بول اٹھا۔جبل کے ہونٹوں کے کونے ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

”میں اپنے راز خود سے بھی نہیں کہتا۔بس یہ جان لو کہ چھت تحفظ دیتی ہے۔دھوپ سے جل کر چھاؤں بخشتی ہے۔ٹھنڈی ٹھار بارش سہہ کر اپنے باسیوں کو گرماہٹ بخشتی ہے۔ان سب لوگوں میں چھت کون ہے؟“

”حسن سلطان۔“وہ دونوں بیک وقت بولے۔جبل خاموش رہا۔اور خاموشی سے واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

لمحے منٹ میں بیت گئے،منٹ گھنٹوں میں۔آسمان سے نیلے بادل رخصت ہوئے اور رات کی سیاہی نے سارے کو اپنی لپیٹ میں لیا۔زور گڑھ کی ساری تاریکی کو لتاڑ کر،کئی گلیوں کے چکر کاٹ واپس

اسی کمرے میں جہاں سکرینز کا راج تھا آؤ تو جبل خان اسی جگہ سکرین کی سامنے اسی منظر کو بار بار تک رہا تھا۔باقی سکرینز پہ بھی اب وہی چہرہ تھا۔کہیں وہ کیفے سے باہر نکل رہی تھی، کہیں وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لئے مسکرا رہی تھی۔کہیں وہ اداس تھی۔اور کہیں سنجیدہ۔جبل اجلال خان کو اسکا ہر ہر نقش دل پہ گڑتا محسوس ہوا۔اپنی چھ بیس سالہ زندگی میں اس نے آج تک کسی عورت کو اتنا خوبصورت نہیں پایا تھا۔وہ واقعی خوبصورت تھی یا اسے لگتی تھی؟وہ فیصلہ نہیں کر پایا۔

دفتعاً دروازے پہ ایک آہٹ سی ہوئی۔ایک مانوس سی آہٹ۔جبل نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا،نہ چونک کر سکرین پہ چلتے منظر سے نظر چرائی۔اسکے جذبات میں صداقت تھی،پھر وہ انہیں چھپاتا کیونکر۔

”یارا جبل خانا . . . “سر پہ جالی دار ٹوپی جمائے آنکھوں میں نیند کا خمار لئے بہرام خان اسکے عقب میں کھڑا تھا۔”رات کے ساڑھے دس بج گئے ہیں۔تم ابھی تک یہاں کیا کر رہے ہو؟“وہ صبح والے دورے کے بعد اب واپس آیا تھا اور جبل ہنوز وہیں تھا۔

”کام۔“اس نے یک لفظی جواب دیا۔

”اور ہمارا کام صرف یہ لڑکی کب سے ہو گئی؟آخری اطلاعات تک تو ہمارا کام باقی تین مردوں سے بھی تھا۔“

کافی دیر تک اس نے کوئی جواب نہ دیا تو بہرام کو تشویش ہوئی۔وہ جبل کے عقب میں آ کر رکا۔اور دونوں ہاتھ اسکے کندھوں پہ رکھے۔پھر زور سے دبایا۔جبل نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔وہ مضبوط ہاتھوں سے یونہی اسکے کندھے دباتا رہا۔

"جب تک دماغ سے کرو گے ناں تب تک کام ہوتا رہے گا۔اور جب اس خانہ خراب دل کو بیچ میں لاؤ گے تب کام "**روگ**"بن جائے گا۔جبل خانا . . . "اس نے کندھے دباتے ہوئے مخصوص انداز میں پکارا تو جبل مسکرایا۔"خود کو روگ میں مت ڈالو ہمارے پاس اسکا علاج نہیں ہے۔"اسکے لہجے میں بے بسی سی تھی۔جبل نے اسکے دونوں ہاتھ کندھوں سے گزار کر اپنے ہاتھوں میں لئے،یوں کہ بہرام کی ٹھوڑی اسکے کندھے سے ٹکرائی۔

وہ اب اسکے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا رہا تھا۔پھر باری باری انکو چوما۔

"جو مجھے ہو گیا ہے ناں اسکا علاج ساری دنیا کے پاس نہیں۔تم خود کو الزام کیوں دیتے ہو؟"وہ نرمی سے بولا۔پھر اسکا بازو ایک طرف سے گھما کر اسے اپنی سامنے والی کرسی پہ بٹھایا۔

"تم اچھا خاصا بے شرم ہو گیا ہے۔چھوٹے بھائی کے سامنے اپنے عشق کا ذکر کرتے ہو۔"وہ نروٹھے بچے کی طرح بولا۔جبل ہنس پڑا۔اسکی ہنسی بڑی دلفریب تھی۔یوں جیسے کوئی مدتوں بعد کوئی آس بر آئی ہو۔

"تم بھی تو میرے سامنے اپنی منگیتر کا ذکر کرتے ہو۔بلکہ ملاقاتیں کرتے ہو۔"

"وہ تو حق حلال کی منگیتر ہے۔ تین ماہ بعد شادی ہے میری۔ تمھیں تو یہ لڑکی تین سالوں میں بھی نہیں ملے گی۔"وہ روانی میں کہہ گیا مگر ایک لمحہ ایک لگا تھا اور جبل خان کا چہرہ تاریک ہو گیا۔بنا چاند کے اندھیری رات کی طرح۔

"تم کو برا لگے گا، لیکن جبل خانا . . . حقیقت کو تم نہیں بدل سکتے۔"

"میں بدلنا بھی نہیں چاہتا۔تم نے شاید غور نہیں کیا میں نے کیا ہے۔اسکی آنکھوں میں زلطان صفدر کا چہرہ ہے۔"بہرام کو تاسف سا ہوا۔

"کیا معلوم تمھیں غلط فہمی ہوئی ہو؟"

"میں جہاں جس کرسی پہ بیٹھا ہوں وہ غلط فہمیوں اور غلطیوں کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔"اس نے گہری سانس لی اور اپنی جگہ سے اٹھا۔"خیر کل ایجنٹ کو بلوا لینا،اور رات کی وقت برادری کے لڑکوں کو بھی۔میرے پاس منصوبہ ہے۔"

اس نے آگے بڑھ کر چند بٹن دبائے۔سکرینز تاریک ہو گئیں۔کمرے میں اب ملگجی سی روشنی تھی۔

"ہم اس لڑکی کے بغیر بھی یہ کام کر سکتے ہیں جبل۔"یہ سلجھا ہوا ٹھہرا سا لہجہ یہ بہرام کوئی اور تھا۔جبل خان اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔"نہ جانے کیوں مگر مجھے لگتا ہے اگر وہ یہاں آگئی تو تم جذبات سے کام لو گے۔"

"تمھیں میری فکر ہے؟"

"نہیں . . . "وہ ترنت بولا۔"مجھے علاقے کی فکر ہے۔مجھے زمین کی فکر ہے۔مجھے داجی کے لوگوں سے کئے وعدے کی فکر ہے۔"وہ اٹھا اور جبل خان کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔جبل اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔بہرام اتنا بڑا کب ہوا؟

"جذبات دیمک ہیں۔تخت کھا جاتے ہیں۔"

وہ اپنے بڑے بھائی کو اپنے قد اور عمر سے بڑی بات بتا رہا تھا۔جبل کو سمجھ نہ آیا وہ اسے کیا تسلی دے۔کیا وہ محبت سے دستبرداری کا جھوٹ کہے؟

"مجھے میرے جذبات پہ اختیار ہے بہرام۔وہ میرے لئے میرے حریف کی طرح آئے گی۔"

"اور وہ سیاست دان رقیب کی طرح۔"وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟میں کیا کروں؟"

"میں شراکت چاہتا ہوں۔کیونکہ تم مانو یا نہ مانو جذبات تمھارے دامن سے چمٹ چکے ہیں۔دامن جھٹک لینے سے تم آزاد نہیں ہو جاؤ گے۔"

"کیا تمھیں تخت کی طلب ہے؟"جبل پوچھ رہا تھا۔طنز کی کوئی رمق اسکے لہجے میں نہیں تھی۔

"ہم کو جس دن تخت ملا،اسی دن اسکا کاسا پلٹ دے گا۔"وہ ہنس کر بولا جبل مسکرا بھی نہ سکا۔"غصے کا تیز آدمی ہے ہم۔تم جانتے تو ہو۔ہم کو شراکت چاہیے تاکہ جس وقت تم کمزور پڑنے

لگو چارج ہمارے پاس آجائے۔فیصلے کا اختیار ہمارا ہو۔اور مجھے یقین ہے تم ایسا وقت نہیں آنے دو گے جب فیصلہ بہرام خان کو لینا پڑے۔"

"تم مجھے امتحان میں مبتلا رکھنا چاہتے ہو؟تا کہ میں کمزور نہ پڑوں۔اور فرض کرو اگر میں کمزور پڑ گیا۔"وہ اسکے اندر تک اترنا چاہتا تھا۔

"تم نہیں پڑو گے میں جانتا ہوں۔جب فیصلے کا اختیار میرے پاس آئے گا،تب تم الرٹ رہو گے۔تمھیں رہنا چاہیے جبل۔"وہ اسکا کندھا تھپتھپاتے ہوئے دروازے کی اور بڑھنے لگا۔

"تم اتنے بڑے کب ہوئے بہرام؟"وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔

وہ دروازے پہ رک گیا۔آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔چہرے پہ حزن کا سایہ تھا۔

"پانچ سال کا تھا تب سے سن رہا ہوں ہمارا پیسہ کوئی لے گیا۔ہماری زمین ضبط ہوگئی۔بڑا تو میں سولہ سال کی عمر میں ہو گیا تھا جب داجی نے کہا تھا کہ وہ سکون سے نہیں مر بھی نہیں سکتے۔انکے دل پہ بڑا بوجھ ہے۔"اسکی آواز آنسوؤں کے بوجھ سے بھاری ہونے لگی۔جبل نے ہونٹ بھینچ لئے۔تکلیف سی تھی۔

"انکا دل بھاری تھا کیونکہ انہوں نے اپنے لوگوں سے کیا وعدہ پورا نہیں کیا۔لیکن اس روز میں سولہ سال کا بہرام نہیں رہا تھا۔چودہ سال پہلے میں بہت بڑا ہو گیا تھا۔تم نے شاید غور نہیں کیا۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں۔وہ پل بھر میں ہی دروازہ پار کر گیا تھا۔جبل خان کو آج اندازہ ہوا کہ چودہ سال پہلے اپنی عمر سے بڑی مسافت طے کرنے والا وہ اکیلا نہیں تھا۔زور گڑھ میں کئی بہرام اور جبل خان تھے۔مگراب اور نہیں۔اب بس ۔۔

دہراب انصاف کے باب کھولے گا۔انہیں یقین تھا۔

"موجودہ دن۔"

"آٹھ جنوری۔"

"صبح چھ بجے۔"

تہہ خانے میں گمبھیر خاموشی کا راج تھا۔جبل خان کرسی پہ بیٹھا تھا اور اگر نظر اٹھا کر دیکھو تو اسکے ساتھ دو نفوس کا اضافہ بھی ہو چکا تھا۔کاسنی رنگ کے مخمل کے جوڑے کے اوپر بڑی سی سیاہ شال پہنے،شہد رنگ آنکھوں میں ڈھیر ساری سنجیدگی لئےوہ کہانی کا گمشدہ کردار تھی۔وہ حنزلہ احمد زئی تھی۔اسکے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔اسکا شفاف چہرہ ہر قسم کے تاثر سے عاری تھا۔تین سال قبل والا چہرہ مختلف تھا۔

شادان عین اسکے قدموں کے قریب بے ہوش پڑا تھا۔اسکے ماتھے پہ جما ہوا خون،اسکا شرٹ سے خالی جسم حنزلہ نے خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا اور جھک کر اسکی دور پڑی شرٹ اٹھا کر اسکے اوپر ڈال دی۔اسکا جسم چھپ گیا۔

اسکے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔تیس کے قریب عمر تاثرات اسکے بھی بہرام سے مختلف نہیں تھے۔ہاتھ میں اسکے بھی میڈیکل کٹ تھی۔جبل اب ان دونوں کا تعارف کروا رہا تھا۔

"یہ میری بہن ہے۔ڈاکٹر بننے والی ہے،ہاں بنی نہیں ابھی لیکن تم لوگوں کا علاج کر سکتی ہے۔اور یہ۔۔"اس نے مرد کی طرف اشارہ کیا۔"یہ میرا کزن ہے۔چار سال پہلے اسکی میڈیکل کی پڑھائی مکمل ہوگئی تھی اور یہ پروفیشنل ہے فکر مت کرو۔"تسلی دیتے ہوئے اس نے بہرام کو اشارہ کیا وہ اب نیچے فرش پہ گدا لگا رہا تھا۔ساتھ اس نے شادان کو کسی بے حد ہلکی شے کی طرح اٹھا کر گدے پہ پٹخ دیا۔

پھر زبرج کو سہارا دے کر گدے کے دوسرے کونے پہ بٹھایا۔حسن کی اور بڑھا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔اور خود بڑی دقت،مشکل سے اٹھا بازو میں ٹیس سی اٹھی تھی۔اسکی آنکھوں میں باقاعدہ پانی بھرنے لگا تھا۔مرد کو درد ہوا تھا۔

"زلطان تم یہاں کرسی پہ بیٹھ جاؤ۔" زخرف بڑی فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔"میں ان سے کہتی ہوں سب سے پہلے تمہیں دیکھیں۔"وہ اسکے پاس بیٹھی۔ایک ہاتھ سے اسکا چہرہ ایک طرف موڑا،اور اب اسکی گردن پہ لگے زخم کا معائنہ کرنے لگی۔زلطان پر سکون سا اسکے سامنے بیٹھا

تھا۔یوں جیسے وہ برسوں کا بیمار ہو،اور بلاخر اسے طبیب مل گیا ہو۔طبیب بھی وہ کہ جس کے چھونے پہ ہر زخم مندمل ہو جائے۔

"میں ٹھیک ہوں زخرف۔"اس نے چہرہ موڑنا چاہا مگر وہ ایک بار پھر ہاتھ سے اسکے چہرے کا رخ موڑ گئی۔جبل خان اپنی جگہ کھڑے انہیں دیکھتا رہا۔اسے محسوس ہوا جیسے کسی آگ کے لاوے نے اسکے آنکھوں سے اسکے دل تک سرایت کی۔اور ایک لمحے کے اندر اسکے دل کو خاکستر کر دیا۔

"خاک ٹھیک ہو تم؟اپنی حالت شیشے میں دیکھو گے تو خود کو پہچان نہیں پاؤ گے تم۔ایسی حالت تو کوئی کسی اشتہاری ملزم کی بھی نہیں کرتا۔"اسکا دل ایک بار پھر بھر آیا۔"تمھیں درد ہو رہا ہے ناں؟"

"جس اینگل پہ تم نے میری گردن رکھی ہے وہاں درد بھی ہو گا اور خون بھی بہے گا۔"وہ بے حد سنجیدگی سے بولا تو زخرف کو ہول اٹھا۔اس نے فوراً زلطان کے چہرے کا رخ واپس اپنی سمت موڑ لیا۔

"یہ لیلیٰ مجنو پارٹ ٹو کی شوٹنگ کب تک چلے گی؟"بہرام نے ان پہ چوٹ کی۔"حنزلہ . . . اسکا علاج پہلے کرو یہ خبیث آدمی ہمارے ساتھ چلے گا۔"

"اسے علاج کی ضرورت نہیں یہ ہمارے ساتھ ایسے ہی جائے گا۔"جبل خان کے اگلے اعلان پہ زخرف نے چونک کر اسے دیکھا۔زلطان نے بس ایک سرسری نگاہ اس پہ ڈالی۔اسکی آنکھیں جل رہی تھیں۔

"چلنے کے قابل ہو یا علاج کی ضرورت ہے؟"

"میں چل سکتا ہوں۔" زخموں سے چور بدن کے ساتھ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تم اسے اکیلے لے جا کر مارنا چاہتے ہو؟ جو بات کرنی ہے یہیں کرو۔" حسن سلطان کی سنجیدہ آواز پہ جبل نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

"مارنے کے لئے تو یہاں بھی کوئی روک نہیں سکتا۔" اس نے بغیر دیکھے بہرام کو مخاطب کیا۔ "میں تم سے بہت مایوس ہوا ہوں بہرام تم اسکا منہ تک بند نہیں کروا سکے؟"

بہرام جھپٹنے کے انداز میں اسکی طرف بڑھا۔ اور اسے بازو سے کھینچ کر اٹھایا۔ پورے کمرے میں اسکی دلخراش چیخیں گونجی تھیں۔ یہ وہی ہاتھ تھا جس پہ گولیاں لگی تھیں۔

"جب تک ہماری بات ہو گی تم ان میں سے کسی کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ ورنہ میں تم سے، یا تمھارے کسی اور آدمی سے بات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔" زلطان صفدر بے لچک لہجے میں بولا۔ جبل نے محض سر ہلایا۔ پھر بہرام کو ایک اشارہ کیا۔

"بیرسٹر صاحب کو الگ سے رکھو، بازو کی پٹی کرواؤ۔ انجینئر صاحب کو بھی ہوش دلاؤ اور صحافی کو بھی۔ ابھی ہمیں انکی ضرورت ہے۔" کہتے ہوئے اس نے دوسرے لڑکے کو اشارہ کیا۔ وہ سر کو خم دیتا ہوا آیا اور زلطان کے ہاتھ اسکی پشت پہ لے جا کر باندھے۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ اسکی پشت پہ دھکا دیتے ہوئے اب اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا۔ زلطان خاموشی سے چلتا رہا۔ اسکے

ذہن میں بہت کچھ چل رہا تھا۔دہر کا یہ نیا کھلنے والا باب اپنے ساتھ مسائل لایا تھا ایسے جن کے حل زلطان صفدر کے پاس فلحال نہیں تھے۔

تھوڑی دیر بعد تہہ خانہ حصوں میں بٹ چکا تھا۔ایک طرف شادان اور حسن تھے۔اور دوسرے کونے میں زخرف اور زبرج۔مرد ڈاکٹر شادان کے سینے،گردن اور بازوؤں کے زخم دھو کر ان پہ مرہم لگا چکا تھاساتھ ایک شرٹ پہنا دی۔حنزلہ حسن کے بازو کی پٹی مکمل کر کے ہٹی اور اب اسے شادان کے چہرے کو صاف کرنا تھا۔اسکے ماتھے پہ بھی اچھے خاصے زخم تھے۔یقیناً یہ بہرام کا کام تھا۔اس کو بے اختیار اپنے بھائی پہ غصہ آیا۔

شادان تھوڑی دیر قبل ہی سینے پہ لگنے والی دوا کی جلن سے ہوش میں آ چکا تھا۔مگر نیم غنودگی میں تھا۔آنکھوں کے آگے مناظر دھندلے پڑ رہے تھے۔حنزلہ نے جونہی دوا میں ڈوبی روئی اسکے ماتھے سے مس کی شادان نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔اسے درد ہوا تھا۔مگر منظر اب بھی دھندلا سا تھا۔اسکے سامنے کوئی لڑکی تھی اور وہ اسکا چہرہ واضح نہیں دیکھ سکتا تھا۔حنزلہ خاموشی سے،دھیان سے اسکے ماتھے کے زخم صاف کرتی رہی اور وہ نیم دھندلی نظروں سے اسے دیکھتا کراہتا رہا۔کئی بار شادان نے اس کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کی تھی مگر بے سود۔اسکے ہاتھوں میں اتنی سکت نہ تھی۔

وہ اب اسکے ماتھے پہ بینڈیج لگا رہی تھی۔شادان کی آنکھیں مکمل وا ہوئیں۔اور جو چہرہ اسکے سامنے تھا اسے دیکھ وہ ایک لمحے کے لئے سانس نہیں لے سکا۔آنکھوں کے آگے سے دھندلاہٹ چھٹنے

لگی۔ تین سال وہ تین سال جس سراب کے پیچھے بھاگتا رہا تھا وہ دہر کے اس باب کے پیچھے حقیقتاً اسکے سامنے تھی؟ کیا یہ کوئی خواب تھا؟ وہ سخت بے یقین تھا۔ اس نے آنکھیں جھپک کر کھولیں پھر آنکھوں کو مسلا۔ ہر بار کی طرح منظر تبدیل نہیں ہوا۔ منظر وہی تھا۔

وہ دم سادھے سانس لئے بغیر اسے دیکھے گیا۔ پلک جھپکنا، سانس لینا، لبوں پہ لگا قفل توڑنا سب ذہن سے رفو ہوتا گیا۔ اگر یہ خواب تھا تو اسے حقیقت سے خوف آیا۔ اور اگر یہ حقیقت تھی تو خواب سے زیادہ خوبصورت۔ وہ اسکے چہرے کے زخم صاف کر رہی تھی۔ آنکھوں میں بے اعتنائی، انداز میں غیر شناسائی سی تھی۔ سید شادان شاہ کے لئے یہ لمحہ پھر بھی جنت سا تھا۔ کیا وہ مر چکا تھا؟ یا پھر کبھی کبھار زندگی میں بھی جنت مل جایا کرتی ہے؟

"حانی۔۔۔۔۔؟" اسکے لبوں سے دھیرے سے، بغیر آواز کے ایک لفظ برآمد ہوا۔ حنزلہ کے سنجیدہ تاثرات میں کوئی دراڑ نہ پڑی۔

"حانی . . یہ تم ہو؟" اسکی آواز کہیں بہت دور سے آتی تھی۔ ایسی آواز جو کئی سالوں سے سیراب نہ ہو سکی تھی۔ اس وقت اسکی آنکھوں میں شہر طلسمات کی ساری روشنیاں آ کر ٹھہر گئیں۔

"حانی؟ . . . . . . کچھ بولو۔ کیا یہ واقعی تم ہو . . ؟" اس نے اب بھی جواب نہیں دیا۔

"میں نے تمھیں کتنا ڈھونڈا تم جانتی ہو؟" وہ ارد گرد سے بے نیاز تھا۔ آواز دھیمی تھی، نگاہیں بے قرار۔

"ان لوگوں نے تمھیں بھی اغوا کیا ہے؟" اس نے اب کے سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ مگر زخم جل اٹھے۔ "حانی . . . تم کچھ بولو بھی۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھو کر دیکھنے کی کوشش کی مگر ایک زناٹے دار تھپڑ نے اسکے چودہ طبق روشن کر دیئے۔ وہ چہرے پہ ہاتھ لئے بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑے بہرام کو دیکھے گیا۔ وہ کب آیا؟

"خانہ خراب طبیب ماں بہن جیسی ہوتی ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟ میری بہن ہے وہ۔ ہاتھ توڑ دوں گا تمھارے۔" وہ اب اس پہ غرا رہا تھا۔ حنزلہ کچھ کہے بغیر اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ شادان ہکا بکا اسے تک رہا تھا۔ اس کا انداز روبوٹک سا تھا۔ وہ اب زبرج کی اور بڑھ رہی تھی۔

"تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو کہ مجھ سے ملنے کے لئے مجھے کڈنیپ کروا لیا؟" فرنچ زبان میں کہے ہوئے ان الفاظ نے جہاں حنزلہ کے قدم زنجیر کئے وہیں بہرام کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یہ کس زبان میں بات کر رہے ہو تم؟" اس نے ایک زور دار مکا اس کے منہ پہ جڑا۔

"خبیث انسان پہلے بات کرنے دو پھر مار لینا۔" وہ بگڑ کر بولا۔ "یہاں بات شروع کرتا ہوں یہاں تمہارا ہاتھ اٹھ جاتا ہے تمیز ہے تم میں؟ دو لوگوں کو بات کرنے دو گے یا نہیں۔ تین سال بعد ملے ہیں ہم یار۔ کوئی اسپیس ہوتی ہے، کوئی تمیز ہوتی ہے؟" وہ بولنے پہ آیا تو بولتا چلا گیا۔ زبرج، حسن، زخرف ہر کوئی بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ تھی وہ لڑکی جس کے حصول کے لئے وہ تین سالوں سو دربدر تھا۔

"یہ ذلیل انسان کیا کہہ رہا ہے حنزلہ؟" بہرام اسکی طرف مڑا۔ وہ گڑبڑائی۔

"اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے۔اگلی بار اسکے سر پہ مت مارنا۔"

بہرام نے سمجھ کر سر ہلایا جبکہ شادان مسکرایا۔"تمہیں میری اتنی فکر ہے؟اوہ . . سمجھ سکتا ہوں۔اب تم اپنے بھائی کے سامنے مجھے تھوڑی پہچان سکتی ہو۔"وہ اب بھی روانی سے فرنچ بول رہا تھا۔حنزلہ کے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔شادان کو فرنچ بولتا دیکھ بہرام واقعی یقین کر چکا تھا کہ اسکا زہنی توازن بگڑ چکا تھا۔اسے تاسف سا ہوا۔

"میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا حانی۔"یہ الفاظ مختلف تھے۔ان میں ایک حدت سی تھی۔اس نے اپنے سامان جلدی جلدی کٹ میں واپس ڈالے۔بہرام کی طرف ایک نظر دیکھا اور تیز تیز قدم لیتی وہاں سے چلی گئی۔شادان تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ وہاں سے غائب نہ ہو گئی۔وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

تہہ خانے میں موجود اسکے باقی دوستوں نے شادان کی آنکھوں میں ایسی چمک آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔قید کے بعد رہائی ملتی ہے سب نے سنا ہے مگر کیا قید کے اندر کئی سالوں کی گھٹن سے آزادی بھی ملتی ہے؟

"آٹھ جنوری۔"

"صبح ساڑھے چھ بجے۔"

لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز قہوے کی گرتی ہوئی دھار،بس یہ دو آوازیں تھیں جو اس کمرے کی مقدس خاموشی میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔زلطان صفدر بندھے ہوئے ہاتھوں اور اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ اسی جگہ بیٹھا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے زخرف بیٹھی تھی۔جبل خان کیتلی اونچی کئے قہوے کی دھار کپ میں گرا رہا تھا۔ساتھ میڈیکل کٹ لئے وہی آدمی کھڑا تھا جسے زلطان نے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔وہ جبل خان کو نہیں دیکھ رہا تھا،وہ اس کمرے کی ایک ایک چیز کو نقش کر رہا تھا۔تہہ خانے سے یہاں آتے ہوئے اسے دو منٹ ہی لگے تھے۔اور اس کمرے میں بیٹھے ہوئے اسے،اسکی سیٹنگ دیکھتے ہوئے احساس ہوا کہ یہ کمرہ رہائش کے لئے استعمال نہیں ہوتا رہا ہے۔اس نے یہاں بیٹھے ہوئے جبل خان کو دو بار اپنا موبائل نکال کر کچھ دیکھتے ہوئے پایا تھا۔کیا وہ کسی سے ہدایات لے رہا تھا؟

”قہوہ یا چائے؟“جبل نے سوال کرتے ہوئے ٹرے میں رکھے دو کپ اسکی طرف بڑھائے۔ایک میں چائے تھی اور دوسرا قہوہ۔

”تمہارا باس کون ہے؟“سرد ہڈیوں کو چٹخا دینے والے سوال پہ جبل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں اپنا باس خود ہوں۔“

”پھر تم ماسٹر مائنڈ نہیں ہو۔یہ پلان تمہارا نہیں ہے ہے ناں؟“اس وقت وہ محض اندازے لگا رہا تھا۔سچ جھوٹ وہ لوگوں کی آنکھوں سے جاننے کا عادی تھا۔

جبل محظوظ ہوا۔"اور تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے۔؟"اس نے قہوے کی پیالی ہاتھ میں لی۔ساتھ ڈاکٹر کو اشارہ کیا۔وہ سر کو خم دیتے میڈیکل کٹ سے سامان نکالنے لگا تھا۔ساتھ اس نے زلطان کے ہاتھ کھول دیئے۔

"کیونکہ سب "**پلانڈ**"ہے۔سب "**فکسڈ**"ہے۔تمھارے فیصلے، تمھارے ری ایکشنز، تمہاری اسٹریٹجی۔تم مداری کا وہ کھیل کھیل رہے ہو جہاں تمھارے قدم رسی پہ جمے ہوئے ہیں۔ذرا سی بھی بھول چوک نہیں۔تم باس ہو سکتے ہو،ماسٹر مائنڈ نہیں۔کیونکہ باس آن دی اسپاٹ فیصلہ لیتا ہے۔ماسٹر مائنڈ نہیں۔وہ اپنے پلان سے نہیں چوکتا۔میں نے تمھیں ایک بار بھی آن دا سپاٹ فیصلہ لیتے نہیں دیکھا۔تم وہ کر رہے ہو جو تمہیں کرنے کو کہا گیا ہے۔"وہ بولتے ہوئے رکا۔ڈاکٹر کے ہاتھ سے روئی اور دوائی لی۔اور خود اپنے چہرے پہ ملنے لگا۔تکلیف سے اسکی آنکھوں میں سرخی سی دوڑ جاتی تھی مگر یہی آنکھیں وہ جبل خان کی آنکھوں میں گاڑے بیٹھا تھا۔

"ماسٹر مائنڈ کون ہے۔مجھے اس سے ملنا ہے۔"اس نے اپنا مدعا دہرایا۔

"لیکن میں نے تو کہا ہی نہیں کہ کوئی ماسٹر مائنڈ ہے بھی۔یہاں سب میں ہوں۔جبل اجلال خان۔"

"کیا تمہارا ماسٹر مائنڈ کوئی ایسا انسان ہے جسے سامنے نہیں لایا جا سکتا؟"زلطان نے دوا کی شیشی میز پہ رکھی۔پھر جھک کر روئی کو ہلکا سا بھگویا اور اب وہ اسی روئی کو اپنے ہونٹوں کے پاس، ٹھوڑی کے نیچے مل رہا تھا۔"یا پھر کوئی ایسا جسے "میرے" سامنے نہیں لایا جا سکتا؟"

”تم یہاں میرے سوالوں کے جواب دینے آئے ہو ناں کہ میں تمھارے۔تم میرے hostage ہو میں تمہارا نہیں۔“اس نے قہوے کے گھونٹ لیتے ہوئے دلچسپی سے کہا۔ایجنٹ سہی کہتا تھا زلطان صفدر کو مات دینا آسان نہیں تھا۔وہ کھیل کے ہر داؤ پیچ سے واقف تھا۔وہ واقعی زلطان تھا۔

”لیکن تمھیں کوئی بات کرنی ہی نہیں ہے۔تم ایک فارمیلٹی پوری کر رہے ہو۔ہمیں باری باری یہاں لانا تمھارے کھیل کا حصہ ہے۔“اس نے روئی میز پہ رکھی اور اب روئی کے گولے سے تازہ روئی کھینچ کر نکال لی۔جبل بڑے انہماک سے اسے دیکھتا رہا۔”یہ تم ہو ہی نہیں۔میں لوگوں کو انکے کام سے نہیں کام کے "**انداز**"سے جج کرتا ہوں۔تمہارا ہمیں یہاں لانے میں بات کرنے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔تم بس ہدایات فالو کر رہے ہو۔تمھارے کام کرنے کا طریقہ مختلف ہے ۔صیحح کہا ناں؟“

اس نے دوسری روئی بھی واپس میز پہ رکھی۔زخم صاف ہو چکے تھے۔اب وہ اپنا سوئیٹر اتار رہا تھا۔یکدم ہی پٹھوں میں ایسا کھینچاؤ محسوس ہوا کہ زلطان صفدر کی روح تک بلبلائی ہوگی۔مگر منہ سے بس ہلکی سی کراہ نکلی۔اور اس نے آنکھیں میچ لیں۔

”زلطان . . . مجھے تم سے، تمھارے دوستوں سے کسی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔لیکن میں تمھیں اپنی پوزیشن سمجھانا چاہتا ہوں کیونکہ میں violence پہ یقین نہیں رکھتا۔“جبل کہہ رہا تھا اور زلطان اپنے سینے، پسلیوں،اور گردن کے زخم صاف کرتے ہوئے خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

"تمھیں لگتا ہوگا کہ یہ انتہائی بچگانہ عمل ہے جس کے تحت میں تمھیں اور تمھارے دوستوں کو یہاں لے آیاہوں۔اتنے بڑے خاندانوں کے اتنے مشہور لوگ ؟۔لیکن یہ سب ایک پلان کے تحت ہوا ہے۔"

"تمہیں نہیں لگتا تم نے واقعی ایک بچگانہ عمل دہرایاہے؟"روئی والا ہاتھ ہوا میں لہراتے زلطان نے سنجیدگی سے اسکی بات کاٹی۔"ٹھیک ہے ہم نے ویڈیو بنا دی۔ہم تمھارے حق کے لئے لڑ لئے۔پھر کیا ہو گا؟تم ہمیں واپس چھوڑآؤ گے کیا ہو اگر ہم وہاں جا کر اپنی بات سے مکر گئے۔اور کیا ہوا اگر ہم نے تم پہ اغوا کا پرچہ کٹوا دیا؟"وہ دل جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔جبل نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔وہ واقعی ہوم ورک کر کے آیا تھا۔

"وہ ہمارا مسئلہ ہے۔تم سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم بے وقوف نہیں ہیں۔ہم تمھیں یہاں لائے کیونکہ تم اس وقت نوجوانوں کے لئے مرشد کا درجہ رکھتے ہو۔اور بہت جلد اقتدار میں بھی آنے والے ہو۔"

"میں الیکشن ہار بھی سکتا ہوںyou never know "اس نے کندھے اچکائے۔اب اس نے کٹ سے ٹیوب اٹھا کر اپنے ہاتھ پہ نکال لی۔"بلکہ میں الیکشن نہیں بھی لڑ سکتا۔جانتے ہو ناں کاغذات نامزدگی جمع کروانے میں محض سات دن باقی ہیں۔بلکہ اب توشاید چھ۔"

"تین نسلوں سے تمہارا خاندان سیاست میں ہے۔اگر آج تک نہیں ہارے تو آگے بھی نہیں ہارو گے۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔چھوٹے چھوٹے قدم لیتے زلطان کے عقب میں آ کر رکا۔"سید

شادان کے منہ سے نکلا جھوٹ لوگوں کے سچ سے زیادہ سچا مانا جاتا ہے۔"اب وہ میز پہ دھری پچکی ہوئی ٹیوب سے کچھ کریم اپنی انگلیوں پہ نکال رہا تھا۔"خاتون جب کورٹ میں بولتی ہیں کیس چاہے کوئی بھی جج بھی جانتے ہیں فیصلہ انکے حق میں آئے گا۔"

جبل اب ٹیوب سے نکلا مادہ اسکی پیٹھ پہ لگا رہا تھا۔وہاں کافی زخم تھے۔بہرام کمبخت کو اللہ پوچھے۔

"حسن سلطان ایک کامیاب بیرسٹر ہے۔جتنی اسکی سنی جاتی ہے اتنی کوئی اپنے باپ کی بھی نہیں سنتا۔اور زبرج شاہنواز . . . سافٹ ویئر انجینیئر مگر وہ ملک کی سب سے بڑی اینجیو کے ساتھ منسلک رہا ہے یونیسیف کے لئے کام کیا اور اہم بات یہ کہ وہ یو این کے اجلاس میں شریک ہونے والا ہے۔سو مختصر یہ کہ تم سب اس وقت ملک کے سب سے مشہور، بھروسہ مند لوگ ہو۔تمھارے الفاظ میرے لوگوں کی زندگی بدل سکتے ہیں۔"اس نے آئنٹمنٹ والا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔زلطان بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔اسے بڑی شدت سے انتظار تھا کہ کب وہ اس پہ عقب سے حملہ کرے گا۔سیاست دان تھا۔اپنے جیسوں کی خصلت سے واقف تھا۔

"میں تمھیں ایک موقع دیتا ہوں زلطان۔"جبل خان کی آواز سرگوشی میں بدلنے لگی تھی۔وہ اب میڈیکل کٹ سے ادھڑے جسم جوڑنے کے اوزار نکال رہا تھا۔ہر ہر اوزار کو نکالتا، مسترد کرتا وہ اپنے کام میں محو تھا۔

"اپنے ساتھیوں کو سمجھاؤ۔انہیں بتاؤ کہ میں انہیں یہاں زندہ لایا ہوں مگر یہاں سے واپس انکی لاش بھی جاسکتی ہے اگر انہوں نے میری بات نہ مانی۔"بلاخر وہ ایک اوزار نکال چکا تھا۔قریب

کھڑے ڈاکٹر نے اسکے ہاتھ سے وہ سوئی لی، جسم پہ ٹانکہ لگانے والا دھاگہ ڈالا اور واپس اسکی طرف بڑھائی۔جبل خان اسکا مشکور ہوا۔"ہم پہ یوں بھی بڑے بڑے الزام ہیں ایک اور سہی۔"وہ رکا۔بس ایک پل کے لئے۔

"تم شاید صحیح کہتے ہو۔میں ماسٹر مائنڈ نہیں ہوں۔لیکن جو ہے وہ مجھ سے زیادہ سفاک ہے۔بہرام سے زیادہ جنونی ہے اور تم سے زیادہ فصیح۔"سوئی کی نوک اسکی گردن پہ چبھی تو اسکے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔کیا وہ بغیر کسی نشے آور ادویات کے زلطان صفدر کا ادھڑا جسم سینے لگا تھا؟

"مجھے یقین ہے تم انہیں اور خود کو سمجھا لو گے۔تم زہین ہو۔"اس نے سوئی ایک طرف سے کھلی ہوئی کھال میں اٹکائی اور دھاگہ اوپر کھینچتے ہوئے دوسری طرف کی کھال سے جا ملایا۔زلطان کراہا،اسے درد ہوا تھا۔شدید درد۔زخم پہ زور پڑنے لگاتو خون مذید تیزی سے بہنے لگا۔وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا چپ چاپ درد سہتا رہا۔جبل خان کسی ماہر مگر ظالم ڈاکٹر کی طرح اسکے جسم میں ٹانکے لگاتا رہا۔یہاں تک کہ اسکا زخم مکمل طور پہ بند ہوگیا۔اس نے چھوٹی سی میڈیکل کینچی سے دھاگہ کاٹا،اور روئی سے اسکی گردن صاف کی۔زلطان اعتراف کرنا چاہتا تھا کہ اگر اسے اس وقت بھرم نہ رکھنا ہوتا تو وہ باقاعدہ چیخ چیخ کر روتا۔

"درد تو نہیں ہوا ناں؟"وہ روئی سے اپنے ہاتھ صاف کرتے سرسری سا بولا۔" میری اماں کہتی ہیں جبل خان کا ہاتھ بہت ہلکا ہے۔"کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔ساتھ زلطان کو اسکا سوئیٹر اٹھا کر

دیا۔ ”پہنو اور میرے ساتھ چلو۔ تمہیں گھر دکھاتا ہوں۔“ زلطان نے مرے مرے ہاتھوں سے اپنا ہائی نیک سوئیٹر اٹھایا اور واپس پہن لیا۔ اسے اپنا جسم سن ہوتا محسوس ہوا تھا۔ ”تمہیں معلوم ہونا چاہیے تم کہاں ہو اور یہاں سے نکلنا کتنا مشکل ہے۔“

تھوڑی دیر بعد اس نے جبل کے ساتھ گھر کے کئی حصے دیکھے۔ وہ اسے ایک مہمان کی طرح اپنا سارا گھر دکھاتا رہا۔ سات راہداریاں، سات کمرے، اور اگلے سات منٹ بعد وہ اسے واپس تہہ خانے میں چھوڑ کر گیا تھا۔ ان چار اسیروں نے پانچویں اسیر کو واپس آتے دیکھا۔ کچھ تھا جو انہیں کھٹک گیا تھا۔ کچھ تھا جو اس ایک اسیر کے چہرے میں بدل گیا تھا۔

زلطان صفدر اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آیا تھا جس کے ساتھ وہ گیا تھا۔

”آدھا گھنٹہ قبل۔“

جس وقت زلطان صفدر اس گرم کمرے میں بیٹھا اپنے زخموں پہ مرہم لگا رہا تھا عین اسی وقت اس ٹھنڈے تہہ خانے میں چار لوگ خاموشی سے بیٹھے تھے۔ اوپر کو جاتے زینوں پہ دو مسلح افراد کھڑے تھے۔ ایسے ہی دو افراد تہہ خانے کے وسط میں چکر بھی لگا رہے تھے۔ زینوں کے اختتام پہ دروازہ بند تھا اور دروازے کے باہر بھی کھڑے لوگ مسلح تھے۔ حسن سلطان کی طرف آؤ تو وہ بڑے سکون سے پیر گدے پہ پھیلائے، کمبل گھٹنوں پہ ڈالے ہوئے تھا۔ کمر دیوار کے ساتھ ٹکا رکھی تھی۔ صرف وہ تھا جس کے ہاتھ آزاد تھے۔ باقی سب کے ہاتھ انکی پشت پہ بندھے تھے۔

بہرام تہہ خانے کے وسط میں پستول ہاتھ میں لئے چکر کاٹ رہا تھا۔اسے رہ رہ کر شادان کی حالت پہ ترس آتا تھا۔کیا اتنی زور سے مارا تھا ؟جو وہ اپنا ذہنی توازن بگاڑ بیٹھا۔اتنا بے رحم نہیں تھا ہمارا بہرام۔اسے خود پہ غصہ آنے لگا۔

”سنو بہرام خان۔“حسن اب زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتا تھا سو اسے پکار لیا۔”تم ہمیں مار تو نہیں دو گے ؟“

بہرام تنے ہوئے تاثرات لئے اسکی طرف مڑا۔”تم کو مار کھانے کا شوق ہے تو ابھی پورا کر دیتا ہوں۔“وہ بگڑ کر بولا۔ساتھ آگے بڑھ کر شادان کے اوپر کمبل درست کیا۔یکدم اسے ایک ماں کی سی مامتا محسوس ہوئی۔**(بس اسے کچھ ہو نہ جائے)**

”ارے یہ مار نہیں مطلب تم ہمیں جان سے تو نہیں مارو گے ناں؟دیکھو سچ سچ بتانا۔جھوٹے انسان کو جہنم میں لوہے کے جوتے پڑیں گے۔“انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

بہرام جھوٹ بول دیتا مگر لوہے کے جوتوں کے خوف نے یہ ہونے نہ دیا۔”نہیں ماریں گے جان سے۔“وہ جان چھڑوانے کو بولا۔

حسن نے سکھ کا سانس لیا۔اور مذید پھیل کر بیٹھ گیا۔”مجھے ذرا سگریٹ دینا۔یہ ٹھنڈی رات،یہ سہانا موسم میرا موڈ ہو رہا ہے۔“بہرام نے باقاعدہ اسے گھور کر دیکھا۔گھورا تو اسے باقی دوستوں نے بھی تھا مگر وہ کمال مہارت سے سب کو نظر انداز کر گیا۔

”تم سگریٹ پیئو گے؟شکل سے تو شریف باپ کے بیٹے لگتے ہو۔“

"تو تمھارے باپ نے بھی تمھیں پیدا کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ بیٹا بڑا ہو کر اغوا کار بنے گا۔" وہ تنک کر بولا۔ "غضب خدا کا۔ اچھے بھلے کافی پی رہے تھے ہم اٹھا کر لے آئے یہاں۔ اور کب سے مارے ہی جا رہے ہو۔ اب چار سگریٹ کیا مانگ لئے تمہاری جان ہوا ہونے لگی۔ میں پوچھتا ہوں جب تمہارا بجٹ ہی نہیں تھا تو پانچ لوگوں کو اغوا کیا ہی کیوں؟" وہ بولنے پہ آیا تو بولتا چلا گیا۔ پھر ٹھہر کر اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ کیا اسکی بیٹری چارج ہو گئی تھی؟

"اب تم لوگ بھی ڈرو مت بہرام بھائی نے کہا ہے ناں جان سے نہیں مارے گا۔" شادان نے اسے یوں دیکھ جیسے کچا چبا دینا چاہتا ہو۔ اس صورتحال میں اسے مذاق سوجھ رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے گھر جیسا کمفرٹ نہیں ہے لیکن دیکھو ہمیں یہاں گدا بھی مل گیا ہے۔ کمبل بھی ہے۔ سب گھر جیسا ہی ہے۔ بس اگر یہ وقتاً فوقتاً ہمیں دھونا چھوڑ دیں۔ لیکن یہاں بھی ایک رعایت ہے۔" اسکی آنکھیں چمکیں۔ زبرج اور زخرف نے ایک بے زار نگاہ اس پہ ڈالی۔ کیا تھی وہ رعایت؟

"ان لوگوں نے زخرف کو کچھ نہیں کیا۔ پس ثابت ہوا بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔" اس کے اس اندز پہ زخرف دھیرے سے ہنس پڑی۔ شادان نے ضبط کیا۔ اسی پل حسن نے سامنے کھڑے بہرام کو دیکھا۔

"سیگریٹ ملے گا یا نہیں؟ مانا کہ ہم hostages ہیں۔ لیکن بار بار مانگنا ہمیں پسند نہیں۔ تم جانتے ہو میں کس خاندان سے ہوں؟" کوئی اسکے خاندان کا بھرم توڑے۔ بہرام ضبط کے کڑے

مراحل سے گزرتا ہوا آگے بڑھا زینوں پہ کھڑے مرد سے سیگریٹ مانگا۔"میں ایک وقت پہ چار سیگریٹ ساتھ پیتا ہوں۔ سمجھ آئی؟"نئی فرمائش درج کروا کر اس نے شادان کی طرف دیکھا۔

"اور بھائی؟کیسا ہے؟درد ہو رہا ہے؟"شادان نے کوئی جواب نہ دیا۔"مجھے پہلے ہو رہا تھا اب نہیں۔میرا خیال ہے ہم آہستہ آہستہ عادی ہو جائیں گے۔ تمھیں کیا لگتا ہے زبرج؟"اس نے گول سیاہ آنکھوں سے زبرج کو دیکھا۔اس نے جواب نہ دیا۔اسکے الفاظ ڈالر کی قیمت کی طرح بھاری تھے۔

حسن کی چلتی زبان تب رکی جب بہرام نے چار سیگریٹ اسکی طرف بڑھائے۔حسن نے مسکرا کر سیگریٹ اسکے ہاتھ سے لئے،پھر چونک گیا۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو تمھارے پاس اپنے سیگریٹس نہیں تھے؟"

"میں نے چھوڑ دیا ہے۔"وہ بے رخی سے کہہ کر ماچس نکال کر تیلی جلانے لگا۔حسن کی شاطر آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ آگے کو ہوا۔

"کیوں چھوڑا؟لڑکی کے کہنے پہ؟"رازداری سے پوچھا۔بہرام نے بغیر کچھ کہے چاروں سیگریٹ کو ایک ساتھ شعلہ دکھایا۔"مفت مشورہ ہے۔لے لو یہ سیگریٹ چھڑوانے والی چرس پہ لگا کر جاتی ہیں۔"

"اے . . بکواس بند کرو۔منگیتر ہے میری میں . . . . . " اسکے اگلے الفاظ اسکی منہ میں رہ گئے۔حسن سلطان نے اسے گردن سے دبوچ کر نیچے گرایا اور اسکی ہتھیلی پہ چاروں جلتے ہوئے

سیگریٹ رکھ دیئے۔ بہرام تکلیف سے بلبلانے لگا۔ حسن انہی سیگریٹس کو اسکی پوری ہتھیلی پہ پھیرنے لگا۔ زخرف، زبرج ، منہ کھولے بے یقینی سے اسے دیکھتے رہے۔ البتہ شادان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر برق رفتاری سے اپنا گھٹنہ بہرام کی گردن پہ رکھ دیا۔ اسکا سانس اٹکنے لگا تھا۔ اسکے لوگ فوراًاسکی اور بھاگے۔ مگر اسکی کلائی اچھی خاصی جل چکی تھی۔

"مجھے مارو گے تم؟ حسن سلطان کو مارو گے تم؟" وہ غیر انسانی آنکھیں لئے اس پہ غرا رہاتھا۔ بہرام کے اوپری زینوں پہ کھڑے ساتھی بھی اسکی اور بھاگے۔ وہ اسکی ہتھیلی کو پوری طرح جلا چکا تھا۔

بہرام کے ساتھیوں نے گھسیٹ کر حسن کو اس سے دور ہٹایا۔ مگر شادان نے پوری قوت سے اپنا گھٹنہ بہرام کی ناک پہ دے مارا۔ وہ یہ سب بس حسن کا ساتھ دینے کے لئے کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا اس کی بعد وہ حسن کو چھوڑتے نہیں، اور وہ اکیلا پٹتا رہے اسے گوارا نہیں تھا۔ کیوں؟ یہ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا۔

تھوڑی دیر بعد بہرام کے لوگ اسے چھڑوا چکے تھے۔ حسن اور شادان کے چہروں پہ دو سے تین مکوں کی برسات بھی ہو چکی تھی۔ اب وہ دونوں گدے پہ گرے ہوئے گہری لمبی سانسیں لے رہے رہے تھے۔ زخرف اور زبرج انہی بندھے ہوئے ہاتھوں سے انکے قریب گھٹنوں کے بل آ کر بیٹھے۔ زخرف کا بس نہیں چلتا تھا وہ انکا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دے۔ وہ ایسی سنگین صورتحال میں ایسی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیسے کر سکتے تھے؟

"تمہارا دماغ خراب وراب تو نہیں ہوگیا ہے؟وہ تمہیں کتنا برا مار سکتا ہے تمھیں اندازہ بھی ہے؟"وہ حسن کو ڈپٹنے لگی۔پس منظر میں بہرام حسن کو ماں بہن کی گالیاں نکال رہاتھا۔اسکے ساتھی بڑی مشکل سے اسے سنبھال رہے تھے۔اسکا ہاتھ جل رہا تھا اوہ خدایا اسکی روح تک جل رہی تھی۔اسکی ہر گالی کے جواب میں شادان چار گالیاں مذید دے رہا تھا۔

"تو اس نے مجھے کیوں مارا؟میرے بازو پہ گولیاں لگی تھی لیکن اس نے میرا پلستر اتار کر پھینک دیا۔یہ مجھے دوبارہ ہاتھ لگائے میں اسے دوبارہ ماروں گا۔"حسن بلند آواز میں بولا۔اسکے انداز میں ضدی پن تھا۔

اور تمھیں لگتا ہے اس پہ یہ تمہاری ذرا سی مار اثر کر جائے گی؟"

"او بی بی . . . وہ فلمیں ہوتی ہیں۔جہاں مرد کو درر نہیں ہوتا۔اصل زندگی میں مرد کو سوئی بھی چبھ جائے تو دس دن ماں کے پلو میں چھپ کر روتا ہے۔"وہ ہنوز اپنی ڈھٹائی پہ قائم تھا۔"حسن سلطان کو مارے گا ہنہہ۔"

زخرف اس سے عاجز آنے لگی۔اس نے مدد طلب نظروں سے زبرج کو دیکھا۔"تم ان دونوں کو سمجھاؤ پلیز۔"

زبرج نے ٹھنڈی برف نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔"جب تم دونوں کا یہ پلان تھا تو مجھے شامل کیوں نہیں کیا؟"اس کا اشارہ اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کی طرف تھا۔"اگر میں بھی ہوتا تو ہم ان لوگوں کو چلنے جیسا نہ چھوڑتے۔"حسن اسکی بات پہ مسکرایا۔زخرف نے بے یقینی سے اسے

دیکھا۔یعنی وہ گٹھ بندھن جوڑنا چاہتا تھا؟وہ اسے یونہی بے یقینی سے دیکھتی رہی۔پھر وہ رکی،وہ تینوں ایک جیسے ہی تو تھے۔اس وقت اسے شدت سے زلطان یاد آیا۔

"تم تینوں سدھر نہیں سکتے ناں؟ٹھیک ہے اب پٹتے رہو۔اللہ کرے یہ لوگ تمہاری ٹانگیں توڑ دے۔"وہ غصے سے کہتے ہوئے اٹھ گئی۔اور واپس اپنی کرسی پہ جا کر بیٹھ گئی۔بہرام زخمی شیر کی طرح یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔ہاتھ پہ آئنٹمنٹ لگا لی تھی،مگر وہ جل رہا تھا۔اسکا واقعی دل کررہا تھا ماں کے پلو میں چھپ کر رو آئے۔کونسا کسی نے دیکھ لینا تھا۔مگر غضب تو یہ تھا کہ اسکی ماں اپنی ماں سے ملنے گاؤں سے باہر گئی تھی۔

دوسری طرف حسن اب سیدھا اٹھ کر بیٹھا۔ماتھے پہ بل اب بھی تھے۔زبرج اور شادان بھی اسکے ساتھ بیٹھے تھے۔گدا نہ ہو جیسے انکے والدین کا بھیجا ہوا ترکہ ہو۔ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے تنی ہوئی گردن کے ساتھ وہ سامنے بہرام کو تڑپتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"جب تم لوگوں کے اندر اغوا کاری کے بنیادی ایٹیکٹس تک نہیں تھے تو تم لوگوں نے یہ کام شروع کیوں کیا؟"چہرہ سنجیدہ،سوال سیدھا بہرام سے۔جس نے رخ موڑ کر اپنے غصے کو کنٹرول کیا۔حسن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"معذرت مگر اس attitude کے ساتھ تم کڈنیپنگ کی فیلڈ میں آگے نہیں جا سکتے۔تمہارا مستقبل ہے ہی نہیں آگے۔attitude دیکھا ہے اسکا؟"آخری بات اس نے زبرج کو دیکھ کر پوچھی۔وہ کیا جواب دیتا۔روٹی کی طرح سیک دیا تھا بیچارے کو۔

"ہر اغوا کار اپنے hostage کو کھانا لا کر دیتے ہیں۔تم نے دیا؟"وہ انگلی اٹھا کر اسکی جرح پہ اتر آیا تھا۔"اب ہم جیسے خاندانی لوگ کو مانگ کر کچھ نہیں کھاتے انکا کیا؟"

"اسے چپ کروا لو ورنہ آج اسکا لاش جائے گا یہاں سے۔"بہرام غصے سے پاگل ہوا۔شادان نے ایک کمینی نظر سے اسے دیکھا۔

"دس سال میں ہم چار لوگ اسے چپ نہیں کروا سکے تم کس کھیت کے بانس ہو۔"

"کھیت کی مولی نہیں ہوتا؟"حسن نے اپنی جنرل نالج میں اضافے کے لئے پوچھا۔

"ہوتی ہوگی لیکن اسکی شکل ہے مولی والی؟"شادان جل کر بولا،اسی پل بہرام نے آگے بڑھ کر اسے مکا مارنا چاہا مگر حسن بیچ میں آگیا۔

"نہ نہ نہ تشدد نہیں۔منہ سے بات کرو جیسے میں کر رہا ہوں۔"وہ شادان کے آگے تن کر کھڑا تھا۔جیسے ایک ماں مرغی اپنے بچے کو پروں میں سمیٹ لیتی ہو۔بہرام نہ چاہتے ہوئے بھی پیچھے ہوگیا۔**(ہاتھ میں جلن بڑھ گئی۔)**

"ہمیں یہاں آئے ہوئے چوبیس گھنٹے ہونے والے ہیں۔اور کسی نے ہم سے پانی کا گلاس تک نہیں پوچھا ایسے ہوتی ہے کڈنیپنگ؟یہ حال ہے ابھی سے تو آگے جا کر کیا کر لو گے تم؟میں تمھیں بتا رہا ہوں اس فیلڈ میں تمہارا کوئی اسکوپ نہیں ابھی بھی وقت ہے سدھر جاؤ اور . . . . "وہ اور بھی بہت کچھ بول رہا تھا مگر بہرام نے اسی پل اسکے منہ پہ ڈھیر ساری ٹیپ لگا دی۔حسن

تڑپ کر رہ گیا۔یہ وار کاری تھا۔وہ غوں غاں کی آواز بھی نہ نکال سکا۔اسکی آنکھیں بے یقینی سی کھلی رہ گئیں۔

بہرام تو بہرام حسن سلطان کے اپنے ساتھیوں نے بھی اسکا منہ بند ہونے پہ شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔اب وہاں سکون تھا،ڈھیر سارا سکون۔

وہ بار بار اپنی گردن نفی میں ہلا رہا تھا۔کوئی کھولو اس بیچارے کا منہ۔

"موجودہ وقت۔"

"صبح ساڑھے سات بجے۔"

زلطان صفدر اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آیا تھا جس کے ساتھ وہ گیا تھا۔اسکی آنکھیں خالی تھیں۔بلکل خالی۔اسکا ہر ہر تاثر یہ گواہی دیتا تھا کہ کوئی انہونی ہونے والی ہے۔اسکے پیچھے دو اور لوگ بھی زینے اترتے ہوئے آئے تھے۔

حنزلہ اور اسکے ساتھ بہرام۔وہ دونوں آئے تو اسیر خودبخود کھڑے ہو گئے۔شادان بے قرار سا اٹھ کر آگے آیا،مگر حنزلہ کی سپاٹ نظریں اسے کچھ کہنے سے باز رکھے ہوئے تھیں۔اسکے قدم وہیں رک گئے تھے۔وہ تہہ خانے کے وسط میں آ کر کھڑی ہو گئی۔۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹیب

تھا۔جس پہ چند بٹن دبا کر اس نے ان پانچ لوگوں کے آگے کیا۔وہ پانچوں آنکھیں سکیڑے،آگے کو ہوئے۔انکی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔انکی آنکھیں کچھ نا قابل یقین دیکھنے کو تیار ہوئیں۔

”دوست . . . چائے ناردرن ایریاز . . کیا تم نے زندگی سے کچھ زیادہ مانگا ہے؟“

وہ ان پانچوں کی تصویر تھی۔جس میں وہ ونگ چارم میں بیٹھے تھے۔ہاتھ میں کافی کے مگ تھے۔مگر بیک گراونڈ بدل چکا تھا۔یکسر تبدیل۔وہاں اب کسی شمالی علاقے کا منظر تھا۔اسیران ایک لمحے کے لئے کچھ سمجھ نہ سکے۔مگر اسی پل انکی نظر آگے لکھے الفاظ پہ پڑی۔

”سات روزہ ٹرپ۔..دنیا سے دور .دوستوں کے ساتھ۔“

”یہ پوسٹ تم سب کے انسٹا گرام اور ٹوئیٹر پہ چلا دی گئی ہے۔تمھارے فونز ہمارے قبضے میں ہیں۔تمہیں آنے والی ہر کال کا جواب ہمارا ایک ڈبنگ آرٹسٹ دیتا ہے۔یقین کرو وہ بہت ٹیلنٹڈ ہے۔“حنزلہ بول نہیں رہی تھی وہ کھڑے کھڑے ان پانچ لوگوں کے قادموں سے زمین نکال رہی تھی۔اس نے چند سیکنڈز کے اندر اندر ان پانچ لوگوں کے سر سے آسمان کھینچ لیا تھا۔کوئی عتاب ہو تو پھر حنزلہ احمد زئی جیسا ہو۔”دنیا کے لئے تم ایک ٹرپ پہ جا چکے ہو۔تمھارے گھر والے بھی اس بات پہ یقین کر چکے ہیں سو اب . . . .“وہ مسکرائی۔اسکی مسکراہٹ سے خوف آتا تھا۔اور ان پانچ لوگوں نے اپنے ارد گرد خوف پھیلتا محسوس کیا۔

" the game begins now۔دنیا تمھیں بھول گئی ہے۔اب تم ہمارے مہمان ہو،خاندان بھی،اور hostage بھی۔“

"پخیر راغلے۔" وہ دونوں پٹھان مسکرا کر بولے۔اور اگلے چند لمحوں میں وہ زینے چڑھتے جس طرح آئے تھے اسی طرح باہر بھی نکل گئے تھے۔انکے عقب میں اب وہ انسان نہیں ریت کے پتلے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔زلطان دھیرے دھیرے دیوار کے ساتھ لگتا ہوا نیچے بیٹھتا چلا گیا۔اسکی آنکھوں میں اپنے اغوا کے کئی گھنٹے بعد خوف آیا تھا۔چہرہ سفید پڑا تھا۔زور گڑھ آنے کے پورے ساڑھے بارہ گھنٹے بعد اسے پتہ چلا تھا وہ پھنس چکا ہے۔ایک ایسے رسن دار میں جس سے رہائی ناممکن نظر آتی تھی۔

"دنیا مجھے بھول گئی؟" اسکے لب پھڑپھڑائے۔آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔

زخرف نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔"میرے خاندان کو میں یاد نہیں؟" اسکی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

شادان کی ٹانگوں نے اسکا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ گھٹنوں کے بل فرش پہ گرا تھا۔وہ واقعی گرا تھا۔"لوگ میری آواز بھول گئے؟"

حسن سلطان نے جھک کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ رکھ لئے۔کمر جیسے چٹاخ سے ٹوٹ گئی ہو۔اسکا اگلا ہاتھ زمین پہ پڑا تھا اور وہ بیٹھ گیا۔گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔اسکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر فرش پہ گرے۔"کوئی میرے لئے نہیں آئے گا؟"

زبرج کھڑا تھا۔اسکی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ٹانگیں لرز رہی تھیں لیکن وہ کھڑا تھا۔وہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ہاں وہ خوشیاں خود پہ حرام کر لینا چاہتا تھا،وہ مرنا چاہتا تھا لیکن موت سامنے آئے تو سورما بھی خوف کھا جاتے ہیں۔

"یہ جھوٹ بھی تو ہو سکتا ہے۔وہ ہمیں توڑنا چاہتے ہیں۔یہ جھوٹ ہے۔"دور اندر اسے معلوم تھا یہ جھوٹ نہیں۔مگر گرنے کے لئے اسے مذید دلائل چاہیے تھے۔اسکا دل مارے خوف کے سکڑ رہا تھا۔

"یہ سچ ہے۔"زلطان صفدر کی آواز بھربھری تھی۔خالی،خوف زدہ۔اعتراف کرتی ہوئی۔

"اس نے مجھے گھر دکھایا ہے۔میں نے وہ دیکھا ہے جو تم لوگ نہیں دیکھ سکے۔میں نے ہمارا انت دیکھا ہے۔"وہ جیسے بڑبڑا رہا ہو۔یوں جیسے اب بھی اپنی بینائی پہ یقین نہیں آ رہا ہو۔

"وہ پلاننگ کے ساتھ آئے ہیں۔اس نے مجھے سات کمرے دکھائے میں نے وہ کمرہ دیکھا جس میں انہوں نے پلان بنایا تھا۔وہاں دیواروں پہ نوٹس ہیں۔وہ تاریخیں سات ماہ قبل کی ہیں۔وہ واقعی سات ماہ سے ہم پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔"زلطان کی آواز کسی کھائی سے آتی تھی۔اسکے لہجے میں لرزش بھی تھی۔"یہ گھر استعمال نہیں ہوتا رہا میں نے سب دیکھا ہے کارپٹ،صوفے،برتن کچھ بھی "فٹ "نہیں ہے۔یہ ایک جال ہے جس میں ہمارے لئے پھندے کس دیئے گئے ہیں۔گودام میں کھانے پینے کے سامان اسٹور کئے گئے ہیں۔یعنی ہم اگلے کئی دن یہیں رہنے والے ہیں۔یہاں

ایک کمرہ ہے . . اس کمرے میں اس وقت ہمارے گھر، ورک پلیس، اور گاڑیوں کی سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکا۔ آنکھوں سے زندگی کی رمق جیسے ختم ہو گئی ہو۔"ہمارے فونز یہاں نہیں ہیں، ہمارے گھر پہ اطلاع دینے کے بعد انہوں نے فونز کی لوکیشن بدل دینے کے لئے ہمارے فون کسی آدمی کو دے دیئے ہیں۔ اور وہ انسان اس وقت اسی لوکیشن پہ ہے جو لوکیشن ہماری تصاویر میں ہے۔"

"تمھیں کیسے پتہ ہمارے فونز کہاں ہیں؟" شادان بے قراری سے بولا۔

"سکرینز پہ ان کی لوکیشن آ رہی ہے۔ جبل خان نے خود بھی بتایا وہ کوئی چیز راز نہیں رکھ رہا۔ اس نے مجھے ایک ایک چیز، ایک ایک جگہ دکھائی ہے تاکہ میں اس سے خوف کھاؤں۔ تاکہ تم سب اس سے خوف کھاؤ۔ وہ خوف کھانے کے قابل ہے۔۔"

"لیکن یہ سب کیوں؟ وہ یہ سب کس لئے کر رہا ہے؟" زخرف کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔ خوف تھا۔

"تاکہ اگر ہم یہاں سے جانے کے بعد انکے خلاف بیان دینا چاہیں تو ہمارے پاس کوئی ثبوت نہ ہو۔ وہ اتنا عرصہ ہمیں دیکھتا رہا اور ہمیں پتہ بھی نہیں چل سکا؟" حیرت سی حیرت تھی۔ زلطان صفدر اپنی انتیس سالہ زندگی میں اتنا بے بس کبھی نہیں ہوا تھا۔"کیفے کی سی سی ٹی وی فوٹیج بھی غائب ہے دو دن سے انکا کیمرہ خراب تھا۔ فورس انٹری کا ہر سائن انہوں نے مٹا دیا ہو گا۔

“we are trapped ..”

شادان چند لمحے سوچتا رہا۔وہ اضطرابی کیفیت میں اپنے ناخن چبا رہا تھا۔ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سن تھا،ساکت تھا۔گاؤں کے چند اجڈ گنوار انہیں اتنے برے طریقے سے کیسے پھنسا سکتے تھے۔نا قابل یقین۔وہ پاکستان کے پانچ ذہین گِدھ تھے ماس نوچنے کے تمام طریقوں سے واقف۔مورخ لکھے گا کہ زور گڑھ سے ایک انسان تھا،ایسا انسان جس نے ِگدھوں کو نوچ کھایا تھا۔

”ایک آئیڈیا ہے۔“زبرج کے کہنے پہ ہر ایک کی آنکھیں امید سے چمکیں۔”ہم انکی بات مان لیتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ کیا چاہتے ہیں وہ؟ایک ویڈیو بنانی ہے ناں بنا دیتے ہیں۔ہماری فیملی سے کہنا ہے کہ طاقت کے زور پہ انکا کیس کھلوائے کھلوا دیتے ہیں۔اور جب ہم یہاں سے جائیں گے تب ہم اپنی بات سے مکر جائیں گے۔ہم کہہ دیں گے ہمارے ساتھ زبردستی ہوئی تھی۔ہمیں اغوا کیا گیا تھا۔“وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور گھٹنوں کے بل زلطان کے پاس آکر بیٹھا۔”ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا زلطان۔یہ جگہ،یہ قید یہ ہمیں مار دے گی۔صرف ایک ویڈیو اور ہم آزاد ہم۔۔۔"

”وہ ویڈیو ہماری آزادی نہیں قید کی ضمانت ہوگی۔“اسکے لہجے میں تکان تھی۔”اس ویڈیو کے بعد ہم یہاں سے جا نہیں سکتے۔یہاں تک کہ انکو انکا حق نہ مل جائے۔وہ ہمیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے مجھے معلوم ہے،میں نے وہ دیکھا ہے جو تم نے نہیں دیکھا۔تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔“زلطان صفدر کا حوصلہ ٹوٹنا باقی چار کی کمر توڑ رہا تھا۔”جب ویڈیو بن کر سوشل میڈیا پہ آجائے گی وہیں سے اصل کھیل شروع ہوگا۔وہ ہمیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے بلکہ ہمیں

یہیں سے بیٹھ کر اپنی فیملی اور لوگوں کو آپریٹ کرنا ہو گا۔وہ نہ جانے کتنے دن ہمیں یہاں رکھنے والے ہیں ۔۔"

"سات دن . . . "زخرف کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔"وہ سات ماہ سے ہم پہ نظر رکھے ہوئے ہیں۔ہمارے اغوا کا وقت شام کے سات ہے۔اس نے تمھیں گھر میں سات کمرے دکھائے،کل سات جنوری تھا آج سے چھ دن بعد میری شادی ہے،چھ دن بعد تمہیں کاغذات کاغذات نامزدگی جمع کروانی ہے،چھ دن بعد شادان کو احمد خان **(طالبان گروپ کا ایک لیڈر جو شادان کی چھ ماہ کی جدوجہد کے بعد اسے انٹر ویو دینے پہ راضی ہوا تھا۔)**چھ دن بعد حسن کے کیریئر کے سب سے بڑے کیس کی سنوائی ہے،چھ دن بعد زبرج کی اینجیو اسے یو این کی ایک میٹنگ میں بھیج رہی ہے۔یہ اسکی زندگی کا سب سے بڑا چانس ہے۔ساتواں دن،صرف ایک دن نہیں ہو گا۔"

"ساتواں دن . . برباد ی ہو گا۔"حسن سلطان بے حد دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔

"ساتواں دن آسان نہیں ہو گا۔"زبرج کی آنکھیں تاریک ہو گئیں۔

"ساتواں دن نہیں آنا چاہیے۔"شادان کو خوف آیا۔

زلطان چپ رہا۔بلکل چپ۔وہ لڑ نہیں سکتا تھا،وہ سیاست نہیں کر سکتا تھا۔وہ اسکے ہر داؤ پیچ سے واقف تھے۔وہ اسے سات ماہ سے جانتے تھے۔اسکے حوصلے بھربھری ریت کی مانند بکھر گئے۔وہ اب کچھ نہیں کر سکتا تھا یہ خیال ہی اسے ساکن کئے دیتا تھا۔

"ہمیں انکا کہا مان لینا چاہیے۔پھر ہم ان سے منت کر لیں گے،بات کر لیں گے کہ پلیز ہمیں جانے دیں۔کم از کم چھ دن بعد تو وہ ہمیں جانے دیں گے ناں۔"زخرف زور دے کر بولی۔منگنی ٹوٹ گئی تھی۔مگر وہ شادی نہیں توڑ سکتی تھی ۔اسے یہاں سے نکلنا تھا۔

"تمھیں لگتا ہے اگر یہاں ہم انکی حمایت کا اعلان کریں گے تو اگلے دن یہاں سے جا کر اپنی بات سے پھر سکتے ہیں؟"شادان کے انداز میں کاٹ تھی۔"میری ایک کریڈبلیٹی ہے۔تین سال سے میں ملک کا سب سے قابل یقین آدمی ہوں۔جب شادان جھوٹ بھی بولے تو لوگ سچ سے زیادہ یقین کرتے ہیں۔میں اپنی امیج مر کر بھی برباد نہیں کروں گا۔زور گڑھ والے چاہے مجھے مار دیں،میں کوئی ویڈیو نہیں بناؤں گا۔"اٹل،آخری فیصلہ۔لوگوں کی ستائش وہ کسی قیمت کھو نہیں سکتا تھا۔

"میں یو این کے سب سے بڑے سالانہ اجلاس کا حصہ بننے والا ہوں جہاں منبر پہ کھڑے ہو کر لوگوں کے حق کے لئے بات کروں گا۔چاہے جو مرضی کہہ لو ہم سب جانتے ہیں زور گڑھ وکٹم ہے۔سات دن بعد میں اپنے ملک میں ہوتے ظلم کو چھوڑ دوسروں کے لئے بولوں گا تو لوگ زبرج شاہنواز کے منہ پہ جوتا ماریں گے۔میں کوئی بیان نہیں دے رہا۔"اسکی رائے حتمی تھی۔بازو گھٹنوں کے گرد پھیلائے اسے خوف آیا۔منصب پہ بیٹھ کر سچ کہنے کا خوف۔

”میری سیاست جھوٹ اور دھوکہ دھڑی کے خلاف ہے۔میری سیاست غربت کی چکی میں پستے،انصاف نہ ملنے والے لوگوں کے نام ہے۔میں سر پہ زور گڑھ کی نا انصافی کا بٹہ لے کر نہیں گھوم سکتا۔یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔“

حسن خاموش رہا۔وہ زخرف کو ش دیکھ رہا تھا۔جسکی آنکھوں میں پانی بھرتا جا رہا تھا۔وہ ہرٹ لگتی تھی۔اسکی شادی ٹوٹ جائے گی؟کیا اتنی آسانی سے؟۔حسن نے اسکے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

”ہم . ہم کچھ کر لیں گے زخرف۔تم فکر کیوں کرتی ہو؟“اسے فکر سی ہوئی۔اسی پل زلطان نے بھی گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

”کوئی کچھ نہیں کرے گا۔کسی کو کوئی فکر نہیں ہے میری شادی ٹوٹتی ہے تو ٹوٹ جائے۔“

”اتنا پسند ہے وہ تمھیں؟“شادان کے لہجے میں کاٹ تھی۔کئی سال کا بھرا ہوا غصہ اب بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

”بات پسند نا پسند کی نہیں ہے شادان۔“وہ چیخ پڑی۔”میری منگنی ٹوٹ گئی تھی۔میری شادی بھی تڑوانا چاہتے ہو؟میں سوشل میڈیا کا ہاٹ ٹاپک نہیں بننا چاہتی۔“

”تو ٹوٹ جائے کیا فرق پڑتا ہے۔تمھارے لئے مردوں کی کمی نہیں ہے۔“وہ ایک بار پھر اسی انداز میں بولا۔زلطان بس کہیں بھی،ذرا سی بھی ایک خوشی،تفکر کی جھلک زخرف کے چہرے ہ تلاشتا رہا۔مگر وہ ناکام رہا۔کیاوہ ایک کھوکھلے تعلق میں بندھنے جا رہی تھی؟

"تم اپنے مشورے اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے ہاں؟اگر تمہیں میری اتنی ہی پرواہ ہے تو یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچو۔" اس نے پنی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔"سات ماہ وہ لوگ سات ماہ ہمارے اتنے قریب رہے اور ہمیں معلوم ہی نہیں ہو سکا۔کوئی سات ماہ کسی کو فریب کیسے دے سکتا ہے؟"

"کسی اپنے کو ساتھ ملا کر۔" زبرج شاہنواز کی بات پہ وہ کہتے کہتے رک گئی۔باقی تینوں نے بھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔"کوئی غیر سات ماہ فریب نہیں دے سکتا مگر کوئی اپنا دے سکتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" زلطان نے اسے ٹوکا۔زبرج مسکرایا۔طنزیہ،کھوکھلی،عجیب مسکراہٹ۔

"we have a mole among us"

ہر کوئی اپنی اپنی جگہ ساکت ہوگیا۔ہر کسی کی نظریں ایک ہی پل میں بے گانہ ہوئیں۔وہ سب ایک دوسرے کے لئے بیٹھے بیٹھے ایک دوسرے کے لئے غیر ہو گئے۔تہہ خانے نے ایک اور راز اپنے سینے میں قید کر لیا۔کیا تہہ خانہ اس غدار سے واقف تھا؟کیا تہہ خانہ اس غدار کا محافظ تھا؟

آٹھ جنوری۔

صبح آٹھ بجے۔

دیوار پہ نصب سکرینز کی روشنیوں میں اسکا چہرہ قدرے نیلاہٹ کا شکار تھا۔کمرہ خالی تھا۔سوائے اس ایک نفوس کی موجودگی کے۔وہ پوری طرح سے اپنے کام میں محو تھا۔کافی کے دو مگ ہاتھ میں لئے حنزلہ اندر داخل ہوئی تو جبل خان نے مڑ کر اسے دیکھا۔وہ سنجیدگی سے اسکے ساتھ والی کرسی پہ آکر بیٹھی۔کافی کا مگ میز پہ رکھا،بالوں کو جوڑے میں باندھ کر ان میں ایک پنسل اٹکائی اور کانوں پہ آلے چڑھا لئے۔یہ سارا وقت جبل اسے دیکھتا رہا۔

"شادان کو کیسے جانتی ہو تم؟"

کی بورڈ پہ حنزلہ کی انگلیوں کی رفتار سست پڑی۔چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔جھوٹ،بات گھما لینا بے کار تھا۔جبل خان سے وہ جھوٹ نہیں بولتی تھی۔کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

"تین سال پہلے کیفے میں ملا تھا۔جب میں رائٹنگ کورس کر رہی تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟"جبل اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ سکرین پہ چلتی تہہ خانے کی فوٹیجز دیکھ رہا تھا۔

"اس نے میرے کنٹیکٹس خراب کرنے کی کوشش کی تھی،بعد میں معذرت بھی کی اور مدد بھی۔مگر مجھے انتقام چاہیے تھا۔"وہ کھٹاکھٹ ٹائپ کرتی رہی۔تاثرات ہنوز سپاٹ رہے۔

"بات اتنی بڑی تو نہیں ہوگی؟انتقام ایک بہت بڑا جذبہ ہے۔نہیں؟"

حنزلہ کے تاثرات میں پہلی بار دراڑ آئی۔حلق خشک ہونے لگا۔اس نے گرم گرم کافی اپنے حلق میں اتاری۔"ہماری روز ملاقات ہوتی تھی۔"

"ہو جاتی تھی یا تم کرنا چاہتی تھیں؟"

"مجھے معلوم تھا وہ روز اسی کیفے میں آتا ہے۔میں نے کبھی اسے جتایا نہیں لیکن ہاں میں اسکے لئے وہاں جاتی تھی۔"اس نے کہہ کر جبل کے تاثرات جانچنے چاہے۔مگر اسکا چہرہ خالی تھا۔

"پھر کیا ہوا؟"وہ کچھ دیر بعد بولا۔

"کچھ نہیں ہم تین ماہ اسی کیفے میں ملتے تھے۔وہ اچھا ریڈر تھا۔میں اس سے اپنی کہانیوں کے متعلق مشورے لیتی تھی۔وہ دیتا تھا۔میں کئی بار اس سے اپنا ڈرافٹ پڑھواتی تھی۔وہ پڑھ کر چن چن کر کیڑے نکالتا تھا۔تعریف کرتا تھا۔میرے لئے وہ بس ایک ریڈر تھا بھائی۔"سخت سردی میں نہ جانے کیوں اسے ٹھنڈے پسینے آئے۔

جبل اپنی جگہ سے اٹھا۔ذرا فاصلے پہ رکھے میز کی طرف آیا اور کیتلی سے اپنے لئے قہوہ کپ میں بھرنے لگا۔"تمہیں لگتا ہے صرف ایک "ریڈر" اپنے آفس،کام،فائلز چھوڑ کر تمہارا مسودہ پڑھنے آتا تھا کیونکہ وہ صرف ایک ریڈر تھا؟"لڑکی کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ اتری۔ہاتھ تیزی سے ٹائپ کرنے لگے۔وہ اس کھٹ کھٹ کی آواز میں جبل کی آواز نظر انداز کرنا چاہتی تھی۔

"وہ کسی محلے کے گھر میں رہنے والا عام سا ریڈر نہیں تھا۔وہ سید شادان شاہ تھا۔وہ تمھارے کرداروں کے لئے نہیں، تمھارے لئے آتا تھا۔ایک لکھاری ہو کر تم لوگوں کو پرکھ نہیں سکیں؟"وہ واپس اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھا۔اب کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔"یا پھر ایک لکھاری میرے ساتھ الفاظ کے رد و بدل سے کام لے رہی ہے؟"

حنزلہ خاموش رہی۔

"تم نے اس سے کس چیز کا انتقام لیا؟اپنے کنٹیکٹس خراب ہونے کا۔یا اسکے سید شادان ہونے کا۔؟"

اس نے ٹائپنگ چھوڑ دی۔تاثرات پہ بند بٹھانا اب بس میں نہ رہا۔اب وہ جبل خان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔"مجھے دو ماہ بعد پتہ چلا تھا وہ کس کا بیٹا ہے۔میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں،انہیں گرانے والوں کے ساتھ تعلق نہیں رکھ سکتی تھی۔اس کے باپ نے زورگڑھ کا اثاثہ چرانے والوں کا ساتھ دیا،یہ اسکا کام تھا۔میں نے پہاڑوں سے وفاداری کی یہ میرا فرض تھا۔"

"پہاڑ تو دلاسا اور چھاؤں دیتے ہیں۔تم نے اس پہ پتھر کیوں لڑھکا دیئے؟"وہ اسکی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"پہاڑوں کو اپنا حساب کرنا خوب آتا ہے،جو جس شے کا مستحق ہو اسے وہی ملتا ہے۔"

جبل چند لمحے اسکے چہرے کو تکتا رہا۔"پسند کرتا ہے وہ تمھیں۔؟"

"جو میں نے اسکے ساتھ کیا ہے وہ نفرت کرتا ہوگا مجھ سے۔"اس نے وثوق سے کہا۔دل میں کہیں ہوک اٹھی تھی۔

"کیا یہی وہ دلاسا ہے جو تم تین سال سے خود کو دے رہی ہو؟"حنزلہ کے چہرے کا رنگ ایک پل میں تبدیل ہوا تھا۔کسی نے اسکی چوری پکڑ لی تھی۔"کیا تم نے اس سے رابطہ صرف اس لئے نہیں کیا کیونکہ تمھیں لگا تھا وہ تم سے نفرت کرتا ہے ؟"

"وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے مجھے یقین ہے۔" دلیل کمزور تھی۔

"تین سال پہلے کیا کرتا تھا؟" سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے سن پڑ گئی۔

"شاید . . . محبت؟" الفاظ اسکا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ جزبز ہوئی۔

"اگر وہ **"واقعی"** تین سال پہلے محبت کر بیٹھا تھا تو وہ نفرت نہیں کر سکتا۔ مرد کا دل بڑا سخت ہوتا ہے، مگر جس کے لئے نرم پڑ جائے پھر اسکے لئے دوبارہ سخت ہونا ممکنات میں سے نہیں۔"

"دلوں کے مرض کے بارے میں آپ بہت جان گئے ہیں؟" حنزلہ نے اسکے چہرے پہ کچھ کھوجنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام۔

"کاش نہ جانتا ہوتا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ زخمی مسکراہٹ۔ "بعض دفع، بعض معلومات ہماری مرضی سے نہیں آتیں۔ چاہے ہم انہیں جھٹلائیں، چاہے رد کریں وہ دل کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر آنکھیں دکھا کر، بڑی دیدہ دلیری سے کہتی ہیں۔ اب ہے ہمت تو ہم سے منہ موڑ کر دکھاؤ۔"

"کیا ایسے الہام سے کبھی منہ موڑا نہیں جا سکتا؟" چہرہ ہتھیلی پہ ٹکائے اس نے سوال کیا۔

"اگر الہام محبت کا ہو، تو اسکی تعظیم کی جاتی ہے۔ بھلا محبت کوئی منہ موڑنے والی چیز ہے؟" جبل مسکرا کر بولا۔

"ہر کوئی آپ جیسا مہمان نواز نہیں ہوتا جبل لالہ۔کئی بار کچھ لوگ محبت کو بھی دل سے ٹھوکر مار کر نکال دیتے ہیں۔"

"سہی کہا۔ہر کوئی جبل خان نہیں ہوتا،ہر کسی کے پاس اتنا بڑا دل نہیں ہوتا۔"اس نے کہتے ہوئے اپنے قہوے کے گھونٹ لئے۔وہ سادہ قہوہ نہیں اسے امرت جل لگا۔محبت میں مبتلا انسان کے لئے ذائقے بدل جاتے ہیں۔پھیکی چائے محبوب کے ذکر پہ میٹھی لگنے لگتی ہے۔کورے صاف آسمان پہ قوس قزح نظر آنے لگتی ہے۔اسکے دل سے بوجھ ہٹنے لگتے ہیں،پیروں کے نیچے سے کشش ثقل ختم،اور جسم ہواؤں میں محسوس ہونے لگتا ہے۔جبل خان کے ساتھ ایک لمبے عرصے سے یہی ہو رہا تھا۔

"اب آگے کیا کرنا ہے؟"حنزلہ نے سکرین پہ نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔جہاں تہہ خانے کا منظر تھا۔وہ پانچوں فرش پہ بیٹھے تھے۔انکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔وہ جو بات کر رہے تھا جبل سن رہا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے وہ پلان "**سیون**" سمجھ چکے ہوں گے؟"

"وہ پانچوں پاکستان کے ذہین گدھ ہیں۔ماس نوچنے کے تمام طریقے انکے لئے بوجھنا مشکل نہیں۔زلطان صفدر گھاک آدمی ہے جتنے اشارے میں نے اسے دیئے ہیں،اور جو چیزیں خاتون دیکھ کر گئی ہیں،یقینا وہ سب جان چکے ہوں گے۔"

"سات دن ایک لمبا وقت ہے۔وہ کوئی عام لوگ نہیں ہیں۔ہم سات دن انہیں رکھ سکیں گے؟"

"اگر ایجنٹ کو لگتا ہے ہم ستر سال تک انہیں یہاں رکھ سکتے ہیں تو مجھے یقین ہے ہم رکھ سکتے ہیں۔مجھے اسکے پلان پہ یقین ہے۔"

حنزلہ نے گہری سانس لی اور اسے دیکھا۔"آپ کو اس پہ اتنا یقین کیوں ہے؟"

"کیونکہ جس کام کے لئے ہم سات ماہ سے خوار ہو رہے ہیں،وہ اسی کام کے لئے چار سالوں سے کام کر رہاہے۔اور ان چار سالوں میں ایک پل کے لئے میں نے اسکا جنون کم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔وہ ماسٹر مائنڈ ہے۔اسکا دماغ عظیم ہے۔مجھے اسکے دماغ پہ،اس کے پلان پہ اعتبار ہے۔"وہ دوبارہ سکرین کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

اس نے کافی کا گھونٹ بھرا،پھر جبل سے پوچھا۔"آپ کو کیا لگتا ہے لالہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟"

"اپنے باپ کے سر سے ملامت اتارنے کے لئے۔"جبل خان کا لہجہ مدھم تھا۔"دنیا کے لئے اسکا باپ عظیم تھا۔انسانیت کا علمبردار۔مگر دنیا نہیں جانتی وہ زور گڑھ کا سب سے بڑا گنہگار تھا۔اسکا باپ موت کے کچھ عرصے تک کافی الزامات کی زد میں رہا۔مگر پھر سب تھم گیا۔لیکن ایجنٹ وقت گزرنے کے بعد وہ راز جان چکا تھا جو اسکے باپ نے بھی اسے نہیں بتائے۔"

اگلے کئی لمحے انکے درمیان خاموشی رہی۔دونوں کو بیک وقت بہت کچھ یاد آیا تھا۔یادیں کمبخت بعض دفع ماضی میں لے جا کر پٹخ دیتی ہیں۔اور یادوں کے پٹخنے کے زخم سیدھے دل پہ لگتے ہیں۔

"اب آگے کیا؟"حنزلہ کے سوال سے معلوم ہوتا تھا کہ پلان سے پوری طرح واقف وہ بھی نہیں۔

"انکو توڑنا ہو گا۔شروعات ہو چکی ہے۔شروعات خاتون سے ہوئی ہے۔"وہ نگاہیں سکرین پہ مرکوز کئے کہہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو یہ اب بھی ٹوٹے ہوئے لگتے ہیں۔"

"اؤنہوں ابھی نہیں۔ابھی کسک باقی ہے۔ابھی ان سب کے اندر دور کہیں کچھ ہے کوئی بانڈ سا۔خاندان اتنی جلدی نہیں ٹوٹتے۔"

"پھر ہم انہیں کیسے توڑیں گے؟"

"وہ سب "**دنیا**" کے نشے میں دھت ہیں۔مقام،کریڈبلیٹی،ساکھ،شہرت،روشنی وہ اس سب میں اندھے ہیں۔میں انہیں اندھا رہنے دوں گا۔اورانہیں اشارہ دوں گا کہ انکے اپنے "**خاندان**"کی وجہ سے یہ ان سے چھن رہا ہے۔"

"پھر کیا ہو گا؟"وہ جاننے کے لئے بے چین ہوئی۔

”دنیا کی محبت میں ڈوبے شخص سے جب دنیا لی لو تو پاگل کتا بن جاتا ہے۔کاٹتا ہے، چیختا ہے، پھر ہار مان لیتا ہے۔وہ اس روٹی کے ٹکڑے کو نہیں کھو سکتا۔جو اسے باقی کتوں کے آگے ممتاز کرے گا۔“

”اور اگر پاسہ پلٹ گیا تو؟اگر کتوں نے روٹی کے بدلے آزادی چاہی تو؟“

جبل چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔تھوڑی دیر بعد وہ بولا تو اسکی آواز مدھم تھی۔

”مجھے پھر بھی ایجنٹ کے پلان پہ بھروسہ رہے گا۔“وہ مستحکم لہجے میں کہہ کر اٹھا تھا۔وہ اب دوبارہ کیتلی سے قہوہ نکال رہا تھا۔آج کی رات وہ پھر سے جاگنے والا تھا۔کچھ لوگوں کے لئے راتیں بس جاگنے کو ہوتی ہیں۔

”نو جنوری۔“

”صبح چھ بجے۔“

”کڑا وقت جب بھی آتا ہے انسان تین قسم کے رد عمل دیتا ہے۔پہلا ہے . . . پہلا۔ فرسٹریشن۔“

یہ انکی اس تہہ خانے میں دوسری رات تھی۔پہلی رات وہ بے ہوش رہے تھے پٹتے رہے تھے۔دن مختلف قسم کی آزمائش میں گزرا تھا،اور رات انکے لئے ڈھیر سارے رازوں سے پردہ اٹھا گئی تھی۔

اس رات کوئی جسم میں ہونے والے درد کی وجہ سے جاگا تھا۔تو کوئی ڈوبتے کیریئر کے خوف سے۔کوئی زمانے میں اپنی رسوائی کے خوف سے جاگا تھا،تو کوئی ٹوٹتے تعلقات کے ڈر سے۔اس رات ایک آدمی اور بھی جاگا تھا۔وہ حسن سلطان تھا۔

وہ اپنے دوستوں کی بے حسی پہ جاگا تھا۔کیا وہ دنیا کے دھوکے میں اتنے اندھے ہو گئے تھے کہ انہیں کچھ بھی اور نظر نہ آیا؟کیا یہ صرف ساکھ کھو دینے کا خوف تھا جو انہیں اس تہہ خانے سے نکلنے پہ مجبور کر رہا تھا۔کیا صرف اتنا ہی؟

"ناشتہ کر لو اس کے بعد ہمیں بات کرنی ہے۔"بہرام نے ناشتے کی ٹرے لا کر تہہ خانے کے وسط میں رکھی۔

"ہم تم سے بات نہیں کریں گے اپنے باس کو بلاؤ۔"شادان ناگواری سے بولا۔اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اسکے قریب آ کر رکا۔باقی سب اسے تک رہے تھے۔شادان نے ایک نظر زخرف کی روئی روئی سی آنکھیں دیکھیں۔پھر بہرام کو دیکھا۔اس نے اپنی انا پہ پیر رکھے۔

"جو تمہیں چاہیے وہ ہم چاروں سے بھی مل سکتا ہے۔اسے جانے دو۔وہ ایک لڑکی ہے اسکی شادی ہے۔اسے جانے دو پلیز۔"دنیا جانتی تھی شادان نے آج تک اپنے باپ سے بھی منت نہیں کی تھی۔مگر آج وہ شاید بہرام کے پیروں میں بھی گر جاتا۔اسکی آنکھوں میں امید تھی۔

"یہ آفر تو دی تھی ہم نے۔" وہ بے حد سہولت سے بولا۔"زلطان سے بات کرتے وقت اسے صاف صاف کہا تھا کہ اگر وہ ہماری بات مان لے تو ہم بی بی کو اور بیرسٹر کو جانے دیں گے۔لیکن اس نے انکار کر دیا۔ہے ناں زلطان صفدر؟"

شادان ،زبرج، حسن ہر ایک نے شاکی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔بس ایک زخرف تھی جس کی آنکھوں میں سوال تھے۔شک نہیں۔زلطان صفدر وہ واحد انسان تھا جس پہ زخرف اندھا اعتماد کرتی تھی۔

"کیا تم نے کوئی ڈیل کی ہے زلطان؟اور اگر کی تو مجھے بتایا کیوں نہیں؟"شادان نے پوچھا۔

"مجھے جو بہتر لگا میں نے وہی کیا ہے۔مجھے صفائیاں دینے کی عادت نہیں ہے۔"اسکا لہجہ نارمل تھا۔سنبھلا ہوا۔کل رات کے شاک سے وہ باہر آ چکا تھا۔

"ہوتے کون ہو تم ہماری طرف سے معاہدہ کرنے والے؟تم نے پوچھا ہم سے؟"زبرج تیز آواز میں کہہ رہا تھا۔زلطان جواب دیئے بغیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ناشتے کی ٹرے کے سامنے آ کر بیٹھا۔سوئیٹر کے بازو ہلکے سے موڑ دیئے۔

اگلے کئی لمحے زبرج اس پہ چیختا رہا۔یہ اسکا فرسٹریشن باہر نکالنے کا طریقہ تھا۔

شادان نے چیزیں اٹھا اٹھا کر توڑنا شروع کر دیں یہ اسکا طریقہ تھا۔حسن سلطان جلے پیر کی بلی کی طرح پورے تہہ خانے میں چکر کاٹتا رہا۔اور زلطان خاموشی سے کھاتا رہا۔اسکی ڈائٹ،اسکا صحت

مند کھانا اسے اس وقت کچھ یاد نہیں تھا۔اسے لگا تھا اگر وہ کھانا چھوڑدے گا تو شاید چیخنے لگے گا۔شاید رونے بھی۔شاید ٹوٹ بھی جائے۔

زخرف وہ واحد اسیر تھی جو چپ چاپ گھٹنے سینے سے لگائے دیوار کو تکتی رہی۔اسکی بھوک ختم ہو چکی تھی۔اسکے اندر چلانے کی سکت نہیں تھی۔اسکے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔وہ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔

یہ فرسٹریشن کا سب سے اعلیٰ درجہ تھا۔

"دوسرا مرحلہ بڑا کٹھن ہوتا ہے۔...صبر آزما بھی اور جان لیوا بھی۔دوسرا لمحہ "**الزام تراشی**"ہوتا ہے۔"

ناشتہ ان میں سے کسی نے نہیں کیا سوائے زلطان کے۔ہاتھ انکے اب بھی بندھے ہوئے تھے۔اورملاقات کرنے ان سے کل سے اب تک کوئی نہیں آیا تھا۔آگے کا لائحہ عمل سوچ سوچ کر وہ تھک رہے تھے۔انکے دماغ سوچ سوچ کر اب بری طرح تھکاوٹ کا شکار ہونے لگے تھے۔

"وہ تمھیں کیوں ساتھ لے کر گیا۔؟"ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھے زلطان کے سامنے کھڑا شادان سختی سے استسفار کر رہا تھا۔زلطان نے سنجیدہ برف نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمھارے باپ کو بھی جواب دہ نہیں ہوں میں۔"

"ظاہر ہے ملے ہوئے جو ہو تم۔"وہ پھنکارا۔ورنہ اتنی آسانی سے تم نے انکا سارا پلان کیسے جان لیا۔؟تمہیں پتہ کیسے چلا وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟تمھیں کیسے پتہ انکا پلان کیا ہے؟"

"اگر اپنے چھوٹے سے دماغ پہ زور دو تو یہ سب مجھ سے پہلے زخرف نے گیس کیا تھا۔"زلطان کی اس ایک بات پہ زخرف کے دل میں جیسے نشتر چبھ گیا ہو۔وہ بے یقینی سے زلطان کو دیکھنے لگی۔کیا وہ اسے موضوع محفل بنا رہا تھا؟

"تم کہنا کیا چاہتے ہو زخرف انکے ساتھ ملی ہوئی ہے؟تم کہنا چاہتے ہو وہ غدار ہے؟"حسن اپنی جگہ سے اٹھا اور اسکے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔دھیرے دھیرے ہر کوئی اسکے خلاف ہو رہا تھا۔زلطان بس انہیں دیکھتا رہا۔وہ صفائیاں نہیں دیتا تھا۔اسے عادت نہیں تھی۔لیکن وہ دوست تھے انکو ضرورت تھی کیا؟

"میں اپنی پوزیشن کلئیر کر رہا ہوں اور کچھ نہیں۔کسی پہ کوئی الزام نہیں۔"

"اور پوزیشن کلئیر کرنے کے لئے تم نے سوچا کہ اپنے دوستوں کو منیوپلیٹ کیا جائے۔"دوسرے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے زبرج کی آواز غیر تھی۔زلطان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔وہ تو صلح جو تھاناں۔

"تم لوگوں کو لگتا ہے میں غدار ہوں؟"تمہید باندھنا اسکا شیوہ نہیں تھا۔

"اگر نہیں ہو تو تم نے اس سے معاہدہ کیوں کیا؟جب وہ زخرف اور مجھے جانے دے رہا تھا تو تم کیوں بیچ میں آئے؟"

اب کے زلطان طنزیہ مسکرایا۔ابرو اٹھا کر حسن اور باقی سب کو دیکھا۔پھر حسن کے ہی چہرے پہ نظریں گاڑ لیں۔

"ایک لڑکی کے پلو میں چھپ کر یہاں سے بھاگنا چاہتے ہو تو بتاؤ دوبارہ معاہدہ کر لیتا ہوں۔لیکن اب کی بار معاہدہ ایک مرد ایک عورت کا نہیں بلکہ دونوں عورتوں کا ہو گا۔" حسن کا سرخ پڑتا چہرہ اسے کمینی خوشی دینے لگا۔قید اسے بدل رہی تھی۔"یوں بھی تم کسی عورت سے کم تو نہیں ہو ہے ناں؟"

حسن نے جھک کر اسکے جبڑے پہ جمے ہوئے ہاتھ کا ایک مکا دے مارا۔زلطان کے ہاتھ بندھے تھے مگر پیر نہیں اس نے پوری قوت سے اسکے سینے پہ لات دے ماری۔اور اسکے بعد ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔وہ دونوں ایک دوسرے پہ ٹوٹ پڑے تھے۔زبرج خاموشی سے زلطان کو پٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور شادان حسن کا ساتھ دے رہا تھا۔زخرف نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں چھڑوانا چاہا مگر زبرج نے سختی سے اسکی کلائی پکڑ کر اسے واپس بٹھا دیا۔شاید جو ہو رہا تھا وہ اس سے راضی تھا۔

"تمہاری وجہ سے شروع ہوا ہے یہ اب تماشا دیکھو۔یہ ظاہر مت کرو کہ تمہیں انکی فکر ہے۔" وہ اپنی جگہ جامد سی ہو گئی۔آنکھیں غیر یقینی کیفیت میں وا ہوئیں زبرج کے ہاتھ سے اسکی کلائی کب چھوٹی،کب وہ بے دھم سی ہوکر فرش پہ گری اسے معلوم نہ ہو سکا۔یہ اس ایک دن کا دوسرا بڑا جھٹکا تھا۔زبرج تو اسکے بھائیوں جیسا تھا۔کیا وہ بھی اسکا اعتبار نہیں کرتا تھا؟الزام،رنجش،دھوکہ زور گڑھ کی ہواؤں میں رچ بس گیا تھا۔

اس وقت ان پانچ لوگوں کو اپنی سانسوں پہ بھی شکوک و شبہات تھے۔اس وقت ان پانچوں کو اپنے بدن سے سازش کی بو آتی تھی۔دو دن کی قید نے انہیں بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔الزام تراشی اب ہاتھا پائی تک پہنچ چکی تھی۔اور آگے نہ جانے کیسے کیسے مراحل طے ہونے باقی تھے۔

یہ کٹھن مرحلے تھے۔موت جیسے کٹھن۔

”آخری مرحلہ ہمت کا ہوتا ہے۔فیصلہ لینے کی ہمت۔یہ ہمت ہر کوئی نہیں کر پاتا۔ہر ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔فیصلے ہر بارٍ گو اپ نہیں ہوتے۔فیصلے کئی بار بغاوت کے بھی ہوتے ہیں۔“

یہ انکے دوسرے دن کی تیسری رات تھی۔سارا دن ان سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی گئی۔سارا دن وہ اس تہہ خانے میں پڑے،ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔آپس میں لڑنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو زخمی بھی کر چکے تھے۔اوراب گلٹی بھی تھے۔قید،زخم،الزام ہر، ہر شے جیسے انکے اعصاب پہ بری طرح برس رہی تھی۔

انکی حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب کوئی ان زخموں کا علاج کرنے نہیں آیا۔بلکہ ایک میڈیکل کٹ حسن کے حوالے کی گئی۔وہ ایک ہاتھ سے بڑی مشکل سے شادان کا چہرہ اور زخم صاف کر کے آیا اور اب زلطان کے پاس آ کر بیٹھا۔زلطان نے چہرے پھیر لیا۔ہاتھ بندھے ہوئے تھے ورنہ ایک آدھ مکا بھی جڑ ہی دیتا۔وائلنس کے بغیر تو انکا دن ہی نہیں گزرتا تھا۔

"ہیروئن کی طرح نخرے کیوں دکھا رہے ہو؟مارا تو تم نے بھی ہے۔"اس نے زلطان کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔اور انگلیوں کے پوروں پہ ہلکی سی ٹیوب نکال لی۔"سیدھا سینے پہ مارا تم نے مجھے۔میرا دل بند بھی ہو سکتا تھا۔"وہ دھیرے دھیرے اسکے زخم پہ مرہم لگانے لگا۔

"مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔"زلطان اسکی باتوں کے جواب میں بس یہی بولا۔

"اور ہم؟ہم تو اس جگہ کو اپنی نانی کا گھر سمجھ کر اسٹے کرنے آئے ہیں ناں؟بس پاپ کارن اور مونگ پھلیاں گھر پہ رہ گئیں۔جاؤں جا کر لے آؤں؟"

"میں قید سے نکل جاؤں گا۔"اسکے طنز کے جواب میں زلطان نے بس اتنا کہا۔اسکی آواز اتنی بلند تھی کہ ہر کوئی سن سکے۔حسن کی انگلیوں کی حرکت صرف لمحے بھر کے لئے تھم گئی،پھر وہ واپس اسی طرح آئنٹمنٹ اسکی گردن پہ لگانے لگا۔شادان نے کسی خیال سے چونک کر اسے دیکھا تھا

"میں ایک بار پھر باہر جاؤں گا۔راستے دیکھوں گا اور کل صبح میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"اور ہم سب یہاں گلی ڈنڈہ کھیلیں گے اسی لئے تو آئے ہیں ہم۔بچپن سے اغوا ہونے کا شوق جو تھا ہمیں۔"وہ ایک بار پھر اسی جلے کٹے انداز میں بولا۔

"تمھارے پاس کوئی پلان ہے؟اگر ہے تو مجھے بھی یہاں سے نکلنا ہے۔"شادان کی پکار ایک دوسرے کونے سے اٹھی۔حسن کو لگا تھا اسکا دماغ گھوم گیا ہے۔مگر وہ سنجیدہ تھا۔وہ زلطان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں بھی سسک سسک کر مرنا نہیں چاہتا۔نکلنا ہے مجھے۔"زبرج شاہنواز کا اعلان۔زلطان اب پر امید نظروں سے زخرف کو دیکھ رہا تھا۔اسکی آنکھیں خطرناک حد تک سپاٹ تھیں۔اس نے ایک نظر زلطان کو دیکھا۔پھر مڑ کر زبرج کو، پھر شادان کو۔

"مجھے نکلنا ہے لیکن تم تینوں کے سہارے نہیں۔میں یہاں سے باہر جاؤں گی اپنے دم پہ،اپنے پلان کے ساتھ۔ جس طرح زلطان صفدر کو مجھ پہ اعتبار نہیں اسی طرح اب مجھے بھی اس پہ اعتبار نہیں۔"

"میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے تم پہ اعتبار نہیں۔"

"تم نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ تمھیں مجھ پہ اعتبار ہے۔"وہ ترکی بہ ترکی بولی۔زلطان نے مٹھیاں بھینچ لیں۔اس کہنے،نہ کہنے نے دس سالوں میں اسکی زندگی میں بہت سارے خلاء چھوڑ دیئے تھے۔وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔زخرف چند لمحے اسکے کہنے کی منتظر رہی مگر وہ کچھ نہ بولا۔اسکے دل میں نئے سرے سے ہوک اٹھی۔زلطان صفدر کو آخر غرور تھا تو کس بات کا؟

"میرے پاس پلان ہے میں --"

"مجھے تمھارے پلان کی ضرورت نہیں ہے۔میں یہاں سے نکل سکتی ہوں۔میں نکل کر دکھاؤں گی۔"زلطان نے کچھ کہنے کو لب وا کیئے پھر بند کر دیئے۔وہ جو انداز نہ سمجھ سکے ان پہ الفاظ کیا ضائع کرنے؟"تم میرے ساتھ چلو گے حسن؟"سیاہ آنکھوں والے لڑکے نے ایک نظر زلطان کو دیکھا۔پھر اپنے دوسرے جانب بیٹھے باقی دو مردوں کو۔وہ کشمکش میں پھنس گیا۔

"ہم سب یہاں سے ساتھ نکل سکتے ہیں۔جب تک ہم ساتھ ہیں ہمیں کوئی توڑ نہیں سکتا۔"اسکا لہجہ مضبوط تھا۔

"تم آ رہے ہو یا نہیں؟"زخرف نے پوچھا۔

"میں آ رہا ہوں لیکن ہم ساتھ۔۔"

"ہم ساتھ نہیں جا رہے۔"حسن کی بات کاٹ کر اب کے شادان بولا تھا۔"تم میرے ساتھ آ رہے ہو زبرج؟"اس نے گردن ترچھے کر کے گہری بھوری آنکھوں والے مرد سے سوال کیا۔وہ گردن اثبات میں ہلا چکا تھا۔زلطان صفدر کے دل پہ جیسے کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔وہ اکیلا رہ گیا؟وہ ان سب کا لیڈر تھا کیا وہ یونہی بلا وجہ اسے پیچھے چھوڑ رہے تھے؟وہ ٹکر ٹکر ان کے چہرے دیکھے گیا۔

"کیا زلطان اکیلا رہ جائے گا؟ہم اسے اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟"حسن کو اسکی فکر تھی۔اسے سب ہی کی فکر تھی۔وہ اپنا نرم دل لے کر کہاں جاتا؟

"زلطان کو لوگوں کی پرواہ نہیں ہے۔میں اکیلا یہاں سے نکل سکتا ہوں۔"وہ جانتا تھا،بس وہی جانتا تھا اس نے کس دقت سے یہ الفاظ کہے تھے۔دوست سہارا نہیں ہوتے،ہاں مگر ٹیک ضرور ہوتے ہیں۔بے ساکھیاں نہیں ہوتے ہاں مگر کندھوں کا بوجھ ضرور ڈھو لیتے ہیں۔زلطان صفدر کو آج یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسکے بازوؤں سے بے ساکھیاں نکال دی ہوں۔اور معذوری کی حالت میں اسے سڑک پہ اکیلا پھینک دیا ہو۔درد،چبھن،تکلیف اور رنج کو سینے میں دبائے وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

خاندان ٹوٹ گیا تھا۔شکوک و شبہات بڑھ گئے تھے۔وہ سب اپنی "**موجودگی**" قبول کر چکے تھے۔اب مزاحمت کا وقت تھا۔دہر کے نئے باب کھلنے لگے تھے۔مگر کس لینی چاہیے ہے ناں؟

مزاحمت۔

resistance

نو جنوری۔

"تیسری رات کا پہلا پہر۔"

زرد روشنی میں ڈوبا وہ قید خانہ آج بوجھل تھا۔اسیر کھوئے کھوئے سے تھے۔یا شاید افسردہ۔

رات کا کھانا انہیں دے دیا گیا تھا۔جسے سب نے کھایا۔زرد بلب انکے سر پہ جھول رہا تھا۔ایک کونے میں بیٹھا زلطان فرش پہ پڑے کوئلے سے کوئی نقشہ بنا رہا تھا۔(**انکے ہاتھ کھول دیئے گئے تھے**)اسکے ہاتھ بڑی مہارت سے چل رہے تھے۔کشادہ پیشانی پہ بھورے بال گر رہے تھے،اور وہ منہمک سا نظر آتا تھا۔صبح میں ہونے والی جھڑپ کے کوئی آثار اسکے چہرے پہ نہیں تھے۔حسن اپنی جگہ پہ بیٹھا کافی دیر اسے دیکھتا رہا،پھر اٹھ کر اسکے قریب آکر بیٹھا۔تھوڑی دیر وہ لب کاٹتا رہا۔پھر دھیرے سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"بھاگنا حل نہیں ہے۔وہ لوگ ہمیں مار بھی سکتے ہیں۔"

"یہاں رہ کر بھی زندگی نہیں مل جائے گی۔میں خود پہ گو اپ نہیں کروں گا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر دوبارہ ہاتھ چلانے لگا۔

"اور ہم پہ give up کر دو گے؟"

"تم سب کو اب میری ضرورت نہیں ہے۔تم سب آزاد ہو۔اپنے فیصلے لے سکتے ہو۔" وہ کہتا نہیں تھا لیکن آج اسکا دل بہت بری طرح دکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم نے کسی وجہ سے فیصلہ لیا ہو گا۔میں جانتا ہوں تمہارا مجھ سے اور زخرف سے کوئی تعصب نہیں ہے۔میں بس غصے میں تھا۔" اسے حقیقتاً شرمندگی ہوئی۔

"کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے۔"

"زلطان تم۔۔"

"اسکا دھیان رکھنا۔" حسن کی بات کاٹ کر وہ سنجیدہ، ہلکی آواز میں بولا۔متحرک ہاتھ رک گئے اور اس نے آنکھیں اٹھا کر حسن کو دیکھا۔"وہ جذباتی ہے، جلد باز ہے۔اسکا دھیان رکھنا۔کوئی تکلیف نہ آئے اسے۔" زخرف کو اس سے شکایت تھی وہ کچھ کہتا کیوں نہیں؟آج زلطان کی آنکھیں دیکھ حسن کو زخرف سے گلہ ہوا۔وہ زلطان صفدر کی آنکھیں کیوں نہیں پڑھتی؟اسکی آنکھیں جمے ہوئے دل پگھلانے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

"میں اسکی ذمہ داری نہیں لوں گا۔مجھے نہیں معلوم میں اسے نبھا بھی سکتا ہوں کہ نہیں۔"۔

”اگر اسے لگتا ہے تم کر سکتے ہو،تو تم کر سکتے ہو۔“وہ دوبارہ اپنے مشغلے میں لگ گیا تھا۔

”تم اسے روکو گے نہیں؟“حسن نے کسی آس کے تحت اسے دیکھا۔

”روکوں گا تو وہ کشمکش کا شکار ہو جائے گی۔اگر اسے لگتا ہے وہ تسخیر کر سکتی ہے تو میں اسکی آنکھوں میں دیکھ کر کہوں گا ہاں تم کر سکتی ہو۔“

”تم بہت عجیب آدمی ہو زلطان۔کبھی کبھی دل چاہتا ہے تمہیں گلے لگا لیں۔اور کبھی دل چاہتا ہے تمہارا گلا گھونٹ دیں۔“زلطان نے کوئی جواب نہ دیا۔حسن نے اسکے نقشے پہ نظریں مرکوز کیں۔سات کمرے،شام سات بجے،سات ڈبے،سات لکڑیاں۔وہ کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نقشے میں ایک گھر تھا۔اس گھر کے صحن میں ایک طرف تین لوگوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔اور ایک طرف دو لوگوں کی۔وہ دو لوگ کون تھے حسن اور تمہیں جاننے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟

”تم تو اسے تصور کی دنیا میں بھی خود سے دور نہیں کر سکتے۔“وہ نقشے پہ نظریں جمائے بڑبڑایا۔زلطان کے متحرک ہاتھوں کی رفتار سست ہوئی مگر تھمی نہیں۔”حقیقت میں اسے کیسے الگ کرو گے؟“اس سوال پہ چند پل خاموشی رہی۔گہری گمبھیر خاموشی۔

”میں نے،اور میرے دل نے کبھی اسے الگ کرنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔“وہ کافی دیر بعد دھیرے سے بولا۔

"لیکن پانچ دن بعد وہ تم سے دور چلی جائے گی۔ تم اسے روک لو۔"

"میں تو سولہ سال کی عمر سے روک رہا ہوں۔ مگر وہ بہت ظالم ہے اسے زلطان صفدر کی آنکھوں سے آنکھیں چرانا آتا ہے۔" یکدم اس نے بے زاری سے کوئلہ زمین پہ پھینکا اور حسن کو دیکھا۔ "وہ رکتی کیوں نہیں ہے؟" اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ اسے اب جواب چاہیے تھے۔

"تم نے اسے آواز ہی نہیں دی ہوگی۔"

"زبان سے نہ سہی، مگر مجھ سے یہ مت کہو کہ میں نے اسے روکا نہیں۔ کہ میں نے اسے کبھی اپنی نظروں میں اسکی وقعت نہیں بتائی۔ مجھ سے یہ مت کہو کہ اسے نہیں معلوم جب وہ کسی تیسرے کا نام لیتی ہے تو زلطان صفدر کے دل کو کچھ ہوتا ہے۔" دس سالوں میں پہلی بار زخرف کے ذکر پہ اس نے کھول کر رکھ دیا تھا۔ حسن کو ہر دفع اس کے بعد بدل لینے سے ملال ہوتا تھا مگر آج جب اس نے بات کر دی تھی تو اسے اپنا دل کٹتا محسوس ہوا۔

وہ بول نہ سکا۔ وہ واقعی کچھ بھی کہہ نہ سکا۔ وہ بس زلطان کو دیکھتا رہا۔ کچھ دوست اس قابل ہوتے ہیں کہ انکا درد اپنے دل پہ لینے کا دل کرے۔

"رات کا پہلا پہر تہہ خانے کا دوسرا حصہ۔"

"پلان ہے تمھارے پاس؟"نرم گدے پہ سیلن زدہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے زبرج نے شادان سے سوال کیا تھا۔شادان اپنی کلائیوں پہ بننے والے زخم دیکھ رہا تھا۔آنکھیں افسردہ تھیں۔

"ہاں ہے۔کام کرے گا نہیں کرے گا مجھے نہیں پتہ۔لیکن میں اسے ٹرائے کروں گا۔"اسکی آواز ہلکی تھی۔زبرج کی آنکھوں میں اسکے لئے کچھ آیا تھا۔

"وہ ڈاکٹرنی کیا لگتی ہے تمہاری؟"

"میری ہونے والی بیوی اور تمہاری بھابی۔"زبرج اسکی برجستگی پہ ہلکا سا مسکرایا۔

"اگر میں اس سے یہی سوال کروں تو جانتے ہو وہ کیا کہے گی؟"

"وہ کہے گی شادان شاہ ذہنی مریض ہے اور وہ میری نا ہونے والی معالج۔"زبرج اب کے زور سے ہنس پڑا۔پھر گردن ترچھی کر کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"مسئلہ کیا ہے؟ناراض کیوں ہے وہ؟"

"جاتے وقت کچھ ایسے کام کر گئی تھی کہ میں ناراض ہوتا۔اسے منانا پڑتا اس لئے خود ناراض ہو گئی۔عورتیں یو نو۔"وہ اپنی کلائی کے زخم پہ انگلیاں پھیر رہا تھا۔حاضر جوابی میں اسکا ثانی آج بھی کوئی نہیں تھا۔

"مان جائے گی۔کوئی بڑی بات تھوڑی ہے؟"زبرج ہمیشہ کی طرح بات ہوا میں اڑا رہا تھا۔کئی سال بعد شادان نے کسی کے سامنے بیٹھ کر یوں کچھ کہا تھا۔پرانے دوستوں کے لئے دل میں ہمیشہ ایک کمرہ کھلا رہتا ہے۔انکے ساتھ مسکراہٹیں اصلی ہوتی ہیں۔آنسو غیر فلٹر، قہقہے بے خوف۔

"تین سال اسے ڈھونڈا میں نے۔پورے تین سال۔"وہ سامنے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔نگاہوں میں تکان اتر آئی۔"اور ان تین سالوں میں،میں نے اللہ سائیں سے دعا کی کہ بس مجھے اس سے ملا دے پھر میری ساری شکایتیں ختم ہو جائیں گی۔میں نے ضدی بچے کی طرح اللہ سے بس اسکا "**ملنا**" مانگا۔اس ملنے میں "**خیر**" اور "**صدق**" مانگنا بھول گیا۔"زبرج ٹھہر سا گیا۔ایک لمحے کے لئے اسکی سانس رک گئی ہر اس انسان کا رک جاتا جس نے اللہ سے کسی معملے میں ضد لگا رکھی تھی۔

"تین سال بعد اللہ نے مجھے وہ دیا جو میں مانگا تھا۔آج وہ میرے سامنے ہے۔مگر مجھ سے میلوں کے فاصلے پہ۔آج مجھے اسے چننا ہے،یا پھر کیریئر۔یا وہ یا پھر آزادی۔فرض کرو اگر میں اسے چن لوں تو کیا وہ مجھے چنے گی؟اور فرض کرو اگر میں آزادی چن لوں پھر کیا کبھی میں اس کے چننے کا خواہشمند رہوں گا؟"اس نے گردن جھکا دی۔آنکھوں میں حزن و ملال کا ایک دریا آن ٹھہرا۔اسکے دل کو جیسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔

"فکر نہ کرو، اللہ تمھارے لئے بہتری کرے گا۔"

"لیکن میں نے بہتری مانگی ہی نہیں۔ہم دعا کرتے وقت عاجزی چھوڑ سرکشی پہ اتر آتے ہیں۔آج تین سال بعد اپنی مانگی ہر دعا کے الفاظ رد و بدل کر دینا چاہتا ہوں۔لوگ میرے لفظوں کی بناوٹ

کے مداح ہیں آج میں انکو بتانا چاہتا ہوں کہ سید شادان اپنی زندگی کے سب سے بڑے معاملے میں کتنے غلط ، بھدے اور سرکش الفاظ استعمال کر چکا ہوں۔ تین سال میں سوچتا رہا میری کوئی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی آج تین سال بعد میں سوچ رہا ہوں میری دعا قبول کیوں ہوئی؟"

زبرج نے دھیرے سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ذرا سا تھپتھپایا۔کئی بار ڈھارس کے لئے الفاظ نہیں "**موجودگی**" بھی کافی ہوتی ہے۔کافی دیر بعد شادان نے گردن اٹھائی۔اسکی آنکھیں گیلی سی تھیں۔ناک سرخ۔وہ واقعی ایسی کشمکش میں تھا جس میں جان جائے،اور بس جان جائے۔

"میں کل صبح اٹھتے ہی پیٹ میں تکلیف کا ڈرامہ کروں گا۔تم نے کہنا ہے کہ مجھے ایسا درد ہوتا رہتا ہے۔اسکے بعد میں کسی طرح سے کوئی بھی ہتھیار لے کر اپنے پاس رکھ لوں گا۔اور جب میں باتھروم سے یہاں واپس آؤں گا تب میں مذید درد کی شکایت کروں گا۔اور جب حنزلہ مجھے چیک کرنے آئے گی تب . . . . "اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔گردن میں گلٹیاں ابھرنے لگیں۔شرمساری سی شرمساری تھی۔"پھر میں . . میں وہی ہتھیار اسکی گردن پہ رکھ دوں گا۔مجبورا انہیں ہمیں یہاں سے جانے دینا پڑے گا۔"اس نے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔اور نگاہیں پھیر لیں۔

اسی پل اوپری زینوں کے اوپر بنا دروازہ کھلا۔دو لڑکوں کے ساتھ دروازہ پار کرتا بہرام دکھائی دیا۔شادان اسے دیکھ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا۔پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

”لوگ محبوب سے ملاقات کے لئے خوشبو لگاتے ہیں، برانڈڈ کپڑے پہنتے ہیں۔ایک میں ہوں جسے اپنے محبوب کا چہرہ دیکھنے کے لئے اسی کے بھائی سے مار کھانی پڑتی ہے۔“

وہ اٹھ کر بہرام کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔بہرام کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔وہ اسے انہی آنکھوں سے دیکھے گیا جیسے کہنا چاہتا ہو۔”ہاں بھائی اب کیا تکلیف جاگی ہے؟“

شادان نے اسے مزید سوچنے کا موقع نہیں دیا اور ایک زور دار لات اسکے سینے پہ دے ماری،اسی کے عقب میں زبرج جلدی سے اٹھ کر آیا اور بغیر بہرام کو سیدھا ہونے کا موقع دیئے اس نے بہرام کے جبڑے پہ مکا دے مارا۔

اگلے چند پل میں تہہ خانہ ایک اکھاڑے کا منظر پیش کر رہا تھا۔حسن،شادان،زبرج اور دوسری طرف بہرام اور اسکے ساتھی گتھم گتھا تھے۔

تھوڑی دیر بعد تماشا دیکھتے زلطان نے جبل خان کو آتے دیکھا۔اسکے آتے ہی سب تھم گیا تھا۔زلطان نے آج تک کسی ہم صنف انسان سے اتنی خار نہیں کھائی تھی جتنی وہ جبل خان سے کھاتا تھا۔وہ لیڈر تھا،اور اسے اس دوسرے قائدانہ صلاحیت رکھنے والے آدمی سے نفرت تھی۔

اگلے چند پل بعد اس زمینی شیطان کا پلان کامیاب ہو چکا تھا۔گدے پہ پڑے،گہری سانسیں لیتے،منہ سے خون تھوکتے شادان کے پاس گھٹنوں کے بل وہ بیٹھ رہی تھی۔وہ جس کے آتے ہی اسکے سب درد زائل ہونے لگتے تھے۔شادان اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا تھا۔

بہت ساری،ڈھیر ساری۔لیکن لڑکی کے تاثرات اجازت نہیں دیتے تھے۔

”میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں۔اگلی بار اگر تم نے کوئی لڑائی کی تو میں تمہارے لئے نہیں آؤں گی۔“وہ دیوار سے ٹیک لگائے نڈھال سا پڑا تھا۔اسے سانس لینے میں بھی دقت سی ہو رہی تھی۔”تمہارے لئے ایم بی بی ایس نہیں کر رہی میں۔“وہ بے زاری سے بولی۔شادان اسکی آنکھیں تکتا رہا۔اسکی مڑی ہوئی پلکیں،اسکی بڑی بڑی آنکھیں،وہ جن میں نیند کا خماز تھا۔وہ اس اسیری میں اگلے سو سال بھی کاٹ سکتا تھا اگر ان پلکوں کا سایہ اس پہ پڑے،اگر ان آنکھوں سے وہ اسے نظر بھر کر دیکھ لے۔کیا شے ہے یہ محبت؟کیسے یہ بے سکونی میں سکون دیتی ہے،کیسے یہ غموں کی بھٹی میں جلتے دل پہ پھوار بن کر پڑتی ہے۔

”رائٹنگ کیوں چھوڑ دی؟“اس اچانک سوال پہ وہ لمحے بھر کو تھم گئی۔شادان کے کان سے بہتے اس زخم سے رستے خون کو کیسے صاف کرنا تھا اسے سمجھ نہ آیا۔”تمہاری کتاب بہت مشہور ہوئی تھی۔تمہیں آگے لکھنا چاہیے تھا۔“وہ ایک بار پھر بولا۔

”کہانیاں میرے ذہن سے خارج ہو گئی تھیں۔“وہ لا تعلقی سے بولی۔

”کہانیوں کے قاری کے ساتھ بے اعتنائی کرو گی تو یہی ہو گا۔کیا کسی نے میری طرح کبھی تمہارے الفاظ پڑھے؟“تین سال بعد اس نے حنزلہ کے متعلق پہلا شکوہ حنزلہ سے ہی کیا۔وہ نظریں چرا گئی۔

"جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ جانی۔"اس کے عقب میں کھڑا اسکا کزن بولا تو وہ واقعی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔شادان نے ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نظر نہیں ہٹائی۔وہ واقعی اس سے اتنی لاتعلق ہو سکتی تھی کیا؟

"میں نے تمھارے ہر لفظ کو عقیدت سے پڑھا تھا۔میں نے تمھارے کرداروں سے جذباتی وابستگی رکھی تھی۔میں نے تمہاری کہانی کو جیا تھا کیا کسی نے تمہاری کہانی کو جیا ہے؟"

مورخ لکھے گا تاریخ میں پہلی بار قاری کے سوال پہ لکھاری لاجواب ہو گیا۔پہلی بار الفاظ نے لکھاری کا ساتھ چھوڑ ایک قاری سے گٹھ جوڑ کیا۔پہلی بار الفاظ کے میدان میں لکھاری نہتا مارا گیا۔پہلی بار لفظوں نے لکھاری سے غداری کی تھی۔

وہ اب اسکی آنکھ کے نیچے دوا لگا رہی تھی۔شادان کی کسی بات کا اس نے جواب نہیں دیا تھا مگر ہاں آج تین سال بعد اسکی روح جھنجھوڑی گئی تھی۔اسکی ساری تاویلیں ردی ہو گئیں۔وہ شادان کے آگے نادم تھی۔

"منافقین کے دلوں پہ کہانیاں نہیں اترتیں۔اگر اتر جائیں تو انکے لفظوں میں تاثیر نہیں ہوتی۔کہانیاں،قصے کہنے والے لوگ بڑے blessed ہوتے ہیں۔یونہی ،ہر کوئی، کبھی بھی لکھاری نہیں بن سکتا۔"

"میں لکھاری تھی۔"وہ بہ دقت کہہ سکی۔

"مگر تمہارے دل میں کیا تھا؟ایک کھوٹ زدہ دل لے کر تم لوگوں کو سبق نہیں دے سکتیں۔اللہ کے پاس کئی نائب ہیں۔اس نے کہانیاں لکھنے کے لیئے بھی کسی کو چن ہی لیا ہو گا۔"

"اپنی بکواس بند رکھو تم سمجھے۔"وہ لرزتی آواز میں کہہ کر کھڑی ہوئی۔سامان میڈیکل کٹ میں ڈالے بغیر وہ تیز تیز قدم لیتی وہاں سے بھاگ گئی تھی۔اسکے ساتھ آنے والا مرد ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گیا۔شادان اس راہ کو تکے گیا۔شاید اب وہ دوبارہ اسے یہاں سے آتا نہیں دیکھ سکے گا۔

نو جنوری۔

"رات گیارہ بج کر دس منٹ"

جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے اسکی آنکھیں سپاٹ تھیں۔تاثرات دیکھ کر اسکے خوش،اداس،خوف زدہ ہونے کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔گلاس میں پانی بھر کر وہ سیڑھیوں کی طرف بنی چھوٹی سی جگہ کی طرف بڑھ گئی۔

چند پل بعد وہ اسی گلاس کا پانی اپنی ہتھیلیوں میں بھرے منہ پہ اچھال رہی تھی۔اپنی شال(**جو اسے یہاں کوئی دے کر گیا تھا**) سے چہرہ خشک کرتے ہوئے اس نے اپنے بال سمیٹنے شروع کیئے۔وہ انہیں بل دینے لگی۔چٹیا بنتی چلی گئی۔زلطان غیر ارادی طور پہ اسے بال باندھتے ہوئے تک رہا

تھا۔اسے معلوم تھا یہاں وہ چٹیا بنا کر اسے پشت پہ چھوڑے گی یہاں اسکے سلکی بال اسکے چہرے پہ پھسل جائیں گے۔اور وہی ہوا تھوڑی ہی دیر میں اسکے بال چٹیا سے نکلنے لگے۔اندازے کی درستگی پہ زلطان کے دل کو اچھا سا لگا جانے کیوں۔

یہاں سے دور سکرین پہ تہہ خانے کی ویڈیوز دیکھتے ہوئے جبل خان باغور اسکی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔بہرام اسکے عقب میں کھڑا تھا۔

"تم کو اس آدمی سے جلن نہیں ہوتا جبل؟" وہ سکرین دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس پہ ترس آتا ہے۔" وہ بے اختیار بولا۔"اس آدمی نے کیا کیا گنوا دیا ہے اسے اندازہ بھی نہیں۔اور اگر کوئی اسے اسکے خسارے گنوائے تو زلطان صفدر گردن نہیں اٹھا سکے گا۔"

"ہم غریبوں کی محبت رل جاتی ہے کیونکہ ابا نہیں مانتا،برادری نہیں مانتی۔یہ کمبخت امیر اپنے چونچلوں کی وجہ سے محبت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔" بہرام نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔جبل مسکرایا۔

"تمھیں کس بات کی فکر ہے تمھیں تو غریب ہوتے ہوئے بھی محبت مل گئی۔"

"کیونکہ میں ذہین تھا لڑکی ملنے کے بعد محبت کی۔" وہ جتا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھڑے کھڑے تھک گیا تھا۔اس نے اپنی جمائی روکی۔اور جبل کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"ام سونے جا رہا ہے۔باقی کا کام تم دیکھ لو گے؟"

جبل نے اثبات میں سر ہلایا۔"خاتون کو یہاں لاؤ۔سب سے مضبوط ارادہ انکا ہے مجھے انہیں توڑنا ہو گا۔"

بہرام سر ہلاتا ہوا گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ زخرف کے ساتھ واپس آیا تھا۔کندھوں پہ شال لئے،بندھے ہوئے ہاتھوں اور چٹیا سے نکلتے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ صوفے پہ آکر بیٹھی۔اگر وہ اسے نہ بلاتا تو وہ خود آنے والی تھی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنے بہادر ہوگے کہ مجھے اپنے سیکورٹی روم میں بلا لو۔"اسکا لہجہ ترش تھا۔جبل اسکی طرف پیٹھ کئے ہوئے تھا۔

"ابھی آپ کو میرے بارے میں اور بھی بہت کچھ جاننا ہے خاتون۔ تحمل سے کام لیں۔"

"اور بھی بہت کچھ؟ اممممم"اس نے ٹھوڑی پہ انگلی رکھے سوچنے کی اداکاری کی۔"ایک اغوا کار،بے شرم،ڈھیٹ،بزدل،پردوں کے پیچھے چھپنے والا کیا اس کے علاوہ بھی تمھارے کوئی روپ ہیں؟"

"بلکل ہیں۔نفیس،مہذب،جینیئس،شریف،مہمان نواز اور اپنے hostages کا سب سے فیورٹ۔" زخرف اسے دیکھ نہیں سکتی تھی مگر اسے لگا تھا وہ مسکرایا ہے۔اس نے کرسی گھمائی۔روشنی اسکی پشت سے ٹکرا کر واپس پلٹنے لگی۔"میرے کئی روپ ہیں۔آپ یہ بتائیں آپ کتنوں سے واقفیت رکھنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟"وہ براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تم میں، تمھارے پلانز میں، تمھارے روپ اور تمھارے اس کمرے بلکہ تم سے جڑی کسی شے میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" وہ ایک بار پھر پھنکاری۔ جبل خان کو دیکھ اسکے اندر غصے کی ایک لہر سی دوڑنے لگتی تھی۔ وہ بہرام اور اسکے باقی ساتھیوں کے ساتھ ایسا غصہ ایسی بدتمیزی نہیں کرتی تھی۔ جبل نے شاید اسے کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔

"آپ کو مجھ میں انٹرسٹ نہیں ہو گا لیکن مجھے تو ہے۔ اسی لئے تو آپ یہاں ہیں۔" اس نے پیر کرسی سے نیچے رکھے۔ شال کا ایک پلو ڈھلک رہا تھا ایک سینے پہ تھا۔ سینے پہ وہی پلو تھا جس پہ جوتوں کے داغ تھے۔" میں چاہتا ہوں آپ یہاں سے چلی جائیں۔ خیر خیریت سے۔"

"نہ تم میرے باپ ہو نہ بھائی پھر مجھ پہ اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو؟"

"کیونکہ میں آپ کے لئے آسانیاں کرنا چاہتاہوں۔" کم از کم ان الفاظ کے پیچھے کوئی اداکاری، کوئی جھوٹ نہیں تھا۔ یہ حرف با حرف سچ ہی تھا۔" آپ ایک بیان ریکارڈ کروائیں اورپھر آپ جا سکتی ہیں۔"

وہ زخرف کے سامنے رکھے صوفے پہ آ کر بیٹھا۔ وہ اسے کم آس پاس زیادہ دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے یہاں سے بھاگنے کے لئے کوئی سراغ مل سکے۔ جبل اسکی آنکھوں میں ابھرتی فکرمندی، اسکی حرکات و سکنات کو نوٹ کر رہا تھا۔

"خاتون اپنی آنکھوں اور دماغ کو زحمت نہ دیں۔ یہاں سے آپ کو کوئی کلو(clue) نہیں ملے گا۔" زخرف کے اوپر جیسے اوس سی پڑ گئی۔" آپ یہاں سے جا سکتی ہیں۔ اپنی طرف سے ایک ویڈیو

ریکارڈ کروائیں۔اس میں زور گڑھ کی حمایت کریں۔اور بدلے میں میرے لوگ آپ کو خود آپ کے گھر چھوڑ کر آئیں گے۔"

"تم اس ویڈیو کے زریعے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔دنیا ہماری تب سنتی ہے جب ہم پانچ مل کر بولیں۔"

جبل خان نے صوفے سے ٹیک لگا لی۔ایک ہاتھ موڑ کر صوفے کے ہتھے پہ رکھا اور فرصت سے اسے دیکھا۔"آپ سے کس نے کہا ہے میں آپ کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ پوسٹ کروں گا۔آپ نے اپنی طرف سے بیان دینا ہے۔چند جذباتی جملے کہنے ہیں اور تھوڑا بہت موجودہ سیاست کی نااہلی دکھانی ہے۔اور اس کے بعد آپ نے زلطان صفدر کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہنا ہے کہ اگر وہ سیاست میں آ بھی گیا تو زور گڑھ جیسے کئی شہروں کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں لہذا۔۔"

"تم مجھے زلطان کی سیاست خراب کرنے کو کہہ رہے ہو؟"زخرف نے بے یقینی سے اسکی بات کاٹی۔"جیسے ہی میں اپنے بیان میں یہ کہوں گی کہ زلطان کو زور گڑھ اور اسکے جیسے کئی دوسرے شہروں کے مسائل میں دلچسپی نہیں ہے تو جانتے ہو کیا ہو گا؟"

"بلکل جانتا ہوں۔"وہ کمال اطمینان سے بولا۔"موجودہ نااہل حکومت فوراً حرکت میں آئے گی اور جلد از جلد زور گڑھ کے مسئلے پہ غور کرے گی۔اور اس امر کو یقینی بنائے گی کہ ہمارا حق ہمیں جتنا جلدی ہو سکے مل جائے تاکہ نئی حکومت بھی انہی کی بن سکے۔"

"تم مجھے زلطان صفدر کے خلاف جانے کو کہہ رہے ہو؟" اسکی آنکھیں اب تک بے یقین تھیں۔

"نہیں میں آپ کو" **اپنے**" حق میں بات کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ یہاں زلطان صفدر ایک تھرڈ پرسن ہے۔"

"زخرف کے لئے زلطان کبھی تھرڈ پرسن نہیں ہو سکتا۔"

"کیا آپ تھوڑی دیر کے لئے بھول نہیں سکتیں کہ زلطان سے کوئی تعلق ہے آپ کا۔" وہ قدرے چڑ کر بولا۔

"ایک منٹ کے لئے بھی نہیں۔ تم غلط جگہ کوشش کر رہے ہو۔" وہ اپنے لفظوں پہ زور دیتے ہوئے بولی۔ ایک پل کے لئے جبل نے اعتراف کیا تھا کہ وہ واقعی غلط جگہ کوشش کر رہا تھا۔ "میں زلطان سے بدگمان نہیں ہو سکتی، نہ لوگوں کو کر سکتی ہوں۔ یہ کسی قیمت پہ نہیں ہو گا۔"

"آپ کی آزادی کی قیمت پہ بھی نہیں؟"

"میری جان بخشی کی قیمت پہ بھی نہیں۔" وہ پھنکاری۔

"آپ کی جگہ اگر یہ آفر زلطان کو ملتی تو وہ قبول کر لیتا۔ جیسے اس نے آپ کی اور حسن کی قید قبول کر لی۔" یہ وار مختلف تھا۔ زخرف کو ادھڑے زخم کھل جانے جیسی تکلیف ہوئی۔ چند پل کے لئے وہ کچھ بول نہ سکی۔

"وہ ہمارا پرسنل میٹر ہے۔"

"جی جی بلکل اسی لئے اس نے میرے ساتھ ڈسکس کیا۔"

"تم آخر مجھ سے چاہتے کیا ہو؟" وہ تھک کر بولی۔ "مجھے معلوم ہے میری ویڈیو تم سوشل میڈیا پہ نہیں ڈالو گے بلکہ تم اسی ویڈیو کی زریعے میرے باقی دوستوں سے انکے بیان ریکارڈ کرواؤ گے۔ تم ان کی ہمت توڑنا چاہتے ہو، تم ہم سب کو الگ الگ کر کے مارنا چاہتے ہو پرفیکٹ پلان ہے۔ مگر جانتے ہو کیا۔" وہ صوفے پہ آگے کو ہوئی۔ جبل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "شطرنج کے اس کھیل میں تم نے مجھے پیادہ سمجھ لیا ہے۔ میں ملکہ ہوں۔ تم مجھے استعمال نہیں کر سکتے۔ تم مجھ سے کھیل نہیں سکتے۔"

وہ نشست چھوڑ کر اٹھی۔ ایک بےزار نگاہ اطراف میں ڈالی۔ "میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرنا چاہتی، مجھے واپس چھوڑ کر آؤ۔" کہہ تو ایسے رہی تھی جیسے یہ اسکے ابا جی کا ریسٹ ہاؤس ہو۔

جبل خان نے آواز دے کر کسی کو بلالیا تھا۔ وہ زخرف کا بازو پکڑے اسے اپنے ساتھ لے جانے لگا جبل خان نے ایک نظر اسکی سبز ہیلز پہ ڈالی۔ پھر پشتو میں لڑکے کو مخاطب کیا۔

"خاتون کو نرم جوتے پہنچا دینا۔"

"کیا تم نے اسے دوبارہ میرے ساتھ سختی کرنے کو کہا ہے؟" اس نے صوفے پہ بیٹھے جبل کی پشت کو گھورتے ہوئے کہا۔ جبل نے سر کو صوفے پہ گرا دیا۔

"کہنے کی کیا ضرورت ماشاءاللہ آپ بہت ہنر مند ہیں۔ پانچ منٹ کی اس راستے میں آپ ضرور ایسا کوئی کام کریں گی کہ آپ کے ہاتھ سمیت پیر اور منہ بھی باندھنا پڑے۔" وہ سکون سے

بولا۔زخرف سلگ کر رہ گئی اس نے جواب دینے کو منہ کھولا مگر وہ لڑکا اب اسے ساتھ لئے چلنے لگا تھا۔

"چار انچ کی اونچی ہیلز کے ساتھ بھاگیں گی ہنہہ۔"وہ بڑبڑایا۔پھر آنکھیں موند لیں۔جلن جیسے بڑھ گئی تھی۔

ہر طرف پھیلے سکوت میں اسکی ہیلز کی ٹک ٹک جبل خان کو یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔وہ سنتا رہا،یہ آہٹ بھی اسکے لئے مقدم تھی۔وہ اسے سنتے رہنا چاہتا تھا مگر چند لمحے بعد آواز معدوم ہو گئی۔کیا وہ واقعی غلط جگہ کوشش کر رہا تھا؟اس نے ملال سے سوچا۔

"تیسری رات کا اختتام۔"

چوتھے دن کی پہلی صبح،پانچ بجے۔

"دس جنوری۔"

روشندان سے آتی نیلگوں روشنی میں زلطان صفدر کا چہرہ نظر آتا تھا۔اس کا سفید ہائی نیک سوئیٹر جگہ جگہ سے مٹی اور خون کے دھبوں سے بھرا ہوا تھا۔اسکا اوور کوٹ دور کاٹھ کباڑ کے ساتھ پڑا تھا۔نیند سے بھری مندی مندی آنکھیں کھولتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا۔کئی لمحے خاموشی سے اپنے

اطراف میں تکتا رہا۔شادان،زبرج،حسن آڑھے ترچھے فرش پہ سو رہے تھے۔گدے پہ زخرف تھی۔وہ شاید جاگ رہی تھی،شاید نہیں۔

زلطان اپنی جگہ سے اٹھا۔کپڑے جھاڑے اور سامان کے اوپر پڑا اپنا اوور کوٹ اٹھا کر پہن لیا۔سردی شدید تھی۔شاید برف باری دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔زخرف کے قریب گدے پہ بیٹھتے ہوئے وہ اسے دیکھتا رہا۔وہ بازو سے آنکھیں ڈھانپے ہوئے تھی۔

"مجھے پتہ ہے تم جاگ رہی ہو۔"وہ اپنے دوستوں کی نیند کا خیال رکھتے ہلکی آواز میں بولا۔"ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔اور مجھے نہیں پتہ ہم دوبارہ کب ملیں۔میں تم سے کہنا چاہتا تھا کہ میرے حوالے سے بدگمان نہ ہونا۔"زخرف نے لب بھینچ لئے۔کہا کچھ بھی نہیں۔وہ اسکے کچھ کہنے کا منتظر تھا بھی نہیں۔مبہم الفاظ میں وہ اپنا پیغام پہنچا چکا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم جذباتیت کو پرے رکھ کر چیزوں کو پرکھنا سیکھو۔پھر میں تمھیں کم برا لگوں گا۔"

اگلے ہی پل وہ اٹھا اور اب وہ باقی تینوں کے اوپر سے لحاف کھینچ کر اتار رہا تھا۔ساتھ انکی کمر پہ لات رسید کر رہا تھا۔کوئی اسے گالی بکتے،اور کوئی اسکی شان میں گالی سے بڑے القابات کہتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔نیند سے بھاری ہوتی آنکھیں زلطان صفدر پہ جم گئیں۔

"ہمیں یہاں سے جانا تھا یاد ہے؟" وہ ان تینوں کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اس میں کچھ تھا کوئی رعب، کوئی قائدانہ صلاحیت، اس سے نفرت، گلہ ہونے کے باوجود کوئی اسے ناں نہیں کہہ سکتا تھا۔

وہ سب اٹھ بیٹھے۔بستر ایک طرف رکھے، پیروں میں جوتے ڈالے۔وہ پانچوں اب ایک دائرے میں کھڑے تھے۔ایک دوسرے پہ نظریں جمائے، ہر کوئی ایک دوسرے کے خوف بھانپ لینا چاہتا تھا۔

"تم سب شیور ہو تمھیں میرے ساتھ نہیں جانا؟" زلطان نے ایک ایک کے چہرے پہ باری باری نظر ڈالی۔ہر ایک نے نظر موڑ لی، جواب نہیں دیا۔زلطان نے بغیر کچھ کہے ہتھیلی کی بند مٹھی انکی طرح بڑھائی۔کئ لمحے وہ مٹھی تنہا ہوا میں معلق رہی۔اور پھر حسن نے اسکا ساتھ دیا، پھر زبرج، شادان اور زخرف نے بھی۔مٹھیاں ٹکرائیں، پھر ہر ایک نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔کم از کم وہ یہاں سے جانے کے فیصلے پہ متفق تھے۔

اگلے کئ لمحات سلوموشن میں ہوئے۔شادان مصنوعی کراہ رہا تھا۔حسن چیخ چیخ کر باہر سے کسی کو آوازیں دے رہا تھا۔بہرام اور اسکے ساتھی دروازے سے اندر آتے نظر آئے تھے۔وہ شادان کو سہارا دے کر باہر لے گئے تھے۔اسے باتھروم میں چھوڑ دو لوگ اسلحہ ہاتھ میں لئے باہر پہرہ دینے لگے۔باتھ روم کے سنک کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔اسکی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔آنکھوں میں خوف تھا۔جھک کر چند گہرے سانس لے کر اس نے اپنا تنفس بحال کیا۔اور پھر یہاں وہاں نظر دوڑائی، کوئی نوکیلی شے کوئی اوزار شاید کچھ نظر آ جائے۔

اسے کوئی قابل غور شے نظر نہ آئی۔اسکی آنکھیں مارے بے بسی کے چھلکنے لگیں اسی پل وہ بلکل ٹھہر گیا۔گردن ہلکی سی پھیر کر دیوار پہ لگے آئینے کو دیکھا۔اسکی آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ اب اس آئینے کو دیوار سے اتار رہا تھا۔آئینہ اتار کر اس نے پوری قوت سے اسے فرش پہ دے مارا،باہر کھڑے مسلح افراد فوراً الرٹ ہوئے اور دروازے ہ بندوقیں مارنے لگے۔وہ شادان سے دروازہ کھولنے کو کہہ رہے تھے۔شادان نے جھک کر ایک چھوٹا سا کانچ کا ٹکڑا اٹھا کر اسے اپنی جینز کی جیب میں ڈال لیا۔مگر دروازہ نہیں کھولا۔وہ دروازے کے قریب بیٹھا تھا۔

"میں مر جانا چاہتا ہوں مجھے نہیں جینا . . . "وہ فرش پہ بیٹھے ہوئے زور زور سے چیخنے لگا اسی پل دروازہ کھلا۔شادان دور جا کر گرا۔دونوں مردوں نے بندوقیں اسکے اوپر تان لی تھیں۔ایک ذرا سی مزاحمت اور وہ خلاص۔اچانک اس نے کانچ کا ایک ٹکڑا اپنی کلائی پہ رکھ لیا۔

"مجھے مرنا ہے . . . میں مرنا چاہتا ہوں . . . مجھے مرنے دو۔"وہ شیشہ کلائی پہ پھیرتا اس سے قبل ایک آدمی نے بندوق کا دستہ اسکے سر پہ دے مارا اور شیشہ اسکے ہاتھ سے لے کر دور پھینک دیا۔اب وہ دونوں اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے کر جا رہے تھے۔شادان کی کمر،اور بازو پہ شیشہ چبھ گیا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔اسے صرف ایک شیشے کی پرواہ تھی جو اسکی جیب میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ تہہ خانے کے اس بستر پہ تھا۔دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے،آنکھیں اپنے طبیب پہ جمائے ہوئے۔وہ اسکی کہنی میں پھنسے شیشے نکال رہی تھی۔چہرے پہ سخت بے زاری تھی۔وہ قصداً شادان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

"جو میں کرنے والا ہوں،اس کے لئے میں ایک عرصہ خود کو ملامت کروں گا۔لیکن تم یاد رکھنا۔ anything for resistance"اس نے کہا اور حنزلہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ابھی وہ اسکی بات کا مطلب سمجھتی کی شادان برق رفتاری سے اٹھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر بجلی کی سی تیزی سے اسے کھڑا کیا۔اسکا رخ موڑے،اسکی پیٹھ اپنی جانب کئے وہ اسکی شہہ رگ پہ وہی تیز دھار شیشہ رکھ چکا تھا۔حنزلہ جہاں تھی وہیں تھم گئی۔اسکی آنکھوں کی ہر حرکت ساکن ہو گئی۔اسکے پیروں سے کشش ثقل غائب سی ہو گئی۔وہ سن ہو گئی۔

"اگر کوئی بھی میرے راستے میں آیا تو میں اسے مار دوں گا۔"تینوں بندوقیں اٹھائے مرد ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گئے۔ان تینوں نے شادان کے گرد دائرہ بنایا۔باقی سب غیر ضروری کرداروں جیسے تھے۔اب وہ حنزلہ کے گلے پہ شیشہ رکھے دائرے میں گھومتا ہوا زینوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔تینوں مرد بھی بندوقیں تھامے،اسکا نشانہ لئے اسکے ساتھ گھوم رہے تھے۔یہاں وہ ایک پل کو گرفت ڈھیلی چھوڑتا اور یہاں وہ اسکا کام ختم کر سکتے۔

مگر وہ تین دو رہ گئے جب زلطان نے پوری قوت سے لات مار کر ان میں سے ایک کو گرایا،اسکے گرتے ہی اسکی بندوق زخرف نے اٹھا لی تھی۔اور اسکا رخ کسی اور کی نہیں بلکہ اپنی کنپٹی کی طرف

تھا۔ یہ ان تین مردوں کے لئے دوسرا شاک تھا۔ آوازیں سن کر بہرام بھاگتا ہوا اسی طرف آیا تھا۔ مگر وہ دروازے پہ جم گیا تھا۔ زخرف کے ہاتھ میں بندوق تھی جسے وہ اپنی کنپٹی پہ رکھے ہوئے تھی۔ آنکھیں کسی انہونی کا پتہ دیتی تھیں۔ کسی کو مارنا انکا پلان نہیں تھا ہرگز نہیں۔

”اگر کسی نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں ٹرگر دبا دوں گی۔ زور گڑھ سے ملنے والی میری لاش تمہیں تباہ کر سکتی ہے بہرام خان۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غرا رہی تھی۔ بہرام کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"اپنی بندوقیں نیچے پھینکو اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔“ زلطان اب کے سامنے آ کر بولا۔ بہرام نے انہیں بندوقیں پھینکنے کو کہا تھا۔ وہ وہاں سے کھڑے ہو کر دیکھ سکتا تھا شیشہ کسی طرح اسکی اکلوتی بہن کی گردن میں کھب رہا تھا۔ ہتھیار اسکے ہاتھ میں تھے اور وہ بے بس تھا۔ خاندان انسان کو بے بس کر دیتا ہے۔

”اپنی بندوقیں نیچے پھینک دو اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔“ اس نے دہرایا، تو وہ دونوں مرد سرخ چہرے کے ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ بندوقیں گرا دیں۔ یہ انکی غیرت پہ کاری وار تھا۔ زلطان نے ایک بندوق اپنے ہاتھ میں لی۔ دوسری زبرج کے ہاتھ میں تھی۔ حسن ساکن، صامت تھا۔ اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کرے۔ وہ ایک بار پھر غیر ضروری اضافہ تھا۔ یا شاید وہ لوگوں کی سیاہی میں مس فٹ سویرا تھا۔

"بہرام خان تم یہاں نیچے اتر کر آؤ۔" زلطان اسے حکم دیتے ہوئے آگے چل رہا تھا۔وہ سب ہٹتے گئے۔بہرام نے اپنی بندوق گرا دی۔دونوں ہاتھ اوپر کر لئے۔

"میری بہن کو کچھ ہوا تو میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔" اسکی نظریں ایک پل کے لئے بھی حنزلہ کے چہرے سے ہٹی نہیں۔

وہ بندوقیں اسکے لوگوں پہ تانے ہوئے تھے۔اورچند پل بعد بہرام انکے لئے راستہ بنا رہا تھا۔سلوموشن کی فلم فاسٹ پیسڈ ہوئی اور اب وہ اس بھول بھلیاں نما گھر سے باہر نکلنے کے مختلف راستے دیکھ رہے تھے۔اتنے راستے؟اتنی راہداریاں؟انہیں یقین تھا اگر بہرام انہیں یہاں سے نہ نکالتا تو وہ ضرور ان بھول بھلیوں میں بھٹک کررہ جاتے۔انہیں بنانے والا کون ہوگا؟

بلاخرایک راہداری کے پار ایک دروازہ کھلا تھا۔اور اس دروازے کے پار ہلکی سی برف کی تہہ تھی۔انکے قدم برف پہ پڑے اور ان پانچ لوگوں کو علم ہوا آزادی کتنی بڑی نعمت تھی۔قید کا ایک دن ایک صدی کے برابر ہوتا ہے۔انکی آنکھیں یوں تھیں جیسے کئی سالہ خشک سالی کے بعد ہریالی دیکھی ہو۔وہ اپنے آس پاس دیکھ رہے تھے۔چھوٹے بڑے مکان۔سڑک۔برف۔بجلی کے کھمبے۔گلی کے نکڑ پہ کوئی دکان۔تازہ سرد ہوا۔

دور کہیں سے فجر کی آخری اذانیں بلند ہوئیں،زور گڑھ جاگ گیا تھا۔اور ان پانچ لوگوں کے لئے دہر کا نیا باب کھل گیا تھا۔خارجی دروازے کے پار کشادہ سڑک والی گلی میں ان پانچ لوگوں نے

شاید ایک دوسرے کو ایک آخری بار دیکھا۔انکی مٹھیاں ایک آخری بار آپس میں ٹکرائیں۔آنکھیں آخری بار ملیں۔اور پھر راہیں جدا ہوئیں۔

دائیں،بائیں اور سیدھ میں۔وہ ٹکڑوں کی صورت الگ ہو گئے۔خاندان بٹ گیا تھا۔بقا کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔دنیا کی محبت میں اندھے لوگ،لوگوں کی ستائش کے بھوکے،اور منبر پہ بیٹھ کر بہتان باندھنے والے سچ سے آنکھیں چرائے اس علاقے کی بھول بھلیوں میں کہیں کھو جانے والے تھے۔

آسمان سے گرتی برف نے انہیں احساس دلایا وہ آزاد تھے۔بلاخر آزاد۔مگر کیا واقعی؟

دس جنوری۔

صبح ساڑھے چھ بجے۔

بھول بھلیاں میں واپس قدم رکھو تو ہر شے بکھری ہوئی تھی۔وہ جو تین دن سے اس جگہ کے بے تاج بادشاہ تھے آج تخت انکے ہاتھوں سے پھسل چکا تھا۔ہر کوئی شاکڈ تھا۔ہر کوئی اس تذلیل سے سرخ پڑ رہا تھا۔مگر دو لوگ تھے جن کے چہرے اب نارمل تھے۔دو لوگ تھے جن کے چہروں پہ فکر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ایک بہرام خان اور دوسرا راہداریوں میں جمے ہوئے قدم رکھتاہوا جبل خان۔اسکے پیروں میں گرم جوتے تھے۔بال ماتھے پہ گر رہے تھے۔اور شال بازو پہ ڈال رکھی تھی۔شاید وہ شور سن کر آیا تھا،اور ابھی تک شال پہننے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ہر کوئی اس

دروازے کے پار دیکھ رہا تھا۔اور جبل خان انکے کندھوں کے پیچھے سے اس کھلے ہوئے دروازے کو۔وہ مزاحمت کے آخری نشان دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگوں کو کسی کی نیند کا خیال ہے کہ نہیں؟" وہ جمائی روکتے ہوئے بولا۔"دو راتوں سے سویا نہیں تھا میں۔" شال کھول کر کندھوں پہ ڈالی۔اسے سردی لگنے لگی تھی۔

"یار قہوہ تیار کرواؤ۔صبح صبح دماغ گھوما ہوا ہے۔" راہداری میں ہی کھڑے کھڑے اس نے ہانک لگائی۔انداز ایسا نارمل تھا کہ جس کی حد نہیں۔وہ آگے آیا۔اور پھر حنزلہ کو دیکھا جو بے یقینی سے ابھی تک باہر دیکھ رہی تھی۔اسکی گردن پہ خون کے ننھے قطرے تھے۔جبل کو یکدم فکری سی ہوئی۔وہ آگے آیا۔اسکی گردن پہ دو انگلیاں رکھ کر اسکا چہرہ اوپر اٹھایا۔"تمہیں تو کٹ لگ گیا ہے۔اسکو پٹی کرو،کچھ لگاؤ۔"

"وہ بھاگ گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔"وہ میری گردن پہ پیر رکھ کر یہاں سے بھاگ گیا ہے۔وہ سب . . وہ سب اتنی آسانی سے ہمیں بے وقوف بنا کر چلے گئے؟" اس نے جبل کو دیکھا۔"وہ بھاگ گئے ہیں لالہ۔" اسکی آواز میں نمی اور طیش ایک ساتھ گھل گیا۔جبل نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہلکا سا دبایا۔پھر بہرام خان کو دیکھا۔اس نے اثبات میں سرہلایا اور ہاتھ سینے پہ رکھ کر سر کو ہلکا سا خم دیا۔اب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے جا رہا تھا۔وہ آوازیں دے دے کر لوگ اکھٹے کر رہا تھا۔جبل کے ذہن کے پردے پہ ایک ملاقات واضح ہوئی۔

"کل رات دس بجے کے بعد۔"

کرسی پہ بیٹھے۔جبل کے عقب میں کھڑے بہرام پہ سکرین کی روشنی پڑ رہی تھی اور وہ سکرین پہ چلتے تہہ خانے کے مناظر دیکھ سکتا تھا۔

"اب یہ لوگ کیا کریں گے؟مجھے لگتا ہے یہ لوگ بھاگنے والے ہیں۔"بہرام نے قیاس لگایا۔

"تمہیں صرف لگتا ہے مجھے یقین ہے یہ بھاگیں گے۔"

"اور یقینا ہم انکا خواب توڑ دیں گے۔"

"مجھے خواب نہیں انکی کمر توڑنی ہے۔بہت پرجوش ہیں ہمارے اسیر۔انہیں لگتا ہے وہ سب کر سکتے ہیں۔بھاگنے دو۔دوڑ لگائیں تب ہی تو انہیں سمجھ آئے گا زور گڑھ rat trap ہے۔یہاں سے کوئی تب نکل سکتا ہے جب ہم چاہیں۔انکی مزاحمت بری طرح مات میں بدل جائے گی۔"وہ پر سکون تھا۔

"تو ہم انہیں ابھی سے بتا دیتے ہیں یہاں سے بھاگنا کتنا مشکل ہے۔"بہرام نے سہولت حل نکالا۔

"باتیں تجربوں کا مقابلہ نہیں کرتیں بہرام خانا . . . "وہ اس ہی کے انداز میں خان کو کھینچ کر بولا۔"بھاگیں گے تو گریں گے،گریں گے تو ہمت ٹوٹے گی فرسٹریشن بڑھے گی۔ارادے کمزور ہو جائیں اور پھر وہ چیخ جائیں گے۔"

"یہ ایک لمبا پراسیس ہے۔"بہرام اکتایا۔

”اسی لئے تو میں باس ہوں تم نہیں۔“جبل کی بات پہ اسکا چہرہ سرخ پڑا۔وہ ہاتھوں سے فیصلے کرنے کا عادی جو تھا۔

حال صبح چھ بجے۔

”کچھ ہے جو بہرام خان جانتا ہے اور میں نہیں؟“حنزلہ کی آنکھوں میں کچھ تھا۔کوئی مان سا جو ٹوٹ گیا تھا۔”آپ جانتے تھے وہ بھاگیں گے؟آپ جانتے تھے ناں؟“وہ بے یقینی سے پیچھے کو ہوئی۔بے یقینی بڑھ گئی تھی۔

”آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے مجھے اندھیرے میں کیوں رکھا؟“اسکی آواز بلند ہوئی۔جبل کا چہرہ اپنے ازلی بے تاثر انداز میں واپس آ چکا تھا۔

”باس میں ہوں تم یا بہرام نہیں۔فیصلے میں لوں گا تم یا بہرام نہیں۔تمھیں مجھ سے سوال کرنے کا حق نہیں ہے۔“

”آپ نے مجھے اس لئے نہیں بتایا ناں کیونکہ میں ایک لڑکی ہوں؟“جبل نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔وہ اس وقت وضاحتی موڈ میں نہیں تھا۔اسکا قہوہ کہاں ہے یار؟

”آپ نے چاہے مجھے لڑکوں کی طرح پالا ہو۔چاہے میرا بچپن گڑیوں کے ساتھ نہیں بلکہ بندوقوں کے ساتھ گزرا ہو لیکن ہوں تو میں وہی لڑکی ناں۔آپ نے مجھے اسی لئے نہیں بتایا ناں؟آپ مجھ سے جھوٹ بولتے رہے لالہ۔“وہ شاکی انداز میں کہتے پیچھے کو ہوئی۔

"اور تم نے مجھ سے سچ کب کہا؟" اسکے لہجے میں بھی ترش سا تاثر آیا۔ "یہ پلان بناتے وقت ان چاروں کی تصاویر سکرین پہ دیکھتے وقت تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تم شادان کو جانتی ہو؟ تم نے جھوٹ کیوں کہا کہ تین سال پہلے محبت میں صرف وہ گرفتار ہوا تھا؟" حنزلہ سانس نہیں لے سکی۔ وہ پتھر کا مجسمہ بن گئی۔ آنکھیں ایک نقطے پہ ساکن۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تین سالوں سے تمھیں کوئی رائٹنگ بلاک نہیں ہے بلکہ تم گلٹی ہو۔ تم لفظوں سے شرمندہ ہو۔ میں نے تمھیں لڑکوں کی طرح پالا ہے غلط ہے۔ میں نے تمھیں مضبوط لڑکیوں کی طرح پالا ہے۔ لیکن تم جذبات کے آگے ہار گئیں۔" وہ آگے آیا۔ اسکا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا۔ "اسے لات مار کر وہ چھوٹا سا شیشہ اس سے چھین کر اسی کی گردن میں گھسا دینا کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی۔ تھی کیا؟" یہ سوال نہیں تھا مگر اسکا جواب ناں ہی تھا۔

"جذبات دیمک ہیں تخت کھا جاتے ہیں۔ میں اپنے تخت کے آگے کسی قسم کے جذبات برداشت نہیں کروں گا۔ تمھارے بھی نہیں۔"

وہ کئی لمحے گومگو کی سی کیفیت میں رہی۔ اسکا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔ کئی لمحے بعد وہ بولی تو اسکی آواز ہلکی تھی۔

"مجھے ایک موقع چاہیے۔ میں اسے واپس لاؤں گی۔ میں اسے گردن سے پکڑ کر واپس لاؤں گی مجھے ایک موقع چاہیے۔" وہ گویا گڑگڑائی۔

جبل خان چند پل اسے تکتا رہا۔ پھر آگے آیا۔ اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیا۔

"تم ایک بار پھر جذبات سے کام لے رہی ہو۔پہلے ہمدردی اب غصہ،انتقام۔میرے ساتھ چلو۔آدھا گھنٹہ بیٹھ کر سوچو اور پھر فیصلہ لو۔ٹھیک؟"اس نے رک کر پوچھا۔حنزلہ کی آنکھیں بھر گئیں۔مگر وہ کچھ بولی نہیں۔

جبل خان اب یونہی اسکا ہاتھ تھامے اسے راہ داریوں سے گزارتے ہوئے کہیں لے کر جا رہا تھا۔وہ اسکے ساتھ چلتی رہی۔چاہے آدھا گھنٹہ گزر جائے چاہے آدھی صدی۔وہ اسے واپس لائے گی یہ طے تھا۔وہ اسکے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیسے کر سکتا تھا؟

دس جنوری۔

صبح،ساڑھے نو بجے۔

"بغیر کسی سمت کا تعین کئے کہیں سے نکل آنا بے وقوفی ہوتی ہے۔"

نیم اندھیری گلیاں اب گھروں سے نکلتی روشنی میں ملگجی سی روشنی میں ڈوب گئی تھیں۔برف باری ہنوز اسی رفتار سے ہو رہی تھی۔چلتے چلتے وہ دونوں تھک چکے تھے۔یہ راستہ نہیں تھا،یہ بے اختیار،بتدریج بڑھتی ہوئی سردی تھی جو انکے جسم سن کئے دیتی تھی۔کہیں کسی گھر کے باہر چھجے تلے جلتی شمع انہیں حسرت میں مبتلا کر دیتی تھی۔قید سخت تھی۔بے بس تھی مگر آزادی؟

آزادی روح کھینچ رہی تھی۔قدم جما رہی تھی۔

”اگر میں تھوڑی دیر مذید یونہی چلتا رہا تو میں یہاں جم جاؤں گا۔“حسن کی لرزتی آواز پہ زخرف نے مڑ کر اسے دیکھا۔وہ واقعی قابل ترس لگتا تھا۔اسکے کپڑے اور شال زخرف کے کپڑوں کی طرح نہیں تھے۔

”اگر وہاں اس قید خانے میں پڑے رہتے تو کیا مل جاتا؟“وہ بجتے ہوئے دانتوں پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

”سب تو مل رہا تھا۔کھانا پینا،کمبل،رضائی،تکیہ گدا۔ہاں بس ہر پانچ منٹ بعد پڑنے والی چماٹ کو بھول جاؤ۔باقی سب تو اچھا تھا۔“

”اور اس جبل خان کے لفظوں کا زہر بھول گئے ہو؟با خدا میرے گھر میں کوئی مجھ سے ایسے بات نہیں کرتا تھا۔“اسکا ذکر آتے ہی اسکی زبان انگارے چبانے لگی۔حسن خاموش رہا تو وہ چلتے چلتے رکی۔

”تم سے کوئی ایسے بات کر سکتا ہے؟اپنا گھر اپنا ہوتا ہے۔“

”میری تو خیر رہنے دو۔میرے بہنوئی کے منہ سے میرے لئے بہت پھول جھڑتے ہیں۔اور اگر اس بے موسم جھڑنے کی بات بہن سے کروں تو وہ فورا گوپی بہو بن کر اپنے شوہر کا دفاع کرتی ہے۔وہ جبل خان کم از کم طعنے تو نہیں دیتا تھا۔“

”تو تمہارا بہنوئی کیا بہت طعنے دیتا ہے؟“اس نے جھک کر سڑک پہ پڑی ایک لکڑی اٹھا لی۔

حسن بے بسی سے مسکرایا۔"یہ اسکی love language ہے۔لوگوں کو زچ کرنا،انکی برداشت آزمانا اورآتے جاتے ہمیں یہ جتانا کہ اس سے زیادہ خوبصورت انسان اس دنیا میں کوئی نہیں لہٰذا ہم اسکی تعظیم کریں۔"وہ دوبارہ چلنے لگا۔توزخرف بھی چلنے لگی۔

"تو تم کرتے ہو تعظیم؟"

"میں بھی حسن سلطان ہوں تعظیم کا "ت" بھی نہ کروں۔"اس نے ہنکارا بھرا۔پھر بڑی مشکل سے برف میں پیر رکھتے ہوئے اسکے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگا۔ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔

"تمہارابازو ٹھیک ہے زیادہ درد تو نہیں ہو رہا؟"

"ہو تو رہا ہے لیکن خیر ہے بس یہاں سے نکل جائیں۔"

"تمہیں میری وجہ سے یہ سب جھیلنا پڑ رہا ہے۔اگر تم زلطان کے ساتھ ہوتے تو شاید اتنی مشکلات نہ آتیں۔"

حسن نے گہری سانس لی۔"میں شکل سے لگتا ہوں گالیکن اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ کسی کے کہنے پہ کوئی کام کرلوں۔میں یہاں تمھارے ساتھ اپنی مرضی سے آیاہوں۔"

زخرف جوابا خاموش رہی۔تھوڑی دیر مذید چلتے رہنے کے بعد حسن واقعی ہانپ گیا تھا۔اسکے بازو میں درد ہونے لگا تھا۔

”کیا لگتا ہے؟مذید کتنا چلنا پڑے گا؟یہ جگہ تو ختم ہی نہیں ہو رہی۔کوئی بس اڈہ،کوئی دکان کچھ ہے ہی نہیں۔“حسن نے پوچھا۔

”اس کمبخت نے میرا فون بھی رکھا ہوا ہے۔ورنہ ہم google map ہی دیکھ لیتے۔اور سنو میری بات۔یہاں اگر کوئی پوچھے ہم کون ہیں توزبان سنبھال لینا اور کہنا ہم tourists ہیں۔“

”اگر آدمی خوبصورت ہوا تو میں کہوں گا ہوں تو tourist لیکن آپ کا داماد بننے میں مجھے کوئی عار نہیں۔“

”لیکن ہمارے یہاں غیر برادری میں رشتے داریاں نہیں کرتے۔“سنجیدہ ٹھہری ہوئی آواز پہ وہ تھم گیا۔زخرف بھی تھم گئی۔تھم جانے کی وجہ وہ آواز نہیں تھی،بلکہ انکی کمر کو چھوتی پستول کی نال تھی۔لمحے کے ہزارویں حصے میں کوئی زخرف کے ہاتھ اسکی پشت سے لگا چکا تھا۔کوئی انکے عقب میں کب آیا؟انہیں کچھ محسوس کیوں نہ ہوا؟کوئی آہٹ نہیں،کوئی شور نہیں،کوئی سانس نہیں،کوئی مزاحمت نہیں۔

”زور گڑھ کی برف ہماری وفادار ہے ہماری آہٹ کی خبر نہیں دیتی۔“یہ مسکراتا،یہ دلفریب لہجہ۔زخرف کو اپنے کانوں سے لاوا نکلتا محسوس ہوا۔جبل خان سے اسے نئے سرے سے نفرت ہوئی۔اسکے ہاتھ پشت پہ باندھنے چاہے تو زخرف کے ہاتھ میں موجود پستول بھی نظر آئی۔

"پستول میں رکھ لیتا ہوں۔وزنی ہے خاتون آپ کے ہاتھ تھک جائیں گے۔"اسکے ہاتھ سے پستول لے کر جیب میں اڑس لی۔اسکا ساتھی حسن کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔حسن نے مزاحمت نہیں کی۔

برف کے زرے آسمان سے گرتے رہے،زور گڑھ سفید چادر اپنے سینے پہ تانتا چلا گیا۔

"جال میں پھنس جائیں تو کسی اور کی مسیحائی کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ دونوں جس جگہ موجود تھے وہ ایک وسیع سا پتھریلا لمبے رقبے پہ پھیلا راستہ تھا۔البتہ برف نے پتھروں کو ڈھک دیا تھا۔دونوں اطراف میں پہاڑ تھے۔اس گھر سے بھاگ کر وہ دونوں اندھا دھند بھاگتے رہے۔برف میں انکے بوٹ دھنس جاتے تھے،سانس اتھل پتھل ہونے لگتا تھا مگر وہ رکے نہیں تھے۔وہ دونوں ایک بار بھی رکے نہیں تھے۔لیکن یہ راستہ ختم ہونے میں بھی نہیں آتا تھا۔کئی بار وہ دونوں ٹھوکر کھا کر گرے تھے اور ابھی بھی یہی ہوا تھا۔زبرج شاہنواز بھاگتے بھاگتے ایک پتھر سے ٹکرایا اور منہ کے بل گر پڑا۔

اس کے گھٹنے اور ہتھیلیاں بری طرح سن ہو گئے۔صد شکر کہ راستہ برف سے اٹا پڑا تھا۔ورنہ انہیں مذید چوٹیں بھی لگ سکتی تھیں۔شادان اسکے لئے رک گیا۔پھر گھٹنوں کے بل اسکے پاس بیٹھا۔ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا برف باری نے سورج کو ڈھانپ رکھا تھا،ایسے میں وہ ایک دوسرے کے زخم تک نہیں دیکھ سکتے تھے۔

”زبرج بس تھوڑی دیر اور بس تھوڑی دیر اور مجھے لگتا ہے ہم یہاں سے نکلنے والے ہیں۔“وہ اسکے پاس جھک کر بیٹھا اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔زبرج گہرے سانس لینے لگا۔ساتھ کراہ بھی رہا تھا۔اسکے ہاتھ پیر بری طرح اکڑ رہے تھے۔یہ سردی اسکے اعصاب کو شل کیئے دیتی تھی۔

”مجھ سے نہیں ہو رہا مجھے لگتا ہے ہم یہیں مر جائیں گے۔ہم یہاں سے نہیں بھاگ سکتے شادان۔“وہ کپکپاتے لبوں پہ قابو پاتے بامشکل بول پایا تھا۔

”تمھیں ہمت کرنی ہوگی میں تمھیں اس طرح give up کرنے نہیں دوں گا۔بس تھوڑی دیر اور بس تھوڑا اور راستہ۔پلیز زبرج۔“شادان نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔اسکے ہاتھ پیر خطرناک حد تک ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔

”مجھے ایک بار کوئی موبائل فون مل جائے،پھر تم دیکھنا۔تم دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔آدھا پاکستان مجھے لینے یہاں آجائے گا۔“اس نے چلتے چلتے ہتھیلی پہ بند ہاتھ کا مکا مارا۔

”فون چاہیے؟“آواز مدھر اور ہلکی تھی۔وہ کرنٹ کھا کر اپنے دائیں طرف دیکھنے لگا۔حنزلہ احمد زئی اسکے ہمقدم تھی۔ہاں اسکا چہرہ واضح نہ تھا،مگر شادان اسکی موجودگی پہچاننے کے لئے کسی قسم کی روشنی کا محتاج نہیں تھا۔

”تمھیں بھی چاہیے فون؟“کوئی زبرج کے ساتھ آکر رکا۔اس نے گردن ترچھی کر کے دیکھا،وہ بہرام کا ہی آدمی تھا۔انکی آنکھیں مسکرا رہی تھیں مگر ہمارے دونوں کرداروں کی جان ہوا ہو چکی تھی۔وہ دونوں اپنی اپنی جگہ رک گئے۔اور پھر انہوں نے اپنے گرد لوگوں کا دائرہ بنتے ہوئے

دیکھا۔جن کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں،اور انکا رخ انکے سینے کی جانب۔حنزلہ عین اسکے سامنے آ کر رکی۔

”فون چاہیے شادان صاحب؟“اس نے موبائل فون شادان کی طرف بڑھایا۔وہ چند پل اسے دیکھتا رہا پھر جھپٹ کرموبائل اسکے ہاتھ سے لیا۔وہ اسی کا موبائل تھا۔اس نے جلدی جلدی پاسورڈ ڈالا،کانٹیکٹ لسٹ میں گیا۔

آئی جی،ڈی آئی جی،اسپیشل ٹاسک فورس کے نمبرز،مختلف عہدے
داران،ایکٹویسٹ،رپورٹرز،اینکرز،اسکے اپنے ماں باپ،لیکن وہ لا شعوری طور پہ حرف "زیڈ"تک گیا۔پھر تھم گیا۔وہ اسکے ساتھ نہیں تھا،مگر وہ بھی اسی کی طرح مشکل میں تھا۔زبرج،حسن،زخرف یہی وہ لوگ تھے جنہیں وہ بغیر جھجھک کچھ کہہ سکتا تھا مگر اب وہ کیا کرے۔

اس نے اپنے باس کو کال ملانی چاہی مگر یہاں لگا تھا اسے اصل جھٹکا۔سگنل کی جگہ پہ کچھ نہیں تھا۔خالی،نل،سناٹا۔وہ تھم گیا۔اسکے اندر تک خاموشی چھاگئی۔اسے معلوم ہوا زور گڑھ rat trapہے۔

”یہاں . سگنل . نہیں“

”ہم ہی نے بند کئے ہیں۔“وہ پر سکون انداز میں بولی۔”ہم ہی آن کر سکتے ہیں۔ہم پھر بند کر سکتے ہیں اور پھر آن کر سکتے ہیں۔کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو گا۔زور گڑھ سے گزرتی ہوائیں ہم سے

وفادار ہیں۔" وہ مڑی اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور پھر مذید دو قدم آگے بڑھ کر پستول شادان کی گردن پہ رکھ دی۔ ٹھنڈی نال جب اسکی گردن سے ٹکرائی وہ اپنی جگہ جم گیا۔

" anything for loyalty " دھیمی آواز میں کہتے اس نے عقب میں کھڑے ہو کر اسکے گھٹنوں پہ لات مار دی، وہ جھک گیا، گر گیا۔ اسکے ساتھیوں نے زبرج کی گردن پہ پستول کا دستہ دے مارا وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ وہ دونوں پکڑے جا چکے تھے۔

موت انہیں ہر ہر لمحہ اپنے قریب آتی محسوس ہوئی۔

"مزاحمت کئی بار مقابلے جیسی ہوتی ہے یا پھر اس سے بھی بری کیونکہ جب مزاحمت کے بعد کوئی دھر لیا جائے، وہ آسانی سے چھوڑا نہیں جاتا۔"

یہ کوئی بازار سا تھا۔ دونوں اطراف میں دکانیں اور دکانوں کے باہر رکھے اسٹالز، جن پہ کپڑا ڈالا ہوا تھا۔ اسٹال چونکہ چھجے تلے تھے سو برف باری سے محفوظ رہے۔ برف باری کی وجہ سے دکانیں اب تک نہیں کھلی تھیں۔

وہ اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے اطراف میں نظریں گھماتے ہوئے محتاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔ وہ ایک ایک چیز کو اسکین کر رہا تھا۔ اسکے انداز میں واضح تھا کہ اسے یہاں سے بھاگنے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ کئی بار وہ اسٹالز کے پاس رک جاتا، کپڑا ہٹا کر چیزیں ٹٹول کر دیکھتا۔ چوڑیاں، میک اپ، جیولری، جوتے وہ ایک ایک چیز ہاتھ میں اٹھا کر دیکھتا پھر آگے بڑھ جاتا۔ اونچے قد اور زخمی چہرے والا آدمی وقت گزاری کر رہا تھا۔

یہ راستہ ڈھلوانوں سے اتر کر نیچے کی طرف لے جاتا تھا یعنی زلطان صفدر یہاں آنے سے پہلے بلندی پہ تھا،اسکے بعد وہ یہاں اس بازار کی طرف آیا۔پہاڑوں کی بلندیوں پہ پہنچ کر اس نے کیا کیا یہ راز کہانی پہ ادھار رہے مگر یہاں وہ وقت گزار رہا تھا۔صرف اور صرف وقت گزاری۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کسی آدمی کو دکان کھولتے ہوئے دیکھا تو اسی طرف چلا آیا۔آدمی نے نے اسے دیکھا تو مسکرایا۔گاؤں دیہات کے لوگ اپنے مہمانوں کو پہچان لیتے تھے۔زلطان انکے قریب آیا تو انہوں نے اسے اندر چلنے کی دعوت دے ڈالی۔تھوڑی دیر بعد وہ موڑھے پہ بیٹھے تھے۔ہاتھوں میں سبز چائے،اور پلیٹ میں میٹھی ڈلی رکھی تھیں۔زلطان تین پیالیاں خالی کر چکا تھا۔وہ بوڑھے کی بات سن کر فرفر پشتو میں جواب بھی دے رہا تھا۔اسے اتنی اچھی پشتو آتی تھی ؟

اب وہ بوڑھا اسے اپنے ساتھ آئے چھوٹے بچے کے متعلق بتا رہا تھا۔زلطان مسکرا کر سنتا رہا۔پھر اسکی پڑھائی کے متعلق کچھ مشورے دیئے۔بوڑھا مشکور ہوا۔اسی پل باتوں کی آواز میں جیپ کے انجن کی آواز بھی شامل ہوئی۔

چائے کی خوشبو میں گاڑی کے دھوئیں کی بو بھی شامل ہوئی۔اور پیٹرول کی تازہ تازہ مہک بھی۔زلطان نے چائے کے آخری گھونٹ بھرے،مذید چائے کا ارادہ ترک کیا۔اسے لینے والے آ چکے تھے اب اسے جانا تھا۔جیپ دکان کے باہر آ کر رکی۔زلطان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا،بوڑھے سے مصافحے کے لئے ہاتھ ملایا،وہ اسکے ہاتھ کو چوم چکا تھا،یہی عمل زلطان نے بھی دہرایا۔اور جب پلٹ کر دیکھا تو بہرام کے ساتھ دو اور لوگ بھی تھے۔انکے ہاتھوں میں اسلحہ تھا۔

"بازار کی سیر ہوگئی ہو تو واپس چلیں؟"

"ہاں بلکل چلتے ہیں۔ یہاں سردی ہے بہت۔" وہ معمول کے سے لہجے میں بولا۔ "باقیوں کو لے آئے ہو۔؟ کہاں تھے زور گڑھ کی حدود میں ناں؟"

بہرام نے اسے کوئی جواب نہیں دیا وہ خود ہی چل کر آیا اور جیپ کی پچھلی نشست پہ آ کر بیٹھا۔ واپسی پہ وہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا بلکہ ایک ڈھابے کے باہر رک کر اس نے خستہ پراٹھا کھانے کی فرمائش بھی کی تھی۔ جسے بغیر کسی ہیل و حجت کے مان لیا گیا۔ کچھ تھا جو غیر معمولی تھا۔

ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کسی نہ کسی شے، انسان، سڑک کے بارے میں تبصرے بھی پیش کرتا رہا تھا۔ یوں جیسے وہ دوستوں کے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ نکلا ہو۔

اور بلاخر آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کی بعد وہ اس زندان میں واپس لائے گئے تھے۔ اب کی بار انکی رسیاں سختی سے باندھی گئی تھیں۔ اب کی بار انکے لئے کسی قسم کی نرمی کا مظاہرہ نہیں کیا جانے والا تھا۔ اب کی بار کوئی رعایت نہیں۔ یہ بات وہ محسوس کر چکے تھے۔ اس بار انکے چہرے سخت تھے۔ انہیں تہہ خانے کے وسط میں گھٹنوں کے بل ہاتھ باندھ کر بٹھایا گیا۔

ان پانچ لوگوں کے سامنے اس وقت جبل خان بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے، آنکھوں میں سفاکی تھی۔ اور ہونٹوں پہ ایک عجیب سی مسکراہٹ۔ پیلے بلب کے نیچے اسکا مسکراتا چہرہ موت کا چہرہ لگتا تھا۔ اسکی سرمئی آنکھیں سفاک لگتی تھیں۔

"پخیر راغلے۔ once again"

تین دن بعد اس تہہ خانے میں پہلی بار سانسوں کے رک جانے کی آواز سنی تھی۔کچھ تھا جو ہونے والا تھا۔

____

"حصہ دوئم: سازش "

Conspiracy .

موجودہ دن سے ایک دن پہلے۔"

"نو جنوری۔"

"وقت،رات کے ساڑھے تین بجے۔"

پر سرار سی خاموشی نے ہر اور اپنے پر پھیلا رکھے تھے۔ایسے سیاہ پر جن کے پار کوئی روشنی، کوئی اجالا کسی کو چھو کر بھی نہیں گزرتا تھا۔دور پہاڑوں سے بھیڑیوں کی آوازیں سارے گاؤں میں

گونج رہی تھیں۔کسی دکان کے باہر جلتی زرد روشنی میں پروانے رقص کرتے نظر آ رہے تھے۔بہتی آبشاروں کا شور رات کے اس پہر خوفناک سا تاثر دیتا تھا۔

ایسے میں تہہ خانے کی مدھم روشنی میں فرش پہ چت لیٹے پانچ لوگوں کے درمیان کسی ایک کی آنکھ کھلی تھی۔وہ آنکھیں پچھلے تین گھنٹوں سے ہی کھلی تھیں۔اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔اسکے دوست،اسکا خاندان سو رہا تھا۔وہ پچھلی دونوں راتوں میں اسی طرح سوئے تھے مگر کوئی ایک تھا جسے نیند نہیں آ سکی تھی۔وہی جو اس وقت اپنی رضائی اتار کر باہر نکل رہا تھا۔گھپ اندھیرے کے باعث اسکے وجود کا تعین کرنا مشکل تھا۔اسکے قدم جیسے چاپ پیدا کرنا جانتے ہی نہیں تھے۔

اس نے اٹھتے ہوئے باقی چار لوگوں پہ لحاف درست کیا۔ذرا سے فاصلے پہ بیٹھ کر جھک کر اپنے پیروں میں جوتے ڈالے۔اوراب وہ وجود تہہ خانے کے دوسرے حصے کی طرف بڑھ رہاتھا جہاں کاٹھ کباڑ تھا۔فرش کے پاس جھکتے ہوئے اس نے ذرا سی کوشش سے لکڑی کا تختہ اوپر اٹھایا،پھر ایک محتاط سی نظر دوسری طرف سوئے لوگوں پہ ڈالی،صد شکر ان میں سے کوئی جاگا نہیں تھا۔تختہ اٹھ گیا تھا۔وہ اسی طرح لکڑی کے تین سے چار تختے اٹھاتا چلا گیا۔تعجب کی بات یہ تھی کہ ان تختوں کے پار ایک الگ دنیا تھی۔جہاں جانے کے لئے لوہے کے چکر دار زینے تھے۔

وہ وجود اب زینوں پہ پیر رکھے نیچے اتر رہا تھا۔اسکے انداز میں جیسے کوئی عجلت نہیں تھی۔کوئی نیا پن نہیں تھا۔وہ ان راستوں سے واقف تھا۔ایک ہاتھ سے زینوں کی گرل تھامے،مضبوطی سے

قدم جماتے وہ نیچے اتر آیا۔لکڑی کا فرش ، مگر ایک جدید سی دنیا۔دیواروں پہ چاروں طرف مختلف حُجم کی سکرینز لگی تھیں۔جن کے آگے لمبی میز تھی اور اس میز کے گرد صرف ایک کرسی تھی،صرف ایک۔یہ ایجنٹ کی ورک پلیس تھی۔یہ ایجنٹ کی ریاست تھی۔اوراس نے بانٹنا نہیں سیکھا تھا۔عجیب کوفت سی ہوتی تھی اسے حصے داری سے۔

دفتعاًان سیاہ ہوئی سکرینز پہ زندگی کی رمق دوڑی۔ایجنٹ کرسی پہ بیٹھا اب مختلف کی ورڈز دبا رہا تھا۔اس پرسرار سی خاموشی میں وہ بٹن ایک واحد آواز تھے۔سکرینز پہ کئ منظر روشن ہوئے۔چار اسیروں کے گھر،ورک پلیس اور انکے اہلخانہ کے چہرے۔سب مطمئن تھے۔فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ایجنٹ کو تسلی سی ہوئی۔اب وہ سوشل میڈیا پہ مختلف ہیش ٹیگز سرچ کر رہا تھا۔چار اسیروں کے اہلخانہ کے اکاؤنٹس۔بظاہر سب ٹھیک تھا۔پرفیکٹ۔اب وہ کسی"skipper" نامی شخص کی طرف سے آئی ای میلز پڑھ رہا تھا۔

اب کے اس نے کی بورڈ پہ کچھ بٹن دبائے۔دائیں طرف دیوار میں نصب سکرینز کے درمیان ایک دروازہ کھلا۔یوں جیسے سکرینز بیچ سے جدا ہوگئ ہوں۔کوئی اگر پہلی بار یہ منظر دیکھتا تو یقیناًاسکی آنکھیں ایک لمحے کے لئے ساکت ضرور ہوتیں۔مگر اس آدمی کے لئے یہاں کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

دروازے کی چوکھٹ پہ وہ کھڑا تھا۔وہی جس کی آنکھیں سرمئ تھیں۔وہ جو اندھیروں میں روشنی تھا۔جو ابلیس کی سی خصلت رکھتا تھا مگر کچھ تھا اس میں جو شر کو مکمل طور پہ اس پہ حاوی نہیں ہونے دیتا تھا۔اسکی شال کے پلو پہ مٹی کے داغ تھے۔ایجنٹ نے ان داغوں کے سیاق و سباق سے

واقف تھا مگر اس نے نظریں موڑ لیں۔یہ کام اسے باخوبی آتا تھا۔جبل خان کو اسکی انہی نظروں کی بے اعتنائی سے رنج ہوتا تھا۔

"بہرام کو سمجھاؤ اسکا ہاتھ بہت چل رہا ہے۔میں نے کہا تھا ناں چہرے پہ نہیں مارنا۔؟"وہ کی بورڈ پہ بٹن دباتے ہوئے کچھ کچھ خفگی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ساتھ اپنے چہرے کو ہلکا سا چھوا۔ٹھوڑی پہ زخم سا تھا۔"اور باقی لڑکے ؟وہ اپنے باپ کی دعوت کھانے آئے ہیں؟یا انکی ماں کا ولیمہ ہے؟ کیا اتنی سستی کیوں دکھا رہے ہیں؟"

"میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گا ایجنٹ۔"جبل خان اسکے عقب میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔اسکی نظریں اب سکرین پہ تھیں۔

"جبل . . . تمھیں جو ذمہ داری دی ہے اس سے بلکل بے فکر ہوں میں۔لیکن بہرام وہ بہت جلد کچھ نہ کچھ کرنے والا ہے کیا تم اسکے لئے تیار ہو؟"

"بہرام کیا کر سکتا ہے؟"وہ جیسے جاننا چاہتا تھا۔

"کچھ بھی۔جن میں سرفہرست بے وقوفی بھری بغاوت ہے۔وہ جلد باز ہے اور مجھے یقین ہے وہ بہت جلد کچھ نہ کچھ کرے گا۔تم سے تیار رہنے کو اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ تم اسکے ساتھ ہو گے۔صبر کا دامن نہیں چھوڑنا جبل۔یاد رکھنا جو جو میں نے کہا ہے اس سے نہ ایک لفظ زیادہ کرنا نہ ایک لفظ کم۔"سکرین پہ مختلف نمبرز چلنے لگے تھے۔سبز،سرخ رنگ میں لکھی سطور ابھر ابھر رہی تھیں۔جبل خان کو آج تک اسکا یہ کام سمجھ نہیں آ سکا تھا۔ایجنٹ بیک وقت سات سکرینز پہ

چلتے ان ستر سطور اور نمبرز کے حسب ونسب کا پتہ لگا سکتا تھا۔اس نے اس کام کو اپنی زندگی کا نصف حصہ دیا تھا۔

"مجھے آپ کے دماغ پہ یقین ہے۔"اسکا لہجہ مودب تھا۔اسکی آنکھوں میں بے پناہ عقیدت تھی۔"مجھے یقین ہے آپ جو کریں گے وہ بہترین ہو گا۔"

ایجنٹ کی انگلیاں کی بورڈ پہ ایک لمحے کے لئے ساکت ہوئیں۔چہرے کی رنگت بدل گئی۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔"مجھے اتنی عقیدت سے نہ دیکھا کرو۔میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتے ہو۔"

"میں آپ کو کیا سمجھتا ہوں؟"

"فرشتہ . . . ."اسکے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"زور گڑھ کے لئے فرشتہ ہی ہیں آپ۔"

"اور باقی دنیا کے لئے شیطانوں سے بڑا شیطان۔"وہ تلخی سے مسکرایا۔

"دنیا کا کیا ہے۔وہ بھلا کسی سے خوش ہوئی ہے کبھی؟آپ کے اپنے لوگ آپ کو سراہتے ہیں۔زور گڑھ کے ہر بچے کو آپ کے جیسا بننا ہے۔"

"زور گڑھ میں اب کوئی بھی ایجنٹ نہیں بنے گا۔" درشتی سے کہا گیا۔پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر جبل کے عین سامنے آکر کھڑا ہوا۔سکرین کی روشنی اب انکے داہنے رخ پہ پڑ رہی تھی۔جبل اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔وہ آنکھیں اپنی تھیں۔عکس کے جیسی۔متفقہ۔

"میرے باپ نے جو غلط کیا تھا مجھے اسے فکس کرنا ہے۔اور وہ ہو جائے گا۔لیکن زور گڑھ کامیابی کی نئی راہیں دیکھے گا۔ہر بچہ اچھے سکولز میں پڑھے گا۔سب لوگوں کو انکے گھر واپس ملیں گے اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔کسی کو میری طرح دھوکے باز نہیں بننا پڑے گا۔کوئی اپنے دوستوں سے دغا نہیں کرے گا۔"اس نے جبل کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔وہ لمس جبل کے لئے عقیدت کا اعلیٰ مقام تھا۔"زور گڑھ میں ایک اور trojan horse نہیں ہو گا۔تم اس امر کو یقینی بناؤ گے۔"

میں تخت سے وفاداری نبھاؤں گا۔"

ایجنٹ کے لبوں کو دھیمی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔اس نے اپنی کرسی واپس سنبھال لی۔اسکی انگلیاں کی بورڈ پہ ایک بار پھر متحرک تھیں۔جبل چند پل اس سے کچھ ہدایات لیتا رہا۔پھر جیسے سکرین پہ چلتے نمبرز سے کوفت زدہ ہوا۔

"آپ کو یہ نمبرز بورنگ نہیں لگتے؟میرا تو دماغ چکرا جاتا ہے۔"

"کبھی اپنے شیطانی دماغ کو دیکھا ہے؟میرا بھی دماغ چکرا جاتا ہے۔ایسے آئیڈیاز کہاں سے لاتے ہو تم؟"وہ اب ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”جبل مسکرایا۔ایک خود شناسا سی مسکراہٹ۔“کیسے پلان؟سب تو آپ نے کیا ہے۔“

”اوہ پلیز۔“سکرین کے آگے بیٹھا وجود ہنس پڑا۔”یہ ڈاج تم زور گڑھ کے لوگوں کے لئے بچا کر رکھو۔میں اور تم اچھی طرح جانتے ہیں یہ پلان کس کا تھا۔بائیس سال کی عمر میں تمھارے خرافاتی دماغ میں یہ پلان آیا تھا اور اب چار سال بعد ہم اس پہ عمل کر رہے ہیں۔ہم نے اس پلان کو چار سال دے دیئے۔لیکن ان چار سالوں میں مجھے یہ نہیں سمجھ آیا کہ تم نے اپنے حصے کے کریڈٹس مجھے کیوں دیئے؟“

سکرین پہ اب نمبرز نہیں تھے۔اب کچھ فوٹیجز تھیں جنہیں وہ ری پلیس کر رہا تھا۔دوسری سکرین پہ وہ کچھ ای میلز لکھ رہا تھا۔ایجنٹ کا دماغ ایک وقت پہ چار کام کرنے کا عادی تھا۔

”میرے پاس صرف ایک پلان تھا۔آپ نے اسے نکھارا،آپ نے اپنے کانٹیکٹس استعمال کئے۔آپ نے دو سال اس پلان پہ محنت کی۔آپ نے ایک خیال کو ایک کہانی کی شکل دی ہے۔اور آج ہم اس کہانی کو اپنی زندگی کی سکرین پہ چلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں میں صرف ذہین ہوں اور آپ . . . . . آپ کے لئے کوئی موزوں لفظ تلاش کرنا ناممکن ہے۔“جبل خان ایجنٹ کا معتقد مرید تھا۔کریڈٹس کیا چیز تھے؟اگر اسکے بس میں ہوتا وہ ایجنٹ کے کہنے پہ آنکھیں بند کئے اندھے کنویں میں کود سکتا تھاکیونکہ ایجنٹ کو بچانا آتا تھا۔

”ویسے جب تم کہتے ہو ناں مجھے ایجنٹ کے پلان پہ یقین ہے۔مجھے اسکے دماغ پہ یقین ہے مجھے باقاعدہ ہنسی آتی ہے۔“اس نے میل بھیج کر سکرینز بجھائیں۔اور اب وہ مختلف یو ایس بیز کی جگہ

تبدیل کر رہا تھا۔کچھ سم کارڈز توڑ رہا تھا۔اسکے ہاتھ بے حد متحرک تھے۔"یعنی اس بے وقوف بہرام اور باقی لوگوں کو یہ نہیں پتہ کہ تمہیں اپنے پلان پہ یقین ہے۔تمہیں اپنے دماغ پہ فخر ہے۔کیا چیز ہو یار تم؟"وہ جیسے الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

جبل محض مسکرا دیا۔خالص،سادہ مسکراہٹ۔"بہرام بے وقوف نہیں ہے۔"ساتھ اس نے ایجنٹ کو ٹوکا تھا۔

"بہت جلد وہ تمھیں غلط ثابت کرے گا جبل خانا۔"وہ اب اپنا کام کر چکا تھا۔میز خالی کر کے اب وہ واپس پلٹ رہا تھا۔

"اگر اس نے ایسا کیا تو میں ایک بار پھر جذبات پیچھے چھوڑ کر فرض نبھاؤں گا۔اور میں اس کام میں کتنا اچھا ہوں آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے؟"اسکے لہجے میں کچھ تھا کہ ایجنٹ کی آنکھوں میں تاریکی در آئی۔دل شل سا ہوا۔وہ اسکے جذبات ساکن ہونے کا واحد شاہد تھا۔

"کچھ اچھا کھانا بھیجو یار۔ہم hostage ہیں لیکن انسان بھی ہیں۔دال کھا کھا کر ٹیسٹ بڈز خراب ہو گئے ہیں۔"وہ بات بدل کر اب سیڑھیاں چڑھتا ہوا واپس جا رہا تھا۔جبل خان خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

وہ چلا گیا۔روشنی ختم ہو گئی۔اندھیرا چھا گیا۔ایجنٹ نے جبل خان کی زندگی میں کئی دفع اندھیرا کیا تھا۔اسے ہر دفع مشعلیں جلانی پڑتی تھیں۔

موجودہ دن۔

" once againپاخیر راغلے۔"جبل خان کے لہجے کی ٹھنڈک انکی روح تک اتر رہی تھی۔وہ پکڑے جا چکے تھے۔اب کوئی راہ فرار نہیں بچی تھی۔وہ ایک بار پہلے بھی اسی تہہ خانے میں آ چکے تھے۔اس روز انکے وجود کرسیوں پہ تھے۔آج وہ گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھے تھے۔ہاتھ پشت پہ بندھے تھے اور آج صیاد کی آنکھوں میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی ترحم نہیں ملتا تھا۔پہلی بار وہ تندرست تھے آج انکے جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہے تھے۔پچھلی بار وہ مضبوط رہنے کے لئے ہر حد تک جا سکتے تھے، آج ہر حد ختم ہو چکی تھی۔

"کس کا پلان تھا؟"جبل خان، زلطان صفدر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔"اگر تم مجھے بتاؤ گے یہ کس کا پلان تھا تو میں صرف باغی کو سزا دوں گا۔ورنہ . . . . "اس نے باقی چاروں کو دیکھا۔آج اسکی آنکھوں میں کوئی لاتعلقی سی تھی۔"آج مجھ سے رحم دلی کی امید نہ رکھنا۔"

"میرا پلان تھا۔"شادان گردن اٹھا کر بولا۔جبل نے اسے دیکھا، پھر ہاتھ کے اشارے سے بہرام کو آگے بلایا۔وہ آگے آیا اور پے در پے اس کے سر پہ، چہرے پہ دیوانہ وار پستول کا دستہ مارتا گیا۔خون کی بوندیں اسکے ساتھ بیٹھے زلطان کے چہرے پہ لگیں۔وہ بے اختیار کراہا تھا۔چیخا تھا۔زخرف نے آنکھیں میچ لیں۔اس تہہ خانے کی فضاؤں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔

"جھوٹ بولنے والوں کے ساتھ یہی ہو گا۔میں زلطان صفدر سے سوال کر رہا ہوں۔مجھے جواب بھی اسی سے چاہیے۔" وہ اسکی آنکھوں سے نگاہ ہٹانے کو تیار نہیں تھا۔زلطان بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔بے خوفی سے،دلیری سے۔

"میرا پلان تھا۔اور مجھے ہزار دفع بھی موقع ملا تو میں یہاں سے بھاگوں گی۔" زخرف اسکے چہرے پہ نظر جماتے ہوئے بولی۔حسن اور زبرج اسکے بولنے سے سخت کوفت زدہ ہوئے۔جبل ہونٹ کا ایک کونہ اٹھا کر،عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ہاتھ میں لی ہوئی پستول کو انگلیوں میں گھمایا۔اسے دیکھا،پھر پستول کو۔اور پھر اس نے پستول اسکے ماتھے پہ رکھی تھی۔زخرف سمیت ان چار اسیروں کا حلق تک خشک ہوگیا۔اس نے اتنے دنوں میں اگر کسی کے ساتھ رحم کا معملہ کیا تھاتو وہ وہی تھی۔

"سنا ہے آپ کو بہت شوق ہے پستول اپنے اوپر تان لینے کا؟کسی نے آپ کو بتایا نہیں خاتون یہ کھلونا نہیں ہے۔" وہ ٹھنڈی نال کو اب اسکے گال پہ رکھ گیا۔وہ سانس بھی نہ لے سکی۔اسکا سارا بدن کانپنے لگا تھا۔"چلاؤں؟بتاؤں آپ کو کہ میرا صبر،اور میری شرافت آزمانے کانتیجہ کیاہوتا ہے؟"

"گن ہٹاؤ اس سے۔" زبرج ناگواری سے بولا۔

"میرا پلان تھا۔میں لیڈر تھا۔میں ماسٹر مائنڈ۔" زلطان صفدر سارے وقت میں پہلی بار بولا تھا۔جبل نے اسے نہیں دیکھا۔لیکن بہرام اور اسکے ساتھی اب اسے بے دردی سے اٹھا کر وہاں

سے لے کر جا رہے تھے۔ان میں سے ایک نے اسے اٹھا کر تہہ خانے کے ایک کونے میں پھینک دیا۔

"زخرف کو چھوڑ دو۔اس نے کچھ نہیں کیا۔" وہ اپنی جگہ پڑے ہوئے بولا۔جسم میں ٹیسیں الگ اٹھ رہی تھیں۔

"تم آخر کیوں ہمیں زچ کررہے ہو؟کیا پورے ملک کے واحد ہیروز ہم ہیں؟"حسن بے بسی سے چلایا۔"باخدا میں جس دن یہاں سے نکلا میں تم سب کو کورٹ میں گھسیٹوں گا۔"

"جب تم یہاں سے نکل جاؤ تب بات کرنا۔"جبل خان اپنی جگہ سے اٹھا۔پستول اب زخرف کی گردن پہ رکھی۔اسے اٹھ کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔وہ نہیں اٹھی تب جبل نے پستول کا دباؤ اسکی گردن پہ بڑھایا۔اور اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔وہ اٹھی اور سانس روکے اسکے ساتھ چلنے لگی تھی۔جان کا خوف ہر خوف سے بڑا ہوتا ہے آج اسے یقین آگیا تھا۔وہ یونہی اسے گن پائنٹ پہ اس تہہ خانے سے لے گیا تھا۔واپس تہہ خانے میں آؤ تو زبرج کے سامنے کرسی پہ بہرام بیٹھا تھا۔شادان، حسن اور زلطان دوسرے کونے میں تھے۔اور انہیں بے دردی سے مارا جا رہا تھا۔آج انکا انداز بے حد بدلا ہوا تھا۔

"تم لوگوں نے باہر نکل کر کیا کیا؟کہاں کہاں گئے؟کتنی دیر کس جگہ رکے۔مجھے ایک تفصیل چاہیے۔اگر تم نے کچھ بھی چھپانے کی کوشش کی،تو یہ تمہارا اپنا نقصان ہوگا۔"بہرام کی آنکھیں سرخ تھیں۔لہجہ سخت۔اس سے کسی قسم کی رعایت کی توقع اس وقت نہیں کی جا سکتی تھی۔

"اگر تمہارے اندر اتنا ہی جی گردہ ہے تو خود معلوم کر لو۔" وہ گردن کڑائے ہوئے تھا۔ بہرام کی آنکھیں آج مختلف تھیں۔

"میں دہرا رہا ہوں مجھے اپنے یہاں سے نکلنے سے یہاں واپس آنے تک کی تفصیل بتاؤ۔"

اب کے زبرج مسکرایا۔ اسکی گہری بھوری آنکھیں بھی مسکرائیں۔ "ادھر آؤ بتاتا ہوں۔" اس نے بہرام کو جھکنے کا اشارہ کیا۔ بہرام نے ہلکی سی گردن اسکی طرف جھکائی۔

"ارادہ تو میرا یہاں سے بھاگنے کا ہی تھا مگر بیچ راستے میں مجھے تمہارا گھر مل گیا۔ ایک اچھا وقت گزار کر آیا ہوں میں۔" وہ کہتے ہوئے عجیب انداز میں ہنسنے لگا۔ بہرام کے لئے یہ وار کاری ثابت ہونا تھا مگر وہ پر سکون تھا۔ کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔

"یہ آخری بار ہے۔ تفصیل، یا پھر گولی؟"

"تمہارے گھر کی عورتیں اتنی خوبصورت ہوں گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔" وہ پھر سے ہنسنے لگا مگر اگلے ہی لمحے بہرام نے پستول کی نال اسکے پیر پہ رکھی، آنکھوں میں کچھ تھا کوئی سفاکی سی۔ کوئی فیصلہ سا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ٹرگر دبایا۔ گولی اسکے جوتے کو پھاڑ کر، اسکے پیر کو
چیرتے ہوئے، گوشت کا ایک ایک حصہ اڑا کر باہر نکل آئی۔ زبرج شاہنواز کو اپنے دماغ کی تاریں ہلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ پوری قوت سے چلایا۔ غرایا۔ گالیاں نکالیں۔ اسے اپنا پیر جسم سے الگ ہوتا محسوس ہوا تھا۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔ خون کی جیسے نالی سی بنتی جا رہی ہو اور وہ درد سے تڑپ رہا تھا۔

ہاکی اور بلے سے مار کھاتے اس کے باقی ساتھیوں کو ادراک ہوا تھا، معملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا انہیں لگ رہا تھا۔سازش کا دھواں ہر اور بھر رہا تھا اور اسیران کو اپنادم گھٹتا محسوس ہوا۔فرش پہ پڑے منہ سے خون تھوکتے حسن سلطان کے لئے ہر راستہ بند ہو رہا تھا۔شادان کا جوڑ جوڑ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔زلطان صفدر کی آنکھیں بس اس اور تھیں جہاں سے "وہ" گئی تھی۔

زبرج کو یونہی چیختے چلاتے ہوئے چھوڑ کر وہ اب باقی تینوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔آنکھیں ہر تاثر سے خالی تھیں۔

"تم لوگوں میں سے کون تفصیل بتانا چاہے گا؟اب کی بار گولی پیر میں نہیں سیدھی گھٹنے میں لگی گے۔ہاف فرائے۔(**ہاف فرائے پولیس کی ٹرم ہے جس میں مجرمین کے گھٹنے میں گولی مار دی جاتی ہے جس سے وہ تا عمر کے لئے معذور ہوجاتے ہیں۔)**"

"میں بتا رہا ہوں۔جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو۔"زلطان زمین پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھا تھا۔اسکی کنپٹی سے خون نکل رہا تھا۔ہونٹ پھٹ چکا تھااور آنکھ کے نیچے گہرا زخم تھا۔شہزادہ وقت اغیار کی سلطنت میں آگیا تھا۔اغیار بھلا کہاں اچھے ثابت ہوئے ہیں؟

"تم یہ مت کرو۔انکو مت مارو انکا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"تفصیل،صرف اور صرف تفصیل۔"بہرام اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"مجھے پندرہ منٹ کا وقت دو،میں ان سب سے سب کچھ پوچھ لوں گا اور تمہیں بتاؤں گا۔انہیں مار کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔تم غلط کر رہے ہو۔"انداز صلح جو تھا۔بہرام آگے آیا۔اسکے جبڑے کو منہ میں دبوچا۔اور پستول اسکی پسلیوں پہ رکھی۔

"میں تمھارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔نہ تمہاری ماں کا کوئی شناسا۔"زلطان کا چہرہ سرخ ہوا،کنپٹی کی رگیں تک پھڑکنے لگیں۔"اس لئے میں تمہاری بات ماننے کا پابند نہیں ہوں۔"اسکے پیٹ پہ لات مار کر وہ پیچھے ہوا۔زلطان کے منہ میں جیسے خون کا ذائقہ گھلنے لگا تھا۔مگر وہ گرا نہیں۔بس ضبط کیا۔کڑا ضبط۔وہ جان بوجھ کر انکا ضبط آزما رہے تھے۔

"تفصیل یا پھر گولی؟"وہ تہہ خانے کے عین بیچوں بیچ رکھی کرسی پہ آکر بیٹھا۔پستول انگلیوں میں گھماتے ہوئے وہ ان سب کو باری باری دیکھ رہا تھا۔حسن سلطان نے بامشکل آنکھیں کھولیں۔اور اسے دیکھا۔پھر زلطان کو جو خون تھوک رہا تھا۔اسکی اگلی نظر زبرج پہ پڑی جو تکلیف سے بلبلا رہا تھا۔زمین پہ خود کو گھسیٹتے ہوئے اسکے پاس آنے لگا۔مزاحمت ختم ہو چکی تھی،سازش شروع۔اسے کچھ کرنا تھا۔

"میں نے ایک میسج چھوڑا تھا۔اپنے بہنوئی کے نام۔"بہرام کا دماغ بھک سے اڑا۔"میں جانتا ہوں اس وقت سگنل جام تھے،لیکن جیسے ہی موبائل کو سگنل ملیں گے میرا میسج اسے مل جائے گا۔جو وہ تمھارے ساتھ کرے گا تم اسے یاد رکھو گے۔"وہ زخمی چہرے والا بیرسٹر بندھے ہوئے ہاتھ لئے

اسکے سامنے گھٹنوں کے بل آ کر بیٹھا۔ آنکھوں میں تکان تھی۔ چہرے پہ للکار۔ دل میں محض خلوص۔ انداز میں غالباً سازش۔ "وہ مجھے یہاں سے لینے آئے گا۔ اب جاؤ جو کرنا ہے کرو۔"

"کس کا موبائل تھا؟ کہاں ملا تمہیں وہ موبائل؟" بہرام نے اسکے منہ پہ مکا دے مارا۔ اور اسکے بالوں کو اپنے ہاتھوں کی مٹھی میں جکڑا۔ حسن بے خوفی سے اسے دیکھتا رہا۔

"نہیں بتاؤں گا۔ جو کرنا ہے کرو، جسے مارنا ہے مارو۔ مجھے مارنا چاہتے ہو مارو۔ سولہ سال کی عمر سے یہ سب دیکھ رہا ہوں میں۔" وہ گھٹنوں کے بل آگے ہوا۔ "لعنت بھیجتا ہوں تمھارے دلائے خوف پہ، لعنت بھیجتا ہوں تم پہ تمھارے زور گڑھ پہ۔ کوئی مدد نہیں کروں گا تمہاری۔ میں تھوکتا ہوں تمھارے زور گڑھ پہ۔"

آخری لفظ، اسکے آخری لفظ پہ بہرام خان کے خون میں طیش کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پستول کی بقایا گولیاں حسن سلطان کے بازو میں اتار دیں۔ تین گولیاں اور بازو وہی۔ اسے لگا تھا یہ جہنم ہے۔ یہ جہنم ہی تھی۔ اور اسکی سزا بغیر کسی گناہ کے شروع ہوئی تھی۔ لمحوں کا کھیل تھا اور حسن سلطان کے جسم میں جیسے جلتی میخیں گھسا دی گئی ہوں۔ وہ تکلیف سے بلک رہا تھا۔ اسکی چیخیں پورا تہہ خانہ دہلائے دیتی تھیں۔ خون کی ایک ندی تھی جو اسکے جسم سے نکل کر بہتی جا رہی تھی۔ اسکے ساتھی دیوانہ وار اسکی طرف بڑھے تھے۔

باب دہر نے خوف کے سائے پھیلا دیئے تھے اور ان چار اسیران میں سے کوئی بھی سانس نہیں لے سکا۔ سازش انکے سر قلم کر رہی تھی۔

"دس جنوری۔"

"دوپہر بارہ بجے۔"

انگیٹھی کی تپش میں جلتے ہوئے اس کمرے کی حدت نے سرد تاثرات لے کر اندر آتے جبل خان کو دیکھا تو دم سادھ لیا۔اس نے شال کے پلو میں لپٹے ہاتھ سے زخرف کی کلائی تھام رکھی تھی۔اسکی گرفت میں آج سختی تھی۔کمرے کے وسط میں لا کر اس نے زخرف کا ہاتھ چھوڑا۔اور پستول اسکی گردن پہ رکھی۔

"آپ نے کسی کو کوئی کال کوئی میسج کیا ہے؟"وہ لہجے میں ٹھنڈک اور لا تعلقی لئے پوچھ رہا تھا۔مارے خوف کے زخرف وقار کے آنسو بہنے لگے تھے۔یہ سب جو اسکے ساتھ ہو رہا تھا یہ تو کسی برے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"میں نے نہیں کیا . . . میں نے کسی کو کال . . نہیں کی . . کوئی میسج نہیں . بھیجا۔"یہاں تک اسکی ہچکی بندھ گئی اور وہ باقی کے الفاظ نہیں کہہ سکی۔جبل خان کا دل پسیجا تھا۔تاثرات ہنوز سخت۔وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بری طرح رو رہی تھی۔

"گن ہٹاؤ پلیز۔"

”کیوں؟آپ کو تو بہت شوق تھا ناں اپنے سر پہ بندوق رکھنے کا۔بہت شوق تھا آپ کو مرنے کا پھر کیا خیال ہے مار دوں؟“سفاکی سے کہتے ہوئے اس نے پستول کی نال اسکی گردن سے واپس اسکے ماتھے پہ رکھ دی۔

”میں نے کسی کو کوئی کال نہیں کی جبل۔“وہ روتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ہلکی سرمئی آنکھیں گہری سرمئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔۔جبل خان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔یہ آنکھیں جبل کے اندر نفرت پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردیتی تھیں۔”میں . . مجھے یہاں سے جانے دو۔ہمیں جانے دو پلیز۔تم جس سے محبت کرتے ہو،جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے تمہیں اسکی قسم ہے۔“

”آپ کے یہ ڈرامے زلطان صفدر پہ اثرانداز ہو سکتے ہیں جبل خان پہ نہیں۔“اس نے بازو سے کھینچ کر اسے دیوار کے ساتھ لگایا۔اور پستول لوڈ کی۔زخرف کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے۔وہ مذید بلند آواز میں رونے لگی تھی۔آنسو بھل بھل اسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔

”میں آپ کے ساتھ بے حد نرمی سے پیش آیا۔میں نے آپ پہ ہاتھ نہیں اٹھایا،کسی کو اٹھانے بھی نہیں دیا اور آپ نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی؟جب آپ نے میری ایفرٹس کی پرواہ نہیں کی تو اب وقت ہے کہ میں آپ کو اپنا اصل چہرہ دکھاؤں۔“اس نے پستول اسکی پسلیوں کے درمیان رکھی۔آنکھوں میں اجنبی پن تھا۔زخرف خوف سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی۔”آپ نے جبل کی نرمی کا غلط فائدہ اٹھایا خاتون۔میں نے آپ سے کہا تھا جانوروں سے خوف کھائیں۔“

وہ کچھ کہنے لگی مگر جبل اسکی بات کاٹ چکا تھا۔

"اب آپ نہیں بولیں گی آپ اب مجھے فالو کریں گی۔جو میں کہوں گا آپ کو وہ کرنا پڑے گا اس لئے۔"اس نے پستول کا زور بڑھایا۔سرمئی آنکھوں والی لڑکی کی جان ہوا ہونے لگی۔اس نے جبل کے بازو پہ ہاتھ رکھ کر اسے دور ہٹانا چاہا۔"اب آپ یہاں سے جائیں گی اور اپنے دوستوں سے کہیں گی کہ آپ . . زور گڑھ . . کے . . . لوگوں . . کے لئے اپنا . . بیان . . دے رہی ہیں۔"

"میں نہیں . . . نہیں کہوں گی۔میں نہیں کہوں گی میں کچھ نہیں کہوں گی۔"وہ آنکھیں میچے لرزتے ہوئے بولی۔

"پھر مجھے بلوانا بھی آتا ہے۔"دروازے سے اندر داخل ہوتا بہرام خان بولا تھا۔اسکے سینے اور ہاتھوں پہ خون کے دھبے لگے تھے۔آنکھیں سفاک سی۔وہ دونوں اسے دیکھ کر ٹھٹھکے تھے۔"بہت advantage لے لیا آپ نے بھی۔"وہ آگے آیا۔جبل خان خود بخود ،دو قدم پیچھے ہوا۔"صرف ایک دفع پوچھوں گا۔اپنے دوستوں سے کہیں گی کہ آپ ہماری حمایت کر رہی ہیں؟"

"بہرام . میری بات سنو۔میں انہیں دیکھ لوں گا۔"جبل نے اسکے بازو تھام کر اسے ایک طرف کرنا چاہا مگر وہ اسکا ہاتھ جھٹک چکا تھا۔وہ اپنے بھائی کا نہیں اپنے لیڈر کا ہاتھ جھٹک رہا تھا۔اسکے انداز میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔

"ہاں یا ناں؟" وہ زخرف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھی۔موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرے اسکے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔دو غیر مردوں کے ساتھ وہ اکیلی تھی،اسکا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"میں اپنے دوستوں سے غداری نہیں کر سکتی۔"

"میں بھی زور گڑھ سے غداری نہیں کر سکتا۔"سرد انداز میں کہتے ہوئے اس نے جھک کر انگیٹھی سے جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی۔جبل خان نے اسکا ہاتھ روکنا چاہا جسے وہ دھکا دے کر دور ہٹا چکا تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جلتی ہوئی لکڑی کو زخرف کی کلائی پہ رکھ دیا۔اسکا جسم جیسے جھلس کر رہ گیا۔جبل خان نے بہرام کے منہ پہ تھپڑ دے مارا تھا۔وہ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔جلتی ہوئی لکڑی کا دباؤ اسکی کلائی پہ بڑھاتا چلا گیا۔زخرف حلق کے بل چیخ رہی تھی۔درد نے اسکی رگوں کو سن کر دیا تھا۔جبل خان نے پستول کا دستہ اپنے بھائی کے سر پہ دے مارا تھا۔جس سے وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔بہرام نے سیدھا ہونے کی کوشش کی مگر جبل خان تیزی سے اسکے سینے پہ لات مار گیا تھا۔اسکی آنکھوں میں خون تھا۔کسی نے جیسے اسکے دل کو جلا کر راکھ کر دیا ہو۔وہ حواس کھو رہا تھا۔

بہرام نے کسی قسم کا کوئی جوابی وار نہیں کیا۔جبل اسکے سینے کے اوپر بیٹھا زورزور سے اسکے منہ پہ مکے مار رہا تھا۔اسکے انداز میں جنونیت تھی۔

"خبیث آدمی تم نے ایک عورت پہ کیسے ہاتھ اٹھایا؟شرم نہیں آئی تمہیں؟جرات کیسے ہوئی۔؟"وہ اسے مارتے ہوئے غرا رہا تھا زخرف دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھتی چلی گئی۔اسکے کلائی بری طرح جل رہی تھی۔اسے ہر اور آگ سی آگ پھیلتی محسوس ہوئی۔

"میں باس ہوں میں جبل خان تمہارا باس ہوں تم میری اجازت کے بغیر اس پہ ہاتھ کیسے اٹھا سکتے ہو؟"وہ اسے ٹھوکر مارتے ہوئے اٹھا تھا۔تنفس بری طرح پھول گیا تھا۔یونہی کھڑے کھڑے اس نے ایک بار پھر ایک پوری قوت کی ضرب اسکے سینے پہ دے ماری۔بہرام کراہا،مگر جوابی حملہ اب بھی نہیں کیا۔جبل نے اب دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھی زخرف کو دیکھا۔وہ جلن سے آنکھیں موند گئی تھی۔ہاتھ کو ہوا میں اٹھا رکھا تھا۔لب بھینچے وہ کپکپا رہی تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے تیزی سے باہر جانے لگا جب زخرف تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔"پلیز مت جاؤ۔مجھے یہاں چھوڑ کر مت جاؤ پلیز۔"وہ ڈر گئی تھ۔بہت بری طرح ڈر گئی تھی۔"مجھے اسکے ساتھ چھوڑ کر مت جاؤ۔پلیز پلیز۔"وہ اسکی منت کرنے لگی۔جبل ان تین دنوں میں پہلی بار اپنے دل سے بہت بری طرح عاجز آیا تھا۔اسے پہلی دفع اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔وہ اس عورت کے سامنے ہار،رہا تھا۔

"آپ گھبرائیں مت۔کچھ نہیں ہوگا۔"وہ بھاری دل کے ساتھ بدقت کہہ سکا۔

اسی پل بہرام نے اٹھنے کی کوشش کی۔جبل نے ہاتھ دے کر اسے اٹھایا۔وہ اسے اچھا خاصا مار چکا تھا۔مگر وہ بغیر لڑکھڑائے اس کمرے سے باہر جا رہا تھا۔۔چند لمحے بعد جب وہ واپس آیا تو اسکے ہاتھ

میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔بہرام نے وہ باکس دروازے پہ رکھا۔ٹھنڈی ٹھار نظروں سے زخرف کو دیکھا۔

"آدھے گھنٹے کے اندر اگر تم نے وہ نہ کیا جو میں نے کہا ہے۔تو تم بہرام خان سے واقف نہیں ہو۔"

جبل نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔اور فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر اس نے زخرف کی طرف قدم بڑھائے۔اسکا چہرہ گیلا تھا۔پلکوں پہ پانی ٹھہر گیا تھا۔سرمئی آنکھوں میں سرخ ڈوریاں بن گئی تھیں۔وہ قابل ترس لگتی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا وہ یہ سب کرے گا۔"سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے اس نے نظر چرائی۔"آپ بیٹھیں میں مرہم لگا دیتا ہوں۔لیکن اسکی بات ماننے میں ہی عافیت ہے۔"

"مجھے واپس چھوڑ کر آؤ۔مجھے کوئی مرہم نہیں چاہیے مجھے بس واپس چھوڑ کر آؤ پلیز۔"وہ اب تک دروازے کو دیکھ رہی تھی۔وہ خوف زدہ ہو چکی تھی جبل کو اندازہ ہوا۔

"خاتون میرے ہوتے ہوئے کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"وہ ذرا جتا کر نا گواری سے بولا۔زخرف نے یونہی گیلی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنی کلائی اسکے آگے کر دی۔اسکے کلائی کی جلد بری طرح جل چکی تھی۔اسے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔جبل نے لب بھینچ لئے۔وہ اسکی حفاظت نہیں کر سکا تھا۔وہ اس کھیل میں کچھ غیر ضروری چیزیں شامل کر چکا تھا۔

"آیئے میں چھوڑ کر آتا ہوں۔" اس نے ہاتھ سے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔وہ تکلیف سے ابلتے آنسوؤں پہ بند باندھے اسکے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔راہ داریوں میں لکڑی کے فرش پہ پڑتے اسکے قدم ٹک ٹک کی آواز کرتے تھے۔اسکے ہاتھ میں ایسی جلن تھی کہ الامان۔تہہ خانے کے دروازے پہ وہ رک گئی تھی۔گلابی پڑتی آنکھیں اٹھا کر جبل خان کو دیکھا۔کئی لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے کہا۔

"جانتے ہو جب میں چھوٹی تھی تو میرے ڈیڈ کیا کہا کرتے تھے؟" وہ روشنی میں تھی،جبل نیم اندھیرے میں۔وہ بول رہی تھی جبل سن رہا تھا۔"ابا کہا کرتے تھے جب آپ کسی دوسرے کے خلاف سازش کرنے لگتے ہو ناں تو اس سازش کے کیڑے آپ کے اپنے دامن سے چمٹ جاتے ہیں۔اور وہ کیڑے آپ کو کوئی نقصان نہیں دیتے وہ آپ کی عزیزوں سے چمٹ جاتے ہیں۔آہستہ آہستہ وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے ایک بلا بن جاتے ہیں۔" وہ آگے آئی۔جبل کے کے عین سامنے۔گہری سرمئی آنکھیں کانچ جیسی سرمئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔"تمہارے لائے گئے کیڑے بلا بن چکے ہیں اور اب وہ تمہیں نگلیں گے۔میں انہیں تمہیں نگلتے ہوئے دیکھوں گی۔اور مجھے تب ہی سکون ملے گا۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔اس نے جبل خان کی آنکھوں میں امڈتا کرب بھی نہیں دیکھا۔اسکے چہرے کا سفید پڑتا رنگ بھی نہیں دیکھا۔وہ اس قید خانے میں واپس چلی گئی تھی۔اسے قید منظور تھی،جبل کے قریب رہ کر آزادی نہیں۔وہ جبل خان سے نفرت کرنے لگی تھی۔ایسی نفرت اسے کسی دوسرے انسان سے نہیں ہوئی تھی۔

وہ کئی لمحے راہداریوں میں کھڑا رہا تھا۔خالی ہاتھ،خالی دل۔

"دس جنوری۔"

دوپہر ایک بجے۔

تہہ خانہ ویسا بلکل بھی نہیں تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔فرش پہ جگہ جگہ خون کے دھبے تھے۔حسن کے بازو سے جس تیزی سے خون بہہ رہا تھا زخرف کو اسی تیزی سے اپنا دل رکتا محسوس ہوا۔شادان زبرج کے قریب بیٹھا،اسکے جوتے کے تسمے کھول رہا تھا۔وہ جوتا بیچ سے پھٹا ہوا تھا گول بڑا سا سوراخ۔اسے ایک منٹ نہیں لگا تھا اس سوراخ کا سراغ جاننے میں۔وہ قید خانہ موت کا منظر پیش کر رہا تھا۔

اسکے قدموں سے جیسے جان نکل گئی ہو۔وہ مرے مرے قدم لیتی ہوئی آگے آئی۔اسے یقین سا ہو چلا تھا کہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کر کے انہوں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر دی تھی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ہوئی آئی اور دھیرے سے،بے حد شکست خوردگی کے عالم میں دیوار کے ساتھ لگتی ہوئی بیٹھتی چلی گئی۔

زلطان جو حسن کے بازو پہ کوئی کپڑا باندھ رہا تھا اسکی نظر زخرف کے ہاتھ پہ پڑی۔کپڑا باندھتے اسکے ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی۔دل پہ جیسے کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔حسن کے بازو کے گرد کپڑا

لپیٹ کر وہ زخرف کی طرف بڑھا۔گھٹنوں کے بل وہ اسکے پاس بیٹھا اور دھیرے سے اسکی کلائی اپنے ہاتھ میں لی۔آنکھوں میں غصہ اور فکر ایک ساتھ در آیا۔

”کس نے کیا ہے یہ؟“

”ہم پھنس گئے ہیں زلطان۔زور گڑھ rat trap ہے۔ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔“وہ دور خلا میں دیکھ رہی تھی اور زلطان اسکے ہاتھ کو۔صرف اسکے ہاتھ کو۔اسے ہاتھ پہ تکلیف ہوئی تھی تو زلطان کو دل میں۔

”ہم سب یہیں مر جائیں گے،حسن مر جائے گا۔میں بھی،شادان بھی،تم بھی۔زبرج بھی سب۔“

”درد ہو رہا ہے ناں؟“وہ اسکے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔”یہ بہرام نے کیا ہے ناں؟تم نے اس سے کیا کہا تھا؟“

”میں مرنا نہیں چاہتی زلطان۔“وہ اسکا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے تھے۔”میں یہاں اس طرح،ایسے نہیں مرنا چاہتی۔مجھے یہاں سے باہر نکلنا ہے۔“

”میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گا۔تم دنیا میں کہیں بھی،کسی بھی غلط جگہ پھنس جاؤ زلطان صفدر تمہیں ہر تاریک جگہ سے نکال لے گا۔“وہ اسکی آنکھوں میں تک رہا تھا۔اسکی بھوری آنکھیں ڈھارس دیتی تھیں۔اسکے مضبوط ہاتھ سہارا تھے۔”تمہیں مجھ پہ یقین ہے زخرف؟“

"مجھے resistance پہ یقین ہے۔"

"اور مجھے conspiracy پہ۔اور اس سے زیادہ خطرناک کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ہم یہاں سے بھاگ جائیں گے۔"وہ زور دے کر بولا۔

"تم نے پہلے بھی یہی کہا تھا۔اور دیکھو کیا ہوا؟"وہ چیخ نہیں رہی تھی،وہ بس تھک گئی تھی۔"انہوں نے حسن کا کیا حال کیا ہے۔زبرج اور شادان کو دیکھو۔تم مجھے دیکھو خود کو دیکھواور پھر کہو کیا تم میں اتنے گٹس ہیں کہ تم دوبارہ یہ کہہ سکو۔تم نے پہلے بھی کہا تھا تم نے . . . . ." بولتے بولتے وہ رک گئی۔اسکے دماغ میں ایک الارم سا بجا تھا۔وہ چونک کر زلطان کو دیکھنے لگی۔وہ اسے ہی تک رہا تھا۔اسکی نظریں وہی تھیں،زخرف کو کئی صدیاں لگ گئیں ان نظروں کو سمجھتے ہوئے۔

"تم نے کہا تھا ہم یہاں سے بھاگیں گے۔"وہ خواب کی سی کیفیت میں تھی۔زلطان اسکے قریب سے اٹھا اور ذرا فاصلے پہ رکھافرسٹ ایڈ باکس لے آیا۔اور ایک مرہم نکالا۔

"نہیں زخرف۔میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"وہ اب انگلی کے پوروں سے آئنٹمنٹ اسکی ہتھیلی پہ لگا رہا تھا۔وہ ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھنے لگی۔سارا پزل حل ہوگیا تھا۔زلطان صفدر نے بھاگنے کی بات کبھی کی ہی نہیں تھی۔"میں نے کہا تھا مجھے یہاں سے "نکلنا" ہے۔میں یہاں سے نکل کر جائزہ لینا چاہتا تھا۔میں اس قفس کی زنجیریں دیکھ رہا تھا جس میں،میں جکڑا جا چکا تھا۔جب میں پلان سیون ڈی کوڈ کر سکتا ہوں،تو کیا میں اتنا بے وقوف ہوں جو یہاں سے بھاگنے کی بات کروں؟"وہ

دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔لہجے میں کسی قسم کی کوئی بڑائی نہیں تھی۔زخرف جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔

"دوئم میں یہاں سے نکل کر اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ ہمارے درمیان غدار کون ہے۔میں اپنا کام کر رہا تھازخرف۔"آخر میں وہ بڑے ہی آرام سے بولا۔

"تم کون ہو زلطان؟ تم نے ہمیں منیوپلیٹ کیا؟"

"ناٹ ایٹ آل۔میں نے بس سیاست کی۔مجھے وہی آتی ہے۔"اس نے جیسے پتے کی بات بتائی ہو۔وہ اگلے کئی لمحے اسکے سامنے شاکی اور ششدر سی بیٹھی رہی۔

"لندن میں جب تمھارے ڈیڈ تمھارے آرٹ کے خلاف تھے تب مجھے تم پہ ترس آتا تھا۔مجھے لگتا تھا تم ایک آرٹسٹ ہو،اور وہ تمہیں سیاست میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔"

"تم غلط تھی۔"

"میں غلط تھی۔"اس نے دہرایا۔"سیاست تمھارے خون میں شامل ہے۔اور ایک انا بھی۔تمہاری انا بہت اونچی ہے زلطان۔"وہ جیسے ملال سا کر رہی ہو۔"تم ہمیشہ سے ایک سیاست دان تھے۔تم کالم نہیں تھے۔تم سیاست دان تھے۔تم صلح جو نہیں تھے،تم سیاست دان تھے۔تم درگزر نہیں کرتے تھے،تم تیاری کرتے تھے۔دس سال . . . دس سالوں میں،میں تمھیں کیسے نہیں پہچان سکی؟"

زلطان مسکرایا۔سادہ سی مسکراہٹ۔"کیونکہ میں سیاست کر رہا تھا۔"اس نے اب سفید پٹی نکالی اور اسکی کلائی کے گرد لپیٹنے لگا۔"میں ایک اچھا سیاست دان ہوں میں جانتا ہوں۔تم لوگ میرے ساتھ نہیں آئے زی۔**(ایک لمبے عرصے بعد اس نے اس نام سے اسے پکارا تھا)**میں نے تم سب سے پوچھا تھا۔اگر تم لوگ میرے ساتھ آتے تو میرا پلان مختلف ہوتا۔میں تم سب کو پروٹیکٹ کرتا۔میں نے وہ کیا جو میرا ٹیلنٹ ہے۔تم لوگوں نے وہ کیا جو زلطان صفدر کر رہا تھا۔کسی اور کے کندھے پہ چڑھ کر دنیا نہیں دیکھی جاتی۔"اس نے پٹی لپیٹ لی اور پیچھے ہو بیٹھا۔زخمی چہرہ،دکھتا بدن،جلتی آنکھیں مگروہ یونہی اسکے آگے کئی پہر بیٹھ کر اسے دیکھ سکتا تھا۔اسے یقین تھا۔یہ قید،سازش،نفرت کچھ بھی اسکے جذبات پہ اثر انداز نہیں ہوسکتا تھا۔

"اگر ہمیں manipulate کرنے کی بجائے تم ہمیں صاف صاف بتاتے تو یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

"اگر تم لوگوں نے یہ یاد رکھا ہوتا کہ میں تمہارا دوست ہوں تو یہ سب واقعی نہ ہوتا۔دس سالوں میں تم لوگ مجھے جان نہیں سکے؟"زخرف لا جواب ہو گئی۔کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

"تم ایسے نہیں تھے زلطان۔تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"وہ اسکی اس بے حسی کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں پانچ سال پہلے بدلا تھا زی۔ تم نے شاید آج نوٹس کیا ہے۔ پانچ سال پہلے جب میرے بھائی پہ انسداد دہشت گردی کی دفعات لگائی گئیں، جب اسے سڑکوں پہ گھسیٹا گیا۔ جب اس پہ جعلی کیسز بنے۔ اور جب اسے کرسی سے اتارا گیا تب زلطان صفدر بہت بدل گیا تھا۔"

"اگر وہ سارے کیسز اتنے ہی جھوٹے تھے تو تمہارا بھائی آج تک باہر کیوں نہیں آ سکا؟" اس کے عقب میں زبرج پھنکارا تھا۔

"کیونکہ اسے لگتا ہے کہ وہ ٹرائلز کے زریعے آزاد ہو جائے گا۔ دنیا کا سب سے بے وقوف آدمی ہے وہ۔ اسے لگتا ہے کہ وہ قانونی طریقے سے واپس آئے گا شاید وہ یہ بھول گیا ہے کہ پاکستان میں قانون اندھا ہے۔ گونگا اور بہرا بھی۔" اسکی آنکھوں میں چبھن تھی۔ "اب جب اسکی گرفتاری کے پانچ سال بعد میں ان لوگوں سے تخت چھینوں گا، جب میں انھی لوگوں کو جیل بھیجوں گا جنھوں نے میرے خاندان کے ساتھ ظلم کیا اور جب میں قانون نہیں طاقت کے دم پہ اپنے بھائی کو سلاخوں سے باہر لاؤں گا تب اسے معلوم ہو گا زلطان صفدر درست تھا اور وہ غلط۔ تب اسے معلوم ہو گا کہ قانون معذور ہے اور طاقت کے ہاتھ ہیں۔ زور گڑھ میرے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکے گا۔"

ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ کہیں نہ کہیں وہ سارے لوگ اس سے اور اسکے نظریے سے متفق تھے۔ کہیں نہ کہیں وہ لوگ واقعی اسکے بھائی کو بے وقوف گردانتے تھے۔ موجودہ دور کا المیہ ہے کوئی حق کے ساتھ کھڑا ہو تو اسے معذور سمجھا جاتا ہے۔ حق بولے تو بے وقوف۔ حق سکھائے تو

کم عقل۔اندھیر نگری چوپٹ راج اب قصے کہانیوں تک محدود نہیں رہا۔موجودہ دور نے اسے ہر انسان کے ذہن میں نقش کر دیا ہے۔اور لوگوں نے خندہ پیشانی سے اس لعنت کو قبول بھی کیا ہے۔

"تم ایک اور کام بھی کر سکتے ہو زلطان صفدر۔"اب کے وہ بولا تھا جس کے بازو پہ گولیاں لگی تھیں۔جس کے جسم میں لوہے کے زرے اب تک موجود تھے اور آنکھیں نقاہت سے بند ہو رہی تھیں۔

"تم اقتدار میں ہو گے۔وہ اندھا،بہرہ،معذور قانون تمہارا ہو گا۔تمھارے ہاتھ میں ہو گا کہ تم اسے مضبوط قدم دو،اونچی سماعت،اور گہری نظر۔"زلطان صفدر اسے تکے گیا۔

"کرسی پہ بیٹھے شخص پہ نکتہ چینی کرنا بے حد آسان ہے۔لیکن اگر اس سے چھوٹی کرسی بھی انسان کے اپنے پاس آجائے تو وہ اسکا بھرپور فائدہ ضرور اٹھاتا ہے۔اگر ان لوگوں نے تمھارے بھائی پہ جعلی کیسز بنوائے تو اس وقت تم ایسے ہزار کیسز تیار کیئے بیٹھے ہو۔تمہیں اقتدار اس لئے چاہیے تاکہ اپنے انتقام لے سکو؟"وہ کہتے ساتھ کراہا تھا۔گہری سانسیں لیتے ہوئے درد برداشت کرنے کی کوشش کی۔

"پھر کیا کروں؟عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن لوں؟دنیا سے سفیدی ختم ہو چکی ہے حسن سلطان اب جو ہے وہ سیاہ ہے۔تمھارے والد بھی تو سچائی کے علم بردار تھے ناں؟کیاہوا انکے ساتھ۔تمھارے پورے خاندان کے ساتھ؟اور وہیں دوسرے ہاتھ پہ تمھارا بہنوئی جیسے ہی اس نے

سیاہی کا راستہ اختیار کیا پھر کسی کی جرات نہیں ہوئی کہ تمھارے خاندان پہ انگلی بھی اٹھا سکے۔" وہ ترش روی سے کہہ رہا تھا۔ اتنے سالوں کا غصہ آج باہر نکل رہا تھا۔ اتنے سال جو کرب وہ چھپائے ہوئے تھا آج وہ نکل رہا تھا۔

"وہ کبھی بھی سیاہ نہیں تھا۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ صحیح کیا جنہوں نے ہمارے ساتھ غلط کیا تھا تم نے کیا صحیح کیا ہے؟ بلکہ تم چار لوگ تم چاروں مجھے ایک وہ کام گنوا دو جو تم نے درست کیا ہو؟" تیز تیز بولتے ہوئے اسکی سانس پھولنے لگی تھی۔ شادان، زخرف، زبرج ہر کوئی اسے سن رہا تھا، آج انہیں سننا پڑا۔ درد سے اسکی آواز مدھم ہوئی تھی حوصلے نہیں۔

"آج یہاں ہمارا چوتھا دن ہے۔ اور اب تک ہم نے کیا کیا؟ لڑے جھگڑے، سازش کی، روئے، مار کھائی۔ بھاگنے کی کوشش کی لیکن کیا ایک بار بھی تم لوگوں نے اللہ سے مدد مانگی؟ کیا ایک بار بھی تم نے یہ سوچنے کی کوشش کی کہ تم سب یہاں کیوں ہو؟ چھ ماہ پہلے یروشلم (فلسطین) پہ اسرائیلی مظالم یاد ہیں؟" چار لوگوں نے بے اختیار گردنیں گھمائیں، لب کاٹے، بے چین ہوئے۔

"تم میں سے کسی نے بھی اپنی سیٹ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ تمہاری حکومت خاموش تھی۔ اور اگر تم بولتے تو سسٹم میں بیٹھے لوگ تم سے خفا ہوتے اور کرسی کا کیا؟ حق کا کیا؟ مقام کا کیا۔ اللہ کا کیا؟" یکدم اسکے بازو میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں تھیں۔ آنکھوں سے پانی کے قطرے بغیر اجازت باہر نکلنے لگے۔ وہ انکی بے حسی پہ رو رہا تھا۔

"کوئی ہمارے لئے نہیں بول رہا تو بہت دکھ ہوتا ہے لیکن ہم بھی تو نہیں بولے تھے۔کوئی ہماری مدد کے لئے نہیں آیا تو غصہ آ رہا ہے ہم بھی تو کسی کے لئے نہیں گئے۔ہم سب نے اپنی اپنی سیٹ پہ بیٹھ کر کرپشن کی ہے۔لوگوں سے جھوٹ بولا ہے۔دھوکا دیا ہے۔ہم سب نے ملکی resources کا غلط استعمال کیا ہے۔ہم سب نے اپنی کرسی کا غلط استعمال کیا ہے۔خدا کی قسم اگر آج ہم یہاں مر گئے تو قبر میں کس کس بات کا حساب دینا ہے یہ گنتی بھی یاد نہیں رہے گی۔"ہر کوئی اپنی اپنی جگہ نادم تھا۔ہر کوئی خاموش۔ساکن۔حسن سلطان نے سر کو دیوار کے ساتھ ٹکا لیا تھا۔آنکھیں بند کر لیں۔وہ یوں بھی بند ہونے لگی تھیں۔درد اب شدید تھا۔اتنا شدید کہ اس پہ غشی طاری ہونے لگی۔

زلطان صفدر نے اسکے زخمی وجود سے نگاہیں چرائیں۔اور سید شادان شاہ کے منہ پہ جو حقیقت کے تھپڑ لگے تھے وہ انکی تاب اب تک نہ لا سکا تھا۔زبرج شاہنواز بس اسے دیکھتا رہا۔

کیا یہ واقعی انکے احتساب کا وقت تھا؟اور اگر تھا تو وہ اپنی کس نیکی کے بدلے نرمی کی آرزو کرتے؟پاکستان کے ان چار ذہین گدھوں کو اپنی کوئی ایک نیکی بھی یاد نہ آ سکی۔

گیارہ جنوری۔

وقت دوپہر دو بجے۔

دائرے میں جلتی آگ سے نارنجی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔لکڑیوں کے جل کر چٹخنے کی آواز کے علاوہ وہاں اور بھی کئی ساری آوازیں تھیں جنھوں نے اس آواز کو معدوم کر دیا تھا۔جلتی ہوئی اس آگ سے نگاہ اٹھا کر دیکھو تو یہ ایک بہت بڑا سا ہال تھا۔جہاں اس وقت چارپائیوں پہ بیٹھے،حقے کے کش لیتے خاندان کے کئی مرد جمع تھے۔کئی ایک کے ہاتھوں میں قہوے کی پیالیاں تھیں۔انکی چارپائیوں کے عقب میں اور دائیں بائیں نوجوان لڑکے کھڑے تھے۔مضبوط جسم،مضبوط کندھے،جوان عزم اور گرم خون۔انکی آنکھوں میں مشتعل تاثر تھا۔

سربراہی کرسی پہ جبل خان بیٹھا تھا۔اسکی آنکھیں ہر تاثر سے عاری تھیں۔پستول گود میں دھری تھی،اور نظریں اپنے عین سامنے،آگ کی دوسری پار کرسی پہ بیٹھے بہرام خان پہ جمی تھیں۔جس کے چہرے پہ زخم تھے،اور ہاتھ پہ جلے کے نشان۔مگر جبل خان اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا،وہ آنکھیں جو اپنے بھائی سے باغی ہو چکی تھیں۔

”جبل خان۔آج یہ جرگہ کیوں بیٹھا ہے یہ یقیناً تم جانتے ہو گے۔“ایک سفید ریش مدبر سے آدمی نے بات کا آغاز کیا۔”زور گڑھ نے کئی سال اپنے مجرمین کے خلاف عدالت اور تھانوں کے چکر کاٹے مگر ہاتھ کچھ نہ آیا۔کچھ عرصہ قبل جب بلاخر ہماری سنی جانے لگی تھی تب ہی کچھ ذاتی مفاد رکھنے والے سیاستدانوں نے ہمیں برا دکھانے،اور اپنے دشمنوں کو گرانے کے لئے ایک چال چلی۔اسکائی ہائی کا حملہ۔جہاں کئی وزراء مارے گئے،کئی غیر ملکی سفیر زخمی ہوئے۔اور کئی عام شہری مارے گئے۔یہ چند کھوکھلے لوگوں کا ذاتی مفاد اور آپسی رنجشیں تھیں جنکا الزام ہمارے گاؤں

پہ آیا۔"انہوں نے سانس لینے کا وقفہ لیا۔آس پاس کھڑے نوجوانوں کی گرفت انکی بندوقوں پہ سخت سی ہوئی۔بے اختیار وہ وقت وہ بے بسی یاد آئی۔

"اس وقت کے بعد زور گڑھ کی نہیں سنی گئی۔چند کرپٹ اور مفاد پرست سیاست دانوں نے ہمارا ایک غلط رخ دکھایا اور عوام، سسٹم کو ہم سے بدگمان کیا۔اس کے بعد ہم نے کیا کیا سہا ہے۔کوئی اس سے ناواقف نہیں ہے۔سات ماہ کے ایک لمبے عرصے کے بعد جب ہم اپنی آزادی،اور حقوق حاصل کرنے کے اتنے قریب ہیں تب تم کمزور کیسے پڑ سکتے ہو جبل خان؟"بوڑھے فضل اکبر نے بات ختم کر کے جبل خان کے چہرے کو دیکھا۔ہر کوئی اسکے بولنے کا منتظر تھا۔

"میں ایک بار بھی کمزور نہیں پڑا۔لیکن میرے لئے اصول اور انسانیت ہر شے سے بڑھ کر ہے۔ہمارے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ کسی بھی اسیر پہ گولی یا چاقو سے کوئی وار نہیں کریں گے۔ہم انہیں کوئی گہرے زخم نہیں دیں گے۔ہم نے انسانیت سے نہیں گرنا تھا۔لیکن کیا ہوا؟"اس نے ایک سخت نظر تمام لڑکوں اور خاص طور پہ بہرام خان پہ ڈالی۔

"زلطان صفدر کی گردن پہ انہوں نے چاقو پھیرا،بیرسٹر کے بازو پہ گولیاں ماری ہیں۔آپ کو یقین آ رہا ہے؟اس جاہل انسان نے باقاعدہ گولیاں ماری ہیں۔وہ مستقبل میں یوں این کا ممبر ہے کوئی گدھا نہیں بہرام نے اسکے پیر پہ گولیاں ماری ہیں۔میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں اس خبیث آدمی کو جان سے مار دوں۔خاتون کا ہاتھ جلایا ہے اس نے۔"آخری بات کہتے ہوئے صرف لہجے

میں نہیں آنکھوں میں بھی تنفر آیا تھا۔وہ لاکھ جذبات پہ قابو پاتا محبت انسان کی آنکھ،انداز،بات ہر ہر شے سے اپنے ہونے کا پتہ دیتی ہے۔

"اس نے جو کیا صحیح کیا۔ہم سب اس سے متفق ہیں۔"لڑکوں میں سے کوئی ایک بولا۔جبل کو اسکے بولنے پہ کم،بڑوں کی خاموش رہنے پہ زیادہ حیرت ہوئی۔زور گڑھ کن راہوں پہ چلنے لگا تھا؟

"میں نے جو بھی کیا ہے میں اس پہ ہرگز شرمندہ نہیں ہوں۔دس دفع موقع ملے گا تو دس دفع یہی کروں گا۔"بہرام خان ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔"مجھے تمہارے طریقے نہیں پسند، سمجھ نہیں آتے اور معذرت مگر وہ بے کار بھی ہیں۔"وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔"تم نے خاتون کے ساتھ نرم رویہ رکھا۔"کمبخت الزام لگا رہا تھا۔

"الزام ہے یہ۔میں اتنا بے غیرت نہیں کہ عورتوں پہ ہاتھ اٹھاؤں اور اتنا بے وقوف بھی نہیں کہ دشمن کے ساتھ نرمی برتوں انہیں توڑنے کے لئے میں نے مختلف وار کیا۔"

بہرام اسے نہیں سن رہا تھا۔

"تمہیں معلوم تھا وہ لوگ بھاگنے والے ہیں لیکن تم نے کوئی تدبیر نہیں کی،تم نے ہر شے ایجنٹ کے اوپر چھوڑ دی تھی شاید تم بھول گئے جو ایجنٹ ہمارے دشمن ہی کی اولاد ہے،اور اس تہہ خانے میں رہنے والے لوگ اسکے دوست۔"اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔برادری کے تمام مردوں پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔"حالات کنٹرول سے نکلتے جا رہے ہیں۔بیرسٹر نے زور گڑھ کے کسی باسی کے موبائل سے کوئی میسج بھیجا ہے۔"

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔صرف اور صرف ہمیں ہمارے طریقہ کار سے ہٹا رہا ہے۔وہ تمھیں جذباتی کر رہا ہے،اور تم ہو رہے ہو۔وہ جانتا ہے تم تخت نہیں سنبھال سکتے۔"

"اور میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔"کئی سو لوگوں کے درمیان اس نے پہلی بار جبل کی مخالفت کی تھی۔"تمہیں لگتا ہے میں تخت نہیں سنبھال سکتا اور مجھے لگتا ہے تم پلان سیون نہیں سنبھال سکتے۔کیونکہ۔۔"ایک لمحے کو اسکی زبان کو جیسے لقوہ لگا تھا۔جبل نے اسکے چہرے کو دیکھا اور پھروہ کچھ بھانپ گیا تھا۔بہرام خان کے اگلے الفاظ اسے وجدان ہوئے تھے۔اس نے سانس لینا تک چھوڑ دیا۔"کیونکہ جبل خان کو دشمن سے محبت ہوگئی ہے۔"

اس نے کہہ کر گردن جھکا دی تھی۔مگر یہ وہ لمحہ تھا جب خاندان بھر کے مردوں کی نظریں جبل خان کی طرف اٹھی تھیں۔اور جبل خان پتھر ہوئی نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔اسکے چہرے پہ بے یقینی تھی۔اسکی آنکھوں میں کرچیاں۔بھری محفل میں اس کے جسم سے راز ہٹا کر اسکے دل کو برہنہ کیا گیا تھا۔تکلیف سی تکلیف تھی۔

"تم تخت نہیں سنبھال سکتے،اور اسکے لئے میرے پاس ایک جائز وجہ ہے۔تمھارے پاس کچھ ہے؟"وہ جبل خان کی آنکھوں میں دیکھنے سے کترا رہا تھا۔اور آج کے بعد تو جبل خان بھی کسی سے نظر ملانے جیسا نہیں رہا تھا۔اسکے جذبات سچے تھے،ان میں صدق تھااس میں کوئی شک نہیں تھا مگر یوں محفل میں اسکے قصے زیر بحث نہیں لائے جانے چاہیے تھے۔جس محبت کو وہ سانس سے بھی چھپائے رکھتا تھا وہ ہواؤں میں خوشبو کی مانند پھیل گئی تھی۔

"جبل خان تمھارے پاس کوئی خاص دلیل ہے؟"فضل اکبر ایک بار پھر بولے۔جبل انہیں نہیں دیکھ رہا تھا جبل انہیں نہیں سن رہا تھا۔اسکی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکن ہو گئی تھیں۔اسکے الفاظ ہواؤں میں برف ہو گئے۔

"جبل . . . اگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ہم بہرام کو سربراہ منتخب کرنا چاہیں گے۔"فضل اکبر کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی بولے۔

"تخت چاہیے تمہیں بہرام خان؟دستار کے لئے بھائی سے بے وفائی کرو گے؟"جبل کی آواز میں مان ٹوٹنے کی کرچیاں تھیں۔

"میری ساری وفائیں زور گڑھ سے مشروط ہیں۔"وہ بولا تو اسکا لہجہ مستحکم تھا۔"اگر میں نے کوئی جھوٹ بولا ہے تو تم یہاں اس محفل میں کہہ سکتے ہو۔"

جبل کرب سے مسکرایا۔"میرا یہی مسئلہ ہے کہ میں سر محفل کسی کے قصے کے نہیں اچھال سکتا۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔بغیر کسی کی طرف دیکھتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم لیتاوہ آگ کے اس دائرے کے پاس آکر کھڑا ہوا۔سپاٹ نظریں بہرام خان پہ تھیں۔

"اگر قبیلے کا یہی فیصلہ ہے تو میں اس پلان میں تمہیں اپنا سربراہ قبول کرتا ہوں۔"

اب کے بہرام بھی اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔چند قدم چل کر آگ کے دائرے کے دوسرے پار اب وہ کھڑا تھا۔وہ دونوں اب ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ سکتے تھے،مگر بہرام خان کو لگا تھاوہ

آج کے بعد اپنے بھائی سے نظر نہیں ملا سکے گا۔اسے جبل خان کی نظریں دل میں چبھتی محسوس ہوئیں۔ان دانوں کے درمیان آگ تھی۔صرف آگ۔

"میں نے یہ تخت کے لئے نہیں کیا جبل خانا۔"وہ دھیرے سے بولا۔چھوٹے بھائیوں کی طرح لجاجت سے۔

"میں نے تخت کے لئے بہت کچھ کیا تھا،آج تم نے میری ساری ریاضتیں خاک کر دیں۔"اسکی آواز میں گہرا قلق پنہاں تھا۔اسکے ہاتھ اب دستار اتار رہے تھے۔بہرام نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا جنہیں جبل نے جھٹکا تھا۔زندگی میں پہلی بار جبل نے اسکا ہاتھ جھٹکا تھا۔بہرام کو لگا تھا جیسے وہ دوبارہ یتیم ہوا ہو۔

"تخت مبارک۔"اس نے دستار بہرام کے سر پہ رکھی۔خود ایک قدم پیچھے ہوا۔"باس۔"یک لفظی تعظیم پیش کی۔جو بہرام کو گالی جیسی لگی۔اسکے بعد وہ وہاں رکا نہیں تھا۔وہ چلا گیا۔جاتے ہوئے اسکی آنکھوں میں ملال تھا۔سر دستار سے خالی۔دل زخمی۔

محبت نے آج اسے رسوا کروایا تھااور جبل خان ساری زندگی اس زخم کو بھولنے والا نہیں تھا۔

دس جنوری۔

"دوپہر دو بجے۔"

خون کی بو میں لپٹا وہ تہہ خانہ لمحہ بالمحہ کمزور پڑ رہا تھا۔ستون بھربھرے ہو کر گرنے کے درپے تھے۔ہمتِ اسیران اب جواب دینے کو تھی۔حسن سلطان ہوش و خرد سے بے گانہ ہوچکا تھا۔شادان گم صم سا اسکے قریب بیٹھا تھا۔وہ اسے دیکھتے ہوئے صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی موت سے اتنا نڈر کیسے ہو سکتا ہے؟اس تہہ خانے میں بیٹھ کر اس نے بہت بار بہت پلانز بنائے تھے۔آج سب دور چلا گیا۔آج بس ایک تجسس تھا۔ایک سوال جو اسکی روح تک کو بے چین کئے ہوئے تھا۔آج دنیا ایک طرف ہو گئی آج وہ تھا اور ساٹھ سال بعد والا اسکا انت۔جب مرنا تھا تو خوف کیسا؟

زبرج شاہنواز اپنے پیر سے بہتے خون کو دیکھ رہا تھا۔گولی اب بھی اندر تھی۔اس تہہ خانے میں رہتے ہوئے حسن کی یہ حالت دیکھ کر اسے پہلی بار اندازہ ہو رہا تھا کہ آخر وہ کیسی بے بسی ہو گی جس نے زور گڑھ کو مجبور کیا ہو گا کہ وہ ایسا قدم اٹھائیں؟زخرف دیوار سے ٹیک لگائے خاموش تھی۔اسے حسن سلطان سے حسد ہوا۔یہ بے خوفی،یہ موت سے بے خوفی یہ freedom of speech یہ آج تک اسے کیوں نہیں مل سکا؟کونسا خوف تھا جو کئی لوگوں کے درمیان لئے حلف پہ بھاری پڑ گیا تھا۔

زلطان کا چہرہ سپاٹ تھا۔اگر اسکے ذہن میں کوئی سوچ آئی بھی تھی تو وہ باآسانی جھٹک گیا تھا۔تھوڑی دیر یونہی بے مقصد بیٹھے رہنے کے بعد زلطان صفدر نے اپنے قدم زبرج کی اور بڑھائے۔پھر در و دیوار نے اسے خون کے اس تالاب کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

وہ غور سے اسکے پیر کو دیکھ رہا تھا۔گولی عین بیچوں بیچ لگی تھی۔زلطان نے غور سے ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے اسکا مشاہدہ شروع کیا۔زبرج تڑپ کر گردن پیچھے کر گیا۔زلطان اب دونوں انگلیوں سے اسکا زخم کھول کر چیک کر رہا تھا۔خون ابل کر باہر آنے لگا۔اسے نئے سرے سے تکلیف ہونے لگی۔وہ کراہ رہا تھا۔

"may i?"یونہی جھکی ہوئی گردن کے ساتھ آفر دی۔"میں اسے نکال سکتا ہوں۔"آہ واقعی؟

"پاگل ہو گیا تم؟"زخرف ہول کر اپنی جگہ سے اٹھی۔"تم کوئی ڈاکٹر نہیں ہو۔جاؤ جاکر جبل خان کو بلاؤ۔حسن مر جائے گا۔اور زبرج کے پیر میں انفیکشن ہو گیا تو؟"

"بازو میں گولی لگنے سے کوئی مرتا نہیں ہے۔"زلطان سرسری انداز میں بولا۔

"خون بہہ جانے سے تو مرتا ہے ناں؟"شادان ہلکی آواز میں بولا۔"خون بہت بہہ گیا ہے وہ مر جائے گا۔"اسکی آواز بہت دور سے آتی تھی۔یہ گولیاں حسن کے بازو میں لگی تھیں مگر یہ گولیاں برسوں سے سیٹ کئے شادان کے ان دوہرے معیار پہ بھی لگی تھیں۔اسے لگا تھا جیسے اسکی ساری ذات پاش پاش ہو گئی ہو۔

"کیا ضرورت تھی اسے بہرام سے اس طرح بات کرنے کی؟"زبرج سختی سے بولا۔

"حسن جانتا تھا کہ وہ لوگ اس وقت ہم پہ غصہ ہیں۔پھر بھی اتنی بکواس کر دی۔"وہ ایک لمحے تو ٹھہر گیا اور ذرا سا توقف کیا۔"اسے لگا تھا وہ گرم لوہے پہ چوٹ مار رہا ہے۔وہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان ایک سرد دیوار کھڑی کر رہا تھا۔جبل خان اصول پسند آدمی ہے اور بہرام اسکے

اصول توڑ چکا ہے۔ حسن نے یہ سب ہمارے لئے کیا ہے۔" سید شادان احسان کے بوجھ سے جھک رہا تھا۔

"مے آئی؟" زلطان مسلسل اسکے پیر ہی کو دیکھ رہا تھا۔ زبرج نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں اطمینان تھا۔ مان بھی۔ پھر اس نے دھیرے سے سر کو اثبات میں ہلادیا۔ "فکر مت کرو، میں یہ پہلے بھی کر چکا ہوں۔" اس نے گردن پھیر کر اپنے عقب میں کھڑی زخرف کو دیکھا۔ اور فرسٹ ایڈ باکس کی جانب اشارہ کیا۔ وہ لب بھینچے مڑ گئی اور ایک ہاتھ سے فرسٹ ایڈ باکس کا ڈبہ اٹھا کر لے آئی۔ پھر زبرج کے ساتھ آ کر بیٹھی۔ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر جیسے تسلی دی۔ زلطان اب مختلف اوزار نکال رہا تھا۔

گولی باہر نکالنے والا ایک اوزار نکال کر اس نے ایک نظر زبرج کو دیکھا۔ گہری بھوری آنکھوں والا مرد سر کو اثبات میں ہلا گیا تھا۔ یوں جیسے اپنے سامنے بیٹھے مرد پہ اعتبار ظاہر کیا ہو۔ زخرف نے اسکے پیر کے زخم کو انگلیوں سے کھولنا چاہا مگر ابل کر باہر آتے خون کو دیکھ وہ فوراً پیچھے ہوئی۔ زلطان نے تاسف سے اسے دیکھا، اسی پل شادان اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ زبرج کے قریب بیٹھا اور اسکے زخم کو انگلیوں سے پورا کھول دیا۔ یوں کہ اب گولی کا زرہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ زبرج نے آنکھیں موند لیں۔ دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔ یہ تکلیف اسے پہلی بار نہیں ہوئی تھی۔ اسے پہلی بار کی تکلیف یاد آئی۔ وہ تکلیف مختلف تھی۔

اسے اپنے دوستوں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔اسے بس تکلیف ہو رہی تھی۔اسے آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اسے بس تکلیف ہو رہی تھی۔ایسی تکلیف اسے ایک بار پہلے بھی ہوئی تھی۔

کئی سال قبل کا زکر ہے۔لندن کی قدیم عمارتیں اپنی تمام تر شان سے کھڑی تھیں۔آج سرمئی سڑکیں گیلی گیلی تھیں۔فروری کے اوائلی روز تھے، مگر لندن ابھی سے یخ پڑ رہا تھا۔سڑکوں پہ رش بڑھ رہا تھا۔نفیس لباس پہنے، آفسز اور یونیورسٹیز کو جاتے لوگ ہاتھوں میں کافی کے کپ لئے تیزی سے سڑک پہ اپنے راستے بنا رہے تھے۔یہ شہر ذرا روکھااور لیا دیا سا رہنے والا بھی ہے۔

ایک لمبی کشادہ گلی میں سڑک کے دونوں اطراف میں کیفے،شاپس،بک سٹورز اور پھولوں کی دکانیں تھیں۔اسی لمبی اور مصروف سی گلی میں اگر گردن اٹھا کر آنکھوں پہ ہاتھوں کا چھجا بنا کر سامنے دیکھو تو زبرج شاہنواز سفید شرٹ، پینٹ کے ساتھ ڈینم جیکٹ پہنے آس پاس سے بے نیاز، کانوں میں ہینڈ فری ڈالے چلتا جا رہا تھا۔اسکی عمران دنوں کوئی سترہ اٹھارہ کے قریب تھی۔گھنے بال اچھے سے سیٹ تھے اورآنکھوں میں بلا کی بے فکری اور معصومیت تھی۔چلتے چلتے وہ ایک کافی شاپ کے باہر رک گیا۔اپنے لئے کالڈ کافی لی، رقم ادا کی اوردکان سے باہر نکل آیا۔آج کافی گہما گہمی کا ماحول تھا۔ویلنٹائن ڈے کی آمد آمد تھی ۔ہر دکان، کافی شاپ کے باہر سرخ پھولوں، سرخ جھالروں کا راج تھا۔اسکے ہاتھ میں موجود کافی کا کپ بھی سرخ رنگ کا تھا۔قدیم گلیوں میں، بوسیدہ عمارتوں کے درمیان سرمئی سڑک پہ چلتے ہوئے کافی کا سرخ مگ ہاتھ میں لئے وہ کسی فلم کے aesthetic منظر جیسا لگتا تھا۔

کافی کا کپ ہاتھ میں لئے اسٹرا سے گھونٹ لیتے ہوئے وہ آس پاس نظریں گھما رہا تھا۔یہ لندن کا ذرا سا پسماندہ علاقہ تھا۔جہاں چیزیں کچھ کم قیمت پہ دستیاب تھیں۔اور لوگ کم اکھڑ مگر زیادہ بے زار تھے۔یہاں شاپنگ کرنے والے لوگ زیادہ تر پاکستانی اور ہندوستانی تھے۔چلتے چلتے وہ ایک پھولوں کی دکان کے آگے رک گیا۔گہری بھوری آنکھیں چھوٹی ہوئیں،اور چہرے پہ چمک در آئی۔اسکے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے۔

"دانین فلاورز۔"

دکان کے اوپر لگی تختی پہ لکھا نام اس نے زیر لب دہرایا۔وہ اس نام کو پہچانتا تھا،وہ یہاں کئی بار آ چکا تھا اسے پھول پسند نہیں تھے مگر وہ ہر بار یہاں آ کر ضرور رکتا تھا۔یا شاید وہ اسی دکان کی خاطر یہاں آتا تھا۔کون جانے۔وہ آج بھی رکا تھا۔جہاں ہر طرف سرخ پھولوں کی بہتات تھی وہیں اس دکان پہ صرف ایک ہی رنگ ،ایک ہی نسل کے پھول تھے۔

سفید ٹیولپس۔white tulips.

دکان کا شٹر پورا کھلا ہوا تھا۔داخلی دروازے پہ دو زینے تھے۔اور ان زینوں کے آگے ذرا سے فاصلے پہ لکڑی کے اسٹولز رکھے تھے۔سامنے ایک چھوٹی سی میز۔

زبرج مسکراتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوا،یہاں سے وہ پوری دکان دیکھ سکتا تھا۔اسی پل کوئی کاؤنٹر کے پیچھے سے سامنے آیا۔وہ کوئی لڑکی تھی۔زبرج کو دیکھ اسکی آنکھوں میں شناسائی کی رمک آئی،اور زبرج کے لبوں پہ ہلکی سی مسکان۔آسمان کا سینہ چیرتے باہر نکلتی دھوپ اس لڑکی کی

آنکھوں پہ پڑی تو وہ آنکھیں چندھیا گئی۔ زبرج نے گہری سانس لی۔ لندن خوبصورت تھا اس کے ساتھ ہوتے ہوئے لگتا تھا فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

"میں ہر بار سوچتا ہوں کہ اگلی بار یہاں سے گزرتے ہوئے تمہاری دکان پہ نہیں رکوں گا۔ مگر میں ہر بار رک جاتا ہوں۔" وہ لڑکی کے چہرے پہ نظریں جما کر بولا۔

"میں نے بھی کبھی تمہیں اصرار نہیں کیا، کیونکہ مجھے یقین ہوتا ہے تم دوبارہ ضرور آؤ گے۔" وہ پھولوں کے چھوٹے چھوٹے باسکٹ ہاتھوں میں لئے ہوئے تھی۔

"تمھیں اصرار کرنا چاہیے۔ کیا معلوم کبھی میں ناراض جو جاؤں؟" وہ آگے آگیا تھا۔

"یہ موقع اس زندگی میں تو صرف مجھے ہی ملے گا۔" وہ مصروف سی بولی

اس نے گہرے سرخ اور سفید رنگ کی پھولدار فراک پہن رکھی تھی۔ کاؤنٹر سے نکل کر وہ باہر آئی تو زبرج نے اسکے جوتے دیکھے۔ ہمیشہ کی طرح سفید۔ فراک کی لمبائی اسکے ٹخنوں کو چھوتی تھی۔ ساتھ اس نے ہاف جیکٹ پہن رکھا تھا۔ سنہری بال پشت پہ کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ جن کی سامنے سے چٹیا بنی تھی، اوران بلوں میں چھوٹے چھوٹے سفید پھول لگے تھے۔ اسکی سانولی رنگت دھوپ کی وجہ سے تمتما رہی تھی۔ اسکے نقوش بے حد عام تھے۔ مگر وہ اپنا بے حد خیال رکھا کرتی تھی۔

"شاید تمہاری یادداشت پہ اثر ہوا ہے دانین۔ کچھ دن بعد ویلنٹائن ڈے ہے، ملکہ انگلستان کا سوئم نہیں۔" وہ سرخ کی جگہ سفید پھولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

دانین نے پھولوں کی ٹوکریاں دکان کے باہر سجاتے ہوئے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔"کچھ خدا کا خوف کرو۔تم ملکہ کے مرنے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"کیوں ملکہ آب حیات پی کر آئی ہے؟مرنا تو اس نے بھی ہے۔"وہ کہتے ہوئے دکان کے اندر گیا۔اسکے ہر ہر عمل سے واضح تھا کہ یہ دکان،اسکی مالکن،یہ پھول ہر کوئی اس سے شناسا تھا۔"ویسے آپس کی بات ہے ملکہ کو چاہیے اب اس دنیا سے پردہ کر لے۔کب تک شاہی خاندان کے باقی لوگوں کے حقوق کھاتی رہے گی؟"

"تم ملکہ کے مرنے میں اتنے انٹرسٹڈ کیوں ہو؟"دانین نے گردن اٹھا کر کاؤنٹر کے پار دیکھا جہاں جھک کر وہ پھولوں کی ٹوکریاں اٹھا رہا تھا۔

"تصیح کرو۔میں ملکہ کے مرنے میں نہیں تمھارے کاروبار کی ترقی میں انٹرسٹڈ ہوں۔ملکہ مرے گی تب ہی تو یہ سفید پھول بکیں گے۔"وہ کاؤنٹر کے اوپر پھولوں کی ٹوکریاں رکھتا جا رہا تھا۔کافی کا سرخ مگ میز پہ دھرا تھا۔سفید دنیا میں دوسرا سرخ رنگ۔پہلا کونسا ہے؟

"اول تو اگر ملکہ مر بھی گئی تو پھول میری دکان سے نہیں جائیں گے۔دوئم کیا میرے پھول کسی شادی کے لئے نہیں جا سکتے؟"وہ خفا ہوئی۔

"نہیں،کیونکہ شادیوں میں کوئی سفید پھول نہیں لگاتا۔"زبرج نے اپنے پورے بتیس دانتوں کی نمائش کی۔

"شادیوں میں کوئی سفید پھول کیوں نہیں لگاتا؟" اس کے چہرے پہ خفگی در آئی تھی۔ زبرج کاؤنٹر پہ کہنیاں جمائے کھڑا تھا۔

"شادی ہر انسان کی نئی زندگی کی شروعات ہوتی ہے۔ سفید رنگ پھیکا اور غم کا رنگ ہے۔ کون اپنی نئی زندگی اس رنگ سے شروع کرنا چاہے گا؟" زبرج نے سارا کاؤنٹر پھولوں کی ٹوکریوں سے بھر دیا تھا۔ اور اب دونوں کے درمیان ایک کاؤنٹر تھا۔ سفید ٹیولپس کے پھولوں سے بھرا کاؤنٹر۔ دانین چند پل اسے دیکھتی رہی، پھر آگے آئی۔ اس سفید دنیا میں اگر کوئی سرخ رنگ تھا تو ایک وہ کافی کا مگ اور دوسرا اسکی پھولوں والی فراک۔

"میں۔..... میں اپنی نئی زندگی کی شروعات اسی رنگ، اور انہی پھولوں کے ساتھ کروں گی۔ اگر کسی لڑکے نے مجھے پروپوز کرنا ہو تو اسے سفید ٹیولپس لانے ہوں گے۔ اگر کسی کو مجھے منانا ہوا تو اسے سفید ٹیولپس لانے ہوں گے۔" وہ آگے آئی۔ اپنی دونوں کہنیاں کاؤنٹر پہ ٹکائیں۔ زبرج اب اسکی آنکھوں میں جھانک سکتا تھا۔

"اگر کسی کو مجھ سے اظہار محبت کرنا ہوگا تو اسے سفید ٹیولپس لانے ہوں گے۔ میں تو اپنے بچوں کو بھی سفید ٹیولپس کا عشق ورثے میں دوں گی۔" اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ زبرج اسے دیکھتا رہا۔ وہ سرخ پھولوں کا شوقین تھا۔ مگر اب اپنی مستقبل کی شادی کو وہ سفید رنگ میں تصور کر چکا تھا۔ محبت بڑی کمبخت ہے۔ انسان کے دل کو ایسا موم کرتی ہے کہ وہ محبوب کے ہر حکم کے سامنے پگھلنے لگ جاتا ہے۔

”اور ویسے بھی تمھیں میرے پھولوں سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔بک تو جاتے ہیں سارے۔“اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے کہنیاں کاؤنٹر سے ہٹائیں۔ٹوکریاں ہاتھ میں اٹھائیں پھر ٹھہر گئی۔”تم میرا لکی چارم ہو،تم جب،جب آتے ہو میرے سارے پھول بک جاتے ہیں۔“سادگی سے کہہ کر وہ اب پھولوں کو دوبارہ ترتیب سے رکھنے لگی تھی۔زبرج نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اسکے پھول کیسے بکتے تھے۔تم اسکے ساتھ یاد کرنا چاہو گے۔؟

یہ لندن میں واقع زلطان صفدر کے اپارٹمنٹ کا منظر ہے۔یوں تو وہ ہاسٹل میں رہا کرتا تھا مگر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر بنک کرنے،کلاس فیلوز سے ہاتھاپائی،دوستوں کی خاطر مختلف جھگڑے اور اپنی پاکٹ منی کو گھنٹوں میں اڑانے کی سزا میں وہ کچھ دن قبل ہی وہ یہاں شفٹ ہوا تھا بمع شادان اور زبرج۔صفدر صاحب کو غلط اطلاع ملی تھی کہ وہ **”بگڑا ہوا رئیس زادہ دوست“** حسن سلطان تھا۔اس الزام کی بھنک اس **”خاندانی“** انسان کو لگ گئی اور اس نے موم بتی کی آگ پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ زلطان صفدر کے اپارٹمنٹ میں قدم نہیں رکھے گا۔غیرت یو نو۔

لاؤنج میں رکھے ایل شیپ صوفے پہ زلطان پیر پسارے لیٹا ہوا تھا۔شادان بے یقینی سے چکر کاٹ رہا تھا،زخرف سنگل صوفے پہ بیٹھی سیب کتر رہی تھی اور زبرج شاہنواز کارپٹ کے ٹکڑے پہ آلتی پالتی مارے صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔آنکھیں پنڈولم کی طرح یہاں سے وہاں جھولتے شادان پہ جمی تھیں۔

”نہیں مجھے یہ بتاؤ یہ لڑکی سے تم ملے کہا تھے؟“

”لائبریری،میں۔“ترنت جواب آیا۔

”تو تعلق بھی وہیں تک رکھتے اسکی پھولوں کی دکان میں اپنی امداد ڈالنے کا خیال کیوں آیا تمھیں؟“وہ صوفے کے درمیان رکھی چھوٹی میز پہ آ کر بیٹھا۔

”وہ تمھیں لائبریری میں ملی،دوستی ہوئی۔ سمجھ آتا ہے۔محبت بھی ہو گئی عمر دیکھی ہے اپنی؟“

”عمر سے کیا ہوتا ہے؟اٹھارہ سال کا ہوگیا ہوں میں۔اور یہاں تو چودہ سال کے بچوں کی بھی گرلفرینڈز ہیں۔انگریز کو دیکھ کر دیسی رنگ بدلتا ہے تم نے سنا نہیں؟۔“وہ بغیر اثر لیے بولا۔

”ایسی کوئی مثال exist نہیں کرتی۔“زخرف نے سیب کی کاش انگلیوں کے درمیان تھامے اعلان کیا۔

”ٹھیک ہے۔تمھاری اس ڈیڑھ سالہ محبت پہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔مگر اعتراض اس بات پہ ہے کہ تم اس پہ اتنا پیسہ کیوں ضائع کرواتے ہو؟ “

”اگر اس پہ خرچ ہو رہاہے یہ پیسوں کاضیاع نہیں تعظیم ہے۔“**(کل جس مشاعرے میں شرکت کی تھی اسکا اثر ہو رہا تھا۔)**

”تو بھائی تو اپنے پیسوں سے تعظیم دے یاتعزیت۔اسکے بے کار پھول خریدنے کے لئے ہم کیوں پیسے بھریں؟اس ایک مہینے میں تین بار ایسے عجیب پھول لے آئی ہے وہ۔ابا مجھ سے حساب مانگتے

ہیں میں کیا بتاؤں؟اپنی لڑکی تو کبھی آنکھوں سے دیکھی نہیں۔دوست کی لڑکی پہ پیسہ لٹا رہا ہوں میں۔اور لڑکی بھی وہ جسے دوست کی اس شاہ خرچی کا علم بھی نہیں۔"شادان ذرا سا آگے کو ہوا۔زبرج کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"دیکھ بھائی شاہجہاں کی قبر کو لات مت مار۔تو زبرج ہے، عظیم الشان شہنشاہ نہیں۔ہوش کر ہوش۔"وہ تھک کر پیچھے ہوا۔

زبرج نے اسکا ہاتھ ہٹایا۔پھر زخرف کو دیکھا۔پھر زلطان کو۔"تم سارے امیر لوگ ہو۔اور میں غریب۔اگرچند پاؤنڈز تم لوگوں نے خرچ کر لئے تو کیا بگڑ جائے گا۔بیچاری کے پھول بک جائیں گے۔اگر نہ بکے تو اسکو کتنی ٹینشن ہوگی۔؟"

"تو وہ چند پاؤنڈز تم پہ خرچ ہونے چاہییں ناں۔تاکہ ہمارا دل بھی ٹھنڈہ ہو۔چھوکری ناتھی متھے جو سور تھی وئی(**لڑکی نہ ہوئی سر کا درد ہو گئی**)"شادان بڑبڑایا۔

"جب اس پہ خرچ ہوتے ہیں تب میرا دل ٹھنڈہ ہوتا ہے۔"زبرج ترکی باترکی بولا۔شادان اسکا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

اب کے زلطان بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھا۔"دیکھو یار، تم اسکو بتاؤ ناں کہ وہ occasion کے حساب سے پھول لایا کرے۔اب وہ کرسمس پہ پیلے گلاب لے آتی ہے۔عید پہ سیاہ،اور ویلنٹائنز ڈے پہ سفید۔تم کب تک اسکو نقصان سے بچاؤ گے؟"

"جب تک میری ہمت جواب نہیں دے جاتی۔"

"اور تمہیں دیکھ کر مجھے یقین ہے یہ ہمت اگلے سو سالوں تک جواب نہیں دے گی۔"شادان جل کر بولا۔

"انشااللہ۔"زخرف نے جیسے زبرج کی بلائیں لی ہوں۔

"یعنی تم اسے کوئی مشورہ نہیں دو گے؟"زلطان نے آخری کوشش کرنی چاہی۔

"محبوب کے الٹے کاموں پہ مشورہ نہیں،مفاہمت کی جاتی ہے۔"وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کر وارفتگی کے عالم میں بولا۔"وہ جو بھی غلط کرے گی میں فکس کروں گا۔اسے لگتا ہے میں اسکا لکی چارم ہوں،میں اسکا یقین برقرار رکھوں گا۔اسے لگتا ہے میرے آنے سے اسکے پھول بکیں گے میں وہ بکواؤں گا۔"اس نے تینوں دوستوں پہ نظر ڈالی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔"مجھے یہ بتاؤ تم لوگ میرے ساتھ آ رہے ہو کہ نہیں؟"

زلطان دوبارہ لیٹ گیا۔کمر دکھ گئی تھی بیٹھ کر۔"میں تو آ رہا ہوں۔ویسے بھی میرے باپ کے پاس حرام کا پیسہ بہت ہے۔"

"وہ تو میرے باپ کے پاس بھی ہے لیکن انہیں لگتا ہے میں سارا پیسہ لڑکیوں پہ اڑا رہا ہوں۔اب انہیں کیا بتاؤں لڑکی کے نام پہ اسکا سایہ بھی نہیں زندگی میں۔"

"اور میری بہنوں اور اماں کو لگتا ہے کہ میں نے کوئی نیا برانڈ ڈھونڈ لیا ہے جس پہ میں بے دریغ۔پیسہ لٹا رہی ہوں۔وہ مجھ سے نام اگلوانا چاہتی ہیں"سیب کی کاش منہ میں رکھتے اس نے کندھے اچکائے۔

"اتنا پیسہ ہونے کے باوجود جب تمہارے والدین نے اتنی سختی کرنی ہے تو ایسے ماں باپ رکھنے کا کیا فائدہ؟" زبرج کو افسوس ہوا۔باقی سب بھی سوچ میں پڑے،پھر زخرف پلیٹ چھوڑ کر اٹھی۔ہاتھ سے چھوٹے بالوں کو پیچھے کیا۔وہ پلیٹ دوبارہ اٹھانے لگی جب شادان نے اچک لی۔

"کم کھاؤ موٹی کسی دن پھٹ جاؤ گی۔" جل کر کہتے وہ پلیٹ لے گیا۔زخرف برامنائے بغیر آگے آئی۔زبرج کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔

"تم بس اسے خوش رکھو،پیسے کا کیا ہے آنی جانی چیز ہے۔کاش کوئی میرے لئے بھی اتنی ایفرٹس کرتا۔"

"میں تیار ہوں۔" شادان صوفے پہ پیر پھیلائے ہوئے بولا۔"بال بڑھا لو،پھر پرپوز کروں گا۔مجھے لمبے بالوں والی لڑکیاں پسند ہیں۔" مزے سے سیب کھاتے ہوئے آفر دی۔

زلطان کی رنگت پھیکی پڑی تھی۔جسے واضح طور پہ صرف زبرج نے نوٹ کیا تھا۔

"تمہیں تو پوچھنے سے پہلے ہی منع کروں گی۔پرے مرو۔" زخرف کو کوفت ہوئی۔

"مجھے منع کرو گی تو میں تمہارے گھر رشتہ بھیج دوں گا۔یقیناً تمہارے ذہین ماں باپ میرا رشتہ نہیں ٹھکرائیں گے۔" اب کے اس نے کنکھیوں سے زلطان کو بھی دیکھا تھا۔اسکی آنکھوں میں بے چینی بھرنے لگی تھی۔اسکے حساب سے گفتگو غلط سمت جا رہی تھی۔

"درست کہا رشتہ نہیں ٹھکرائیں گے بلکہ تمہاری ٹھکائی کر کے تمہیں گھر سے نکالیں گے۔"

"بس کر دو تم دونوں۔" زلطان چڑ کر بولا۔ اسکے کان تک ضبط سے سرخ ہونے لگے تھے۔ "ہر وقت فضول باتیں کرتے ہو۔" اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ شادان کے قریب آیا اور اسکے بالوں کو ہاتھ کی مٹھی میں لے کر زور سے کھینچا۔ شادان کی چیخیں عرش تک گئی تھیں۔ زبرج کمینی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ زخرف نے اپنی پلیٹ واپس اٹھا لی تھی۔ بھوک لگ گئی تھی بھئی۔

"دوبارہ ایسی حرکت کی تو زخرف کے گھر والوں سے پہلے تمہاری ٹھکائی میں کروں گا۔"

وہ اسکے کان کے پاس جھک کر بولا پھر جھٹکے سے اسکے بال چھوڑے۔ وہ کراہا بھی پھر واہیات انداز میں مسکرایا بھی۔ زبرج اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے اندازے کی درستگی پہ ایک دوسرے کا ماتھا چوم چکے تھے۔

"چلو، پھول لینے چلتے ہیں۔" اس نے زخرف کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی۔ بیٹھے بیٹھے چار سیب کھا گئی تھی۔ شادان اپنے بالوں کو درست کرتا اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور زبرج تو تھا ہی تیار۔ وہ ہر دفع دانین جعفر کے پھول یونہی بکوایا کرتا تھا۔ وہ لکی چارم تھا یا نہیں لیکن وہ اسکے لئے ایفرٹس کرتا تھا یہ سچ تھا۔

پھولوں کی اس دکان میں واپس آؤ تو وہ چھوٹے موبائل پہ ایک بار پھر اپنے دوستوں کو میسج بھیج کر یہاں بلا رہا تھا۔ ذرا سی منت سماجت کے بعد وہ دونوں آ ہی جاتے۔ کاؤنٹر کے پار سے اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ دانین لکڑی کے دو چھوٹے چھوٹے اسٹول اب دکان کے شیڈ تلے رکھ رہی تھی۔ وہ مسکرایا، یعنی وہ زبرج کی عادی ہو چکی تھی؟

اسی پل تین لڑکوں کا گروپ انہیں دکان کی طرف آتا دکھائی دیا۔انکا حلیہ اچھا تھا مگر وہ اس حلیے میں مس فٹ لگتے تھے۔تینوں میں سے ایک لڑکا آگے آیا کاؤنٹر کے پار کھڑے زبرج نے اس سے اسکی پسند پوچھنے کو منہ کھولا تھا کہ لڑکا اپنی پینٹ میں اسکا چاقو نکال چکا تھا۔

"جتنا بھی کیش ہے سب نکالو۔آواز نہیں آنی چاہیے۔"اسکا برطانوی لب و لہجہ بھی اجڈ گواروں جیسا تھا۔شیڈ تلے کھڑی دانین تو انکے ہاتھوں میں چاقو دیکھتے ہی سن ہو گئی تھی۔ان میں سے ایک لڑکے نے نا محسوس انداز میں چاقو اسکی کمر کے ساتھ چبھویا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

"پیسے مت دینا زبرج۔دادا کا آپریشن کروانا ہے۔"وہ خوفزدہ انداز میں اردو میں بولی۔

زبرج جیسے صورتحال کو سمجھ چکا تھا۔لڑکا اب بھی انگریزی میں دبا دبا دھمکا رہا تھا۔زبرج نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔نظریں اس سرخ فراک والی لڑکی پہ تھیں۔۔یونہی ہاتھ اٹھائے وہ کاؤنٹر کے دراز کی طرف جھکا۔دراز کھولا،پیسے ہاتھ میں لئے۔اسکی نظریں ایک ایک کا اسکین کر چکی تھیں۔

"پیسے مت دینا زبرج۔"وہ ایک بار پھر گیلی خوف زدہ آواز میں بولی۔وہ پیسے ہاتھ میں لئے سیدھا ہوا،ایک نظر دانین کی ڈبڈباتی آنکھوں میں دیکھا،پھر چاقو والے لڑکے کو۔لڑکے نے جونہی اس سے پیسے جھپٹنے چاہے زبرج نے جمے ہوئے ہاتھ کا مکا اسکی ناک پہ دے مارا۔لڑکا تیورا کر پیچھے ہوا،مگر اسکے دوسرے ساتھی نے ہاتھ میں پکڑا چاقو تیزی سے زبرج کے کندھے میں گھسا دیا تھا۔چاقو نے اسکے بازو کو چیر دیا،اور خون اسکی شرٹ کو چپچپا کرنے لگا۔درد اسکے بازو میں درد اٹھا تھا لڑکے نے چاقو باہر نکالا اور زبرج کے حلق سے ایک چیخ برامد ہوئی۔

"ششش . . . . . ہو گیا ہو گیا۔" اسکے چیخنے پہ شادان نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ گولی کا زرہ باہر آ چکا تھا۔ وہ جیسے نڈھال سا ہو کر پیچھے گرا۔ جسم سے ساری طاقت نچڑ سی گئی ہو۔ اسکا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"دیکھو ہو گیا۔ بس اب ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہے۔" شادان اب اسکے چہرے اور گردن پہ آیا پسینہ صاف کر رہا تھا۔ وہ بری طرح بے حال ہو گیا تھا۔ زلطان خاموشی سے اسکے پیر پہ ٹانکے لگا رہا تھا۔ جس سے زبرج آنکھیں میچ لیتا تھا۔ مٹھی بند کر لیتا تھا۔ زلطان کے انداز میں اناڑی پن نہیں تھا۔ وہ کسی ماہر کی طرح یہ کام کر رہا تھا۔ حسن کے بازو کی گولیاں نکالنے کی آفر بھی وہ کر چکا تھا مگر بازو کے جس حصے میں اسے گولیاں لگی تھیں ذرا سی کوتاہی پہ وہ مفلوج بھی ہو سکتا تھا۔ سو زلطان باز رہا۔ اسکے پیر کے گرد سفید پٹی باندھ کر وہ پیچھے ہوا۔ چند پل غور سے اسکے پیر کو دیکھتا رہا پھر دھیرے سے ، بے اختیار سا ہو کر وہ زبرج کے پہلو میں لیٹ گیا۔ سکون تھا کہ کیا، اس کڑے وقت میں بھی اسے دوست کے ساتھ مل رہا تھا۔ انہی کی تقلید میں شادان بھی زبرج کی دوسری طرف اسکے پہلو میں لیٹ گیا۔ انکے سر کے ساتھ سر جوڑے۔ زبرج کا تنفس تیز تھا۔ وہ دونوں نارمل تھے۔

انکے سر جڑے ہوئے تھے۔ ٹانگیں سیدھی۔ اور آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔ جسم زخمی تھے ۔ اور حوصلے پست۔ کافی دیر بعد زلطان دھیرے سے بولا تھا۔

"بہرام کا ہاتھ بہت بھاری ہے۔میں اگر اسکا دوست ہوتا تو اسے مارنے والا مذاق کبھی نہیں کرتا۔"

"تمھارے پاس تو آپشنز ہیں،دوست بنو یا نہ بنو۔میرے نصیب میں تو وہ "سالا" ہے۔"شادان بوجھل انداز میں بولا۔

"عیسیٰ کا ہاتھ ہلکا ہے،لیکن میری طرف ہمیشہ مرید آتا ہے۔"زبرج کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔"کمبخت ہاتھ نہیں پستول کا دستہ استعمال کرتا ہے۔"

"میں زور گڑھ میں سب کو معاف کردوں گی اس ذلیل بہرام کو کورٹ میں گھسیٹوں گی۔میرا ہاتھ ابھی تک درد کر رہا ہے۔"وہ اپنا ہاتھ دیکھتے ہوئے یاسیت سے بولی۔

وہ تینوں مرد زیر لب مسکرائے مگر خاموش رہے۔یہ خاموشی بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔کافی دیر کی خاموشی کو شادان نے توڑا تھا۔

"ہمیں کچھ کرنا ہوگا،حسن کی حالت بہت خراب ہے۔"شادان کا لہجہ مدھم تھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہوا ہمارے درمیان غدار کون ہے؟"زخرف نے زلطان کی بند آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔وہ چند پل خاموش رہا،پھر آہستہ سے کہا۔

"ضروری نہیں وہ کوئی غدار ہو۔وہ کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جس کا دل زور گڑھ کے لئے نرم پڑ گیا ہو۔وہ ہمارا برا نہ چاہتا ہو لیکن ہمیں یہاں لانے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ ہو۔ trojan horse کئی بار مجبور بھی ہوتے ہیں۔"

ان سب کے درمیان صرف ایک شخص تھا جس کا دل سب سے زیادہ نرم تھا۔صرف ایک شخص تھا جو دنیا کے رنگ میں نہیں رنگا تھا۔صرف ایک شخص تھا جو کسی کا برا نہیں چاہ سکتا تھا۔صرف ایک شخص تھا جو کٹ مر سکتا تھا مگر جھک جانا اسکی وراثت میں نہیں تھا۔وہ جو اس وقت ہوش میں نہیں تھا۔وہ جس کے جسم سے خون کثیر تعداد میں بہہ چکا تھا۔وہ شاید مر بھی سکتا تھا۔

"ہم تو دوست تھے۔ہمارے درمیان ایسا کیا آ گیا؟جو بھی تھا۔جیسا بھی تھا ہم حل نکال سکتے تھے۔"زبرج بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔"ہم حل نکال سکتے تھے ناں؟"زلطان نے آنکھیں کھولیں۔

"حل نکالنے کے لئے بات کرنا ضروری ہوتا ہے۔ہم بات کب کرتے ہیں؟ہمارے درمیان بہت فاصلے ہیں۔"زلطان تلخ ہوا۔

"صرف فاصلے نہیں ہیں۔اب تو کوئی بانڈ ہی نہیں رہا۔ہم صرف گھسیٹ رہے ہیں دوستی کو۔"شادان نے بھی حصہ ڈالا۔

پھر سب خاموش ہو گئے۔قصور کسی ایک کا نہ تھا۔کوئی خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا تھا۔

چند منٹ ہر کوئی خاموش رہا۔زخرف اس خاموشی کے وقفے سے اکتائی،پھر آگے کو ہوئی۔گود میں دھرے ہاتھوں کی انگلیاں باہم جوڑ لیں۔

"اگر حسن کی جان بچانی ہے تو ہمیں پہلا قدم لینا ہوگا۔اور میں یہ قدم لینے کو تیار ہوں۔میں وہ کروں گی جو جبل خان بولے گا۔مجھے کرنا پڑے گا۔"اس نے حسن کی طرف دیکھا۔اسکی چمکتی سیاہ آنکھوں پہ پردہ تھا۔زخرف کی آنکھوں میں ملال آ کر ٹھہرا۔"چاہے وہ غدار ہے۔چاہے باغی چاہے

غارت گر، چاہے تروجن ہارس۔ مگر ان سب سے پہلے وہ حسن سلطان ہے۔وہ میرا دوست ہے۔ میرا بھائی ہے۔وہ میرے ہر غم میں ساتھ رہا ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔"

"میں بھی مفاہمت کے لئے تیار ہوں۔ حسن کے لئے۔ اسکی جان کے لئے۔ہماری وجہ سے اسے کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔"زبرج کی آواز مستحکم تھی۔باقی دونوں کے چہرے سپاٹ رہے۔وہ مفاہمت نہیں کر رہے تھے مگر انہوں نے مزاحمت بھی نہیں کی تھی۔بس وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔چند ہی پل بعد شادان جگ سے پانی گرا رہا تھا،زبرج اسی پانی کو ہتھیلیوں کے پیالے میں بھرتا چہرے پہ ڈالتا جاتا تھا۔اسکے بال آگے سے گیلے ہو گئے تھے۔زخمی چہرہ اب صاف تھا۔آستین سے چہرہ خشک کرتے ہوئے اس نے شادان کی طرف دیکھا۔وہ اسکا ڈینم جیکٹ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔اور پھر آگے بڑھ کر اس نے وہ جیکٹ اسکے بازوؤں میں ڈالا۔

پھر جھک کر اپنے جوتے اتارے،اور یونہی گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے وہ با مشکل ہی سہی مگر اسے ایک جوتا پہنا رہا تھا۔دوسرا پیر ابھی زخمی تھا۔وہ ایک پیر میں جوتا ڈالے مسخرہ لگا تھا۔زبرج شاہنواز کو مفاہمت کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔وہ مفاہمت جس کے نتیجے میں انکے دوست کی جان بچائی جانی تھی۔اس قید نے انکے درمیان اتحاد پیدا کیا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہوں میں؟"وہ زخمی چہرے کے ساتھ مسکراتا ہوا عجیب لگ رہا تھا۔زخرف اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔باقی دونوں ہنس پڑے۔وہ یہ سوال دانین جعفر سے ملنے سے پہلے پوچھا کرتا تھا۔

”اتنے اچھے کہ اگر تم شادی شدہ نہ ہوتے تو احمد زئی تمھیں اپنی دامادی میں لے لیتے۔“سرمئی آنکھوں والی لڑکی مسکرا کر بولی تھی۔

وہ بھی مسکرایا۔زخرف اور زلطان بھی اسکے ساتھ مسکرائے۔شادان ننگے پیر سر جھکائے کھڑا تھا۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوتی تھی۔اسے اپنے زخموں کی پرواہ نہیں رہی تھی۔یہ وہ لمحہ تھا جب اسے خوف آ رہا تھا۔زلطان نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔شادان نے آنکھیں بند کر لیں۔لبوں کو دانت سے کاٹا۔کئی سال بعد زلطان صفدر کا ہاتھ اسکے کندھے پہ ڈھارس کی طرح جما تھا۔درمیان سے سارے ماہ و سال غائب ہوئے زلطان ایک بار پھر دوست تھا۔وہ ایک بار اسکے گلے لگنا چاہتا تھا۔

ہم ساتھ ہیں،تو ہمیں کوئی نہیں توڑ سکتا۔“اس نے دھیرے سے شادان کے کان کے پاس سرگوشی کی۔شادان نے سر ہلا دیا۔

”حسن مر جائے گا؟“وہ پوچھ رہا تھا؟اپنے خدشات کو زبان دے رہا تھااسے کچھ سمجھ نہ آیا۔”وہ ہمیں چھوڑ دے گا۔“

”دس سال سے چمٹی جونک ہے۔وہ نہیں مرے گا،نہ چھوڑے گا۔“زخرف تسلی دینے کے انداز میں بولی پھر اپنے بالوں کی چٹیا کے بل کھولے،ہاتھوں سے انہیں درست کیا۔زبرج کا ایک ہاتھ اپنے کندھے پہ ڈالا،اور مسکرائی۔وہ اسکے ساتھ مسکرایا تھا۔پھر ان چاروں لوگوں نے زینوں کے اختتام پہ اس بند دروازے کو دیکھا۔

"جبل خان سے کہو اسکی ملاقات آئی ہے۔تیاری کرے۔"وہ چاروں یک زبان ہو کر بولے تھے۔وہ چار لوگ متحد ہو چکے تھے۔خون اور پسینے کی بو میں لپٹا وہ تہہ خانہ کچھ اور بھی سونگھ سکتا تھا۔کیا؟اندازے لگاؤ۔

دس جنوری۔

دوپہر تین بجے۔

دیوار پہ نصب سکرینز والا کمرہ اس پہر دو لوگوں کی موجودگی لئے ہوئے تھا۔جبل خان جو کہ کانوں پہ بڑے بڑے مائیکس لگائے سکرین پہ چلتے مناظر دیکھ رہا تھا۔ساتھ اسکے ہاتھ کی بورڈ پہ کھٹ کھٹ کچھ ٹائپ کر رہے تھے۔کی بورڈ کے ساتھ شیشے کی پیالی رکھی تھی،جس میں قہوہ تھا۔ٹائپ کرتے ہوئے اسکا ہاتھ شیشے کی پیالی سے ٹکراتا تھا مگر آج کیسا غضب تھا کہ جبل خان نے ایک بار بھی قہوے کی اس پیالی کو لبوں سے نہیں لگایا تھا۔زندگی میں پہلی بار اس نے چائے کو نظر انداز کیا تھا۔وہ سپاٹ تاثرات لئے ہوئے مشینی انداز میں کام کررہا تھا۔اسکا دل جیسے خاکستر ہوگیا تھا۔اور وہ راکھ بھی نہیں سمیٹ سکا۔

دوسرا وجود گم صم سا تھا۔حنزلہ اسکے ساتھ والی نشست پہ چپ چاپ سی بیٹھی تھی۔خاموشی سے جبل خان کو دیکھتی ہوئی۔بغیر کہے اسے سنتی ہوئی۔اس نے جبل خان کو اتنا افسردہ آج تک نہیں دیکھا تھا۔

"کنٹرول بہرام لالہ کے ہاتھ میں نہیں جانا چاہیے تھا۔وہ چیزیں میس اپ کر دے گا۔"کافی دیر بعد وہ آہستگی سے بولی۔جبل خاموش رہا۔"اس نے آتے ہی سب خراب کر دیا ہے۔اس نے انہیں گولیاں ماری ہیں۔ایجنٹ کے پلان میں گولیاں نہیں تھیں۔ایجنٹ کے پلان میں flow تھا۔غصہ اور انا نہیں۔سب اسموتھ تھا۔بہرام سب خراب کر رہا ہے۔میں آپ کو بتا رہی ہوں ہم پچھتانے والے ہیں۔"

"وہ تمہارا باس ہے تمھیں اس کے بارے میں ایسے بات نہیں کرنی چاہیے۔"وہ اسکی تمام باتوں کے جواب میں صرف یہی بولا تھا۔چہرے کے برف جیسے تاثرات سے کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔دروازہ کھولتے بہرام کے کانوں میں اسکے یہ الفاظ پڑے تو وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔دل میں گرہیں پڑنے لگیں۔

"اس نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا ہے میں اسے بھائی بھی نہیں ماننا چاہتی اور آپ کہتے ہیں وہ میرا باس ہے؟میرا باس جبل خان ہے۔"وہ ترش انداز میں بولی۔

جبل نے گردن پھیر کر کچھ کہنا چاہا پھر رک گیا۔اس نے بہرام کو اندر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔وہ دوبارہ سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کہیں پھر کیوں آئے ہیں یہاں؟کیا اب بھی کچھ کہنا باقی رہ گیا تھا؟"وہ کرسی چھوڑ کر اسکے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔آنکھوں میں طیش تھا۔"پوری محفل،پوری برادری کے سامنے آپ نے اپنے ہی بھائی کے قصے اچھالے؟آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"اسکا لہجہ بلند ہوا۔

"تم جاؤ یہاں سے مجھے جبل سے بات کرنی ہے۔"

"واؤ . . . . "حنزلہ نے طنزیہ انداز میں بازو اٹھائے۔"ساری محفل میں بڑے بھائی کو ذلیل کر سکتے ہیں لیکن میرے سامنے بات کرتے ہوئے شرم آ رہی ہے؟لگائیں مذید الزمات لگائیں ذرا میں بھی تو سنوں۔شرم نہیں آتی آپ کو؟"اسکا سرخ و سپید چہرہ اس وقت صرف سرخ تھا۔

"بکواس نہ کیا کرو حانی لگاؤں گا ایک الٹے ہاتھ کی۔"وہ سختی سے بولا۔

"لہجہ دھیما رکھو بہرام۔"جبل اس سارے میں پہلی بار بولا تھا۔"اول تو وہ تمہاری بہن ہے دوئم تم اس وقت اپنی ورک پلیس پہ ہو۔اور سوئم میں اسکا بڑا بھائی ہوں میری بہن سے تمیز سے بات کرو۔ہاتھ مجھے بھی اٹھانے آتے ہیں۔"اسکی نظریں،اسکا لہجہ،اسکا انداز وہ ہر ہر شے سے باور کرواتا تھا کہ وہ قیادت کے لئے پیدا ہوا ہے۔

"اور تم ہاتھ اٹھا چکے ہو مجھ پہ۔اس لڑکی کی خاطر تم نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا جبل۔"

"اب جب تم آدھے زور گڑھ کو میرے قصے سنا چکے ہو تو ایک بات اور سن لو بہرام۔"وہ یونہی اسکی طرف پشت کئے بے لچک انداز میں کہہ رہا تھا۔"میں اسکے لئے مار بھی سکتا ہوں۔ماروں گا بھی،اور مروں گا بھی۔سامنے چاہے بہرام ہو یا ساری دنیا فرق نہیں پڑتا۔اسے دوبارہ ہاتھ لگانے سے پہلے یہ یاد رکھناوہ میرے لئے کیا ہے۔"

بہرام خاموش رہا۔چند لمحے کے توقف کے بعد جبل پھر سے بولا تھا۔

"تم جاؤ حانی۔ تمھارے باس کو اپنے ٹیم ممبر سے بات کرنی ہے۔" اسکا لہجہ نرم ہوا تھا۔حانی چند پل دانت پہ دانت جمائے ضبط سے اسے دیکھتی رہی پھر پیر پٹخ کر باہر نکلتی چلی گئی۔جبل نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر رخ سکرین کی طرف موڑ لیا۔بہرام گردن جھکائے شرمساری سے کھڑا رہا۔غصے میں جو وہ کر چکا تھا اسکا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔کم از کم جبل وہ انسان نہیں تھا جسے وہ ناراض کرنا چاہتا ہو۔

"بیرسٹر کے بازو پہ گہرا زخم ہے۔ حنزلہ کو بھیجنا چاہیے۔" جبل سکرین کو زوم کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بھیجنا چاہیے کیا ہوتا ہے؟ تم یہ کہو کہ جاؤ بہرام یہ کام کر کے آؤ۔مجھے آرڈرز دو جبل۔" وہ بری طرح بے چین ہوا تھا۔

"میں باس نہیں رہا۔میرے پاس مشورے کے اختیار ہیں حکم کے نہیں۔"

"ایسے مت کہو یار۔تم ہمیشہ سے میرے باس ہو اور رہوگے۔" وہ بے قراری سے آگے آیا اور جبل کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔"مجھ سے ناراض مت ہونا۔میں موٹے دماغ کا آدمی ہوں باتیں کرنے کا فن نہیں ہے میرے پاس لیکن . . . . . تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"تم میرے ساتھ کچھ برا کر بھی نہیں سکتے۔یہ تمھارے بس کی بات نہیں۔"

بہرام اگلے کئی لمحے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔تھوڑی دیر بعد وہ دو قدم آگے آیا اور جبل کے کندھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے۔پھر دھیرے دھیرے انہیں دبانے لگا۔جبل ہر بار اسکے ہاتھوں کو آنکھوں سے

لگاتا تھا۔ آج وہ بے حس و حرکت تھا۔ہاں مگر آنکھوں میں ملال سا تھا۔جبڑے بھینچ گئے اور دل میں درد اٹھا تھا۔انسان ہر شے سہہ جاتا ہے۔ مگر اپنوں کے دیئے زخم سہتے ہوئے ڈھے جاتا ہے۔جبل خان بھربھری دیوار کی مانند ڈھے گیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو، میں یہ سب نہیں چاہتا تھا۔" اس نے گردن جھکا دی۔

"تمہیں اقتدار چاہیے تھا بہرام؟ کم از کم ایک بار مجھ سے بات کی ہوتی۔"

"مجھے اقتدار نہیں چاہیے تھا جبل . . . میں بس تمہارے کام کرنے کے طریقے سے خوش نہیں تھا۔اور اگر میں تم سے کہتا تو تم کبھی میری بات نہ مانتے۔"

"کیا میں نے پہلے نہیں مانی تھی؟" جبل نے اسکے ہاتھ ہٹائے۔چاہ کر بھی اسکے انداز میں سختی نہ آ سکی۔ مگر یہ نرمی بھی بہرام کو جوتے کی طرح لگی تھی۔"تم نے چھ ماہ قبل مجھ سے حصے داری مانگی تھی اور میں نے انکار نہیں کیا تھا۔کیا میں نے کیا تھا؟" وہ کرسی کا رخ موڑے اسے دیکھے گیا۔ سرمئی آنکھوں کا رنج دل کو چیرے دیتا تھا۔"تم نے اگر ایک بار صرف ایک بار مجھ سے قیادت مانگی ہوتی تو" . . .

"تو تم نہ دیتے کیونکہ تمہیں لگتا ہے میں اس کے قابل نہیں۔ایجنٹ کو بھی یہی لگتا ہے۔" وہ ہونٹ کاٹنے لگا۔

"ہمیں درست لگتا ہے۔" جبل دوبدو بولا۔"تم واقعی قیادت کے قابل نہیں ہو لیکن میں پھر بھی تمہیں اختیار دیتا تاکہ تمھیں یقین آ جائے کہ تم اس قابل نہیں ہو۔"

"تو پھر میں اس پلان کا حصہ کیوں ہوں؟جب مجھے کچھ نہیں آتا تو میں یہاں اتنے دن سے بغیر سوئے کیوں ہوں۔سات ماہ سے میں خود کو کیوں خوار کر رہا ہوں؟جب میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔"اسکے منہ سے کف نکلنے لگا تھا۔وہ اب مزید برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔

"کیونکہ تم "ہاتھ"سے بات کرنے میں اچھے ہو۔کیونکہ تم لوگوں کو مارتے وقت جانور بن جاتے ہو۔یہی تمہاری طاقت ہے۔یہی تمہارا کام۔جو تم نے لیا ہے۔تم اس تاج کو سنبھال نہیں سکتے۔تمھیں لگتا ہے یہ آسان ہے؟تخت کبھی بھی آسان نہیں ہوا کرتے بہرام خان۔"اسکے لہجے میں کب طنز گھلا اسے معلوم نہ ہو سکا۔"یہ تم سے لوگ بھی خلاف کرے گا،راتوں کی نیند بھی اڑائے گا،جذباتوں پہ بند بھی بٹھائے گا اور . . . . . "وہ رک گیا۔کچھ الفاظ کہے تو زبان سے جاتے ہیں مگر انہیں کہنے کے لئے دل چاہیے ہوتا ہے۔"محبت سے دستبرداری بھی دلوائے گا۔تخت کو تم نہیں چنتے وہ تمہیں چنتا ہے۔کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے اسکے چبھوئے کانٹے میں کتنا زہر ہے اور سہنے والے کی سکت کیا ہے۔لیکن تم نے اسے خود چنا ہے۔اب جو ہو اسکے لئے تیار رہنا۔"

"تم ایک لڑکی کے لئے اپنے بھائی کو بددعائیں دے رہے ہو جبل؟"بہرام کو تاسف ہوا۔"تم ایک لڑکی کو مجھ پہ فوقیت دے رہے ہو۔اگر اسکا ذکر محفل میں ہو بھی گیا تو ایسی کونسی قیامت آگئی ہے۔"

"تم نے محفل میں" **میرا** "ذکر کیا ہے۔میں تم پہ" **خود** "کو فوقیت دے رہا ہوں۔"جبل پہلی بار اس پہ چیخا تھا۔پہلی بار اسکی آواز اسکی آنکھوں میں ترشی در آئی تھی۔پہلی بار وہ چھاؤں جیسا شخص

بہرام کے لئے تپتی دھوپ ہوا۔"میں خاتون سے محبت کرتا ہوں۔اور یہ بات میں ساری دنیا کے آگے کہہ سکتا ہوں۔لیکن خاتون سے پہلے میں خود سے اور زور گڑھ سے محبت کرتا ہوں۔کتوں کی طرح سات ماہ جاگ جاگ کر کام کیا تھا۔ان لوگوں تک پہنچنے کے لئے میں نے کیا کیا نہیں کیا اور تم نے ایک منٹ کے اندر اندر ان چار لوگوں کے درمیان کہہ دیا کہ جبل خان کو محبت نے مجبور کیا ہے؟جرات کیسے ہوئی تمہاری؟"وہ غرا رہا تھا۔

بہرام پیچھے ہوا۔اسے جبل سے خوف آیا تھا۔اسے پہلی بار اسکی آنکھیں غیر لگیں۔وہ اپنے کام سے جنونی حد تک obsessed لگا۔

"وہ محبت جس پہ غرور تھا مجھے تم نے اس پہ سازش کی؟ساری زندگی ان لوگوں کی آنکھوں میں اپنے لئے ترحم دیکھوں گا۔ہر کوئی مجھے دیکھ کر کہے گا وہ دیکھو جبل خان۔بیچارے کو شہر کی لڑکی سے محبت ہوگئی اور اسے حاصل نہیں کر سکا۔ساری دنیا کو معلوم ہو گا کہ جبل خان کا دل ٹوٹا ہے اور ان سب کی نظروں میں ترس اور تجسس ہو گا۔تم نے محبت کو میرے لئے گلے کا کانٹا بنا دیا ہے اور اگر میں ایک باپ کی اولاد ہوں تو میں تمھیں اسکے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"اسکے بلند لہجے کو سن حنزلہ بھاگتی ہوئی دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔جبل خان سرخ انگارا ہوتی آنکھیں لئے بہرام پہ برس رہا تھا اور بہرام سن تھا۔ساکت،ساکن۔

اسکا بھائی اسے چھوڑ رہا تھا؟ایک لڑکی کے لئے؟صرف ایک لڑکی؟

"سب ٹھیک ہے؟"وہ محتاط انداز سے کہتی آگے آئی مگر اسکی آواز دب گئی۔

"میں نے سوچا تھا تم میرے بڑے بھائی ہو۔میری غلطی پہ مجھے مارو گے،ڈانٹو گے۔لیکن میں غلط تھا۔"وہ بے یقینی سے کہتے ہوئے پیچھے ہو رہا تھا۔"تم نے اس دو ٹکے کی محبت کو ہم پہ ترجیح دیا۔"اس نے زور سے سینے پہ مکا مارا۔"پھر ٹھیک ہے۔آج سے ہم کیپٹن،اور تم ہمارا سپاہی۔بہرام خان آج سے تمہارا بھائی نہیں ہے۔تم کو محبت مبارک۔ہم کو تخت مبارک۔"

وہ چلا گیا تھا۔وہ کہہ کر واقعی چلا گیا تھا۔جبل خان لب بھینچے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ایجنٹ تروجن ہارس تھا،لیکن اپنے دوستوں کے لئے۔لیکن کیا وہ انکے لئے بھی وہی بن رہا تھا؟جبل خان کے ہاتھوں سے سب پھسل رہا تھا۔

تخت، محبت، بھائی،سب....۔

"دس جنوری،شام چار بجے۔"

آتش دان کی گرماہٹ والا کمرہ اپنی سماعتیں چوکنا کئے ہوئے تھا۔ہر آتے جاتے قدم پہ اسکی حسیات کسی جاسوس کی طرح بیدار ہوتی تھیں۔آج سربراہی کرسی پہ جبل خان کی جگہ بہرام خان بیٹھا تھا۔اور اسکے مہمان دو لوگ تھے۔جو اسکے سامنے والے صوفے پہ براجمان تھے۔جن کے چہرے وہ نہیں تھے جو سات جنوری کو تھے۔انکی ہمت بھی ویسی نہیں تھی جیسی سات جنوری کو تھی۔ان چار دنوں نے انکے حوصلے بری طرح توڑ دیئے تھے۔ان چار دنوں نے انہیں معذور سا کر دیا تھا۔اور آج وہ گھٹنے ٹیکنے کو تیار لگتے تھے۔ **(ایسا بہرام خان کو لگتا تھا۔)**

"تم جو کہو گے ہم کرنے کو تیار ہیں۔" زبرج نے بولنے میں پہل کی۔ہاتھوں کو باہم جوڑے وہ آنکھیں سیدھ میں رکھے،اٹھے ہوئے کندھوں کے ساتھ بول رہا تھا۔"ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔"

"اور یوں اچانک تمہارا فیصلہ کیسے تبدیل ہو گیا؟" بہرام نے تندہی سے پوچھا۔اسکے عقب میں کھڑا جبل خان خاموشی سے ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔اسکی نظریں بار بار زخرف کے ہاتھ پہ لگے زخم کی طرف بھٹک،بھٹک جاتی تھیں۔

"اوہ . . . . . تو تمھیں اب بھی لگتا ہے کہ یہ اچانک تھا؟چار دن سے تم نے ہمیں جانوروں کی طرح مارا پیٹا،ٹارچر کیا اور اب تمھیں لگ رہا ہے یہ اچانک ہے۔؟" زخرف کی آواز بلند ہوئی۔بہرام نے لب بھینچے،جبل کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔زبرج نرم تھا،زخرف تیز۔گڈ کاپ بیڈ کاپ۔(**پولیس یا بھی کسی بھی تفشیشی ادارے کے لوگ جب کسی سے تفشیش کرتے ہیں تو دو افسر بھیجے جاتے ہیں۔جن میں سے ایک دھمکی اور مار پیٹ پہ اتر آتا ہے جبکہ دوسرا،مجرم کی ہمدردی بٹورنے کی کوشش کرتا ہے۔**)مجھے یہاں سے نکلنے دو بہرام خان باخدا میں تم سے حساب لوں گی۔" تنفر سے کہتے ہوئے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تمہارا ہاتھ جلا کر غلط کیا۔اصل کوئلے تمھارے گلے میں ڈالنے چاہیے تھے۔" بہرام نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔زخرف نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر زبرج نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے خاموش رہنے کا کہا۔پھر بہرام کو دیکھا۔

"ہمارے دوست حسن سلطان کے بازو پہ جو گولیاں تم نے ماری ہیں مجھے انکا علاج چاہیے۔جس وقت میرا دوست ہوش میں آجائے گا،ہم تمہاری بات مان لیں گے۔"بہرام جلدی سے کچھ کہنے لگا جب زبرج نے اپنے ہاتھ بلند کر کے اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔"میں یہاں تمہاری شرائط ماننے نہیں آیا سو رکھنا بھی مت۔مجھے زلطان کی طرح باتیں گھمانی بھی نہیں آتیں اور حسن کی طرح نیکی کے درس بھی نہیں دے سکتا۔سو . . ."وہ ہاتھوں کو باہم جوڑے آگے کو ہوا۔چہرے پہ محض سنجیدگی تھی۔

"دو منٹ کے اندر اندر تم مجھے ہاں یا ناں میں اپنا فیصلہ سناؤ گے۔ورنہ اگلے دو منٹ میں،میں اپنا فیصلہ بدل دوں گا۔"واپس صوفے سے ٹیک لگاتے وہ بڑی سہولت سے بولا۔ضدی،اکھڑ انداز۔وہ واقعی زلطان صفدر نہیں تھا۔

بہرام سوچ میں پڑا۔انا تھی کہ کیا اس نے مڑ کر ایک دفع بھی اپنے بھائی سے مشورہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔حلانکہ وہ کرنا چاہتا تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک طرف ہم آپ کے دوست کا علاج کریں اور دوسری طرف آپ ہمارا کام کریں۔"جبل نے بلاخر مداخلت کی۔"جو معاہدہ آپ کر رہے ہیں اسکا کوئی سرا ہمارے ہاتھ میں نہیں آرہا۔میرا خیال ہے،اور مشورہ بھی زورگڑھ کو یہ معاہدہ منسوخ کردینا چاہیے۔"وہ بہرام کو جو کچھ سنانا چاہتا تھا سنا چکا تھا۔بہرام اس سے متفق تھا مگر . . . .

"یعنی تم باس نہ ہو کر بھی فیصلے کرو گے اور یہ کٹھ پتلی بن کر بس کرسی پہ بیٹھا رہے گا؟" زخرف ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے دلچسپی سے بولی۔ "پہلے بتانا تھا کہ بچے کو بس خوش کرنے کے لئے کرسی دی ہے۔ بندوق اب بھی کھلونا ہے۔ باس اب بھی تم ہو۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر جبل خان کو دیکھا۔ وہ براہ راست اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جو کھیل اس نے زخرف کے ساتھ کھیلا تھا وہ وہی بازی اس پہ پلٹ رہی تھی۔ اور غضب یہ تھا کہ جبل کا ساتھی بے وقوف اور جذباتی تھا۔ زخرف کی جتاتی نظروں نے جبل کی انا کو بری طرح روندا تھا۔

"بیرسٹر کا علاج ہو گا۔" بہرام نے بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا فیصلہ ہے اور اسکے لئے مجھے کسی سے اجازت نامے دستخط کروانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں باس میں ہوں اور بندوق میرے لئے کھلونا نہیں اسکا ثبوت میں دے چکا ہوں۔" اس کا اشارہ جبل خان کی مداخلت کی طرف تھا۔ "جاؤ جبل خان ڈاکٹر کو تیار کرو، آپریشن کی تیاری کرواؤ۔"

جبل نے اپنی انا پہ پیر رکھا سارے اختلافات کندھے سے جھاڑ کر اتارے پھر ہاتھ بڑھا کر بہرام کے کندھے پہ رکھا۔ "یہ لوگ تمھیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ ان سے پہلے تمہیں بیرسٹر بے وقوف بنا چکا ہے۔ تم نے اسے گولی نہیں ماری، وہ چاہتا تھا تم اسے گولی مارو۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "یہ لوگ تمھیں بے وقوف بنا رہے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے تم بن جاؤ گے۔ اگر اس کرسی پہ میں بیٹھا ہوتا تو میرا فیصلہ مختلف ہوتا۔"

”اور تمھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اب اس کرسی پہ میں ہوں۔اور اب تمھیں میرا فیصلہ قبول کرنا سیکھنا چاہیے۔“وہ کاٹ دار انداز میں بولا۔

”تم پچھتاؤ گے۔اور میں تسلی نہیں دوں گا۔“وارننگ۔

”مجھے تمھارے سہاروں کی ضرورت ہے بھی نہیں۔“تنفر،طنز۔

”میں ایک آخری بار کہہ رہا ہوں میری بات مان لو۔“

”تم تخت پہ نہ ہوتے ہوئے بھی سربراہی چاہتے ہو؟“

جبل نے لب بھینچ لئے۔بہرام اسکی پہنچ سے بہت دور جا چکا تھا۔اس نے ہاتھ اسکے کندھے سے ہٹا لیا۔

زبرج اور زخرف چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے۔زبان غیر شناسا تھی،مگر انداز نہیں۔یہ بلکل وہی انداز تھا،بلکل ویسا فساد جو چار روز پہلے تہہ خانے میں ان پانچ اسیروں کے درمیان ہوا تھا۔یہ وہ اختلاف کے بیج تھے جن کے پودے بہت جلد جڑ پکڑنے والے تھے۔تخت آنے سے پہلے وہ پانچ لوگ بھی مختلف ہوا کرتے تھے ابھی کل ہی کی بات ہے۔

جبل خان چند لمحے اسکے عقب میں خاموش کھڑا رہا۔پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔اسے اپنے باس کے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔چند پل بعد بہرام بھی وہاں سے چلا گیا تھا۔بس دو لوگ تھے جو ان پہ پہرہ دینے لگے تھے۔بندوقیں ہاتھ میں لئے وہ کمرے میں چکر کاٹ رہے تھے۔زخرف نے گردن صوفے کی پشت پہ گرا دی۔اب اسے زبرج کا نیم رخ نظر آ رہا تھا۔کتنے

دنوں بعد آج اس قفس میں قید اسے زبرج دکھائی دیا تھا۔ آج اسے اپنا ساتھی اسیر نہیں چودہ سال پرانا دوست دکھائی دیا تھا۔ جس کے ساتھ اچھا برا وقت دیکھا۔ جس کے ساتھ روئے ہنسے۔ انکے درمیان کیا کیا آگیا تھا ناں؟

"حمدان کیسا ہے؟"

اسکے اچانک ہونے والے سوال پہ زبرج چونک گیا تھا۔ پھر اسکی طرف گردن پھیر کر دیکھا۔ وہ ہنوز اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نرم نظریں۔ پر خلوص انداز۔

"ٹھیک ہوگا۔۔۔شاید . . . ٹھیک ہی ہوگا۔" اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ الفاظ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے۔ "میں نے چار مہینوں سے اسے نہیں دیکھا۔ دو ماہ پہلے اسکی برتھڈے تھی میں نہیں جا سکا۔" اسکی آنکھوں میں کئی دن بعد جو جذبہ نظر آیا تھا وہ ملال تھا۔ "اسکی ماں مجھ سے ناراض ہے۔" اس نے اضافہ کیا۔

"تم نے اسے منانے کی کوشش کی؟"

"وہ نہیں مانے گی۔"

"یعنی تم نے کوشش ہی نہیں کی۔" وہ الفاظ اسکے منہ سے اچک رہی تھی۔

"میری غلطی ناقابل معافی ہے۔" وہ صوفے کے ہتھے کو کھرچنے لگا۔

"معافی کے فیصلے معاف کرنے والے پہ چھوڑنے چاہئیں۔ گلٹی کو بس اپنا قصور ماننا آنا چاہیے۔ تم نے اپنا قصور ماننا نہیں سیکھا۔" وہ اسے کسی ہزار بار پڑھی ہوئی کتاب کی مانند پڑھ رہی تھی۔

"تم لڑکی ہو اسی لئے اسے فیور کر رہی ہو۔" صوفے کے ہتھے پہ چڑھا سیاہ غلاف اترنے لگا تھا۔

"میں تمہاری دوست ہوں۔ اس لئے تمھیں آئینہ دکھا رہی ہوں۔ تم غلط ہو زبرج۔ میں یہاں تمہیں بتا رہی ہوں، کیونکہ اگر محفل میں کہنا پڑا تو میں تمھیں صحیح کہوں گی۔"

اگلے کئی لمحے زبرج بلکل خاموش رہا۔ زخرف نے دیکھا کی اسکی آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی۔ اسکے ناخن اب بھی صوفے کو کھرچ رہے تھے۔ وہ ڈسٹرب لگتا تھا۔

"وہ پریگنینٹ تھی، یہ ہمارا دوسرا بچہ تھا۔ اسے بچے بہت پسند تھے زی۔" جذبات سے بوجھل آواز میں وہ اسے اس نام سے پکار رہا تھا جو کئی سال پہلے اسے دوستوں کی طرف سے دیا گیا تھا۔ "حمدان کے بعد اسکے دو مس کیرج ہوئے تھے۔ وہ بہت ڈپریس رہنے لگی تھی۔ میں اسے بہت سمجھاتا تھا کہ اولاد کی تعداد سے فرق نہیں پڑتا انکے صالح اور صحت مند ہونے سے فرق پڑتا ہے۔ لیکن اسے اپنے اندر خامیاں دکھتی تھیں، کیونکہ وہ اکلوتی تھی اسے لگتا تھا اگر حمدان بھی اکلوتا رہا تو وہ تنہائی کا شکار ہو جائے گا۔" وہ لحظہ بھر کے لئے خاموش ہوا۔ "میں نے اسے تسلیاں دی تھیں، لیکن شاید میں لفظوں کے ساتھ برا ہوں۔"

"حد سے زیادہ برے۔" سنجیدہ تبصرہ۔ زبرج آزردگی سے مسکرایا۔

"اور پھر کئی سال بعد آج سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے، وہ دوبارہ پریگننٹ تھی۔ وہ خوش تھی، اور میں اسے دیکھ کر خوش۔ اس نے مجھ سے کہا تھا میں کچھ وقت کے لئے چھٹی لے کر اسکے ساتھ وقت گزاروں۔ کیونکہ میری ممی کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ گھر میں اکیلی تھی۔ انہی دنوں میری نوکری چھوٹ گئی تھی۔ میرے مالی مسائل بڑھ گئے تھے۔ لیکن انہی دنوں مجھے unicef کی طرف سے ایک collab کی آفر ملی۔ مجھے کسی بھی قیمت پہ وہ کام چاہیے تھا۔ مگر انہوں نے مجھے پاکستان میں کرنے کو ایک ٹاسک دیا تھا جس کی لئے مجھے بلوچستان کے دیہی علاقوں کی طرف جانا تھا۔ میں نے اسے اکیلا چھوڑ دیا۔" بولتے بولتے وہ یکدم خاموش ہو گیا۔ پھر گردن پھیر کر زخرف کو دیکھا۔ کوئی ملامت، کوئی حقارت نہیں۔ وہ اسے بس سن رہی تھی۔ کتنے عرصے بعد آج زبرج کو معلوم ہوا تھا کہ وہ دوست ہے۔ اور دوستوں کے سامنے جج ہونے کا خوف چھوٹ جاتا ہے۔ اگر وہ واقعی دوست ہوں۔ وہ اب رخ بدل کر بیٹھا۔ چہرہ پورا اسکی جانب اور ایک ٹانگ موڑ کر۔ انداز میں بے بے چینی رفع ہونے لگی۔ اب آنکھوں میں کچھ بے حد مختلف تھا۔

"میں چلا گیا اور وہ مجھ سے ناراض ہو گئی۔ دو دن بعد اس نے مجھے کالز کیں، میں کالز نہیں لے سکا۔ اسکے اگلے دن مجھے ایک میسج ملا۔" اس نے ہونٹ کاٹے دل کو جیسے کچھ ہوا تھا۔ "وہ سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ اور وہ پورا ایک دن وہیں پڑی رہی۔ ہمارا سات ماہ کا بچہ مر گیا۔ اس نے کتنی تکلیف جھیلی ہو گی؟ میں جب جب سوچتا ہوں مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، گلٹ ہوتا ہے۔ اس نے میسج میں لکھا تھا کہ ہمارا بچہ مر گیا ہے، اور مبارک ہو اب وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکے گی۔ وہ حمدان کو لے کر چلی گئی۔ میں کئی بار اسکے پیچھے گیا لیکن وہ واپس نہیں آئی۔ وہ میرے ساتھ نہیں

رہنا چاہتی تھی۔میری بہت ساری منتوں کے بعد وہ گھر واپس آ گئی تھی ، لیکن وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکی۔ہمارے جھگڑے بڑھ گئے۔وہ دانین جعفر نہیں رہی تھی وہ ایک مختلف عورت بن گئی تھی۔میں اسے نہیں پہچانتا تھا۔مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔اب بھی ہر دوسری کال پہ ہماری لڑائی ہوتی ہے۔اب ہم ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے۔سب بہت بدل گیا ہے۔"

اس نے گردن جھکا دی۔زخرف نے خاموشی سے میز پہ رکھے جگ میں سے تھوڑا پانی گلاس میں ڈالا اور اسکی طرف بڑھایا۔زبرج گلاس تھام چکا تھا۔پانی پیا نہیں۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ اتنا سب ہو گیا ہے۔"

"یہ فون کال پہ ہونے والی باتیں نہیں تھیں۔"

"ہم مل سکتے تھے۔"اس نے گلہ کیا۔

"میں کرائسس میں تھا۔تم کوشش کرتیں تو ہم مل سکتے تھے۔"جوابی شکوہ۔

"کم از کم ہم دونوں کے درمیان تو یہ سب نہیں آنا چاہیے تھا زبرج۔تم نے اور میں نے بہت کچھ ساتھ دیکھا ہے۔"اسکی بات پہ زبرج نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔"میں لندن سے پہلے اسکول میں تمہاری پہلی دوست تھی۔میں تمہاری محبت سے سب سے پہلے واقف ہوئی تھی۔اور میں نے تمہیں displace ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔"

زبرج ہنس پڑا۔زخرف بھی دھیما سا مسکرائی۔

"تصیح کریں میڈم۔مجھے خانہ بدوشی کا مشورہ آپ ہی نے دیا تھا۔"

"anything for love" زخرف آگے کو ہوئی۔لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

زبرج ہنوز اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔اسکے ذہن کے پردوں پہ صرف ایک منظر تھا۔صرف ایک انسان۔

"موجودہ وقت سے چند سال قبل۔"

"لندن". . . .

ابھری ہوئی بھورے رنگ کی اینٹوں پہ بنی وہ ہسپتال کی عمارت آتے جاتے مریضوں کو دیکھ دیکھ کر اکتائی ہوئی تھی۔وہیل چیئرز گھسیٹتے،اپنے پیاروں کو سہارا دے کر لاتے لوگوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے ہسپتال کے اندر آؤ تو جنرل وارڈ میں قطار در قطار پلنگ لگے تھے۔جن کی چادریں نفاست سے سیٹ تھیں۔صفائی اور نفاست کے لئے ان گوروں کو تمغے ملنے چاہییں۔

انہی قطار در قطار لگے بستروں میں سے ایک کی طرف آؤ توزبرج شاہنواز بیڈ کے تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔اسکی دائیں طرف رکھی کرسی پہ دانین بیٹھی تھی۔وہ کافی دیر سے رونے کا شغل فرما رہی تھی۔زبرج مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھااپنے لئے کسی لڑکی کو روتے ہوئے دیکھنا ایک

دلچسپ عمل تھا۔اسکے بازو پہ پٹی بندھی تھی جو کہ ہسپتال کے گاؤن کی وجہ سے نظر نہیں آتی تھی۔

بیڈ کی دوسری طرف چار لوگ قطار میں کھڑے تھے۔آنکھیں سکڑی ہوئی۔ماتھے پہ بلوں کا جال۔انکے ہاتھوں میں وہ مالٹے تھے جو وہ مریض کے لئے لائے تھے۔لیکن اسکے بازو کے درد کا خیال کرتے انہوں نے اسے مالٹے کھانے کی آفر نہیں کی۔ہاتھ دکھ جائے گا ناں۔جوس انہوں نے اپنے لئے نکال لیا تھا،زبرج کا اتنا خون تو بہہ ہی چکا تھا اب جوس پی کر کیا ہی ہوجانا تھا۔اور تسلی کس بات کی؟چاقو ہی لگا تھا۔گولی تھوڑی۔

"اب رونا بند کرو دانین میں بلکل ٹھیک ہوں۔دیکھو۔"اسے کافی دیر سے روتے دیکھ وہ بلاخر بولا۔

"ہم چار گھنٹے سے کھڑے ہیں۔بے غیرت نے ہمیں بیٹھنے کو نہیں کہا۔"شادان،زلطان کے کان کے قریب جھکا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔آئی ایم سوری۔میں تمھارے سارے بلز پے کروں گی اوکے؟"وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن بلز تو لیانا نے ادا کر دیا تھا۔"حسن سلطان سارے جہاں کی معصومیت اپنے چہرے پہ لئے ہوئے تھا۔باقی تینوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔بشمول دانین کے۔"بہت پریشان تھی بیچاری۔کتنا رو رہی تھی میں کیا بتاؤں۔مجھ سے اور شادان سے تو سنبھالی ہی نہیں گئی۔جب تک وہ زبرج کے

"**گلے**" سے لگ کر نہیں روئی۔ یہاں سے گئی نہیں۔" اس نے گلے پہ زور دیا۔ دانین کی رنگت پھیکی پڑی تھی۔ زبرج کا جی چاہا تھا وہ اٹھ کر حسن سلطان کا گلا دبا دے۔ جبکہ وہ معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑتا ہوا انکے سامنے کھڑا تھا۔ آگ لگاتا ہوا۔

"ویسے ایک بات ہے۔" شادان منہ میں مالٹے کی کاش رکھتے ہوئے بولا۔ "زبرج کو پہلے کتنا درد ہو رہا تھا ناں؟ لیکن لیانا نے جیسے اسے گلے لگایا سب صحیح ہوگیا۔ صحیح کہتے ہیں محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ میری تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔" اس نے چھت کی طرف دیکھا جیسے ابھی کوئی معجزہ ہو جائے گا۔

محبت؟ درد؟ اللہ اللہ۔ زبرج کا سر چکرانے لگا اور دانین کو اپنا مستقبل کا "**چکر**" خطرے میں پڑتا محسوس ہوا۔

"میں نے کتنی ہی بار اسے کہا کہ میں بل دے دیتا ہوں۔" زلطان کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ اب آگ لگ چکی تھی تو وہ اپنے حصے کا پیٹرول بھی ڈال ہی دے۔

"لیکن اس نے کہا کہ اس کے اور زبرج کے درمیان ایسی کوئی فارمیلٹی ہے ہی نہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اس سے زیادہ ایفرٹس کرتے رہتے ہیں۔ پھر میں نے زیادہ فورس نہیں کیا۔" بھولپن سے بیڈ پہ لیٹے اپنے دوست کو دیکھا۔ "میں نے ٹھیک کیا ناں زبرج؟"

"تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ زبرج اور اسکے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" زخرف نے ماؤں کی طرح اسکی طرفداری کی۔ ساتھ تادیبی نظروں سے باقیوں کو دیکھا۔ "تم فکر مت کرو دانین زبرج جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اسکا بل میں نے دیا ہے۔ مجھے واپس کرے گا۔"

دانین کو شاید ڈھارس نہ ہوتی مگر اس نے زبرج کی طرف دیکھا۔ پس منظر میں شادان اور زخرف مالٹے کی کاش پہ لڑ پڑے تھے۔ "موٹی کتنا کھاؤ گی۔"

"جتنا مرضی کھاؤں تمھارے پاس اپنا ہے ناں۔"

"میرا والا زیادہ کھٹا ہے۔ مجھے وہ مالٹا پسند ہے جو کھٹا اور میٹھا دونوں ہو۔"

"پھر اپنے باپ کو کال کر کے کہو ملکہ کے محل میں تمھارے لئے مالٹے کا باغ لگوائیں۔" حسن جل کر بولا تھا۔

"ایک اور حل بھی ہے۔" زلطان نے چٹکی بجائی۔ "ملکہ کے پاس زمینیں بہت ہیں۔ ابا سے کہو ان سے نکاح کرلیں۔ ایک باغ تمھارے حصے آجائے گا۔"

"میری اماں نے پھر اسی باغ میں میری اور میرے ابا کی قبر بنانی ہے۔ تاریخ کی پہلی میت ہوں گا میں جسے بغیر کفن کے دفن کیا گیا ہوگا۔

"بغیر کفن کے کیوں ؟ ایکسپلین پلیز۔" حسن کی جنرل نالج یو نو۔

شادان نے سرد آہ بھری۔"اماں غصے میں ہوں گی۔اور ملکہ نے ضرورت نہیں محسوس کرنی۔برہنہ مردے کے نام سے ٹرینڈ کروں گا میں۔"

اسکے مستقبل کے ایسے خوفناک نقشے پہ زخرف نے جھرجھری لی۔اور اپنا سارا کا سارا مالٹا اسکی طرف بڑھایا۔دوست بچ جائیں مالٹے اور سہی۔

"یہ تم کھالو۔میری خیر ہے۔"

سرد آہ بھرتے شکریہ مالک کہتے وہ مالٹا تھام چکا تھا۔انکی بحث کے وقت کو پیچھے کر کے،دیوار سے لگ کر کھڑے ان چار لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بیڈ سے ٹیک لگائے اور اسکے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھو توزبرج جن نظروں سے دانین کو دیکھ رہا تھا اسکے سارے واہمے،تمام خدشے دور ہونے لگے۔اسکی رنگت بحال ہوئی۔

"وہ واقعی تمھارے بلز دیتی رہی ہے؟"

"تمھیں کیالگتا ہے؟"

"سوال کے بدلے سوال نہ کیا کرو۔برے لگتے ہو۔"وہ جھنجھلائی۔

"اچھا کب لگتا ہوں؟"زبرج مسکرایا۔

دانین نے مسکراہٹ دبائی۔ذرا سا چہرہ اسکی طرف جھکایا۔

"جب تم کوئی بھی کام کرنے کے لئے کہتے ہو"میں بڑے ہو کر فلاں کام کروں گا۔"تمہاری لسٹ بہت لمبی ہے اور جب جب تم اس میں اضافہ کرتے ہو اچھے لگتے ہو۔" وہ ہنستے ہوئے بولی زبرج بھی ساتھ مسکرایا تھا۔

"میں اپنی لسٹ میں ایک اور اضافہ بھی کر چکا ہوں۔"

اچھا؟وہ کیا؟"

"ایسی باتیں اس طرح ہسپتال میں نہیں کی جاتیں۔ان باتوں کو سفید ٹیولپس کے درمیان ہونا چاہیے۔تم اپنی دکان سفید ٹیولپس سے بھر دو پھر مجھے کال کرنا۔میں بتانے آجاؤں گا۔"

دانین نے سر ہلادیا۔اسکے چہرے پہ ایک مرتبہ پھر فکرمندی آگئی تھی۔

"تمہیں درد تو نہیں ہو رہا؟"زبرج نے نفی میں سرہلایا۔"پولیس نے ان تینوں لڑکوں کو پکڑ لیاہو گا۔اب سب ٹھیک ہے۔تم فکر مت کرنا۔"

وہ اس سے مزید بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔زبرج سر کو اثبات میں ہلاتا جا رہا تھا۔یوں جیسے وہ معتقد مرید سا ہو۔آج کے بعد وہ دانین کے لئے عام نہیں رہا تھا۔وہ عام پہلے بھی نہیں تھا مگر آج اسکی آنکھیں اعتراف بھی کر چکی تھیں۔دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے چار اہم لوگوں میں پانچویں کا اضافہ ہو چکا تھا۔وہ زبرج کے ساتھ ان چار کو قبول کر چکی تھی۔

زبرج شاہنواز اسے اتنا اچھا لگتا تھا جتنے سفید ٹیولپس یا شاید ان سے بھی زیادہ؟

اپنے وعدے کے مطابق وہ دو دن بعد **"دانین فلاورز"** کے باہر کھڑا تھا۔ایک بازو پہ پلستر تھا۔اور ہاتھ پٹی سے لٹکا رکھا تھا۔ساتھ حسن سلطان تھا۔جس نے اپنے دونوں کندھوں پہ اسکے دونوں بیگز اٹھا رکھے تھے۔اور ہاتھوں میں اسکی باقی چیزیں۔وہ دوستوں کے لئے جان بھی دے سکتا تھا۔تاکہ انہیں زندہ رکھ کر وقتاً فوقتاً انکا خون چوستا رہے۔ایسا تھا ہمارا پیارا حسن۔

"کیا وقت آگیا ہے۔پہلے زمانے میں لڑکیاں رخصت ہو کر آتی تھیں اور اب؟لڑکے اپنا ہاسٹل بار چھوڑ کر لڑکیوں کی دکان میں رہنے کے ٹھکانے ڈھونڈ رہے ہیں۔"وہ افسوس سے نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔

"تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کرتے۔"وہ اسے دیکھے بغیر بولا۔نگاہیں اس راہ پہ جمی تھیں جہاں سے وہ آنے والی تھی۔

حسن نے ہاتھ جھلایا۔"میں تو گھر کیا سیارا چھوڑ کر اسکے ساتھ مریخ پہ شفٹ ہو جاتا۔کوئی مجھے بلائے تو سہی۔میری بات لکھ لو،حسن سلطان کی محبت کے قصے تاریخ کی کتابوں میں درج ہوں گے۔"

"بھائی محبت یا معاشقے؟ہر پانچ منٹ بعد تمھیں محبت ہو جاتی ہے۔خدا کا شکر ہے وہ لڑکیاں تمہیں گرین سگنل نہیں دیتیں۔ورنہ تم نے تو یہاں قطاریں لگا دینی تھیں۔"

حسن نے سرد سی آہ بھری۔

”میں محبت بانٹتا ہوں ناں کیا کروں۔ میرا دل ہی ایسا ہے کہ کسی بھی خوبصورت لڑکی کو دیکھوں تو اسے خراج حسن پیش کر دیتا ہوں۔“وہ دونوں اب چل کر اندر آگئے تھے۔ حسن آتے ہی کرسی پہ ڈھیر ہوا۔

"آسان لفظوں میں اسے لوفر پنا کہتے ہیں۔“زبرج نے اسکی لغت میں اپنے الفاظ شامل کئے۔ حسن کا چہرہ سرخ ہوا۔ماتھے پہ بل پڑے۔

”تم کیا یہاں امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھنے آئے ہو؟ یا چاشت کی نماز ادا کرنی ہے؟کسی کو آئینہ دکھانے سے پہلے اپنی قمیض میں بھی جھانک لینا چاہیئے۔“

”گریبان نہیں ہوتا۔؟“زبرج نے گردن پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہوتا ہے۔لیکن تمہارا قصہ گریبان سے بڑھ گیاہے اب ہو سکے تو اپنے جرابوں اور دستانوں میں بھی جھانک لو۔“بگڑ کر کہتے ہوئے وہ کرسی سے اٹھا تھا۔”جانتے بھی ہو ہم کس خاندان سے ہیں؟ہمارے یہاں ایسی اوچھی حرکتیں معیوب سمجھی جاتی ہیں۔“

”تب تک جب تک کوئی دوسرا کرے۔جب تمہیں موقع ملے تو تم انہی اوچھی حرکتوں کو محبت کہتے ہو۔“وہ اسکے سامنے والی کرسی پہ بیٹھا۔

”اب یہ ہمارے راز کون فاش کر رہا ہے؟“وہ دونوں ہاتھ پہلو پہ رکھے کراہا۔”ایک تو میں اپنے خاندان کے مردوں سے بہت تنگ ہوں۔ محبت کے قصے داستانوں میں چھپوا دیئے۔اور جھیلنا ہمیں پڑ رہاہے۔“

زبرج ابھی کوئی جواب دیتا کہ اس نے سامنے سے پھولوں کی کئی ٹوکریاں اٹھا کر لاتی دانین کو دیکھا۔وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔حسن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"اللہ معاف کرے،ایسی پھرتیاں تو تم نے تب بھی نہ دکھائیں جب تمہارا کلاس ٹیچر آتا ہوگا۔"کلس کر کہتے وہ اسکے سامنے آکر رکا۔ہاتھوں سے اسکے بال ٹھیک کئے۔سفید شرٹ کے کالر درست کئے۔اور اپنے سوئیٹر پہ لگا بروچ اتار کر اسکے سوئیٹر پہ لگا دیا۔بڑبڑاہٹ ہنوز جاری تھی۔

"زن مریدی کے ریکارڈ توڑو گے تم۔ اللہ اللہ کیسے مردوں میں پھنس گیا میں؟عمریں دیکھو اور محبتیں دیکھو۔"

"کیسا لگ رہا ہوں؟"زبرج ترچھی نظروں سے اب بھی دانین کو ہی دیکھ رہا تھا۔وہ ٹوکریاں تھامے سڑک پہ رک کر کسی لڑکے سے بات کر رہی تھی۔وہ شاید کوئی جاننے والا تھا۔

"اتنے اچھے کہ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو اسکا رشتہ تم سے کرتا۔"

"استغفراللہ۔"

"انشااللہ۔"حسن نے جیسے اسے سنا ہی نہ ہو۔

اسی پل اندر آتی دانین کی نظر اسی طرف پڑی۔اسکے لبوں پہ خوشگوار مسکراہٹ رینگ گئی۔اس نے ساری ٹوکریاں کاؤنٹر پہ رکھیں اور یونہی سفید ٹیولپس کا ایک گلدستہ ہاتھ میں لئے اسکی طرف چلی آئی۔حسن نے گہری سانس لی۔

"اب یہاں عاشقی تھری کی شوٹنگ سٹارٹ ہو گی، بہتر ہے میں یہاں سے چلا جاؤں۔" وہ زبرج کے کان کے پاس جھکا۔ جب تک دانین وہاں آئی، حسن اسکے سامنے سے گزر کر دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

"یہ کہاں گیا؟" وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ چہرے پہ تعجب تھا۔

"اسے کچھ کام تھا۔ اس لئے جانا پڑا۔" زبرج ہنوز اسکے چہرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"اور تم یہاں؟" دانین کی نظر اسکے دو بیگز پہ پڑی۔ "اور یہ سامان۔ ڈونٹ ٹیل می تم یہاں رہنے آ گئے ہو۔" وہ ہنس کر بولی۔

"اور اگر میں کہوں میں واقعی یہاں رہنے آیا ہوں تو؟" دانین کی ہنسی کچھ کم ہوئی۔

"تو میں پوچھوں گی کیوں؟"

"میں جواب میں کہوں گا کہ میرے پاس اسکا کوئی جواب نہیں۔"

"پھر میں چاہوں گی تم جواب ڈھونڈو۔ مجھے اپنی زندگی میں پہیلیاں نہیں پسند۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"میں تمہاری حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم میرے گارڈ نہیں ہو۔"

"مجھے لگتا ہے وہ لڑکے دوبارہ یہاں آ سکتے ہیں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"میرے ہاسٹل کا کمرہ بہت چھوٹا ہے،اور وہاں مچھر بھی آتے ہیں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔"

"تم باہر اس لڑکے سے کیا بات کر رہی تھیں؟"

"تم جل رہے ہو؟یا شک کر رہے ہو؟"

"اگر میں کہوں میں جل رہا ہوں تو؟"

"تو میں کہوں گی اس "**اگر**" کو نکالو اور سیدھی بات کرو۔"

زبرج نے گہری سانس لی۔پھر اسے کہنی سے تھام کر ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ بیٹھ گئی۔زبرج نے۔دانین کے ہاتھ سے سفید ٹیولپس لے لئے۔وہ بھی اسکی طرف رخ موڑ چکی تھی۔زبرج آلتی پالتی مارے لکڑی کے اس فرش پہ بیٹھ گیا۔پھول گود میں دھر لئے تھے۔

"تم کیا سننا چاہتی ہو؟"وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔

"میں اکیس سال کی عقل و شعور رکھنے والی لڑکی ہوں۔بجائے اسکے کہ تم یہاں رہنے کے فضول وضاحتیں دو۔میں ایک تسلی بخش جواب سننا چاہتی ہوں۔"وہ بازو سینے پہ باندھ کر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔نگاہیں ایک لمحے کے لئے بھی زبرج کے چہرے سے نہ ہٹائیں۔

”میں نے ہسپتال میں تم سے کہا تھا کہ میرے بڑے ہو کر کرنے والے کاموں کی لسٹ میں اضافہ ہو گیا ہے۔تم وہ اضافہ سننا چاہو گی ؟“وہ سفید پھولوں کے گرد سبز شاخیں توڑ رہا تھا۔نرم سی شاخیں۔دانین اسے دیکھتی رہی۔

”تم بڑے ہو کر کیا کرو گے؟“

”تم سے شادی۔“وہ ترنت بولا۔دانین فریز ہو گئی۔زبرج شاہنواز نے اپنا ہاتھ اسکے آگے پھیلایا۔آنکھوں میں نرم سا تاثر تھا۔دانین کا دل موم ہونے لگا۔

”میں بڑے ہو کر تم سے شادی کروں گا۔کیا تم اپنے مستقبل کے شوہر کو یہاں کرایہ دار رکھ سکتی ہو؟“

وہ چند لمحے کچھ کہہ ہی نہ سکی۔وہ زبرج کو ڈیڑھ سال سے جانتی تھی اور ڈیڑھ سال سے اسے معلوم تھا”**موجودہ**“لمحہ انکے درمیان کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا۔لیکن وہ یوں آئے گا اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔وہ چند لمحے تذبذب کا شکار رہی۔

”کیا تم میرے بڑے ہونے کا انتظار کر سکتی ہو؟“

”تم آل ریڈی بہت بڑے ہو۔“وہ ہنس پڑی۔ساتھ اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیا۔زبرج شاہنواز کا سارا وجود سرشار ہو گیا تھا۔محبتیں روح تک تقویت سے بھر دیتی ہیں اسے معلوم نہیں تھا۔

"تم سے شادی کے لئے مذید بڑا ہونا پڑے گا۔" اس نے سبز شاخ کو اسکی کلائی کے گرد لپیٹ دیا۔ پھر گود سے ایک سفید پھول اٹھا کر اس شاخ کے درمیان اٹکا دیا۔ ہو گیا بریسلیٹ تیار۔ وہ اپنی کلائی دیکھنے لگی۔

"اگر تم بڑے ہو کر اپنے وعدے سے مکر گئے تو؟"

"میں وعدے نہیں توڑتا۔ تمھیں اتنا یقین ہونا چاہیے۔" اس نے دانین کا ہاتھ اوپر کیا۔ اسکی۔ کلائی میں سبز شاخ ڈھیلی ہو کر کھلنے لگی تھی۔ زبرج کو افسوس سا ہوا۔ "میں بڑا ہو کر تمھیں سونے کی انگوٹھی دوں گا۔ اور تمھیں دوبارہ پرپوز بھی کروں گا۔"

"سفید سونا۔ جس کا نگینہ ٹیولپس جیسا ہو۔"

زبرج نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر دھیرے سے اسکا ہاتھ چھوڑا۔ "اگر تمھارے بس میں ہو تو مجھے بھی سفید ٹیولپ بنا دو۔"

"تم میرے پھولوں سے جل رہے ہو؟" دانین خفا ہوئی۔

"میں تمہاری پھولوں سے محبت سے جل رہا ہوں۔" اس نے دوبارہ سے دانین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ جیسے کوئی استحقاق سا ہو۔ سرشاری اور نعمت بھی۔ لڑکی نے برا نہیں منایا۔

"اور مجھے تمھارے دوستوں سے جلن ہوتی ہے۔ کبھی کبھی۔" وہ رکی، فکرمندی سے زبرج کو دیکھا۔ "تم میرے لئے دربدر ہو جاؤ گے۔ تمھیں بہت مسائل ہو سکتے ہیں۔ میری فکر مت کرو تم۔"

"میں تمہارے لئے دربدر ہو سکتا ہوں۔مسائل کا سامنا بھی کر سکتا ہوں۔تم مجھے یہ بتاؤ کیا تم میرا انتظار کر سکتی ہو؟"اس نے بات وہیں سے شروع کی۔

"تمھیں کیا لگتا ہے ڈیڑھ سال سے ڈیڑھ سو لڑکوں کے رشتے کیوں ریجیکٹ کر رہی ہوں؟"وہ زبرج کے ہاتھ پہ اپنا دوسرے ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھنے لگی۔

"اچھا یعنی تمھیں معلوم تھا میں تمھارے لئے کیا سوچتا ہوں؟"

"مجھے یہ معلوم تھا میں تمھارے لئے کیا سوچتی ہوں۔"زبرج بلکل تھم سا گیا۔"تم مجھے شروع سے اچھے لگتے تھے۔"

"کتنے شروع سے؟"

"پہلی ملاقات سے۔"

"لڑکی تمہاری نیت تو شروع سے خراب تھی۔یا اللہ میں کتنا معصوم رہا ہوں۔"وہ صدمے سے بولا۔دانین نے جواب میں اسکے ہاتھ پہ چپت رسید کی تھی۔پھر اپنے ہاتھ اسکے ہاتھوں سے نکالے۔

"لڑکے اپنی حد میں رہو میں تمہاری لینڈ لارڈ ہوں۔"مصنوعی کالر کھڑے کئے۔

"اور میں آپ کا اکلوتا کرائے دار، مستقبل کا شوہر اور تمھارے پھولوں کا برانڈ ایمبیسڈر بھی۔میرے نازک کندھوں پہ کتنی ذمہ داریاں ہیں"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو زبرج اسکے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔"تمھارے دوستوں کو لگتا ہے تم کم بولتے ہو۔انہوں نے تمھیں میرے سامنے بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"میں کم نہیں بولتا وہ لوگ مجھے موقع نہیں دیتے۔"وہ رکا۔"تم انکل سے بات کرلوگی ناں؟"

"ہاں لیکن انکل سے زیادہ تو تمھیں تمھارے دوستوں کو منانا ہوگا۔میرا سسر تو شادان ہوگا، نند زلطان اور جیٹھانی حسن سلطان۔زخرف خیر میری بہن ہے۔"وہ کہتے ہوئے زینے چڑھتی اوپر جا رہی تھی۔یہیں اوپری پورشن میں اسکی اور اسکے دادا کی رہائش تھی۔

"ویسے حسن کو تم اپنی سوتن مان لو تو زیادہ بہتر ہے۔پھر نہ کہنا میں نے وارن نہیں کیا۔"

جواب میں دانین کچھ کہہ رہی تھی اور وہ ہنستے ہوئے جواب دے رہا تھا۔ہر زینے کے چڑھتے انکی آواز معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

چند ماہ بعد زبرج شاہنواز کی ڈگری مکمل ہوگئی تھی اور وہ ان دنوں آسٹریلیا جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔اسکے اچھے اکیڈمک ریکارڈ کی وجہ سے اسے ایک بار پھر اسکالرشپ مل گئی تھی۔وہ لندن میں بھی پڑھ سکتا تھا۔لیکن وہ ماحول بدلنا چاہتا تھا۔

گول میز کے گرد رکھے دو اسٹولز پہ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔میز کے اوپر بچھا سفید کپڑا ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔کافی کے دو مگ بھی میز پہ رکھے تھے۔جامنی ٹیولپس سے بھری

ہوئی دکان حسرت سے زبرج کو تک رہی تھی۔وہ چند دنوں میں لندن کو خیر آباد کہنے والا تھا۔یہ دکان، یہاں کی کافی اور یہ مالکن اسے بہت مس کرنے والے تھے۔

اسکے سامنے بیٹھی سیاہ رنگ کے اوور کوٹ والی لڑکی افسردہ تھی۔بھورے بال آج باندھ رکھے تھے۔چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔وہ عام سی شکل و صورت کی تھی۔لیکن سامنے بیٹھے لڑکے کے لئے وہ چہرہ عام نہیں تھا۔زبرج نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی مگر دانین سنجیدگی سے اسے تکتی رہی۔

”تم واپس کب آؤ گے؟“

”میں واپس نہیں آ سکتا دانین۔میرا ویزہ ایکسپائر ہونے والا ہے۔مجھے جانا ہوگا۔لیکن جب تم بلاؤ گی میں آجاؤں گا۔“

اس نے سر جھکا دیا اور ہونٹ کاٹنے لگی۔انگلیوں سے میز کی سطح کو کھرچتی رہی۔زبرج کو اسکی یہی عادت بری لگتی تھی۔

”تم کیا چاہتی ہو یار؟پڑھنا چھوڑ دوں؟میرا خاندان مڈل کلاس ہے۔مجھے اپنے دم پہ بہت کچھ کرنا ہے۔لندن میرے لئے عیاشی نہیں موقع ہے۔“اس نے دانین کا ہاتھ میز سے ہٹایا۔وہ آنکھیں اٹھا کر اسے تکنے لگی۔

”تم واپس آؤ گے؟“

"آبو یسلی آؤں گا۔جب تم بلاؤ گی۔وقت،مدت غیر اہم ہے۔میں تمھارے لئے آؤں گا دانین۔"

"تم آجاؤ گے؟"وہ جانے کیا سننا چاہتی تھی۔

"میں آجاؤں گا۔"یقین دہانی کروائی گئی۔

"وقت کی کوئی قید نہیں؟"

"بلکل وقت کی کوئی قید نہیں۔"اس نے آنکھیں جھپکا کر تسلی دی۔دانین کی رنگت بحال ہوئی۔زبرج کا دل ذرا اوپر آیا۔

"تم میرے جانے سے اتنی اپ سیٹ کیوں ہو۔"

"پتہ نہیں۔میرے ممی پاپا بھی ایک دن اسی طرح گئے تھے۔وہ وعدے کے باوجود واپس نہیں آئے۔میں تمھیں جانے نہیں دیناچاہتی۔میرے لئے الوداع مشکل رہے ہیں۔"وہ کرسی پہ آگے کو ہوئی۔زبرج کے ایک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔نگاہیں اسکی نگاہوں پہ جمائیں۔

"تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

وہ مسکرایا۔پھر آگے کو ہوا۔"گرین کارڈ کے لئے۔"وہ مکمل سنجیدگی سے بولا۔دانین مسلسل اسے دیکھتی رہی۔وہ مذاق کے موڈ میں نہیں لگتی تھی۔زبرج نے ٹھنڈی سانس لی۔

"یار تم اچھی لگتی ہو مجھے۔تم اور میں ایک دوسرے کو سمجھ سکتے ہیں۔تمھارے ساتھ ہوتا ہوں تو میری مشکلات کم لگنے لگتی ہیں۔اور تم مجھے گرین کارڈ دلوا سکتی ہو۔"آخر میں وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔دانین نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔زبرج اب کے واقعی سنجیدہ ہوا۔

"میں تمھیں اپنے متعلق بہت کچھ کلئیر کرنا چاہتا ہوں دانی۔میرا خاندان میرے دوستوں جتنا امیر اور ویل سیٹلڈ نہیں ہے۔میں انیس سال کی عمر میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں تو انتیس کی عمر میں بھی نبھاؤں گا۔لیکن کیا تم ڈھیر ساری آسائشات کو چھوڑ کر میرے وعدوں کے ساتھ رہ سکتی ہو؟"

دانین نے ہاتھوں کی گرفت اسکے مضبوط ہاتھ پہ سخت کی۔"میں ڈیڑھ سال سے تمھیں جانتی ہوں۔میری عمر اکیس سال ہے تمھیں لگتا ہے میں کوئی جذباتی فیصلہ کر رہی ہوں؟"

"میں تمھیں ساری دنیا کی آسائشات نہیں دے سکتا۔جانتی ہو ناں؟"

"وقت دے سکتے ہو؟مجھے وہی چاہیے۔"

"مجھ پہ گھر کی بڑی ذمہ داریاں ہیں دانین۔تم میرے ساتھ چل لو گی ناں؟یہ وقت ہے اگر تم چاہو تو مجھے چھوڑ سکتی ہو۔ٹوٹا دل جڑ سکتا ہے ٹوٹی شادی نہیں۔میرا سفر بہت لمبا ہے۔میں گھر کا بڑا بیٹا ہوں۔وقت سے پہلے مجھے بڑا ہونا پڑا ہے۔"دانین کچھ نہ بولی۔بس سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"اب تم بتاؤ تمھیں مجھ سے کیا چاہیے؟"

”میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔میرا بچپن اکیلا تھا۔زندگی میں بہن بھائی نہ ہوں تو بڑا loss ہوجاتا ہے۔میں ایک اچھی فیملی چاہتی ہوں۔ڈھیر سارے بچے اور گھر۔اور میرے ٹیولپس۔“

”تمہاری لسٹ میں زبرج نہیں ہے لیکن خیر ہے یہ تو بہت آسان ہے۔مجھے منظور ہے۔گرین کارڈ کے لئے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں۔“

دانین ہنس پڑی۔زبرج اسکے ساتھ ہی ہنسا تھا۔یہ الوداع اسکے لئے مشکل ثابت ہونے والا تھا۔تھوڑی دیر وہ مذید وہیں بیٹھا رہا۔وہ خدشات کہتی رہی زبرج رد کرتا رہا۔لفظوں کے ساتھ برا لڑکا ٹوٹی پھوٹی تسلیاں دے ہی چکا تھا۔کافی دیر بعد وہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب تو جا سکتا ہوں ناں میں؟“ وہ والٹ اٹھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”بلکل میں نے کب روکا ہے؟“

زبرج کئی لمحے خاموشی سے اسے تکتا رہا تھا۔اسے خود پہ خوش قسمتی کا سا گمان ہوا۔اس نے جسے چاہا تھا وہ اسکے روبرو تھی۔اسکی محبت میں مبتلا،ایسے جیسے وہ خود تھا۔اسکی طلب گار۔بالکل ویسے جیسے وہ خود تھا۔اس نے اپنی محبت نہیں کھوئی تھی۔نعمتوں کی اس پہ کوئی حد نہ رہی تھی۔وہ یونہی اسے دیکھتے ہوئے ابھی چند قدم ہی آگے گیا ہوگا جب دانین نے اسکے قدموں میں زنجیر ڈالی۔

”زبرج . . . . . “وہ رک گیا۔مڑا نہیں۔”تم نے کہا تھا جب میں تمھیں بلاؤں گی تم آجاؤ گے۔آجاؤ پلیز۔“اس کے لہجے میں ایک حق تھا۔

"دانین . . . میں ابھی دو قدم ہی آگے گیا ہوں۔" اسے لگا تھا یہ مذاق ہے۔چہرے پہ بے یقینی ہنوز قائم رہی۔

"تم نے کہا تھا وقت کی کوئی قید نہیں۔تم نے کہا تھا تم وعدے نبھاتے ہو۔" وہ اسکے الفاظ کس طرح سے اسے لوٹا رہی تھی۔زبرج شاہنواز کے پاس جیسے کہنے کو کچھ نہ رہا۔محبت باپ کی میراث نہیں جو بغیر محنت کے مل جائے اسے آج معلوم ہوا تھا۔

"میں آٹھ ماہ تمھیں آدھے کرایے پہ رہنے دیا ہے میں اگلے آٹھ سال بھی باخوبی یہ فرض نبھا سکتی ہوں۔تمھیں آسٹریلیا میں اسکالرشپ مل سکتی ہے تو ملکہ کے ملک میں بھی مل سکتی ہے۔میں نے تم سے آسائشات نہیں وقت مانگا ہے۔اور تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو۔اس لئے آجاؤ واپس۔" وہ بازو سینے پہ باندھے تیز تیز بول رہی تھی۔زبرج اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ اتنی چالاک کب ہوئی؟

"صاف صاف کہو ناں کہ تم مجھے اپنے جال میں جکڑ چکی ہو۔" وہ سلگ اٹھا۔کچھ دیر قبل اپنی خوش قسمتی اب مذاق لگ رہی تھی۔وہ یہاں قید نہیں تھا۔بس اسے خوف تھا کہیں وہ اپنے مقصد سے ہٹ نہ جائے۔

"ڈرامے بند کرو اور ادھر واپس آؤ۔آسٹریلیا جائے گا۔چپ چاپ ادھر آکر بیٹھو۔میں نے لندن کی ساری یونیورسٹیز ڈھونڈ لی ہیں۔اور گیس وہاٹ۔" وہ آنکھوں میں چمک لئے اپنے سے ذرا

سے فاصلے پہ کھڑے زبرج کو دیکھتے ہوئے بولی۔"ساری کی ساری ہونیورسٹیز کو تم جیسا مسکین، مفلس اور نادار لڑکا چاہیے۔"

"شٹ اپ میں اتنا بھی غریب نہیں۔"وہ بگڑ کر کہتا آگے آیا۔دانین کھل کر مسکرائی۔دل پہ لدا بوجھ اتر گیا۔زبرج اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔وہ اسے جانے نہیں دے گی۔

"ملکہ میری خالہ لگتی ہے ناں اور یونیورسٹیز تو میرے ماموؤں کی ہیں بھانجے کو گود میں لے کر کھلائیں گی۔"وہ جلا کٹا لگتا تھا۔

"اب سے وہ آدھا کرایا بھی نہیں دوں گا میں۔اور رات کا کھانا بھی دو گی تم۔وقت بے وقت کی کافی بھی تم پہ۔"انگلی اٹھا کر وارن کیا۔اگلے پانچ منٹ میں وہ دس ہزار شرطیں رکھ چکا تھا۔دانین بس مسکراتی رہی۔ **(جیسے اس نے سب مان لینا تھا ہنہہ)** بڑا ہو کر سدھر جائے گا۔اس نے دل میں سوچا تھا۔

ماضی کے دھواں چھٹ گیا اور حال غالب آیا۔زبرج آنکھیں موندے صوفے سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔وہ اب اٹھارہ سال کا نہیں تھا۔دس سال نے اسکی زندگی میں بہت کچھ بدل دیا تھا۔ان دونوں کے درمیان گہرا سکوت قائم رہا۔

"مجھے نہیں پتہ تسلی کیسے دی جائے۔لیکن مجھے یقین ہے تم اب اچھا محسوس کر رہے ہو گے۔"وہ نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔زبرج نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

زخرف کے لئے شاید وہ ایک قصہ ہو۔مگر زبرج شاہنواز کی یہ زندگی تھی۔جو اسکے دل پہ گزر رہی تھی اسے کوئی چاہ کر بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔دل ہلکا ہوا تھا مگر مسائل اب بھی جوں کے توں تھے۔لیکن وہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔چپ چاپ۔بے آواز۔

دس جنوری۔

شام پانچ بجے۔

تہہ خانہ اس وقت ہسپتال کے کمرے کا منظر پیش کر رہا تھا۔لوہے کے بیڈ پہ حسن سلطان لیٹا ہوا تھا۔سینے سے شرٹ غائب تھی،اور اب اسکا جسم ایک چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔اسکی دائیں طرف زلطان کھڑا تھا۔سوئیٹر کے بازو موڑ رکھے تھے۔ماتھے پہ پٹی تھی اور چہرے پہ نیل۔چند دنوں کے اندر اندر اسکی شکل بدل کر رہ گئی تھی۔دوسری طرف حنزلہ کھڑی تھی۔سپاٹ تاثرات لئے وہ کئی اوزار نکال نکال کر لکڑی کی میز پہ رکھتی جا رہی تھی۔

"ان اوزار کو آپ اس طرح کیسے رکھ سکتی ہیں؟یہ میز ہزار جراثیموں سے بھری ہوئی ہوگی اور یہی اوزار آپ اسکے جسم پہ استعمال کریں گی؟کوئی الرجی ہو سکتی ہے۔"زلطان ہاتھوں پہ دستانے چڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"ڈاکٹر آپ ہیں یا میں؟اگر آپ ہیں تو آئیں آپریٹ کریں۔"وہ سلگ اٹھی۔

"اگر آپ بھول رہی ہیں تو میں آپ کو یاد کرواؤں میں نے دو سالہ فرسٹ ایڈ کورس کیا ہوا ہے۔"

"فرسٹ ایڈ اور سرجری میں بہت فرق ہوتا ہے زلطان صاحب۔"

"احتیاطی تدابیر بدلا نہیں کرتیں مس اجلال احمد زئی۔آپ میرے دوست کے ساتھ یہ نہیں کر سکتیں ورنہ ہم کسی دوسرے ڈاکٹر کی ڈیمانڈ کریں گے۔"وہ سینے پہ ہاتھ باندھ کر قطعی انداز میں بولا۔

"ضرور کیجئے۔تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ دوسرا ڈاکٹر صرف جبل خان کے لئے کام کرتا تھا اور وہ صاف صاف لفظوں میں تم میں سے کسی کا بھی علاج کرنے سے منع کر چکا ہے۔"وہ غصے سے بڑبڑانے لگی۔"میں بھی دیکھوں ذرا بہرام تمھارے لئے کونسے سرجن بلواتا ہے۔"

زلطان تنک اٹھا۔"مجھے لگتا ہے آپ سب بہن بھائیوں نے اسکول میں اخلاقیات کا سبق نہیں پڑھا۔"

"جی بلکل اسی طرح جس طرح آپ اور آپ کے دوستوں نے ایڈجسٹمنٹ کا سبق نہیں پڑھا۔ہر جگہ کو اپنے خاندان کا پیلس سمجھ لیا ہے۔"زلطان نے تحیر سے شادان کو دیکھا۔ایسے جیسے کہہ رہا ہو۔"ایسی بھی کیا مجبوری تھی بھائی۔"

شادان نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔جیسے کہنا چاہتا ہو۔"یہاں میری بھی ٹانگیں کانپ جاتی ہیں۔"زلطان واپس حنزلہ کی طرف مڑا۔

”میں اس طرح تو ہرگز آپ کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔“زلطان نے ہاتھ اٹھا لئے۔”یہ گندگی میں برداشت نہیں کر سکتا۔“

”اوہ واقعی؟یعنی آپ کے پاس چوائس ہے؟بڑی خوشی ہوئی سن کر۔“حنزلہ استہزائیہ انداز سے بولی۔

”زلطان . . . “شادان اس سارے وقت میں پہلی بار بولا تھا۔”اسے کرنے دو اپنا کام جانتی ہے وہ۔“

حنزلہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔آنکھوں میں طنزیہ سا تاثر ابھرا۔

”جی بلکل جانتی ہوں لیکن کچھ دیر کے لئے ہمدردی دکھائی تھی اور نتیجہ دیکھ لیا۔لوگ اپنے مسیحا پہ بھی بندوقیں تان لیتے ہیں۔“

شادان تھک کر نرم سا مسکرایا۔حنزلہ نے اسپاٹ لائٹ زخم پہ درست کی اور آنکھیں بند کر کے زیر لب کچھ پڑھا۔پھر ایک اوزار ہاتھ میں لیا۔اسکے چہرے پہ تھوڑی بے چینی تھی۔شاید خوف بھی۔

”آئی ایم سوری مگر یہ پہلی بار ہے۔“اس نے نگاہیں اٹھا کر ان دونوں کو باری باری دیکھا۔”مجھے نہیں پتہ میں یہ کر سکتی ہوں یا نہیں۔آر یو شیور؟یہ آپ کا دوست ہے میں“ . . . .

"اگر آپ ایک چھ فٹ کے مرد پہ بندوق تان سکتی ہیں تو اسکے اندر کا لوہا نکال بھی سکتی ہیں۔"زلطان وہ سارے اوزار سبز میڈیکل کٹ والے کپڑے پہ رکھ رہا تھا۔باز نہیں آیا یہ آدمی۔"آپ کر لیں گی۔شروع کریں۔"

حنزلہ اب بھی متذبذب تھی۔اس نے شادان کو دیکھا۔وہ سیلن زدہ دیوار سے ٹیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پہلے تم لوگ ہمیں اغوا کرتے ہو۔پھر مار پیٹ اور پھر گولیاں مار دیتے ہو۔"وہ زمین پہ ہتھیلی کا زور دیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔"پھر تم ایک مکمل ڈاکٹر کو اندر چھپا کر ایک آدھے ڈاکٹر کو ہمارے دوست کی سرجری کرنے بھیج دیتے ہو اور پھر سرجری کرنے سے ڈرتے بھی ہو۔"وہ اس کے عین سامنے کھڑا ہوا۔"یعنی اب اپنے اغواکاروں کو مورل سپورٹ بھی ہم دیں؟"طنز نہیں تھا تو تسلی بھی نہیں تھی۔

حنزلہ اسکے چہرے کو دیکھتی رہی۔اسکی آنکھ کے آگے،ماتھے پہ اور رخسار پہ زخم تھے۔یہی حال اسکے سینے کا بھی تھا۔کمر اور ٹانگوں کا حال بھی مختلف نہ تھا۔اسے تکلیف سی ہوئی۔وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔

"کم از کم تم سے کسی قسم کی سپورٹ کی توقع نہیں ہے مجھے۔"اس نے گردن پھیر لی اور جھک کے دستانے والے ہاتھوں سے حسن کے بازو پہ میڈیکل پین سے ایک نشان بنانے لگی۔اسکے ہاتھوں کی لرزش کم ہو چکی تھی۔

"ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ تمھیں رقعوں کی توقع تھی اور میں ای میلز بھیجتا تھا۔"

زلطان اس قصے سے ناواقف تھا مگر پھر بھی مسکرایا۔وہ جانتا تھا یہ قصہ ضرور دلچسپ ہو گا۔

"اگر تم اپنا منہ بند کرو تو میں اپنا کام شروع کروں؟"

"کیا تم میرے منہ سے کام کرتی ہو؟"

"نہیں لیکن میں ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔"وہ جھلائی۔

"اور ہم پانچوں تو یہاں ہنی مون منانے آئے ہیں؟دیکھو ذرا ہمارے چہرے سے وہی خوشی ٹپک رہی ہے جو نانی کے گھر جاتے وقت ٹپکتی تھی۔"اس نے چہرہ آگے کیا۔حنزلہ اکتا کر پیچھے ہوئی۔

"ظلم یہ ہے کہ ہمیں یہاں آئے ہوئے چار دن ہو گئے اور ہم نے اپنی نانی بھی نہیں دیکھی۔"زلطان صفدر نے سر جھٹکتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

"تم دونوں مجھے ہراس کر رہے ہو۔"وہ اوزار رکھ کر روہانسی ہوئی۔

شادان ہنس پڑا۔زلطان اسکے ہنسنے پہ ہنسا تھا۔اگلے کئی لمحے وہ دونوں پاگلوں کی طرح ہنستے رہے۔

"ہم ہراس کر رہے ہیں؟واقعی ہم ہراس کر رہے ہیں اور تم اور تمہارے بھائی ہمیں گود میں بٹھا کر فیڈر پلاتے ہو؟"

"اغواکار،حبس بے جا میں رکھنے والے بلیک میلرز ہراسمنٹ کی بات کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے بی بی۔"زلطان نے اسی انداز میں کہتے ساتھ اسکی توجہ حسن کی طرف دلوائی۔شادان نے بھی

اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ حسن سلطان کے بے ہوش وجود پہ ڈالی۔زور گڑھ نے ایک اینکر کو نرس بھی بنا دیا تھا۔ایک سیاست دان کو آدھا ڈاکٹر اور ایک آدھے ڈاکٹر کو پورا سرجن۔ظلم کی انتہا تھی کہ نہیں؟

تھوڑی دیر بعد عیسیٰ(**حنزلہ کا چھوٹا بھائی**)وہیں آگیا تھا۔اگلے تین گھنٹے اس تہہ خانے میں موت جیسی خاموشی رہی تھی۔واحد آواز وہ تھی جو ان چار لوگوں کے سانس لینے کی تھی۔واحد شور وہ تھا جو کوئی اوزار ٹکرانے پہ پیدا ہوتا تھا۔بلاخر پورے تین گھنٹے بعد گولیاں نکالی جا چکی تھیں۔اسکے ادھڑے جسم پہ ٹانکے لگائے گئے۔اور سفید پٹی اسکے پورے بازو اور سینے پہ لپیٹی گئی۔اب وہ پر سکون نیند سو رہا تھا۔بلکل پر سکون۔

حنزلہ اسکے جسم پہ چادر درست کرتے پیچھے ہوئی۔اسکی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔یہ اسکی زندگی کی پہلی سرجری تھی۔کب کہاں کیسے کن حالات میں ہوئی تھی؟وہ اس لوہے کے بیڈ سے ذرا سے فاصلے پہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھتی چلی گئی۔ٹانگوں سے جیسے جان نکل سی گئی ہو۔وہ اب سخت شاکڈ تھی۔

شادان،اور زلطان چند لمحے خاموشی سے اس بیڈ کے دائیں بائیں کھڑے اپنے دوست کو دیکھتے رہے۔وہ گولیاں انہیں اپنے سینے پہ لگتی محسوس ہوئیں۔وہ سفید پٹیاں کفن جیسی تھیں اور وہ بند آنکھیں ایسے تھیں جیسے رونق نے زندگی سے پردہ کر لیا ہو۔وہ دونوں خاموشی سے،تھک کر بیڈ سے ہٹ گئے اور ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھ گئے۔انکے عین سامنے حنزلہ تھی۔تہہ خانہ

خاموشی کی دبیز تہوں میں دبا ہوا تھا۔مگر ایک شور تھا جو وہاں موجود تمام لوگوں کی سماعتیں بہری کر رہا تھا۔

"مبارک ہو۔تم آزاد ہونے والے ہو۔"کئی ثانیے بعد حنزلہ کی ہلکی آواز نے اس مقدس خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔

"یعنی آپ مانتی ہیں ہم قید ہیں؟"شادان کی بجائے زلطان نے جواب دیا تھا۔

حنزلہ خاموشی سے لب کاٹنے لگی۔"کئی بار چیزیں اور حالات صحیح غلط سے آگے نکل جاتے ہیں۔کئی بار ہمارے پاس بس حل ہوتے ہیں۔آپ ہمارے قیدی نہیں ہمارا حل ہیں۔"

"خود کو اس طرح تسلیاں دیتی ہیں آپ؟"وہ تیز لہجے میں بولا۔"تین دن صرف اور صرف تین دن بعد ہماری زندگی نئے سرے سے بدلنے والی ہے اور ہم یہاں اس قید خانے میں ہیں۔تین دن بعد ہم یہاں سے زندہ جائیں گے یا لاش کی صورت ہم یہ بھی نہیں جانتے۔کیا ہم یہ ڈیزرو کرتے ہیں؟"وہ ملامت کر رہا تھا۔"ایک غلطی جو ہمارے پیرنٹس سے ہوگئی انکی سزا ہمیں ملنا یہ کونسا اصول ہے کونسا قانون؟"

"اور جو سزا ہم بھگت رہے ہیں اسکا کیا؟"وہ بے حد درشتی سے اسکی بات کاٹ کر بولی۔عیسیٰ نے باقاعدہ مڑ کر اسے دیکھا تھا۔"کروڑوں روپے کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ہم بیٹھے بیٹھے اپر مڈل کلاس سے غربت کی لکیر کو چھونے لگے ہیں وہ کیا ہے۔ہمارے بچوں کو انکے حقوق نہیں مل

رہے۔ آدھی غذا، آدھی تعلیم، آدھے حقوق کیوں؟ کیونکہ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے؟ لیکن پسہ تو ہے ہمارے پاس۔" اسکی آنکھوں میں سرخی سی اترنے لگی۔

"پیسہ . . . ہے . . . ہمارے . . . پاس۔" چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ "لیکن اس پہ غاصب ہیں لوگ۔"

"فار گاڈ سیک تم لوگ اس پیسے کو بھول کیوں نہیں جاتے؟" سید شادان کے صبر کی انتہا ہو چکی تھی۔

"انسان قسمت کے لکھے پہ صبر کر لیتا ہے، بھول جاتا ہے۔ چھینی ہوئی چیز بھولی نہیں جاتی شادان صاحب۔ ہم سے ہمارا پیسہ چھینا گیا ہے۔" اسکی آنکھیں، انکے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ ہرٹ لگتی تھی۔ "اللہ کی رضا پہ ہر کوئی راضی ہو جاتا ہے لوگوں کے رویے پہ کوئی راضی نہیں ہوتا۔ ہم بھی نہیں ہوں گے۔ نہ ہوئے ہیں۔ اور اسکے لئے چاہے ہمیں گولیاں مارنی پڑیں چاہے لوگ اغوا کرنے پڑیں ہم کریں گے۔ ہم بھی دیکھیں گے کیسے کھاتا ہے کوئی ہمارا پیسہ۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھی۔ شادان لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ زلطان کے چہرے پہ البتہ کوئی تاثر نہیں تھا۔

"اور اب تو تم سب آزاد ہونے والے ہو ناں؟ پھر کس بات کا غم ہے؟"

"ہم آزاد نہیں ہو رہے۔ تم قید ہو چکے ہو۔"

دروازے کی طرف بڑھتی حنزلہ کے قدم شادان کی آواز پہ تھم گئے تھے۔ وہ مڑی تھی۔

"ہم تمہارا کام نہیں کر رہے حنزلہ بی بی۔اور تمھارے بھائیوں نے اب تک مجھے بہنوئی ہونے کا شرف بخشا نہیں اس لئے وہ ہمیں آزاد نہیں کرے گا۔"

وہ واپس آئی۔اسکا ماتھا ٹھنکا تھا۔ہاتھوں پہ چڑھے خون آلود دستانوں میں چھپے ہاتھ لرزے تھے۔اسکے چہرے پہ کچھ در آیا تھا۔

"تم لوگ بھول گئے تھے کہ ہم اس ملک کے ذہین گِدھ ہیں۔ماس نوچنے کے تمام طریقوں سے واقف۔" وہ ہنس پڑا،زلطان کے ہاتھ پہ ہاتھ مارے ہنس پڑا۔زلطان بھی مسکرایا تھا۔ان دونوں کے چہرے بے حد مختلف تھے۔حنزلہ نے جھک کر اسکی گریبان کو پکڑا۔وہ اسکے اٹھانے پہ اٹھ گیا تھا۔

ان دونوں کی نظریں ایک دوسرے کی نظروں پہ جمی تھیں۔دونوں میں قہر تھا،دھوکا تھا،بغاوت تھی،خلش اور رنجش تھی۔حنزلہ کے ہاتھ اسکی گردن پہ تھے۔اور آنکھوں میں قہر۔

"تم کیا کر رہے ہو؟تم نے کیا کیا ہے؟" وہ پھنکاری تھی۔

شادان مسکرایا۔پھر ہنس پڑا۔اور پھر وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔حنزلہ نے اسکے سینے پہ دھکا دے کر اسے گرایا۔وہ خود کو ڈھیلا چھوڑ چکا تھا اس نے خود کو گرنے دیا۔اسکی آواز پلٹ پلٹ کر واپس آتی تھی۔وہ دیوانہ وار ہنس رہا تھا۔تہہ خانے کے فرش پہ لیٹا ہنستے ہوئے وہ عجیب لگتا تھا۔

"مجھے بتاؤ تم نے کیا کیا ہے؟" اسکا بس نہیں چلتا تھا شادان کے اور اسکے ساتھیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔وہ یونہی گردن پیچھے گرائے ہنستا رہا۔زلطان بھی ہنس رہا تھا۔ان دونوں کے قہقہے

حنزلہ کے دماغ پہ کوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی۔ریوالور شادان کی گردن پہ رکھی۔"تم کیا کر رہے ہو؟"

شادان سیدھا ہوا۔محظوظ تاثرات لئے اسے دیکھا پھر اسکے کان کے پاس جھکا۔

"سازش۔۔۔۔"

وہ صرف اور صرف ایک لفظ بولا تھا۔حنزلہ دھیرے سے فرش پہ ڈھے گئی۔یوں جیسے جسم سے جان سی نکل گئی ہو۔عیسیٰ تیزی سے اسکی طرف آیا۔وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ نہیں سن سکی۔

لفظ سازش ہر اور گونجنے لگا اور سماعتیں بہری ہونے لگیں۔

دس جنوری۔

شام سات بجے۔

انگیٹھی والے کمرے میں واپس آؤ تو اختر مودب سا بہرام کے کان پاس جھک کر اسے حنزلہ کی طرف سے آپریشن کامیاب ہونے کا پیغام سنا رہا تھا۔بہرام کے چہرے پہ بے حد تشفی اتر آئی تھی۔اس نے ہاتھ کے اشارے سے اختر کو جانے کا اشارہ کیا اور خود ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔نظریں سیدھ میں تھیں۔وہ اپنی داہنی طرف رکھے صوفے پہ بیٹھے ان دو قیدیوں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ

آتش دان کے بائیں طرف رکھے ایک سنگل صوفے پہ آلتی پالتی مارے اپنی ریوالور صاف کرتے جبل خان کو دیکھ رہا تھا۔وہ جس کا ہر ہر انداز کہتا تھا یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسکی جوتی کو بھی پرواہ نہیں۔

زبرج اور زخرف کی طرف دیکھو تو وہ دونوں انتہائی آرام سے بکرے کی ران،دنبے کی کڑاہی،بڑے گوشت کے کباب کے ساتھ انصاف کرنے میں مصروف تھے۔زبرج یوں کھا رہا تھا جیسے اسے کئی برسوں بعد کھانا نصیب ہوا تھا۔وہ ذرا ذرا دیر کو رکتا،اپنی انگلیاں چاٹ لیتا اور پھر دوبارہ کھانے لگتا۔چار دن بعد گوشت کے دلدادہ کو گوشت نصیب ہوا تھا اسکی یہ حالت بنتی تھی۔

"سنو . . . "دفعتاًزخرف کھاتے کھاتے رک گئی۔اور بہرام کو دیکھا۔"بلیک پیپر ملے گا؟آئی مین کالی مرچ؟"

"ایم بی اے کیا ہے میں نے اتنی انگریزی آتی ہے مجھے۔"وہ تپ کر بولا تھا۔

زخرف ڈھٹائی سے مسکرائی اور دوبارہ کھانے لگی تھی۔اسکے سیدھے ہاتھ پہ جلے کے نشان تھے۔زبرج اسکے لئے نوالے بنا بنا کر اس کی پلیٹ میں رکھ رہا تھااور وہ کھاتی جا رہی تھی۔جبل خان دانستاً ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔اسے برا لگ رہا تھا۔یہ دوستی اب اسکی برداشت سے باہر تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں سیر ہو کر کھا چکے اور خود کو بے اختیار صوفے کی پشت پہ پھینک سا دیا۔روح کے اندر تک شانتی اتر گئی تھی۔اسی لمحے زخرف فوراً سیدھی ہوئی۔بچایا ہوا کھانا دیکھا اور

اس میں سے کچھ پلیٹ میں نکالنے لگی۔زبرج بھی سیدھا ہوتے ہوئے کباب اور دنبے کا روسٹ ایک پلیٹ میں نکال رہا تھا۔ہر کوئی حیرت سے،اور تحمل سے ان نمونوں کو دیکھ رہے تھے۔جنہیں اچانک ہی ایک نیا کارنامہ یاد آگیا تھا۔

"جبل خان؟ہمارے دوستوں نے بھی کافی دن سے کچھ نہیں کھایا تم یہ کھانا پلیز انکو بھجوا دو گے۔؟"زخرف نے گردن موڑ کر جبل خان کو مخاطب کیا تھا۔ریوالور کی نال کو روئی کے گولے سے صاف کرتے اسکے ہاتھ تھم گئے۔آس پاس کھڑے لڑکوں نے مسکراہٹ دبائی تھی۔انکے چہروں پہ معنی خیز مسکراہٹ در آئی۔جبل سلگ کر رہ گیا اور ملامتی نظروں سے بہرام کو دیکھا۔وہ نظریں چرا گیا تھا۔

"اٹھاؤ یہ کھانا اور انکے دوستوں کو دے آؤ۔"بہرام نے حکم صادر کیا۔دو لڑکوں نے آگے بڑھ کر ٹرے اٹھا لئے جاتے جاتے جبل کو دیکھنا نہیں بھولے۔وہ چلے گئے تو بہرام پوری طرح سے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔چہرے پہ فتح کا خمار تھا۔

"میرا خیال ہے اب تم دونوں کپڑے تبدیل کرو،چہرہ صاف کرو تاکہ ویڈیو بن جائے۔اور اپنے گھر والوں سے بھی بات کروائیں گے تمہاری۔تیار ہو؟"

بہرام ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔زخرف اور زبرج نے نا سمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اور ہم کوئی ویڈیو کیوں ریکارڈ کریں گے؟"

"تم نے ہمیں گود لیا ہے جو ایسی آسائشات دینے کا سوچ رہے ہو؟" ان دونوں کے جواب بے حد الگ تھے۔ بہرام خان کی سوچ سے زیادہ الگ۔ بہرام کے دماغ کی پھرکی گھوم گئی مگر اس نے ضبط کیا۔ہاتھوں کو کسی قسم کے تشدد سے باز رکھا

"تم کو مرنا ہے تو صاف صاف بولو۔" وہ چبا چبا کر بولا۔ پھر آگے کو ہو کر بیٹھا ہاتھوں کو باہم ملایا۔"ہم کو یہ کھیل کھیلنا نہیں آتا۔ ہم سیدھا آدمی ہے ہمارا دماغ خراب مت کرو۔ سیدھا سیدھا ویڈیو ریکارڈ کرواؤ۔ اپنے خاندان سے کہہ کر ہمارا کام کرواؤ۔ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" غصے میں اسکا پشتون لہجہ عود کر باہر آتا تھا۔

زخرف ہلکا سا مسکرائی۔ اسکے پھولے ہوئے گال سرخ پڑ رہے تھے۔اور سرمئی آنکھیں اس وقت کوئی بے حد مختلف کوئی ترش سا تاثر دیتی تھیں۔

"جانتے ہو بہرام ہم پانچ لوگ کیا ہیں کون ہیں؟" وہ محظوظ کن انداز میں کہہ رہی تھی۔ "کرپشن، جھوٹ، دھوکا، ہم سے شروع اور ہم پہ ختم ہوتا ہے۔ ہم نے اتنے غلط کام کئے ہیں کہ ہمارے بائیں کندھے والا فرشتہ گنتی بھول چکا ہوگا۔ اور دائیں کندھے والے فرشتے کو کئی سال سے کچھ لکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ لیکن پھر بھی ہم چاروں اس ملک کے سب سے مشہور لوگ ہیں جانتے ہو کیوں؟" اسکی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ آنکھیں مزید سرد۔ "کیونکہ ہمیں سازش کرنا آتی ہے۔ یہ ہمارا سب سے بڑا ٹیلنٹ ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم ایسے جھوٹ بولتے ہیں جیسے سچا سچ بھی نہ کہتا ہو۔ تمہیں واقعی لگتا ہے ہم ریپوٹیشن، مقام چھوڑ کر تمہاری بات مان لیں گے؟
"

وہ چپ ہوئی۔اب زبرج آگے ہوا۔اسکے لبوں پہ مسکراہٹ نہیں تھی مگر آنکھوں میں ٹھنڈک تھی۔اور چہرے پہ سنجیدگی۔

''ہم پانچ لوگوں میں سے صرف ایک ہے جو ایک سیدھا آدمی ہے۔معصوم، سچا، کورا صاف۔اسکی گھٹی میں ایمانداری ہے اور سینے میں ہمدردی۔اورجب وہ بھی اس وقت سازش کر رہا ہے تو تم سے کیا امید لگائے بیٹھے ہو؟ تمھیں لگتا ہے تم نے اسے گولی ماری ہے؟''اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔بہرام کا تاریک پڑتا چہرہ غور سے دیکھا۔''حسن سلطان نے تمہیں بے وقوف بنایا۔تمھارے غصے کو نشانہ بنایا اور تمھارے ساتھ سازش کی۔میری ساتھی بلکل درست کہتی ہیں۔سازش ہمارا واحد ٹیلنٹ ہے۔''

بہرام کو اس وقت اپنا آپ ایک بونا سا لگا۔اسکے حلق سے کوئی لفظ برامد نہیں ہوئے۔وہ ساکت سا انہیں دیکھ رہا تھا۔اسکے سامنے بیٹھا جبل یونہی بے فکری سے اب اپنی ریوالور کو بند کر رہا تھا۔پھر میگزین واپس ڈالی، گھوڑا چڑھایا اور ریوالور آنکھیں کے قریب کیا۔پھر یونہی بے اختیار تین سے چار فائر کیے۔

ٹھاہ . . ٹھاہ . . . ٹھاہ . . . . .

آتش دان والا کمرہ گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔بہرام نے غیض سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

''تم میری ناکامی کا جشن منا رہے ہو؟''وہ بلند آواز میں غرایا۔

"اونہوں . . . اپنی کامیابی کا۔" وہ اسے دیکھے بغیر بولا۔"میں نے کہا تھا اگر بے وقوفوں کی کوئی بستی ہوتی تو تم وہاں کے بادشاہ ہوتے۔ تم نے ثابت کر دیا۔"

جبل کی آنکھوں، لہجے میں واضح لاتعلقی تھی۔ تضحیک تھی۔ بہرام خان کو اپنی رگوں کے اندر لاوا اترتا محسوس ہوا۔ وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔

"ہم مزید کتنی دیر یہاں ہیں؟ ڈرامہ کتنا لمبا چلے گا۔؟" زبرج اکتا کر بولا۔

"تمھیں ہم سے ڈر نہیں لگتا؟" وہ یکدم سیدھا ہوا۔ اسکی آنکھوں میں کچھ جاننے کی چاہ تھی۔"کیا ہے جو تمھیں ہم سے اتنا بے خوف کئے ہوئے ہے؟"

"ہماری جان۔" زخرف جتا کر بولی۔"تمھیں لگتا ہے تم نے ہمیں بے بس کر دیا ہے؟ نہیں بہرام تم ہم سے زیادہ بے بس ہو۔ تم ہمیں مار سکتے ہو بس ایک حد تک۔ تم ہمیں ٹارچر کر سکتے ہو بس ایک حد تک۔ تم ہمیں یہاں رکھ سکتے ہو مگر . . . . ایک حد تک۔" اس نے آخری لفظوں پہ زور دیا۔"سات دن بعد، چاہے سات ماہ بعد جب ہم یہاں سے جائیں گے تو آزاد ہوں گے۔ سات دن میں چار دن گزر چکے ہیں اور تم آج بھی پائنٹ زیرو پہ ہو۔ تمھارے لئے بہتر یہی ہو گا کہ ہمیں یہاں سے جانے دو۔ کیا معلوم یہاں سے نکل کر ہمیں تم پہ ترس آہی جائے اور ہم تمہارا معملہ حل کرنے پہ تیار ہو جائیں؟ یو نیور نو۔"

بہرام کے دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔ کچھ ایسا جس نے اسے شانت کر دیا۔ وہ مسکرایا۔ سات جنوری سے آج دس جنوری کے درمیان یہ بہرام کی پہلی پر سکون مسکراہٹ تھی۔

اب اسے ایجنٹ کے اشارے نہیں چاہیے تھے۔اب وہ skipper سے کیا واحد وعدہ توڑنے کو تیار تھا۔اب وہ جو کرے گا خود کرے گا۔دہر ایک نیا باب کھول رہا تھا۔اور اسکے لئے زور گڑھ تیار نہیں تھا۔تم تیار ہو؟

(Democracy)

جمہوریت۔

دو ماہ قبل۔

اسلام آباد پاکستان۔

وقت دوپہر کے پونے بارہ۔

وسیع وعریض رقبے پہ پھیلا وہ گالف کورس خاموش تھا۔میدان کے عین بیچوں بیچ تین افراد کھڑے تھے۔جبکہ کئی گارڈز اور ملازمین فاصلے پہ کھڑے تھے۔ان تین لوگوں کی طرف آؤ تو سفید پولو شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ اور سرخ پی کیپ پہنے زلطان صفدر کے ہاتھ میں رکٹ تھا۔اسکی دائیں طرف سراج صفدر تھا اور بائیں طرف اب تک کا غیر شناسا کردار۔

وہ بھی سفید ہی پولو شرٹ کے ساتھ سفید پینٹ پہنے ہوئے تھا۔چہرے کی پختگی اسکی عمر رسیدگی کی داستان کہتی تھی۔بالوں کا سرمئی پن اسکی گزری عمر کی روداد کہتا تھا۔وہ پاکستان کی تیسری بڑی

سیاسی پارٹی کا لیڈر تھا۔اور یہاں کم از کم گالف کھیلنے نہیں آیا تھا۔زلطان ہلکا سا جھکا۔بال کو رکٹ سے چھوا۔

"ایک قدم پیچھے لو زلطان۔"رفاقت حکیم بال پہ نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"مجھے قدم پیچھے لینے کی عادت نہیں۔یہ بزدلی ہے۔"

"حلانکہ یہ تکنیک ہے۔جب تم ایک قدم پیچھے لو گے،تو دوہری طاقت کے ساتھ آگے آؤ گے۔تم نے کبھی بھیڑیے کو شکار کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟"وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔

زلطان نے آنکھیں چندھیائیں،اپنی جگہ کھڑے بال پہ ضرب لگائی۔اور گیند پوری رفتار کے ساتھ آنکھ سے اوٗجھل ہوا اور اسی طرح اپنے ہدف کو جا پہنچا۔زلطان مسکرایا۔پھر مڑ کر حکیم کو دیکھا۔دھوپ سے اسکی آنکھیں چندھیارہی تھیں۔

"نہیں کیونکہ مجھے بھیڑیے نہیں پسند۔"وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔سراج نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسکے ساتھ مسکرایا۔

"حلانکہ بھیڑیوں کے شکار کرنے کی تکنیک عظیم ہے۔"حکیم نے فوراً اعتراض پیش کیا۔

زلطان نے پاس کھڑے ملازم کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے سے جوس کا گلاس اٹھایا۔"اور اپنی اس تکنیک کے باوجود وہ جنگل کے بادشاہ نہیں۔جو بادشاہ نہیں مجھے اسکی چال،مہرے،شکار پہ اعتبار نہیں۔ذراسی زندگی ہےبادشاہ کے علاوہ کسی کو adore کرتے ہوئے گزار دی تو پیچھے کیا بچتا ہے؟"

حکیم نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ ”یکجہتی کا مطلب جانتے ہو زلطان؟ بھیڑیے یک جٹ ہو کر شکار کرتے ہیں۔ جب انکا قافلہ چلتا ہے تو آگے طاقتور بھیڑیے ہوتے ہیں۔ بیچ میں بوڑھے اور بیمار اور آخر میں مضبوط، توانا بھیڑیے۔ یہ ترتیب یونہی طے نہیں ہو جاتی۔ یہ سب جمہوریت طے کرتی ہے۔ جمہوریت اور یکجہتی میں بقا ہے۔ عافیت بھی۔“ اس نے دو قدم آگے بڑھ کر زلطان کے کندھے کو تھپتھپایا۔ ”جمہوریت ہی عامریت ہے۔“ وہ دھمکا رہا تھا۔ شاید نہیں یقیناً۔

سراج اس دوران کچھ نہیں بول رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں چمک اور لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ لئے یہ براہ راست ٹاکرہ دیکھ رہا تھا۔ حلانکہ ایک طرف اسکا بھائی تھا مگر جب دو لوگ لڑیں اسے سکون ملتا تھا۔

”بھیڑیے بے شک مہذب جانور ہوں گے۔ diplomatic بھی۔ مگر اقتدار سے کوسوں دور۔ میں ایک گروہ کو لیڈ کرنے کی بجائے چند ایسے لوگ رکھنا پسند کروں گا جو میرا کام بانٹ لیں۔ بوڑھے بھیڑیوں کو چاہیے وہ اپنے مسکن آباد کریں جنگل اب جوان کندھوں کے حوالے ہو جانا چاہیے۔“

سراج کا جی چاہا تھا زلطان صفدر کا ماتھا چوم لے۔ ایسے ایسے کاری جواب تو اسکے پسندیدہ تھے۔ وہ اب حکیم کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ اچھے ڈائیلاگز اسکی طرف سے بھی آنے چاہیے تھے۔ اس کھیل کو مذید آگے چلتے رہنا چاہیے تھا۔

"تمھارے یہ اصول اور یہ سوچ صرف جنگل کے بھیڑیوں تک محدود ہے یا پھر سیاست کا میدان بھی؟" حکیم کی آنکھیں زلطان کی بھوری آنکھوں میں گڑھ سی گئیں۔

"میں زندگی کے ہر میدان میں ایک ہی رائے رکھتا ہوں حکیم صاحب۔" سہولت سے کہا گیا۔

"اپنے بڑوں سے مشورہ کرو لڑکے۔ تم منہ سے بول رہے ہو، وہ تجربے سے بولیں گے۔"

"جیسے کہ میں سن لوں گا۔" اس نے استہزائیہ ہاتھ جھلایا۔ بات بگڑنے کے ڈر سے سراج نے اب حکیم کے کندھے پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"آئیں میں آپ کو کچھ پتے کی باتیں بتاتا ہوں۔ یار آپ کو میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہئے۔"

وہ اس کے کندھے پہ بازو رکھے اسے اپنے ساتھ لئے چلا گیا۔ زلطان چبھتی نظروں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسے یہ آدمی کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

تقریباً پون گھنٹہ بعد وہ واپس صفدر مینشن میں تھے۔ لان میں رکھی کرسیوں پہ دھوپ سینکتے ہوئے چائے کا کپ زلطان کے ہاتھ میں تھا۔ اسکے سامنے حسن بیٹھا تھا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس سینے پہ سرخ گلاب سجائے، بال سلیقے سے سیٹ کئے وہ کسی محفل کی جان بننے کو تیار لگتا تھا۔ زلطان کے برعکس وہ اپنی چائے ختم کرنے والا تھا۔ زلطان کے برعکس وہ تازہ دم بھی لگتا تھا۔

"بھائی تیار ہو جا، جا کر۔ فنکشن کے لئے لیٹ ہو جائیں گے ہم۔" چائے کا کپ واپس رکھتے ہوئے اس نے زلطان سے کہا۔

"تم کراچی سے اتنی دور اس شادی میں شریک ہونے آئے ہو؟"زلطان نے کپ میں تھوڑی اور چائے ڈال کر کپ اسکی طرف بڑھایا۔حسن نے تھام لیا۔

"شادی کسی عام انسان کی نہیں ہے۔زخرف کی بہن کی شادی ہے یار۔تم اسکے باپ کی میت پہ بھی نہیں گئے تھے،اب ذرا غیرت کر لو۔"

"کارڈ بھیجا ہے اس نے،اگر مجھے بلانا تھا تو خود بھی آ سکتی تھی۔تمھارے پاس خود آئی تھی ناں؟"زلطان اب لان کی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔چہرے پہ لا تعلقی سی تھی۔

"جب اسکا باپ مرا تھا تب اس نے تمھیں خود کال کی تھی۔جب تم غم میں نہیں گئے تو خوشی میں تمھیں بلا کر کیا کرتی وہ؟"اس نے اکتاہٹ سے کہتے ہوئے کپ واپس میز پہ رکھا۔

"شادان بھی تو نہیں گیا تھا۔لیکن اسے بلانے وہ اسکے گھر گئی تھی۔"

حسن نے جیسے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"شادان اسکے باپ کے قتل والے دن اٹلی میں تھا مگر اس نے اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر فلائٹ لی اور اگلے دو روز میں وہ اسکے ساتھ تھا۔شادان کو بیچ میں مت لاؤ۔"

"اوکے۔"وہ سہولت سے بولا۔پھر آگے ہوا اور پلیٹ میں اپنے لئے ایک سینڈوچ نکالا۔اسی پل حسن کا فون بجنے لگا۔وہ زخرف کی طرف سے ویڈیو کال تھی۔حسن نے کال اٹینڈ کر لی۔

ہلکے جامنی رنگ کے لباس میں، چھوٹے بالوں کو کرل کئے کانوں میں بڑے بڑے آویزے ڈالے وہ سکرین پہ نظر آئی تو زلطان صفدر ایک پل کے لئے سانس نہیں لے سکا۔کوئی رنگ تھا جو اسکے چہرے پہ آیا تھا جس نے قوس قزح کے تمام رنگوں کو مات دے دی۔اسکی نگاہیں ایک نکتے پہ ساکت ہوئیں۔جس کی محبت میں وہ سترہ سال کی عمر میں گرفتار ہوا تھا وہ گیارہ سال بعد بھی اسکے دل پہ ویسا ہی گہرا اثر رکھتی تھی۔اس کو اپنے دل پہ غصہ آیا۔وہ آنکھیں آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھیں۔زلطان کو اپنے لئے بے بسی محسوس ہوئی۔

"جب تم نے اتنی ہی دیر سے آنا تھا تو آ ہی کیوں رہے ہو؟ اللہ جانے میں نے تم جیسے دوستوں کو بلایا ہی کیوں۔"وہ اس پہ بگڑ رہی تھی۔حسن اسے رام کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

چند منٹ بات کر کے اس نے فون کاٹ دیا۔اور ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر زلطان کو دیکھا تو ایک لمحے کے لئے ٹھہر گیا۔اسکے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی۔حسن واضح طور پہ اس تبدیلی کو دیکھ سکتا تھا۔

"اب بھی؟"وہ تحیر سے بس یہی دو لفظ کہہ سکا۔زلطان نے رخ موڑ لیا۔لب بھینچ لئے۔"دس سال ہو گئے ہیں زلطان۔"وہ جتا کر بولا۔

"دس سالوں میں یہ واحد جذبہ ہے جس پہ میں قابو نہیں پا سکا۔"وہ دھیرے سے،بے بسی سے بولا۔حسن اب مذید کچھ کہتا جب سراج صفدر رائل بلیو تھری پیس سوٹ میں مسکراتا ہوا اسی طرف آتا دکھائی دیا۔زلطان کو بے اختیار کوفت ہوئی۔زخرف اسکی دوست تھی جب وہ نہیں جا رہا

تھا تو اسے کیا ضرورت تھی؟بے گانی شادی میں سراج دیوانہ۔کاش وہ اس گھر میں سب سے چھوٹا نہ ہوتا کاش۔

"کیسا لگ رہا ہوں میں؟"وہ حسن کے سامنے رک کر پوچھنے لگا۔لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔چہرے پہ بشاشیت تھی۔

"دولہے کی جگہ آپ کو اسٹیج پہ بٹھائے جانے کے امکان ہیں۔"

"اوہ کم آن۔"اس نے ہاتھ جھلایا۔"مجھے اسکی بڑی بہن زیادہ پسند ہے۔"کرسی کھینچتے ہوئے وہ بڑے نارمل انداز میں بولا۔حسن ہنس پڑا تھا۔سراج نے گہری نظروں سے زلطان کو دیکھا۔

"تمہیں پتہ ہے حسن آج میرے بھائی نے کیا کارنامہ انجام دیاہے؟حکیم آیا تھا آج دبے دبے لفظوں میں آفر دی کہ مل کر حکومت بنا لیتے ہیں۔لیکن زلطان صفدر صاحب نےاپوزیشن میں بیٹھے ہمارے واحد حمایتی کو بھی ہم سے ناراض کر دیا واؤ۔"اس نے تین انگلیوں کو ہتھیلی پہ بجایا۔حسن غور سے سنتا رہا۔

"وہ اس وقت اپوزیشن کا اہم رکن ہے۔الیکشن میں وہ ہمیں ٹف ٹائم دے گا۔زلطان جیتے گا یہ میں ابھی سے لکھ کر دے سکتا ہوں ہوں لیکن سمیع کی گرفتاری کے بعد مجھے اپنی پارٹی کے لوگوں پہ بھروسہ نہیں ہے وہ زلطان کو چھوڑ کر دوسری طرف بھی جا سکتے ہیں۔"

"پھرآپ کیا چاہتے ہیں بھائی؟"حسن نے اسے بات کے درمیان ٹوکا۔

سراج کے چہرے پہ یکدم سنجیدگی چھاگئی۔اس نے ایک نظر زلطان کو دیکھا۔وہ اب بھی ان سے لا تعلق تھا۔یہ اسکی بات نہیں ہو رہی اوکے؟

"جمہوریت ایک بہترین حل ہے۔سیاست کھرا کھیل نہیں ہے۔زلطان کو diplomatic ہونا پڑے گا۔"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں میں اس حکیم کے تلوے چاٹوں؟یا گھٹنوں کے بل اسکے سامنے بیٹھ کر دم ہلاتا رہوں؟"کہیں کا غصہ اب کہیں نکل رہا تھا۔اسکی ایک جھلک زلطان کے کئی برس کا جمود پاش پاش کر گئی تھی۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم تاثر کھو دو۔جذبات ختم کر دو۔سیاست میں ناں بھی اس طرح کہنی ہوتی ہے جیسے اگلے کو ہاں لگے۔تم آج اسے انکار کرو گے وہ پاور میں ہے الیکشن میں دھاندلی کروائے گا۔لوگ تمھارے خلاف کرے گا۔یکجہتی امر ہے اور جن لوگوں نے اکیلے جنگیں لڑی ہیں انکے جسم کے ٹکڑے بھی نہیں ملے آج تک۔"وہ بولتے ہوئے رکا حسن کو دیکھا۔"تم بتاؤ حسن کیا یہ اس رویے کے ساتھ سیاست میں آگے جا سکتا ہے؟یہ ایک جمہوری ملک میں حکومت بنانے جا رہا ہے جہاں اسے چھوٹے چھوٹے بھیڑیوں سے یکجہتی کرنی پڑے گی۔"

"لیکن اس نے اب تک کاغذات نامزدگی بھی جمع نہیں کروائے۔"حسن نے ان کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلوائی۔"اب تو بہت کم وقت رہ گیا ہے۔اور ہر جگہ باتیں ہو رہی ہیں زلطان۔لوگ تمھارے خاندان کو ٹرول کر رہے ہیں۔اگر تم الیکشن نہیں لڑنا چاہتے تو صاف صاف

بتاؤ۔اس طرح اپنے خاندان کی بنی بنائی ریپوٹیشن کیوں خراب کر رہے ہو۔"اسکا انداز مصلحت لئے ہوئے تھا۔

زلطان اپنی جگہ سے اٹھا۔تیز، سلگتی نظروں سے صفدر اور حسن کو دیکھا۔

"نہیں لڑنا مجھے الیکشن۔نہیں کرنی سیاست۔نہیں جمع کروانی نامزدگی۔لو کہہ دیا۔اب دیکھتے ہیں کتنا اثر ہوتا ہے۔اور ایک اور بات وہ میری دوست کی بہن کی شادی ہے۔اگر غلطی سے انہوں نے کارڈ میں ود فیملی لکھ دیا ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔"

"پھر اسکا کیا مطلب ہے؟"حسن نے اپنی جنرل نالج کے لئے پوچھا۔

"اسکا مطلب ہے اخلاق،مروت۔بڑے لوگوں کا شیوہ۔"وہ جل کر بولا۔

"یعنی تمہاری دوست نے نہ تم سے اخلاق نبھایا،نہ مروت،شاید تم بڑے آدمی نہیں ہو۔اسی لئے کہتا ہوں آجاؤ سیاست میں تمہاری بھی اسی طرح قدر ہوگی جیسے میری۔"سراج صفدر نے جیسے اسے بہت پتے کی بات بتائی۔زلطان کوئی بھی جواب دیئے بغیر واک آؤٹ کر گیا تھا۔زخرف پہ چڑھے غصے میں اضافہ ہونے لگا۔اسے اس وقت گھر کے فرش تک پہ غصہ آرہا تھا۔کوئی اسے جانے کے لئے اسرار کیوں نہیں کر رہا تھا؟

دوسری طرف سراج اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے کھڑا ہوا۔"چلو دیر ہو رہی ہے۔زخرف کی بہن میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

حسن بے ساختہ ہنستے ہوئے اٹھا تھا۔"لیکن زلطان نے کہا تھامت جائیں۔"

"گھر میں سب سے چھوٹا ہے وہ،اور چھوٹوں کی کتنی سنی جاتی ہے یہ تو تم جانتے ہو۔"حسن کو بے اختیار اپنے غم یاد آنے لگے۔وہ دونوں اب گھاس کے قطعے پہ قدم رکھتے ہوئے پورچ کی جانب جا رہے تھے۔

"ویسے ابھی اسلام آباد میں ہو ناں تم؟"حسن نے اثبات میں سرہلایا۔دوست کے ساتھ جانا تھا اور جا رہا تھا دوست کے بھائی کے ساتھ۔لیکن اگر بھائی اتنا cool ہو تو دوست کو رد کیا جا سکتاہے۔"پرسوں ایک جلسہ ہے تم آؤ گے؟جوائن کرو یار۔مزہ آئے گا۔"

"آپ کا بھائی الیکشن لڑنے کو تیار نہیں ہے اور آپ جلسے کروا رہے ہیں۔"حسن کو اسکی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

وہ دونوں اب سراج کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھ رہے تھے۔باقی دو گاڑیاں گارڈز کی تھیں۔

"وہ لڑے گا۔اسکے خون میں سیاست ہے۔مجھے یقین ہے الیکشن سے پہلے اسکا خون ضرور جوش مارے گا۔سارا ڈرامہ ہے اسکا بابا کو بلیک میل کر رہا ہے۔"اس نے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا لی۔گلاسز اتار کر گود میں رکھے پھر حسن کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ بتاؤ زخرف کی بڑی بہن زیادہ خوبصورت ہے یا اسکی ملائیشیا والی کزن؟اپنے لئے کسے پسند کروں۔"وہ بیچارہ ایک اہم مسئلے میں پھنسا ہوا تھا۔

"آپ بس خدا کا خوف کریں۔"حسن کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔"عمر چالیس ہے اور ایک سو پینتیس بریک اپ ہو چکے ہیں آپ کے۔"

"مجھے چھوڑو اپنا بتاؤ۔ بھائی زون اور فرینڈ زون ہی ہو رہے ہو؟ کہو تو میں کوئی مدد کروں؟"

حسن ہلکا سا مسکرایا۔"ایک سو پینتیس بریک اپ کروا کر اب آپ میرے ریلیشن شپ کاؤنسلر بنیں گے؟"

"کم از کم ان ایک سو پینتیس لڑکیوں نے مجھے بھائی زون نہیں کیا تھا۔"وہ ترکی با ترکی بولا۔

حسن کا چہرہ سرخ ہوا۔

"میں اس معملے میں ایک جمہوری آدمی ہوں۔ جو میری اماں اور بہن پسند کریں گی وہی میرے دل کی کرسی کی مالک ہوگی۔"

سراج دھیرے سے ہنسا تھا۔"یعنی یہ کرسی ہمیشہ خالی رہے گی۔"حسن کو تپ سی چڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دھیما دھیما سا گنگنا رہا تھا۔

"جانے وہ کیسے لوگ تھے جن کے پیار کو پیار ملا . . . . .ہم نے تو جب کلیاں مانگیں کانٹوں کا ہار ملا۔"

سات سروں کا بادشاہ تھا سراج اس میں کوئی شک نہیں تھا مگر حسن کو وہ اس وقت دنیا کا سب سے بے سرا انسان لگا۔ کوئی اس طرح بھلا کسی کے دل کے تار چھیڑتا ہے؟

موجودہ دن۔

"دس جنوری۔"

"وقت شام آٹھ بج کر پندرہ منٹ۔"

"انہوں نے تمھیں مارا نہیں؟"

یہ وہ پہلا سوال تھا جو شادان نے زبرج اور زخرف سے انکی واپسی پہ پوچھا تھا۔

"اس حالت کے بعد کیا ماریں گے۔" وہ لاپرواہی سے اپنے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے بولی۔اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھ گئی۔اسکا زمرد رنگ کا برانڈڈ ٹاپ اور ٹراؤزر اپنا اصل رنگ کھو چکا تھا۔چھوٹے سلکی بال اب سخت اور کھردرے لگ رہے تھے۔شفاف چہرہ اب بدل کر رہ گیا تھا۔

"کیا لگتا ہے اب وہ کیا کریں گے؟" شادان اسکے ساتھ ہی آ کر بیٹھا۔دوریاں ختم ہو رہی تھیں۔تکلفات مٹ رہے تھے۔دوستوں کے درمیان کبھی نہ کبھی سب ٹھیک ہونے ہی لگتا ہے۔انکے درمیان بھی ہو رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے اب بہرام گرفت کھو دے گا۔" زلطان نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔"اگر اسکی جگہ جبل ہوتا تو مجھے زیادہ پریشانی ہوتی۔لیکن بہرام ضرور کوئی بےوقوفانہ فیصلہ کرے گا۔وہ جذباتی آدمی ہے۔اور جو ہم نے انکے ساتھ کیا ہے وہ اسکے جذبات کو ہوا دے گا۔" وہ حسن کے بیڈ کی دائیں طرف کھڑا تھا۔اپنے دوست کو پر سکون سانسیں لیتے دیکھتا ہوا۔فکر ایک چھوٹا لفظ تھا جو وہ حسن کے لئے محسوس کر رہا تھا وہ کچھ زیادہ تھا۔

”مجھے لگتا ہے چارج دوبارہ جبل لے لے گا۔اگر انہیں اس وقت پلان بچانا ہے تو یہی ہو گا۔“زبرج بولا تھا۔

زلطان نے نفی میں سرہلایا۔”جمہوریت کا وقت ہے۔اور جمہوریت جلدباز اور جذباتی ہوتی ہے۔اس وقت فیصلہ ہوگا اور وہ بہرام کے حق میں ہوگا۔انکے پاس صرف آج کی رات ہے کیونکہ کل سے میرا بھائی مجھے ڈھونڈے گا۔شادان کا باس اس سے کوئی تشفی چاہے گا۔اور یقیناًزخرف کے گھر والے اسے واپس بلائیں گے۔جس لڑکی کا تین دن بعد نکاح ہو اسکے گھر والے یوں اسکی غیر موجودگی سے پریشان نہ سہی،غصے میں ضرور ہوں گے۔“وہ حسن کے سینے پہ چادر درست کرتا ہوا اپنے دوستوں کی طرف واپس آیا۔وہ دائرے کی صورت بیٹھے تھے۔زلطان دائرے کے عین بیچوں بیچ آ کر بیٹھا۔

”کیا تمھیں معلوم ہوا trojan horse کون ہے۔؟“یہ سوال شادان کی طرف سے آیا تھا۔

زلطان نے نفی میں سرہلایا۔”فلحال نہیں۔شاید وہ ہم میں ہے شاید نہیں۔کیونکہ وہ یہاں کسی کو کوئی فیور نہیں دے رہے۔کم از کم trojan horse کو کچھ تو فیور ملتی۔یا شاید وہ ماسٹر مائنڈ ہے۔جینئیس۔جس نے اپنے پلان میں کوئی جھول نہیں چھوڑا۔وہ اس طرح سے ہمارا حصہ بنا ہے کہ ہم اس پہ شک نہیں کر پا رہے۔“

”ہم میں سب سے زیادہ جینئیس کون ہے؟“زبرج فرش پہ لیٹتے ہوئے بولا۔نیند آنے لگی تھی۔

"یہی تو المیہ ہے۔یہاں ہم سب جینئیس ہیں۔"شادان استہزائیہ انداز میں بولا۔"یاراب تو مار کھانے کی سکت بھی نہیں رہی۔ اللہ کرے وہ بہرام ہمیں مارنے کی بجائے کچھ اور ترکیب نکالے۔"اسے ابھی سے اپنا جسم سکڑتا محسوس ہوا۔

اسکی بات پہ باقی سب مسکرائے تھے۔زلطان نے لیٹے ہوئے زبرج کے پیر اپنی گود میں رکھ لئے۔شادان ذرا سا آگے ہوا اور اسکا سر ذرا سا اونچا کر کے اپنی گود میں رکھا۔حسن ہوتا تو اس وی آئی پہ ٹریٹمنٹ پہ تلملا جاتا۔

"یہ اسکو پرنس ٹریٹمنٹ کیوں مل رہا ہے۔؟"زخرف نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔

"بیچارے کو گولیاں لگی ہیں۔"شادان نے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔" اگر ہم یہاں سے نکل بھی گئے اور تم یو این کے اجلاس میں شامل ہوئے بھی تو سوچو ذرا تم کیسے آ رہے ہو گے۔ہاتھ میں ایک اسٹک اور لنگڑا زبرج شاہنواز۔"

"ہاں اور یو این کے سارے ممبرز باقی دنیا کے مسائل چھوڑ سب سے پہلے اسکے پیر کے لئے چندہ جمع کریں گے۔"زخرف نے لقمہ دیا۔تہہ خانے کی وہ بوجھل خاموشی اب بدل رہی تھی۔گولیوں کی آواز میں نہیں،دوستوں کی کھلکھلاہٹ میں۔وہ سب آہستہ آہستہ اپنے فلٹرز ہٹا رہے تھے۔

"میری تو پھر بھی خیر ہے بھائی تو اپنا سوچ۔طالبان کا انٹرویو لینے اس منہ سے جائے گا تو مین آف دی ایئر نہ سہی، memeآف دی ایئر ضرور بنے گا۔"زبرج نے کروٹ کے بل لیٹ کر

اسے غور سے دیکھا۔"ناک تو پھوٹ گئی ہے۔ہونٹ بلکل بھالو کی طرح سوجھ گئے ہیں۔اور اسکا ماتھا دیکھو دیوداس کی پارو لگ رہا ہے۔"

اسکی آخری بات پہ زلطان اور زخرف کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔شادان خود بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کے مذاق برے نہیں لگتے۔جن کی دی گالی، گالی نہیں لگتی۔جن کمبختوں کے رونے ہنسی دلا دیتے ہیں اور جن کے ساتھ چاہ کر بھی خود پہ بند بٹھا کر بھی سیریئس نہیں رہا جاتا۔ایسے نمونوں کو دوستوں کا نام دیا گیا ہے۔وہ دوست ہی تھے جن کو جان کے لالے پڑے تھے مگر اس وقت ایک دوسرے کی کھلی اڑائی جا رہی تھی۔

"ذرا کوئی زلطان کی گردن پہ بھی غور کرے۔"زخرف نے بلاخر منہ کھولا۔"مشہور زمانہ ڈاکٹر، سرجن جبل خان احمد زئی سے ٹانکے لگوا کر آیا ہے۔غضب خدا کا ایسے لگ رہا ہے جیسے مخمل میں ٹاٹ کی پیوند لگے ہوں۔میرا مشورہ ہے کاغذات نامزدگی سے پہلے خود کو کسی ہسپتال میں جمع کروانا۔"

وہ مسکرایا۔پھر گردن جھکا کر دل کھول کر ہنسا مگر بدلے میں طنز نہیں کیا۔زخرف وقار کو زلطان کی طرف سے کئی رعایتیں حاصل تھیں۔

"اس ہیرو کی اولاد کو کیسے بھول گئے ہم؟"شادان کو بیٹھے بیٹھے حسن یاد آیا۔"نہیں کیا مطلب بھائی۔اگر ہماری غیرت ہی جگانی تھی تو ایک ہزار طریقے تھے۔اپنا جسم چھلنی کروانا لازمی تھا۔بالی وڈ کا فلاپ ہیرو لگ رہا ہے۔قسم سے۔"

زلطان نے میڈیکل کٹ سے ایک ڈبی اٹھائی اسکا مائع فرش پہ انڈیلا اور انکی بات سنتے ہوئے خاموشی سے زخم صاف کرنے والے سرخ مائع میں پتلی سی ٹہنی ڈبوتے ہوئے اسکی مدد سے زبرج کے پیر کی پٹی پہ کچھ کر رہا تھا۔

"یار اسکو تو پروفیشنل ٹریٹمنٹ ملا ہے۔ادھر مجھے تو تم لوگوں نے نیم حکیم کے حوالے کیا ہوا ہے۔" زبرج،زلطان کی جھکی ہوئی گردن کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ جانے اسکی پٹی پہ سرخ مائع کے ساتھ کیا کر رہا تھا۔"گولی تو نکل گئی ہے یہ نہ ہو گولی نکلنے والا اوزار اندر ہی رہ گیا ہو۔میری زندگی کا سوال ہے بھائی۔"

"اسی نیم حکیم کی وجہ سے تم اس وقت یہاں بیٹھے ہو،بات کر رہے ہو۔ورنہ جب گولی اندر تھی تم ایسے رو رہے تھے جیسے آج یتیم ہوئے ہو۔"خفگی سے کہتے اس نے زبرج کے پیر گود سے باہر نکالے۔دھیرے سے۔نرمی سے۔

ذرا سی کوشش سے زبرج سیدھا ہو کر بیٹھا اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ اپنی پٹی پہ لکھے تین انگریزی حرف دیکھ کر ساکت رہ گیا۔وہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھ بھی نہیں سکا۔

"ہم بھاگیں گے۔"

صرف زبرج ہی نہیں اسکے عقب میں بیٹھا شادان بھی یہی الفاظ دیکھ رہا تھا۔وہ انہیں مانیٹر کر رہے تھے۔مگر زلطان صفدر کا دماغ تھک سکتا تھا ہار نہیں،وہ وہاں سے راستہ نکال سکتا تھا جہاں

سوچ اور گمان نہ جاتا ہو۔وہ اس رخ پہ تھا جہاں سی سی ٹی وی نہیں جاتا تھا۔وہ باتیں سن سکتے تھے اشارے نہیں۔

زخرف سے بات کرتے ہوئے اس نے دھیرے سے آنکھ کے ایک اشارے سے اسکا دھیان اس پٹی کی طرف دلوایا۔وہ کچھ کچھ حیرت کے عالم میں زبرج کے پیر کو دیکھنے لگی اور پھر جیسے تھم گئی۔

وہ تینوں اب نظریں اٹھائے اسے تک رہے تھے۔وہ مسیحا بھی تھا۔ماسٹر مائنڈ بھی۔وہ انکی نظروں کی پرواہ کئے نارمل انداز میں باتیں کر رہا تھا۔سی سی ٹی وی کی نظروں سے وہ انہیں بچا چکا تھا۔

زور گڑھ اگر عامر تھا،وہ پانچ لوگ پھر جمہوریت تھے۔اور عامریت کا المیہ ہے اسے جمہوریت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔

"دس جنوری۔"

"وقت رات نو بج کر،چھ منٹ۔"

زور گڑھ کی زمین پر تجسس سی ہو گئی تھی۔ایک ہی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا دوسرا جرگہ تھا۔یہ چہرے پُرعزم اور جوشیلے نہیں تھے۔آج چہرے مضطرب اور بے قرار سے تھے۔یہاں تک کہ جبل خان کا چہرہ بھی اسکے اندر کے خلفشار کی عکاسی کرتا تھا۔بہرام اتنے بڑے دھچکے کے بعد بھی خاموش تھا۔کم از کم یہ اسکا بھائی نہیں تھا۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" بہرام کی گمبھیر آواز نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔"اس وقت آپ سب جانتے ہیں کہ چیزیں ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہیں۔"

"کچھ بھی ہمارے ہاتھ سے نہیں نکلا ہے۔چارج ایک بار میرے پاس واپس آجائے اور سب درست ہو جائے گا۔ایجنٹ تمہیں چارج دینے پہ یوں بھی نالاں ہے۔یہ نہ ہو کہ وہ تمھیں اس پلان سے باہر کر دے۔" اس نے یہ پیغام دینا انتہائی ضروری سمجھا۔

"ایجنٹ ہمارا باپ نہیں ہے اور نہ زور گڑھ اسکے باپ کا ہے۔یہاں جو ہو گا جرگہ طے کرے گا۔وہ روایات کا دھتکارا ہوا انسان اب ہمیں بتائے گا ہم کیا کریں گے؟"بہرام کے انداز میں سختی تھی۔لوگ اس سے متفق تھے۔

"ناخن جب بڑھ جائیں تو ناخن کاٹے جاتے ہیں انگلیاں نہیں۔وہ ہمارا حصہ ہے۔ہمارا قریبی۔یہ مت بھولو کہ اس وقت اگر وہ چار لوگ یہاں ہیں تو اسکی واحد وجہ ایجنٹ ہے۔زور گڑھ اپنے مسیحاؤں کو کب سے بھولنے لگا ہے؟"نہ چاہتے ہوئے بھی جبل طنز کر گیا۔

"میں ان پانچوں میں سے ایک کو قتل کروں گا۔" اعلان تھا کہ کیا۔ہر ایک نے دم سادھ لیا۔جبل یک ٹک پلک جھپکے بغیر بہرام کو تک رہا تھا۔اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔"ہمارے پاس صرف آج کی رات ہے۔سراج صفدر کو شک ہو رہا ہے۔وکیل صاحبہ کی بہنیں اب واپسی پہ زور دے رہی ہیں اور اب صرف ایک نقلی آواز نکال کر ہم مذید اس کھیل کو نہیں چلا سکتے۔"وہ

مزید بھی کہہ رہا تھا مگر جبل ہنوز ششدر تھا۔اسے لگا جیسے اسکا دماغ کچھ بھی پراسیس کرنے سے انکاری ہو۔

”قتل کا سارا الزام میں خود پہ لوں گا۔چند دن کے لئے مقتول کے اہلخانہ میں سے کسی کو یہ نہیں پتہ ہو گا کہ انکی اولاد اب زندہ نہیں ہے۔میں اسے ماروں گا اور باقی کے چار لوگ اس موت سے خوف زدہ رہیں گے۔مقتول کے گھر والے اور باقی چاروں وہ کریں گے جو میں چاہوں گا۔ایک بار ہمارا مسئلہ عالمی سطح پہ آجائے گا تو سارے مسائل ختم۔اسکے بعد میں قتل قبول کر لوں گا۔جیل سزا سب میری۔بس آپ کو ایک جمہوری فیصلہ لینا ہو گا۔آپ سب کو میرے حق میں ہونا ہو گا۔کیا آپ میرے حق میں ہیں؟“وہ اب ایک ایک کو دیکھ رہا تھا۔بڑے بوڑھے،عقل والے دانشور اسے چپ چاپ دیکھ رہے تھے۔

”میں جو کر رہا ہوں اس میں ہم سب کی بھلائی ہے۔علاقے کا دشمن نہیں ہوں میں۔“

زور گڑھ کا شاک اب ختم ہو چکا تھا۔ہر کوئی بس اسے دیکھ رہا تھا۔لوگ متفق نظر آتے تھے۔جوان لڑکوں نے بغیر کچھ کہے بس اسکی پشت کی جگہ سنبھال لی تھی۔اسی پل جبل نے غیض و غضب کے عالم میں اپنی پستول نکالی اور عین اسکی گردن پہ رکھی۔شور بڑھ گیا،لوگ اسے پیچھے ہٹنے کو کہنے لگے۔وہ سرخ انگارا ہوتی آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔

”جس جس کے منہ سے آواز نکلی اسکا جنازہ آج جبل خان نکالے گا۔“وہ غرایا۔”جو جو اٹھ کھڑا ہوا ہے واپس بیٹھ جائے ورنہ دوبارہ اٹھنے کے قابل نہیں رہے گا۔یہ ہم دونوں بھائیوں کا معملہ

ہے۔اور میرا بھائی کوئی قتل نہیں کرے گا۔"جبل خان کا لہجہ جیسے وہاں موجود لوگوں کی ہڈیوں میں سنسنساہٹ سی شامل کر گیا۔بہرام بے خوف اسکی سرمئی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے بہرام۔کوئی قتل نہیں ہوگا۔تم کوئی قتل نہیں کرو گے۔تم میرے بھائی ہو،لیکن اگر تم نے ایسا دوبارہ سوچا تو میں تمھیں قتل کر دوں گا۔"وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔اسکے چہرے پہ متوحش تاثر تھا۔

"پھر تم مجھے قتل کر دو۔"وہ بڑی سہولت سے بولا۔"کیونکہ اس وقت کرسی میری ہے۔اور میں یہاں لوگوں کی رائے سے آیا ہوں۔تم اس وقت میرے بھائی نہیں ماتحت ہو۔اپنی بندوق ہٹاؤ جبل خان۔"وہ کوئی غیر تھا۔کوئی اجنبی۔وہ جبل کا بھائی نہیں تھا۔وہ اسکا بہرام نہیں تھا۔

"جب تم فیصلے کر رہے تھے تب میں نے سب مانا تھا جبل۔اب تمھیں بھی ماننا چاہیے۔یا پھر میں یہ سمجھوں کہ تم اپنے بھائی سے حسد کرنے لگے ہو؟"

"تم قاتل نہیں ہو بہرام۔ہم قاتل نہیں ہیں۔"پستول اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔وہ گھٹنوں کے بل بہرام کے سامنے آ کر بیٹھا۔وہ منت کرنے لگا تھا۔وہ واقعی منت کرنے لگا تھا۔

"ہم پیسہ بنا لیں گے۔ہم زمین خرید لیں گے۔ہم سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن ہم . . . ہم قاتل نہیں ہیں۔میں تمھیں کوئی قتل کرنے نہیں دوں گا۔میں نے ایجنٹ سے وعدہ کیا تھا اور میں اس وعدے کو توڑنے نہیں دوں گا۔کوئی قتل نہیں ہوگا وہ ایجنٹ کا خاندان ہے۔ایجنٹ تمھیں جان سے

مار دے گا۔اسکیپر اس سے بڑی بلا ہے میں تمھیں یہ سب کرنے نہیں دے سکتا۔" اسے بے چینی ہوئی،خوف آیا۔جبل خان پہ زور گڑھ کے سارے پہاڑ گر پڑے تھے۔

"زور گڑھ کے کسی بھی فرد کو اب موت سے ڈر نہیں لگتا۔اب واحد ڈر بھوک ہے۔اب ڈر مفلسی ہے۔گھر پہ بیٹھی وہ بیٹیاں ہیں جنکا جہیز پورا نہیں ہو رہا۔بہرام خان کو کسی ایجنٹ سے کوئی خوف نہیں ہے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے اپنے قدموں میں بیٹھے بھائی کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔وہ اسے جھٹک چکا تھا۔

"کیا جمہوریت میرے ساتھ ہے؟"اس نے چاروں اطراف میں نظر گھمائی۔سب کے چہرے عجیب سے تاثرات لئے ہوئے تھے۔"اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو اپنی رضا مندی دیں۔زور گڑھ کو اپنا حق دلوانے میں میری مدد کریں۔کیا آپ سب میرے ساتھ ہیں؟"گردنیں جھک گئیں اور ہاتھ اٹھنے لگے۔جبل خان کے جسم سے جیسے سانس قطرہ قطرہ نکلنے لگی۔وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا تخت پھسلتے دیکھ رہا تھا۔

بہرام لوگوں کے درمیان کھڑا تھا۔لوگ اسکے حق میں تھے۔بندوقیں اسکے ساتھ تھیں۔طاقت اسکے لئے آزمائی جانی تھی۔وہ زور گڑھ کا نیا بادشاہ تھا۔جبل خان پس منظر میں چلا گیا تھا۔تخت سے وفاداری اور ایمانداری دور حاضر میں انسان کو یونہی نظروں سے غائب کر دیتی ہے۔اب حوصلہ بچا تھا،کماؤ یا ہار دو۔

اب نظر وہ آ رہا تھا جو ظالم بھی تھا۔سفاک بھی۔متنفر بھی اور شاید بہت جلد ایک قاتل بھی۔جبل خان اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ کسی اور کے بارے میں سوچ رہا تھا۔وہ جو کہانی کے ہر کردار سے زیادہ ظالم تھا۔زیادہ فصیح،زیادہ سفاک اور زیادہ ظالم۔وہ ایجنٹ اور اسکے رد عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔کیا تمھیں بھی اس سے ملاقات کا شوق ہے؟

دس جنوری۔

رات ساڑھے ایک بجے۔

لکڑی کے تختے پہ اسکیلپیل(**آپریشن کے دوران استعمال ہونے والے اوزار**)سے حاشیے کھینچتے ہوئے زلطان صفدر نے چہرہ جھکا رکھا تھا۔وہ منہمک تھا۔اور اسکے اطراف میں بیٹھے تین لوگ چوکنا۔چوتھا اب بھی بستر پہ تھا مگر اب وہ بہتر حالت میں تھا۔اسے تھوڑی دیر قبل بھاری پین کلرز دیئے گئے تھے جس سے اسے اب اپنا بازو سن ہی محسوس ہو رہا تھا۔اسکی پشت پہ تکیے تھے جن سے وہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔بازو پہ پلستر بندھا تھا جس کی پٹی اسکے گلے میں بھی جھول رہی تھی۔آنکھیں روشن تھیں،مگر بیک وقت تھکن کا شکار بھی۔ان چار لوگوں کو ایک ساتھ کام کرتے ہوئے دیکھ وہ اپنے زخم بھول گیا تھا۔

"یہاں اس جگہ سے سارے زور گڑھ کا نظارہ آتا ہے۔"وہ انگلی سے اپنے بنائے نقشے پہ نشاندہی کر رہا تھا۔"جب میں یہاں سے نکلا تھا تو میں اس پہاڑی کی طرف گیا تھا۔یہاں روشنی بھی

ہے۔چند مقامی لوگوں کی رہائش گاہ بھی۔زور گڑھ کے چاروں اطراف میں پہاڑ ہیں۔" اس نے نقشے کے گرد ایک گول دائرہ کھینچا۔" اور انہی پہاڑوں کے درمیان راستہ نکلتا ہے۔باقی تین راستے بلاک کرنا آسان ہے لیکن یہ والا۔" اسکی آنکھیں چمکیں۔وہ نقشے پہ اپنی انگلی سے کھٹ کھٹ کر رہا تھا۔

" اس راستے کو بند کرنا بہت مشکل ہے۔کیونکہ یہ وہ راستہ ہے جہاں سے زور گڑھ کے کچھ لوگ اسکائی ہائی میں کام کرنے جاتے ہیں۔یہ انکی آمدو رفت کا واحد زریعہ ہے۔وہ لوگ زور گڑھ کے باقی لوگوں کے خلاف ہیں۔جبل اور اسکے خاندان کے خلاف۔کیونکہ انکو لگتا ہے کہ اب انہیں اپنے ڈوبے ہوئے پیسے کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔اور آس پاس ہی اچھی ملازمت اختیار کر لینی چاہیے۔جبکہ جبل اور اسکے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں یہ بزدلی اور بے غیرتی لگتی ہے۔ٹیکنکلی اسکائی ہائی انکی زمین ہے۔انکا گھر اور گھروں میں ملازمت نہیں کی جاتی۔"

" ٹھیک ہے ملازمت نہ کریں۔گھر میں بندہ مورل سپورٹ کے لئے بھی کام کر سکتا ہے۔" حسن سلطان نے مداخلت کرنا اپنا خاندانی فرض سمجھا۔

" تم درست کہہ رہے ہو لیکن شاید زور گڑھ کے لوگوں کے مورلز تمھارے جتنے اونچے نہیں ہیں۔" زخرف وقار اسکی بحث کے تمام راستے مسدود کر چکی تھی۔

" تمھیں یہ سب کیسے پتہ ہے؟ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو دو گھنٹے کے راؤنڈ میں تم نے یہ سب جان لیا؟" شادان نے سوال کیا۔

"اب تم دونوں تھوڑی دیر کے لئے لڑنا چھوڑ سکتے ہو۔ایک دوسرے پہ شک کرنا چھوڑ دو۔؟"زبرج دبی دبی آواز میں انہیں جھڑکنے لگا۔

"اونہوں۔ایک دوسرے پہ شک کرنا بلکل مت چھوڑنا۔"زلطان سنجیدگی سے کہنے لگا۔"ہمارے درمیان تراجن ہارس موجود ہے اور ہمیں اس بات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔میں نے دو گھنٹے راؤنڈ نہیں لگایا میں نے دو گھنٹے ریسرچ کی ہے۔"

"تراجن ہارس تم بھی تو ہو سکتے ہو؟ہم تمہارے پلان پہ کیسے یقین کریں؟"

زلطان نے اب کے نگاہیں اٹھا کر زخرف کو دیکھا تھا۔اسکی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔"پلان اچھا ہے،کول بھی۔اگر تم مجھ پہ پہلے شک کرتیں تو میں ضرور اس بارے میں سوچتا۔"

"باتیں مت گھماؤ زلطان۔"وہ ناگواری سے بولی۔زلطان کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"میں؟میں نے کب بات گھمائی۔تم مجھے تراجن ہارس کہو گی تو میں بن جاتا ہوں۔تم مجھے ایجنٹ کہو گی میں بن جاؤں گا۔تم مجھے بہرام کہو میں بن جاتا ہوں۔جو تم کہو زی۔"

اسکے "زی" کہنے پہ ہر ایک کے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔وہ اسے چڑا رہا تھا۔اورزخرف چڑ رہی تھی۔

"اگر تم تراجن ہارس ہوئے تو میں تم پہ کیس کرواؤں گی۔"

"اچھا یعنی کیسا کیس؟کس نوعیت کا؟"وہ رخ مکمل اسکی طرف موڑے ہوئے تھا۔

وہ دونوں اپنے ارد گرد کو فراموش کئے ہوئے تھے۔یوں جیسے ان دونوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔"کیا تم مجھ پہ یہ کیس کرو گی کہ میں تراجن ہارس بن کر بہت ہی ہینڈسم لگتا تھا؟اور تم میرے لئے اپنے منگیتر کو چھوڑنے پہ تیار تھیں۔یاپھر میں نے تراجن ہارس بن کر اپنے لوگوں سے تمہاری یہ حالت کروا دی؟"وہ اسکے بکھرے حلیے پہ چوٹ کر رہا تھا۔

"تم نے اپنی حالت دیکھی ہے؟کسی پاگل خانے سے بھاگ کر آئے ہوئے لگتے ہو۔"

"باقیوں کے لگنے کو چھوڑو تم یہ بتاؤ میں تمھیں کیسا لگتا ہوں؟ہینڈسم،کول یاپھر چارمنگ؟"وہ لبوں پہ ہلکی مسکراہٹ اور آنکھوں میں محظوظ تاثر لئے اسکا امتحان لینے پہ تلا ہوا تھا۔زخرف کی رنگت سرخ ہوئی۔

"میں تمہاری طرف دیکھتی ہی نہیں،اس لئے مجھے نہیں پتہ تم کیسے لگتے ہو؟"اسکی صحیح طرح سے سٹی اب گم ہوئی تھی۔

"ظاہر ہے اب تم اس بیچارے کو کہاں دیکھو گی۔آج کل تو تم اس لنگور کو دیکھتی ہو ناں؟"شادان سلگ کر بولا۔"ویسے کیا دیکھ کر اس سے رشتہ جوڑا تم نے میرا تو دیکھتے ہی موڈ خراب ہو گیا تھا۔"

"تو تم مت دیکھو اسے۔میں دیکھوں گی یہی بہت ہے۔"وہ تڑخ کر بولی۔زلطان کی مسکراہٹ جانے کیوں پھیکی پڑی تھی۔وہ کیوں اسے دیکھنا چاہتی تھی؟

”ایک بات بتاؤ زخرف۔کیسا آدمی ہے یہ؟یعنی سرخ جھنڈا تو نہیں؟کوئی ماضی کے چکر وغیرہ؟“زبرج نے تھوڑی پہ انگلی رکھ کر سوچتے ہوئے پوچھا۔

”پورا سبز سمندر ہے وہ۔ڈھونڈنے سے بھی اسکے جیسا گرین فلیگ نہیں ملے گا۔“

”فلحال تو وہ تمھیں ڈھونڈ رہا ہوگا۔“حسن ہنستے ہوئے بولا۔”سوچو ذرا تمھارے نکاح میں تین دن باقی ہیں۔“

باقی سب مسکرائے تھے مگر زلطان نہیں۔اسے کچھ برا لگ رہا تھا بہت برا۔

”قسم لے لو مجھ سے تمہاری فکر دیکھی نہیں جاتی زخرف۔اگر میں حانی میں انٹرسٹڈ نہ ہوتا باخدا میں تم سے شادی کر لیتا۔“

”اور تم میرے دوست نہ ہوتے تو میں تمہارا جنازہ اٹھاتا۔“زلطان زیر لب بڑبڑایا۔

”تم حسن سے شادی کر لو ناں۔اچھا،پیارا نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے۔“زبرج نے مشورہ دیا۔

”شادی کرنی ہے تو میں راضی ہوں لیکن یہ جو الفاظ میری شان میں کہے گئے واللہ سب جھوٹ ہے۔“بیڈ پہ بیٹھا مریض بھی بولا تھا۔اس نے آنکھیں بامشکل کھول رکھی تھیں۔نقاہت سے اسکی حالت بری تھی۔

"تھینکیو لیکن میں تم سب کی طرح شادی کے لئے مری نہیں جارہی۔اور نہ ہی میرا ہونے والا شوہر تم لوگوں جتنا ناسمجھ اور گدھا ہے۔اس لئے اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔تم لوگوں جیسے شوہر سے اچھا ہے میں سنگل رہ لوں۔"

ابھی زلطان نے کچھ کہنے کو منہ کھولا تھا کہ دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔وہ پانچ اسیر اپنی اپنی جگہ ٹھہر سے گئے۔بہرام خان سپاٹ چہرے کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا آرہا تھا۔اسکے آگے پیچھے دائیں بائیں لوگ تھے۔آج انکی نظریں مختلف تھیں۔انداز بے خوف۔کچھ تھا جو بدل چکا تھا۔کچھ نہیں شاید بہت کچھ۔

ان پانچ لوگوں میں سے کوئی کچھ نہیں بولا بس غیرارادی طور پہ وہ کندھے سے کندھا ملا کر ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔نظریں چوکنا۔بدن کی ہر ہر حس حاضر۔

"تم لوگوں میں سے ویڈیو بنانے میں پہل کون کرے گا؟"وہ انکے سامنے آکر رکا۔انداز بے لچک تھا۔"جسے بنانی ہے وہ آگے آئے ورنہ آج تمھیں کلمے کے بغیر موت ملے گی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے جاؤ جبل خان کو بھیجو۔"زبرج تندہی سے بولا۔کچھ تھا جو ان سب کو کھٹک گیا تھا۔

"کیوں جبل خان کو اپنی بہن کا رشتہ دینا ہے کیا؟اگر ایسی ہی بات ہے تو مجھ میں کیا کمی ہے۔"وہ ایسی کمینگی سے بولا کہ زبرج غراتے ہوئے اس پہ جھپٹا تھا۔

مگر اسکے ہاتھوں کی گرفت لمحے کے ہزارویں حصے میں سست پڑی۔اسکی گردن پہ پستول کی نال تھی۔وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ساکت،برف۔

”اوقات میں رہو گے اب سے تم سب۔“

”ورنہ کیا کر لو گے تم؟“شادان سلگ کر کہتے ہوئے آگے بڑھا اس نے زبرج کی گردن سے پستول ہٹانی چاہی مگر اسی لمحے بہرام نے ٹرگر دبایا تھا۔سیکنڈز کے ہزارویں حصے میں زلطان اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔گولی اسکے عقب میں ستون کے اندر گھس گئی تھی۔

بہرام نے دوسرا فائرزخرف کی طرف کھولا تھا مگر شادان نے بہرام کے ہاتھ پہ لات ماری۔ریوالور نیچے گر گیا۔لمحوں کا کھیل تھا اور ہر کوئی سن ہو گیا۔زخرف اور زبرج جیسے شاک میں تھے۔وہ دونوں اس گولی کا شکار ہو سکتے تھے۔کیا واقعی۔؟

اس وقت اس پہر ان پانچ لوگوں نے سانس تک روک لیا تھا۔وہ شل تھے۔ششدر۔شاکی۔وہ ایک بے خوفی جو انکے سینے میں تھی وہ آج،اس لمحے اڑن چھو ہو گئی تھی۔زور گڑھ سفاکی کی اس حد کو چھونے لگے گا یہ انکے فرشتوں کے گمان میں بھی نہیں تھا۔وہ دم سادھے ہوئے تھے۔زلطان مردہ ہوتی آنکھیں زخرف پہ گاڑھے ہوئے تھا۔اگر وہ گولی اسے لگ جاتی تو؟ہاتھ لرز رہے تھے جسم جامد تھے۔تہہ خانہ وہ نہیں رہا تھا جو پانچ منٹ قبل تھا۔

”اس بار نشانہ چوکنے پہ دوبارہ نشانہ نہیں باندھا۔اگلی بار ایسا نہیں ہو گا۔اگلی بار ایسا واقعی نہیں ہو گا۔“وہ آگے آیا۔زلطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔”اپنے لوگوں کو سمجھاؤ اگلی بار ایسا نہیں

ہو گا۔ آج صبح چھ بجے یا تو بیان آئے گا یا پھر یہاں سے تمہارا لاش جائے گا۔ تم سے میں سمجھداری کی امید رکھوں گا۔" وہ کہہ کر مڑا۔ پشتو میں اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور وہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح چلے بھی گئے۔

پیچھے مڑ کر پانچ اسیروں کو دیکھو تو انکے چہرے لٹھے کی مانند سفید تھے۔

آنکھیں آنکھیں مردہ تھیں۔

انکے دل ساکت ہونے لگے تھے۔

اور خوف . . . . موت کا خوف انکا گلا گھونٹ رہا تھا۔ آج واقعی انکا دم گھٹ رہا تھا۔ آج انہیں واقعی موت سے خوف آیا تھا۔ زلطان صفدر نے دو قدم آگے بڑھ کر زخرف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ گرفت سخت تھی۔ مضبوط تھی۔ ایک لمحے نے صرف ایک لمحے نے اسے ایسا خوفزدہ کیا تھا جس کے حصار سے وہ آدھی زندگی نہیں نکل سکتا تھا۔ ایک لمحے کے اندر ایسے ایسے فیصلے ہوگئے تھے جو ایک صدی بھی نہ کروا سکتی۔ وہ اس عورت کو نہیں کھو سکتا تھا، اس زندگی میں نہیں۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت رات کے دو بجے۔"

وہ سب نیند کے آنے سے نہیں سوئے تھے۔آج ان سب کو نشہ آور ادویات نے سلایا تھا۔وہ ادویات جو جبل خان نے انکے کھانے میں ملا دی تھیں۔جو انہیں چند گھنٹوں کے لئے بے ہوش کرنے کے لئے کافی تھیں۔وہ انہیں ہر رات ایسی ادویات کی ذرا سی مقدار کھانے میں ملا کر دیا کرتا تھا۔کیونکہ ہر رات ایجنٹ کو اس تاریک تہہ خانے سے نکل کر اپنا کام کرنا ہوتا تھا۔یہ پلان ایجنٹ کے بغیر ردی تھا۔ایجنٹ اس ردی کو شاہی کاغذ بناتا تھا۔ایجنٹ الفاظ کو کہانی بناتا تھا اور وہی اس کہانی کو سچ کر کے دکھاتا تھا۔

اس پہر اسے اپنی سب تدبیریں الٹی ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔وہ آج ایک بار پھر ان گول چکر دار زینوں سے نیچے اتر رہا تھا۔حسب معمول تمام سکریز بجھی ہوئی تھیں۔مگر آج ایجنٹ کی ورک پلیس خالی نہیں تھی۔وہاں دو اور لوگ بھی تھے۔جبل خان دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔اور بہرام خان . . . . وہ اس کمرے کی واحد نشست پہ براجمان تھا۔ایجنٹ چند پل اسے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر ہاتھ اسکے آگے پھیلایا۔بہرام نے اسکے ہاتھ کو جھٹکا نہیں مگر تھام بھی نہیں سکا۔وہ کرسی سے اتر کر جونہی سیدھا ہوا تھا اسی لمحے ایجنٹ نے برق رفتاری سے اسے گھمایا اور ایک ہی بازو کے زور سے اسکا سر میز سے لگایا۔دو سے تین بار اسکا سر میز پہ مارتا رہا۔بہرام پھڑپھڑانے لگا مگر اسی پل ایجنٹ نے اپنے گھٹنے سے ایک وار اسکی پشت پہ کیا تھا وہ بلبلا کر رہ گیا۔وہ سفاکی کی حدود کو چھونے لگا تھا۔اسکی آنکھیں سپاٹ تھیں۔وہ دھڑادھڑ اسکا سر میز پہ مار رہا تھا۔میز کی سطح خون آلود ہونے لگی۔

"جرات کیسے ہوئی تمہاری میرے خاندان پہ ہاتھ اٹھانے کی؟" وہ وجود غرایا تھا۔ایک غیر انسانی غراہٹ۔"اگر تم نے دوبارہ اس کمرے میں آ کر گولی چلائی تو میں تمھارے جسم کے اندر اتنے سوراخ کروں گا کہ تمہاری روح پرواز کر جائے۔بے غیرت آدمی۔تم نے میرے لوگوں پہ گولی چلائی؟" اس نے بہرام کو بالوں سے کھینچ کر اوپر اٹھایا۔جبل بلکل خاموش تھا ایسے جیسے یہ کسی فلم کا منظر ہو۔ایسے جیسے سامنے اسکا کوئی عزیز نہ ہو۔

ایجنٹ نے اب اسے زمین پہ پٹخا تھا۔بہرام شاید مزاحمت نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ خاموشی سے مار کھاتا رہا۔وہ زمین پہ گرا پڑا تھا اور ایجنٹ اسے پیر سے ٹھوکر مار رہا تھا۔ایک لمحے کے لئے جبل خان کا دل پسیجا تھا۔اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر رک گیا۔لب بھینچ لئے۔ایجنٹ اپنے بوٹ اسکے منہ پہ،کمر پہ مارے جا رہا تھا۔ساتھ ساتھ وہ اسے گالیاں بک رہا تھا۔اسکے اشتعال کی کوئی حد نہیں تھی۔جبل کو اب اسکا ہر وار اپنے دل پہ ہوتا محسوس ہوا۔

"جان سے مارو گے؟تم میرے لوگوں کو جان سے مارو گے؟میرے خاندان کو مارو گے تم؟"

"تم . . . تم خود . . . بھی تو انہیں مار رہے ہو۔" وہ ہاتھ چہرے کے سامنے لاتے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے بولا تھا۔"دھوکہ،جھوٹ،دغا۔تم نے بھی انہیں موت دی ہیں۔"

"میں ماروں گا لیکن اگر کسی اور نے مارا تو جان سے ماروں گا۔" وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھا اور بہرام کا منہ دبوچا۔اتنی سختی سے کہ اسکے جبڑے ہل کر رہ گئے۔

اسکا دوسرا ہاتھ جبل کی طرف بڑھا ہوا تھا۔بلا تردد وہ اسکے ہاتھ پہ اپنا ریوالور رکھ چکا تھا۔ایجنٹ نے وہی ریوالور عین اسکی شہہ رگ پہ رکھا۔جبل خان کو یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسکے سینے میں کوئی میخ سی ٹھوک دی ہو۔وہ پتھرائی آنکھوں سے ایجنٹ کی سفاکی دیکھتا رہا۔وہ اپنے چھوٹے بھائی کو موت کے بے حد قریب دیکھتا رہا۔تخت اگر امتحان لیتا تھا تو جبل خان کا امتحان لیا جا رہا تھا۔

”جو پلان پہلے دن تھا اب بھی وہی رہے گا۔اگر تم نے اسے بدلنے کی کوشش کی تو خدا کی قسم میں تمہاری لاش کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔“

بہرام ایک عجیب سی بے خوفی لئے اسے تک رہا تھا۔نڈر۔بے باک۔

”تمھارے دن گنے جا چکے ہیں ایجنٹ۔اب میں تمہارا غلام نہیں زور گڑھ کا بادشاہ ہوں۔تمہارے پلان پہ تھوکتا ہوں میں۔“وہ عجیب کھوکھلی سی ہنسی ہنسا۔”یارا زاکوا راشا۔“اسکی ایک آواز پہ سکرینز ایک بار پھر آپس میں جدا ہوئیں۔دروازے کے پٹ کھلے اور کثیر تعداد میں کئی نوجوان لڑکے ہاتھوں میں بندوقیں لئے اندر داخل ہوئے۔ایجنٹ ایک لمحے کے لئے بلکل تھم گیا۔انکے ہاتھوں میں جو بندوقیں تھیں وہ ایجنٹ لایا تھا۔وہ غیر قانونی اسلحہ،جس کی بندوقوں کے نمبرز اس نے بیٹھ کر تبدیل کروائے تھے۔آج وہی بندوقیں ایجنٹ کے اوپر تان لی گئی تھیں۔اسے غصہ آنا چاہیے تھا مگر اسے بس رنج سا ہوا۔اسے اٹھ کر ان لوگوں کو مارنا چاہیے تھا مگر وہ شل رہ گیا۔جمہوریت اسکے خلاف ہو چکی تھی۔

بہرام نے اسے دھکا دے کر خود سے دور ہٹایا۔جبل خان تیزی سے آگے بڑھا تھا اور اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔وہ جو اپنے بھائی کے لئے آگے نہیں بڑھا تھا وہ ایجنٹ کو زمین بوس ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ایجنٹ بھی یوں اپنے پلان کو زمین بوس ہوتے نہیں دیکھ پایا تھا۔

"تم کون ہو ایجنٹ تمہاری پہچان کیا ہے؟"بہرام اب اسکے سر پہ کھڑا سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔"تمہارا نہ اپنا نام ہے نہ کوئی شناخت۔تم ایک کٹھ پتلی ہو۔اگر ایک بار بھی اب تم نے مجھے میرے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تو میں تمھارے ساتھیوں کو بتاؤں گا کہ تم کون ہو۔نفرت کریں گے وہ تم سے۔"وہ اسکا دل دہلا رہا تھا۔اور ایجنٹ نے واقعی اپنا دل ڈوبتے محسوس کیا تھا۔

"تمھارے ہاتھ سے جمہوریت نکل چکی ہے۔اب تم سے جو ہو سکتا ہے تم کرو۔میں نے نہ تمھیں پہلے قبول کیا تھا نہ اب کروں گا۔"وہ ذرا سا اسکے قریب جھکا۔"تمہاری یہ آنکھیں . . . مجھے ان آنکھوں میں کچھ نہیں دکھتا۔یہ آنکھیں صرف جبل خان کو اپنی آنکھیں لگتی ہوں گی۔مجھے نہیں۔"

وہ آج ایک بار پھر اسے خطہ غیر کر گیا تھا۔ایجنٹ کے لئے گو کہ یہ طعنہ نیا نہیں تھا مگر دل میں اٹھنے والا درد آج نئے سرے سے اٹھا تھا۔وہ گنگ سا ہو گیا تھا۔کہنا بہت کچھ چاہتا تھا مگر وہ چپ رہا۔

بہرام اب اپنے ساتھیوں کو لئے وہاں سے جا رہا تھا۔جبل خان اب بھی اسکے قریب بیٹھا تھا۔وہ دونوں خالی ہاتھ تھے۔زور گڑھ کے سب سے قابل لوگ۔وہ جو ایک دوسرے کا عکس تھے،انہیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دیا۔کئی لمحے خاموشی میں گزر گئے۔کئی ساعتیں بعد ایجنٹ کی ہلکی آواز اس کمرے میں گونجی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا جبل . . . . میں نے کہا تھا وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے اس پلان میں شامل کیا جائے۔لیکن تم نے میری بات نہیں مانی۔"

"وہ میرا بھائی تھا ایجنٹ۔"جبل جیسے تھک کر بولا۔

"تم نے جذبات درمیان میں لائے۔میں نے تمھیں بتایا تھا جذبات دیمک ہیں،تم نے میری بات نہیں مانی۔"

اگلے کئی منٹ وہ دونوں اس فرش پہ بیٹھے رہے۔خاموشی کا دورانیہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔مختلف خوف تھے جو ان دونوں پہ مختلف طریقوں سے حاوی ہو رہے تھے۔کئی منٹ بعد جبل کی تھکی ہاری آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

"تخت ہمیشہ اتنی قربانیاں کیوں مانگتا ہے؟"

ایجنٹ خاموش رہا۔کئی لمحے بعد وہ ہتھیلی سے فرش پہ زور دیتے ہوئے اٹھا تھا۔واپس کرسی کی طرف جاتے ہوئے اسکے قدم لڑکھڑاہٹ کا شکار تھے۔اسکی آنکھوں میں گہرا ملال تھا۔بہرام خان نے اسکی کھڑی فصل کو آگ لگائی تھی۔

"تخت قربانی نہیں مانگتا۔تخت chooser ہے۔وہ اس انسان کو چنتا ہے جو اسکے لائق ہو۔تخت بس امتحانی پرچہ تھما دیتا ہے۔اس میں قربانی کا حصہ آپ نے خود لکھنا ہوتا ہے۔قابلیت اور وفا کے سوالوں کے جواب بھی آپ نے دینے ہوتے ہیں۔کئی بار لوگ تخت کے اس امتحان میں بہت بری طرح فیل ہو جاتے ہیں۔"

وہ اب اپنی سکرینزروشن کر چکا تھا۔چہرے پہ سپاٹ تاثر تھا۔اور وہ کھٹاکھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔جبل خان تہی دامن تھا۔اسے یہ کام نہیں آتا تھا۔اسے قیادت آتی تھی وہ جو اس سے چھن گئی تھی۔

"تخت کا امتحان پاس کرنے والے کیسے ہوتے ہیں؟"

"تم جیسے۔"

"مجھ جیسے کیسے؟"

"فرض شناس،سچے،دل کے صاف اور . . . . تخت کے لئے کچھ بھی قربان کر دینے والے۔محبت بھی۔"وہ کہہ گیا تھا۔کہنے والوں کا کچھ نہیں جاتا۔سہنے والے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔

"اور تخت کا امتحان فیل کر دینے والے کیسے ہوتے ہیں؟"کہنے والے جب بڑھ جائیں تو سہنے والے دل کو پکا کر دیتے ہیں۔جبل خان کو یہ کرنا پڑا۔

"بہرام خان جیسے۔جلد باز اور بے غیرت۔...وہ تخت کو استعمال کر رہا ہے با خدا وہ ایسی جگہ مرے گا جہاں اسے پانی بھی نہیں ملے گا۔"

”ایسے مت کہیں . . . بھائی ہے وہ میرا۔“

”تخت اپنے آپ کو استعمال کیا جانا نہیں بھولتا۔وہ ایسی فصل ہے جو ایک لمبے عرصے بعد پھل دیتی ہے۔مشقت، محنت اور وفاداری کی کھاد کے بعد۔بہرام نے یہ تینوں چیزیں چھوڑ دی ہیں۔“وہ اب سکیپر نامی کسی شخص کو ایک ای میل بھیج رہا تھا۔ساتھ ساتھ دوسری سکرینز پہ بہت کچھ چل رہا تھا۔”جانتے ہو جبل خان جب ہم چھوٹے تھے تب بہت کہانیاں سنی تھیں کہ تخت کے مالکین کو کبھی چین کی نیند نصیب نہیں ہوئی۔غلط تھا۔جھوٹ تھا۔

نیند انہیں نہیں ملتی تھی جنہوں نے تخت کو کھوٹا کیا۔اسکے ساتھ بے وفائی کی اور جمہوریت کے ساتھ دوغلا پن کیا۔تم ایسا نہیں کر سکتے۔اس لئے تم اس وقت یہاں میرے ساتھ ہو۔اپنے بھائی کے ساتھ نہیں۔“

سکیپر کی جوابی ای میل فوری طور پہ آئی تھی۔وہ ناراض تھا۔اسکے ہر ہر لفظ سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔ایجنٹ اب اسکا جواب لکھ رہا تھا۔ساتھ دو سے تین یو ایس بیز اٹھا اٹھا کر ایک سے دوسری سکرینز کے عقب میں گھساتا جا رہا تھا۔اسکے ہاتھوں میں مشینوں کی سی پھرتی تھی۔اسکا دماغ یہ ایک دماغ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

”میں جاننا چاہتا ہوں جبل کیا تم اسی طرح میرے ساتھ رہو گے یا پھر جذبات تمہارا راستہ روک لیں گے؟"

"آپ کو مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے ایجنٹ؟"اس نے گلہ نہیں کیا۔بس سوال کیا۔بہرام خان نے اس سے ایک دن کے اندر اندر بہت کچھ چھینا تھا۔سرفہرست اس میں اٹھی ہوئی گردن،مان،اور ایجنٹ سے گلہ تھا۔

"مجھے ان لوگوں پہ بھی بھروسہ تھا جن کے ہاتھ میں، میں نے بندوقیں دیں اور آج وہ انہیں مجھ پہ تانے ہوئے تھے۔"رنج تھا کہ ملال تھا۔اسکا دل بری طرح شکست کھا گیا تھا۔

"میں انہیں اسکے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"جبل فورا بولا تھا۔

"معاف تو اب تم بھی نہیں کئے جاؤ گے جبل خان۔"ایک جملہ تھا صرف ایک اور جبل خان کا دل شل ہوگیا۔

"تم نے میرے حکم،میری بات کو ٹال کر جذبات اور بھائی چارہ نبھایا۔میں تمھیں اس کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"وہ درست کہتا تھا۔اسکی بات پتھر پہ لکیر نہیں تھی ایجنٹ بذات خود کچھ لوگوں کے لئے ایک پتھر تھا۔کیا وہ جبل خان کے لئے بھی یہی بن رہا تھا۔؟وہ بے بسی سے سب تماشا دیکھتا رہا۔

کئی لمحے بعد جبل خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔وہ بہت کچھ کھو چکا تھا۔وہ بہت کچھ کھونے والا تھا۔شروعات ہو چکی تھی انت کسی نے نہیں دیکھا تھا۔دنیا مکافات عمل ہے۔چاہے اسکا حق چھینا گیا ہو چاہے اسکے ساتھ ظلم ہوا ہو۔چار لوگوں کو یہاں لانا،ٹارچر کرنا،قید کرنا،خوف زدہ کرنا یہ غلط

کام تھا۔غلط طریقہ۔کسی کے خلاف سازش رچاتے وقت اگر تمھیں لگتا ہے اس سازش کے جراثیم تم سے نہیں چمٹیں گے تو تم غلط ہو۔

"وہ سب آج صبح یہاں سے نکل جائیں گے۔"ایجنٹ سکرین پہ گاؤں کے مختلف مناظر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"تم انکے پاس یہ آفر لے کر جاؤ گے۔تم انہیں زندہ سلامت یہاں سے نکالو گے۔یہ تمہارا امتحان ہے۔اور یہی میرا حکم۔"

"لیکن . . . زور گڑھ ؟زمینیں؟"اس نے تیزی سے گردن موڑ کر پوچھا۔

"تمھارے خاندان کی بے وقوفی میں،میں اپنے خاندان کو نہیں جھونک سکتا۔میں نے سب کیا تھا لیکن انکی جان کوئی نہیں لے سکتا۔کوئی بھی نہیں۔تمہارا وہ بے وقوف بھائی بھی نہیں۔"وہ جیسے خود کو باور کروا رہا تھا۔جبل کو بھی۔ان سکریننز کو بھی۔ہواؤں کو بھی۔کاش دنیا انسان کے پلانز پہ چلتی۔

"وہ سب یہاں سے صحیح سلامت واپس جائیں گے۔میں بھیجوں گا انہیں۔"

کیا کوئی اسکی بات مان لے گا؟یا زور گڑھ ایسا کھیل کھیلے گا جسے صدیوں یاد رکھا جائے گا؟

انحراف۔(بغاوت)

"گیارہ جنوری۔"

"رات ساڑھے چار بجے۔"

اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی اسے جھنجھوڑ رہا ہو۔کوئی اسکے بازو پہ ناخن سے چبھو رہا ہو۔یا جیسے اسکی پیٹھ پہ ٹھوکر مار رہا ہو۔زبرج شاہنواز کی تمام حسیات نیم غنودہ تھیں۔وہ اس جھنجھوڑنے پہ بامشکل آنکھیں کھول سکا تھا۔اسکی گہری بھوری آنکھوں میں واضح طور پہ گلابی پن تھا۔وہ مندی مندی آنکھیں لئے اپنے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔سب کچھ دھندلا تھا۔وہ بامشکل اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"اس نے اپنے سر پہ کھڑے اسے لاتیں مار مار کر جگاتے شادان کو دیکھ کر سوال کیا۔

"باہر تمہاری بہن کی برات آئی ہے۔اٹینڈ کرو اٹھ کر۔"

"میری تو کوئی بہن ہی نہیں ہے۔"وہ واپس چادر اپنے سر تک کھینچتے ہوئے بولا۔

"بلکل تمہاری کوئی بہن نہیں ہے لیکن یہ زور گڑھ کی کرامات ہیں۔یہاں بغیر بیوی کے سالے مل جاتے ہیں۔اور بغیر بہن کے براتیں آجاتی ہیں۔"اب کی بار اس نے ایک زور دار لات اسکی کمر پہ رسید کی۔زبرج ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔اسے چند لمحے لگے تھے صورتحال سمجھنے میں۔

جبل خان آخری زینے پہ بیٹھا تھا۔حنزلہ اسکے ساتھ۔زلطان اپنے بستر پہ بیٹھا ناخن چبا رہا تھا اور حسن اپنے بیڈ پہ آنکھیں مکمل کھولے بیٹھا تھا۔زخرف بے یقینی سے یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہی تھی۔زبرج کو یکدم کسی انہونی کا سا احساس ہوا۔کیا واقعی بغیر بہن کے بارات آگئی تھی؟

"آپ سب آج یہاں سے جا رہے ہیں۔میں آپ کو ایک نقشہ بھی دوں گا اور جائے پناہ بھی۔یہاں سے نکل کر آپ وہاں میرا انتظار کریں گے۔اور جب تک میں وہاں آ نہ جاؤں آپ میں سے کوئی بھی کسی بھی قسم کی مزاحمت نہیں کرے گا۔"

"اور آج یونہی بیٹھے بیٹھے تمھیں ہمارے ساتھ رحمدلی کرنے کا شوق کیوں چڑھ گیا؟"وہ چکر کاٹتے کاٹتے ہوئے رکی اور ترش انداز میں بولی۔

"صرف آج نہیں باقی دنوں میں بھی میں نے آپ سے ہمدردی کرنے کا سوچا تھا۔لیکن ماشاءاللہ سے آپ کی حرکتیں میری ہر مروت اور پیش قدمی کو بہت بری طرح متاثر کرتی رہی ہیں۔"وہ اسی کے انداز میں بولا۔

زخرف سمیت ان تمام لوگوں نے ڈھیر سارا غصہ اندر دبایا تھا۔جبل خان ہنوز سپاٹ اور ٹھنڈے تاثرات لئے ہوئے تھا۔اسکے ساتھ بیٹھی حنزلہ گم صم تھی جب جبل نے اسے اشارہ کیا۔

حنزلہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے پیروں میں رکھے پانچ بیگز اٹھائے۔وہ کسی گو بیگgo bag جیسے تھے۔وہ تمام بیگز ایک ایک کرتی انکے سامنے رکھتی جا رہی تھی۔

"ان بیگز میں آپ سب کی ضرورت کا کچھ سامان ہے اور کھانے پینے کی چیزیں۔کسی قسم کا ہتھیار ان میں نہیں ہے کیونکہ مجھے یقین ہے اگر ایسا کوئی ہتھیار ہوا تو آپ اسے میرے ساتھیوں پہ ضرور استعمال کریں گے۔"

"با خدا اگر میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو میں اسے تمہاری گردن پہ پھیرتی۔"

"آپ کی صلاحیتوں پہ میں آنکھیں بند کر کے یقین رکھتا ہوں خاتون۔" وہ برجستگی سے بولا۔

"تمھیں مجھ سے بات کرنی ہے جبل خان۔کچھ میری صلاحیتوں کے بارے میں بھی جان لو۔" زلطان صفدر برداشت بس اتنی ہی کر سکتا تھا۔"زخرف تم یہاں آ کر بیٹھو۔" اگلی بات اس نے زخرف سے کہی۔کچھ اس انداز میں کہ وہ واقعی اسکی طرف چلی آئی۔

اگر پیچھے مڑ کر دیکھو تو حنزلہ اب ایک بیگ شادان کے سامنے رکھ رہی تھی۔اسکے چہرے پہ الجھن رقم تھی۔شادان اسے اس طرح نہیں دیکھ سکا۔اسے ان حالات میں بھی کچھ سوجھا تھا۔۔

"اس بیگ میں کیا ہے۔ (mon tresor)my treasure" اس نے فرنچ میں پوچھا۔

حنزلہ اسکی بات پہ بری طرح تپی تھی۔"ویسے تو اس میں تمہاری لاش ہونی چاہئے تھی لیکن پتہ نہیں کیوں لالہ کو تم پہ ترس آگیا اس لئے اس میں تمھاری جان بچانے کا سامان ہے۔" وہ بے رخی سے بولی۔

"لیکن میری جان تو زور گڑھ میں اٹکی رہے گی وہ اب دوبارہ وہی جملے فرنچ میں ہرا رہا تھا۔"کیا میں اس بیگ کو چھوڑ کر تمہیں ساتھ لے کر جا سکتا ہوں mon treser? " وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس سنجیدگی اور وارفتگی سے کہہ رہا تھا۔

حنزلہ نے دانت کچکچائے اور آگے بڑھ کر اسکے پیر پہ جوتوں سمیت چڑھ کر آگے نکل گئی۔شادان نے بے اختیار چیخ دبائی تھی۔اسے چیئر اپ کرنے کا یہ صلہ ملا تھا؟

"ہم تم پہ کیوں اعتبار کریں۔ ہو سکتا ہے تم ہمیں اس سے زیادہ بری جگہ لے جاؤ؟ آخر بہرام تمہارا ہی تو بھائی ہے۔" اپنے بیڈ پہ بیٹھے حسن نے گفتگو میں حصہ لیا۔

جبل نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ "یہ سوال کچھ دیر پہلے تم سب نے زلطان صاحب سے بھی کیا تھا ناں۔ خیر انہوں نے تو جواب دینے کی بجائے سرکس شروع کر دیا تھا۔ لیکن میں جواب دینا پسند کروں گا۔"

"تمہیں یہی کرنا چاہیے جبل خان کیونکہ سرکس تمہارے بس کی بات نہیں۔ تمہارے منہ سے نکلی ہر بات پہ صرف غصہ ہی آ سکتا ہے۔" زلطان ناپسندیدگی سے بولا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ جیسے برا مان گیا۔ "خاتون نے میرے ساتھ کئی بار مذاکرات کئے ہیں۔ اور وہ میرے سینس آف ہیومر کو کافی انجوائے کرتی ہیں۔"

"cut the crap" زخرف نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا تھا۔ "اپنے بھائی کے خلاف کیوں جانا چاہتے ہو تم؟"

"کیونکہ وہ غلط ہے۔ ہم یہاں کسی کو قتل کرنے نہیں لائے۔ آپ یہاں ہمارے مہمان ہیں آپ کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ اور اس گاؤں کا سردار ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں اپنی زمین سے آپ کو باحفاظت باہر چھوڑ کر آؤں۔"

"اور تمہارے اندر یہ فرض شناسی کے کیڑے کب سے جنم لینے لگے؟" حسن نے طنز کیا تھا۔ "ہم یہاں مہمان ہیں اوہ یہ تو نئی خبر ملی ہے۔ بلکہ یہ پہلا گاؤں ہے جہاں مہمان کو کپڑے کی

طرح دھویا جاتا ہے۔انکے سر پہ بندوق کا دستہ مار مار کر انکے دماغ کے پیچ ہلا دیئے جاتے ہیں۔صنف نازک کی نازک کلائی جلائی جاتی ہے۔مستقبل کے عظیم سیاست دان کی گردن پہ کپڑے کی طرح ٹانکے لگائے جاتے ہیں۔" وہ تیز تیز بولتے ہوئے رکا۔"وقت کے عظیم بیرسٹر کے بازو پہ لگی گولیاں ایک نیم حکیم سے نکلوائی جاتی ہیں۔"اس نے انگلی اٹھا کر حنزلہ کی طرف اشارہ کیا۔

"بی بی تم مجھے یہاں سے نکلنے دو ذرا۔پہلے تمہیں میڈیکل کالج سے اکسپیل کرواؤں گا اسکے بعد تم پہ اپنی غلط سرجری کا کیس کرواؤں گا۔اتنی تم سرجن۔"

"یہ اپنا منہ بند کرنے کا کیا لے گا؟"حنزلہ اسکی بکواس سے اکتائی۔

"ہمارے دس سال لے لئے، تمھارے لئے شاید کوئی اور پیکج ہو۔"شادان نے کندھے اچکائے۔

"اپنے کڈنیپرز کے لئے ایسا کوئی پیکج نہیں ایجاد کیا میں نے۔"

"کسی کے پاس ٹیپ ہے؟حنزلہ بچے جاؤ اسکے منہ پہ ٹیپ لگاؤ۔"جبل کے اس حکم پہ حسن بری طرح ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"اگر کسی نا محرم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں خود کشی کر لوں گا۔"ساتھ اس نے ایک ہاتھ اپنے منہ پہ رکھ لیا۔

"میں کوشش کروں پھر؟میں تو تمہارا محرم ہوں۔مجھ سے کیسا پردہ؟"جبل نے فراخدلی سے آفر کی۔انھی باتوں کی وجہ سے وہ اپنے ہاسٹیجز کا فیورٹ تھا۔

"اسکی کوئی ضرورت نہیں۔میں اب چپ رہنا پسند کروں گا۔" وہ بڑے سکون سے بولا۔**(جان بچی لاکھوں پائے)**

"ہمارے پاس صرف چند گھنٹے ہیں لہٰذا وقت ضائع کئے بغیر شروعات کرتے ہیں۔"جبل سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا۔وہ اب انکے سامنے کھڑا تھا۔مسیحا کی طرح۔اپنی قوم سے منحرف مسیحا۔کیا ایسے مسیحاؤں پہ اعتبار آجایا کرتا ہے؟

"اس وقت صبح کے پانچ بج رہے ہیں۔چھ بجے بہرام خان آجائے گا۔اور تب میں تمہیں نہیں بچا سکتا۔اس لئے ہم لوگ ابھی اور اسی وقت نکلیں گے۔آپ سب کے پاس ایک ٹریکر ہو گا۔لیکن چونکہ سگنلز آن نہیں ہوں گے تو وہ ہر وقت نہیں چل سکتا۔ٹریکر صرف اس وقت آن ہو گا جب ہم کچھ وقت بھی جیمر ہٹا دیں گے۔اور یہ جیمر ہر پندرہ منٹ بعد کھلے گا۔آپ کے گیجٹ میں صرف اور صرف میپ ہو گا۔وہ ایک ڈیجیٹل میپ ہو گا۔جو آپ سب کو ایک ہی سیف پلیس کے نقشے پہ لے جائے گا۔آپ سب اکٹھے نہیں جا سکتے۔دو سے تین لوگوں کی ٹیم بنانی ہو گی۔لیکن اسکے پہلے آپ لوگ یہ سوچ لیں۔مجھ پہ یقین کر کے یہاں سے جانا ہے۔یا پھر یہاں رہ کر اپنی موت کا انتظار کرنا ہے؟"وہ کسی اور کو نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ بس زلطان کو دیکھ رہا تھا۔قائد سے بات کرنا اسے پسند تھا۔

زلطان نے مڑ کر اپنے تمام ساتھیوں کو دیکھا۔وہ نیم رضا مند تھے۔یا شاید نہیں تھے۔لیکن وہ راضی تھا۔اسے جبل خان کی آنکھوں میں جو دکھا تھا وہ کم از کم دھوکہ نہیں تھا۔

"اوکے۔ہم راضی ہیں۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھ آیا۔"لیکن ٹیم میں بناؤں گا۔ٹریکر کو سب سے پہلے میں دیکھنا چاہوں گا۔اور مجھے اس محفوظ مقام کے بارے میں بھی سب جاننا ہے۔"

"تم ٹیم بناؤ باقی کام ہم کر لیتے ہیں۔"جبل خان راضی تھا،یا یہ ایجنٹ کے آرڈر تھے اندازہ کرنا مشکل تھا۔

زلطان وہاں کھڑے ہر ہر شخص کو دیکھنے لگا۔شادان اور حسن ایک ساتھ ہرگز نہیں۔وہ دونوں آرگیومنٹس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیتے تھے۔

"زبرج اور حسن۔"

وہ دو قدم آگے آیا۔ایک نظر زخرف کو دیکھا اور ایک سوال دل سے کیا۔دل کا جواب وہی تھا جو ہونا تھا۔وہ کسی کھیل،کسی مصیبت،آفت کہیں بھی زلطان صفدر زخرف وقار کو اپنے تصور میں بھی خود سے جدا نہیں کر سکتا تھا۔

"زلطان صفدر اور زخرف۔"

وہ کہہ کر مزید آگے آیا۔

"سید شادان،حنزلہ صاحبہ۔"

شادان کا جی چاہا تھا اسکا ماتھا چوم لے۔زندگی میں پہلی باراس نے دوست ہونے کا حق ادا کیا تھا۔ہر کوئی راضی تھا،سوائے حنزلہ کے۔وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن جبل کو دیکھ کر چپ رہی۔

"اب ذرا کچھ ترمیم کر لیتے ہیں۔"جبل رسانیت سے بولا۔"زبرج، حسن اور عیسیٰ۔"

اسکے کہنے کے ساتھ ہی اسکے ساتھ آیا ایک لڑکا مسکراتے ہوئے زبرج اور حسن کے ساتھ آ کر ٹھہر گیا۔وہ جبل کی کاربن کاپی تھا۔اسکا جڑواں بھائی۔

"شادان صاحب، حنزلہ اور مرید۔"

اس نئے اضافے پہ شادان مٹھی بھینچ کر رہ گیا۔

اب باقی دو لوگ تھے۔زلطان،اور زخرف۔وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے اور جبل انکے سامنے۔پھر وہ جیسے ہلکا سا مسکرایا ہو۔یا شاید زلطان کو لگا تھا۔

"آپ دونوں کو میں اپنے ساتھ کا شرف بخشوں گا۔"اور یہاں تکون مکمل ہوا۔

"ہرگز نہیں۔"زلطان تیزی سے بولا تھا۔"ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو زلطان۔تم سب یہاں میرے ہوسٹیجز ہو۔میں تمہارا نہیں۔تم صلاح دے سکتے ہو اور میں حکم۔جسے تم ٹال نہیں سکتے۔"

کچھ تھا اسکے انداز میں کہ سوال اور بحث کی گنجائش نہیں بچتی تھی۔وہ لب بھینچ کر خاموش ہوگیا۔

"ٹریکر ڈیوائس صرف ہمارے پاس ہوگی۔لیکن ہم ایک ساتھ نہیں جائیں گے۔مختلف راستے، مختلف ٹیمز۔اور اگر ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں یا پھر کہیں پکڑ لئے جائیں تب بھی ہم اسی عمارت میں واپس آئیں گے،جو ہماری منزل ہے۔سمجھ آ گئی ہے؟"وہ محض زلطان صفدر کے

صبر کا امتحان لے رہا تھاورنہ انکے نکلتے ہی جبل خان کے یہاں سے نکلنے کی راہیں مسدود ہو جاتی تھیں۔

"اور بہرام؟وہ تھوڑی دیر میں یہاں آتا ہی ہو گا۔"زبرج نے خدشہ ظاہر کیا۔

"میں اسکے لئے یہیں رکنے والا ہوں،آپ دونوں مجھے مس کریں گے لیکن میں آپ کو کچھ وقت بعد ہی جوائن کر سکتا ہوں۔"وہ زخرف اور زلطان سے کہہ رہا تھا۔ہاں وہ پر سکون تھا مگر دل پہ جو قیامت گزر رہی تھی یہ صرف وہی جانتا تھا۔

وہ پانچ لوگ یہاں سے نکلنے والے تھے۔پورے چار دن بعد۔انکی مصیبتیں ختم ہونے والی تھیں،پورے چار دن بعد۔وہ بلاخر آزاد ہونے والے تھے پورے چار دن بعد۔وہ چار دن چار صدیوں کے برابر تھے۔وہ ان چہروں کے ساتھ نہیں جا رہے تھے جن کے ساتھ آئے تھے۔اور دل؟کیا وہ چار دن بعد وہی دل لئے جا رہے تھے؟

جبل خان اپنے چار سالہ پلان کو خاک ہوتا دیکھ رہا تھا۔اسکے دل میں جیسے میخیں گڑھ رہی تھیں جنہیں وہ آج سے چالیس سال بعد تک یاد رکھنے والا تھا۔کسی کو بتائے بغیر چپ چاپ،تنہا۔

تاریخ میں پہلی بار صیاد اپنے اسیر آزاد کر رہا تھا۔رنج اس پہ لازم تھا۔

--

"گیارہ جنوری۔"

"وقت، صبح ساڑھے پانچ بجے۔"

گول چکر دار زینوں سے اترتے ہوئے ہوئے وہ دھم سے نیچے گرا تھا۔اسکا زخمی پیر ایک بار پھر خون رسانے لگا تھا۔اسی زخم پہ زور پڑنے سے اسکے پیر میں درد کی لہر اٹھی تھی اور وہ توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے بری طرح لڑکھڑا کر گرا تھا۔صد شکر کی فرش لکڑی کا تھا اسے زیادہ چوٹیں نہ آئیں مگر پیر سے اٹھتا درد اسکی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنی دوڑانے کا باعث بنا تھا۔زبرج شاہنواز کئی لمحے درد برداشت کرتے ہوئے اسی فرش پہ بیٹھا رہا تھا۔

شادان اور زخرف اسکے ساتھ فرش پہ آ کر بیٹھے تھے۔حنزلہ اور اسکا ساتھی یوں اتر کر آئے جیسے یہ انکے روز کا معمول ہو۔

اب زرا نظر اٹھا کر دیکھو تو زلطان صفدر اپنی پشت پہ حسن سلطان کا توانا وجود لادے نیچے اتر رہا تھا۔حسن نے اپنے پٹی والے بازو کو بلکل بے حرکت چھوڑ رکھا تھا اور دوسرا بازو اسکے گلے میں ڈال کر جیسے خود کو گرنے سے بچایا ہوا ہو۔زلطان لبوں کو سختی سے آپس میں پیوست کئے ہوئے اسکا وزن برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہاں اس فرش پہ کھڑے ان تمام لوگوں نے ایک پل کے لئے نظر اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف ضرور دیکھا تھا۔زلطان صفدر وہ آدمی تھا جسے اپنے ساتھ ساتھ ان چاروں کا خیال بھی آتا تھا۔وہ خود غرض اناؤں کا مارا محض "لگتا" تھا۔جنہیں وہ چاہتا تھا انکے لئے کوششیں انکے قدموں میں ڈھیر کرتا تھا۔انائیں چھوڑ دیتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تمام لوگ اس فرش پہ اکھٹے تھے۔جبل خان انکی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔واضح رہے وہ کھڑا تھا۔ایجنٹ کی غیر موجودگی میں بھی وہ اسکی کرسی پہ نہیں بیٹھ سکا تھا۔سکرین پہ کچھ مناظر چل رہے تھے۔وہ ایک عمارت تھی۔بوڑھی،بوسیدہ عمارت۔ایسی جیسی نیٹ فلکس کی کسی سیریز میں aesthetics دکھانے کے لئے لائی جاتی ہو۔آس پاس لمبے اونچے درخت اور جھاڑیاں تھیں۔

"یہ زور گڑھ کا واحد چرچ ہے۔لیکن یہاں مسیح آبادی بے حد کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر اس لئے یہاں زیادہ لوگ نہیں آتے۔"جبل بول رہا تھا باقی سب سن رہے تھے۔"یہ عمارت ہمارا گول ہے یہاں سے نکل کر ہمیں اس عمارت تک جانا ہے۔آپ سب جب یہاں اکھٹا ہو جائیں گے تب میں آجاؤں گا۔اور آپ کو یہاں سے نکال لوں گا۔یہاں سے نکال کر میں آپ کو پل کے راستے سے اسکائی ہائی تک چھوڑ کر آجاؤں گا اور آگے کی منزل آسان ہے۔زور گڑھ سے نکلنے کے بعد آپ سب آزاد ہوں گے۔"وہ اب انکی طرف مڑا۔ہر کوئی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔شکوک و شبہات بھی تھے۔یقین بھی تھا۔

"اگر آپ میں سے کوئی بھی راستہ بھٹک جائے،یا پھر اس ہدف تک نہ پہنچ سکے تو آپ یہاں آئیں گے۔"اس نے مڑ کر ایک اور عمارت پہ نشان دہی کی۔وہ ایک پکا دو منزلہ گھر تھا۔

"یہ کیسی جگہ ہے۔یہ تو کوئی گھر ہے انکے مالکین کا کیا؟"شادان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

جبل خاموش رہا۔حنزلہ آگے آئی۔

”یہ ہمارا گھر ہے۔اور آپ کی خوش قسمتی ہے کہ ہماری مورے اپنے گھر آنے والوں پہ کوئی تکلیف برداشت نہیں کرتیں چاہے وہ ہمارا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔“

”مورے کی بیٹی کچھ اخلاقیات تم بھی اپنی ماں سے سیکھ لو۔“وہ تڑخ کر فرنچ میں بولا۔کمبخت موقعے کی مناسبت سے فورا زبان بدل لیتا تھا۔

”میری بہن سے بلا ضرورت مخاطب مت ہوا کرو۔“جبل کے دو ٹوک انداز میں کہنے پہ جہاں حنزلہ نے مسکراہٹ دبائی وہیں شادان کلس کر رہ گیا۔بہرام پارٹ ٹو کو کیسے برداشت کرے گا وہ؟

”اس گھر میں پناہ لینے کا ایک اور فائدہ ہے کہ بہرام کبھی بھی اپنے لوگوں کو لے کر اپنے ہی گھر پہ تمھیں ڈھونڈنے نہیں آئے گا۔اور یہاں میں تم سب کو بہت اچھے سے کسی محفوظ مقام پہ لے کر جا سکتا ہوں۔ حنزلہ،مرید اور میں یہاں کے مقامی لوگ ہیں۔ہم آپ کے ساتھ اس لئے ہیں تاکہ اگر کوئی مسئلہ ہو جائے تو ہم اسے فکس کر لیں۔یا پھر اگر کسی وجہ سے ٹریکر پندرہ منٹ بعد بھی نہ کھل سکا تو کم از کم آپ چرچ تک پہنچ جائیں۔کیا اب آپ تیار ہیں؟“

اس نے شال اتار کر اپنے کندھوں پہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔زخرف کی نگاہ بے اختیار اس دھبے پہ پڑی۔اسی پل جبل خان کی نگاہ اسکی نگاہوں سے ملیں۔سرمئی آنکھیں،ذرا سا مختلف رنگ بس ذرا سا فرق مگر جبل خان کو دنیا کے سارے رنگ اسکی آنکھوں میں ہی نظر آتے تھے۔سکریز کی روشنیاں اس لڑکی کے داہنے رخ پہ پڑ رہی تھیں۔جبل خان کے لئے وہ مجسم اجالا تھی۔وہ چند لمحے بے اختیار اسے دیکھتا رہا۔وہ چلی جاتی،کبھی نہ آنے کے لئے۔پھر وہ ٹوٹا دل اور اسکے رنج۔چند

ثانیے وہ اسے تکتا رہا اگلے ہی لمحے اسے نظر پھیرنی پڑی۔یہ آنکھیں اسے حال سے بے گانہ کرتی تھیں۔

زلطان صفدر اب اپنے ہر،ہر ساتھی کے سامنے رک کر اسے کچھ ہدایات دے رہا تھا۔وہ سرہلاتے ہوئے خاموشی سے سنتے رہے۔اس وقت وہاں سے جانے کا سوچتے ہوئے انکے ذہن میں اپنی زندگی کی کامیابیاں تھیں وہ جنہیں وہ achieve کر لینا چاہتے تھے۔اب اور انتظار نہیں،اب بس دنیا بہت جلد انکی مٹھی میں سمانے والی تھی۔اور دل کا کیا؟انکے دلوں میں کیا تھا جسے وہ جھٹک رہے تھے؟نظریں پھیر رہے تھے۔یہ طے تھا کہ یہاں سے جاتے وقت انکے دلوں کی حالت مختلف تھی۔

جبل خان اب کی بورڈ پہ کچھ بٹن دبانے لگا۔دیکھتے ہی دیکھتے بائیں طرف والی دیوار کھل گئی اور اسکے پار کوئی راستہ سا نظر آیا۔وہ کوئی سرنگ تھی۔جس کے اوپری حصے پہ جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی لائٹس لگی تھیں۔شاید یہ راستہ روشن کرنے کے لئے تھیں۔یہ راستے،یہ پلان جس نے بنائے تھے وہ یقیناً دو دماغ لے کر آیا ہو گا۔

زلطان صفدر نے اپنے بیگ سے ایک ٹارچ نکالی۔پھر پیچھے مڑ کر زخرف کو دیکھا۔وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اسکی آنکھوں ایک خوف سا تھا۔باقی لوگوں کے برعکس کم از کم وہ جبل خان کے ان پلانز پہ اعتبار نہیں کرتی تھی۔زلطان نے اپنا ہاتھ اسکی اور بڑھایا۔وہ اسے تکے گئی۔چاہے دس سال

چاہے دس صدیاں۔انکے درمیان اعتبار کو وقت کبھی گہنا نہیں سکا تھا۔وہ دھیرے سے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دے چکی تھی۔زلطان نے گرفت مضبوط رکھی۔

اگلے ہی پل زلطان نے اسکے ساتھ اس سرنگ کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ٹریکر اسکے پاس نہیں تھا مگر جبل کی ہدایت تھی اس سرنگ کے پار وہ اسکا انتظار کریں۔زلطان صفدر کے چہرے سے اس وقت لگتا نہیں تھا کہ وہ اسکا کوئی بھی حکم ماننے والا ہے۔وہ اسکا ہاتھ پکڑے مستحکم قدم دھرتا آگے جا رہا تھا۔اسکے ایک ایک قدم کی آواز جیسے میلوں تک جاتی تھی۔وہ سرنگ زیادہ تنگ نہیں تھی، مگر زلطان کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔کئی بار وہ گردن گھما کر پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔وہ اپنے دوستوں سے دور جا رہا تھا۔

بچپن میں کھیلے کسی کھیل کے علاوہ وہ یوں جھک کر نہیں چلا تھا۔اسکا مٹی مٹی لباس،اس پہ ہنس رہا ہو جیسے وہ جو نفیس اور برانڈڈ پہنتا تھا آج اسے اپنے لباس کا اصل رنگ تک معدوم ہوتا محسوس ہوا۔حالات بعض دفع انسان کے نخرے نہیں اٹھاتے۔

زخرف کے پیر بری طرح رپٹ رہے تھے وہ اونچی ہیل اور دو کروڑ کے جوتے اس مٹی پہ چلنے کے معاملے میں صفر تھے۔آخری دفع وہ اس طرح کے کسی کچے راستے پہ کب چلی تھی یہ واقعی اسے یاد نہ آیا۔

”کتنا چلنا پڑے گا؟میرے پیر دکھ گئے۔“

زلطان جانے کیوں اسکے شکوے پہ مسکرایا تھا۔کتنا عرصہ بعد وہ اس سے کوئی تکلیف کہہ رہی تھی۔

"ابھی تو راستہ ٹھیک سے شروع بھی نہیں ہوا زی۔"

زخرف نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ وہ ہیل کے چٹخنے سے بری طرح ٹھوکر کھا کر گرنے ہی والی تھی کہ زلطان نے اسے اپنی جانب کھینچا۔وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے اسکے کندھے سے ٹکرائی۔**(سلو موشن میں گلے کا ہار صرف بالی وڈ کی فلم میں بنا جاتا ہے۔)**

"تم ٹھیک ہو؟ آرام سے چلو یار۔"وہ بے اختیار پریشان سا ہوا۔زرد بتیوں کی روشنی میں وہ زخرف کے چہرے پہ تکلیف کے آثار دیکھ سکتا تھا۔اس نے زخرف کو کندھوں سے تھام کر نیچے بٹھایا اور خود بھی اسکے پاس اکڑوں بیٹھ گیا۔اسکے پیر میں درد ہونے لگا تھا۔

"بہت درد ہو رہا ہے کیا؟"وہ اسکے پیر کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔زخرف نے بس اثبات میں سرہلا دیا۔زلطان نے اسکی سبز ہیلز اتاریں۔وہ چپ رہی۔یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔لیکن ایک لمبے عرصے بعد ہوا تھا۔

پھر اس نے زخرف کا پیر اپنے ہاتھ میں لیا اور اسکی آنکھوں میں دیکھا۔"تمھیں پتہ ہے میں یہاں سے نکلنے کے بعد کیا کروں گا؟"وہ انگوٹھے کے زور سے اسکے پیر پہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ زور دے رہا تھا۔شاید وہ جاننا چاہتا تھا درد کہاں ہوا ہے۔

"الیکشن کمیشن کے پیروں میں گر کر معافیاں مانگو گے؟"وہ غیر سنجیدہ تھی۔اسی پل اسکے لبوں سے ہلکی سی کراہ خارج ہوئی۔درد اسکی پنڈلی سے ذرا اوپر اٹھا تھا۔

"میں ڈھیر ساری کافی پیوں گا۔دن میں تین تین سوٹ بدلوں گا۔نئے نئے جوتے خوامخواہ گھر میں پہن کر گھوموں گا۔اپنی سب گھڑیاں استعمال کروں گا۔"اس نے زخرف کے پیر کو اچانک سے ایک جھٹکا دیا وہ پوری قوت سے چیخ پڑی تھی۔"اپنے سارے کف لنکس استعمال کروں گا اور ۔۔"

"تم بہت ذلیل آدمی ہو زلطان۔"وہ اپنے پیر کو سہلاتے ہوئے بولی۔زلطان ہنس پڑا۔کہنا جاری رکھا۔

"میں اپنے سارے پرفیومز ایک دن میں استعمال کروں گا اوراپنے سارے پیسے کلبنگ اور لڑکیوں پہ لٹاؤں گا۔"وہ اب اپنے مٹیالے جوگرز کے تسمے کھول رہا تھا۔

"شرم نہیں آئے گی؟"

"آئے گی تو اسے بھی رشوت دے کر واپس بھیج دوں گا۔"اس نے دونوں جوتے اتار کر زخرف کے آگے رکھے۔وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی۔کبھی وہ یونہی حق سے اسکے دیئے جوتے پہن لیا کرتی تھی مگر اس "کبھی" کو گزرے کئی سال ہو چکے تھے۔وہ زلطان کے التفات کی عادی نہیں رہی تھی۔وہ دوبارہ اسکی زندگی میں آکر اسکی عادتیں بگاڑ رہا تھا۔

"تم بہت۔۔۔"

"ہاں ہاں میں بہت ذلیل،خناس گھٹیا آدمی ہوں۔"وہ اسکی بات کاٹ گیا تھا۔"لیکن تمھارے ہونے والے شوہر سے ہزار درجے اچھاہوں۔"

"اسکا یہاں کیا ذکر؟"زخرف نے بلاخر جو گرز پیروں میں ڈالنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔نظریں دانستا چرائیں۔

"اسکا یہاں کوئی ذکر نہیں ؟اور ایک اور بات میں کوئی فلموں کی دکھیاری عورت نہیں ہوں۔وہ بہت اچھا آدمی ہے۔کم گو،انڈرسٹینڈنگ اور ہینڈسم۔"وہ جوتے پہن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔زلطان اب بھی نیچے بیٹھا اسکے تسمے باندھ رہا تھا۔زخرف کی بات پہ اس نے کوئی تبصرہ نہیں دیا تھا۔

پھر اسکی ہیلز ہاتھوں میں اٹھا لیں۔

"انہیں پھینک دو اب یہ کسی کام کی نہیں رہیں۔"

"گھر جا کر ایک بار انکو اچھے سے دھو لینا واپس پہلے جیسی ہو جائیں گی۔"وہ اسکے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔زخرف مسکرائی تھی۔

"تم اتنے سگھڑ کب سے ہو گئے؟"

"میں تو شروع سے تھا تم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔"اسکے پیروں میں چھوٹے موٹے پتھر،کنکریاں اور گڈھے چبھ رہے تھے مگر وہ شکایت کئے بغیر چل رہا تھا۔"یہ بتاؤ تم یہاں سے نکل کر کیا کرو گی؟"

"دوبارہ کسی سے ملنے کے لئے ہائی ہیلز پہن کر نہیں جاؤں گی۔"اسکے برجستگی سے کہنے پہ زلطان ہنس پڑا تھا۔کہا کچھ نہیں۔

"تمھیں کیا لگتا ہے زلطان جبل خان نے ہمیں یونہی جانے دیا۔پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کوئی گڑبڑ ہے۔"زلطان صفدر کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا۔اسے جبل خان سے ہوئی آخری ملاقات یاد آئی وہ ملاقات جس میں صرف دو لوگ تھے،صرف دو۔

"بتاؤ ناں زلطان۔کیا جبل نے ہمیں بس جانے دیا؟کیا وہ واقعی ہمارے پیچھے اکیلا بہرام کو بھگتائے گا؟"

وہ خاموشی سے چلتا رہا۔وہ اسے کیا بتاتا کہ جبل خان کے پاس ایک پورا پلان ہے۔اور زلطان صفدر اس پلان کی نوک پلک سنوار کر،اپنے خاندان کے لئے خود کو قربان کر آیا تھا۔بعض دفع وہ نہ بول کر اچھا ہی کرتا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کوئی گڑبڑ ہے۔لیکن مجھے کسی نتیجے پہ پہنچنے دو۔"وہ بے حد سنجیدگی سے محض اتنا ہی بولا۔زخرف خاموش ہو گئی تھی۔اگلے کئی لمحے وہ دونوں آگے چلتے گئے چلتے گئے۔کئی میل دور تک پھیلی اس سرنگ کے آخری سرے پہ پہنچ کے انکی گردن اور پیر بری طرح دکھ رہے تھے مگر بلاخر وہ ایک اختتام اور ابتداء تھی۔زلطان کے پیروں میں مٹی کی جگہ برف تھی۔سرنگ کی گرماہٹ ختم ہو چکی تھی اب زور گڑھ کی جما دینے والی سردی تھی۔اصل امتحان اب شروع ہونے والا تھا۔

اب اپنے بقا کی جنگ تھی۔اور اسے اپنے زور بازو پہ لڑا جانا تھا۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت ساڑھے پانچ بجے۔"

فلیش بیکس کی صورت کہانی میں کچھ پردے گراؤ۔جس وقت زلطان صفدر زخرف کا ہاتھ تھامے سرنگ کے اندر داخل ہوا تھا وقت کی سوئی واپس اسی جگہ لاؤ تو کہانی کے چند اور کردار بھی اس عقوبت خانے سے رہائی کے منتظر تھے۔حسن سلطان اپنی جگہ سے آگے آ کر اس سرنگ کو دیکھ رہا تھا۔جہاں زلطان اور زخرف گئے تھے۔چند پین کلرز کی وجہ سے اسکے بازو کا درد اڑن چھو ہوا تھا۔اچھے خاصے کھانے اور انرجی ڈرنکس کی وجہ سے اب وہ ایک بار پھر فارم میں تھا۔

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ سرنگ کے عین بیچوں بیچ ایک لوہے کا دروازہ حائل ہوگیا۔وہ بوکھلا کر دور ہٹا تھا۔اسکے ساتھ باقی سب بھی حیران تھے۔اور اس حرکت کا بادشاہ جبل خان تھا۔

وہ اب بھی کی بورڈ پہ بٹن دبا رہا تھا،اور مکمل سنجیدگی سے ٹی وی سکرین پہ دیکھ رہا تھا جہاں اب ایک دوسرے دروازے کی تصویر آ رہی تھی۔جبل اس دروازے کو ان لاک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اور وہ ہوگیا تھا۔سرنگ کی لمبی دیوار میں دائیں بائیں دو دروازے کھل گئے تھے۔جبل سیدھا گیا تھا اور باقی دروازے شمال اور جنوب کی طرف کھلتے تھے۔زبرج جیسے بے یقینی سے آگے آیا۔مسمرائزڈ سا۔

"یہ سب . . . یہ تم نے کیسے کیا؟"وہ متعجب سا لگتا تھا۔"it's amazing"بے اختیار اسکے لبوں سے ستائش نکلی۔شادان نے اسکی پشت پہ لات ماری۔

"دشمن کا علاقہ ہے اسکی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تعریف میں دوستی اور دشمنی کیسی۔میں تو بس جبل کا ٹیلنٹ دیکھ رہا ہوں۔"وہ اب تک ان دروازوں کو دیکھنے میں محو تھا۔

"یہ میرا نہیں ایجنٹ کا ٹیلنٹ ہے۔"جبل سپاٹ انداز میں بولا۔وہ ہو یا نہ ہو جبل خان اسکے کریڈٹس نہیں لیتا تھا۔"وہ عظیم ہے،اسکا دماغ عظیم ہے۔"

"جب وہ مر جائے تو اسکا دماغ ڈونیٹ کر دینا۔لوگوں کو اسکی عظمت سے کچھ فائدے ملنے چاہئیں۔"حسن نے مخلصانہ مشورہ دیا۔جبل خان اس مشورے سے زیادہ خوش نہیں تھا۔حسن کو یہ اندازہ ہو گیا تھا۔"کیا یار ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔بھائی سمجھ کر مشورہ دیا ہے۔لینا ہے لو ورنہ چھوڑ دو۔"بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

جبل آگے آیا اور اس نے بغیر کچھ کہے اسکی گردن سے پکڑ کر اسے ایک دروازے کے اندر کر دیا۔وہ اندر سے چیخ رہا تھا۔جبل کو پرواہ نہیں تھی۔اسکی آواز مذید سنتے رہنا ایک عذاب جیسا تھا۔

"میں یہاں صرف ایک goodbye کے لئے کھڑا تھا جاہل خان۔یہ میرے باپ کے سکھائے ہوئے آداب ہیں ورنہ میں کوئی مرتا نہیں ہوں تم پہ۔"اسکی آواز گونج رہی تھی۔جب زبرج لنگڑاتا ہوا اسی دروازے سے اندر آیا۔حسن جیسے اندر تک جل کر خاکستر ہو کر رہ گیا تھا۔

"ماشاءاللہ سے کیسی ٹیم بنائی ہے۔یہ لنگڑا ہے میرا بازو کام نہیں کر رہا۔ہر دو منٹ بعد مجھ پہ غشی طاری ہوتی ہے۔"وہ بولتے بولتے رکا۔اندر آتے عیسیٰ کو دیکھا۔وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر آیا تھا۔"لو جی گونگے کی کمی تھی وہ بھی آگیا۔ہاں بھائی گونگے جانے کو کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی؟"وہ سلگ ہی تو اٹھا تھا۔اسی پل دروازہ بند ہوگیا اب جو تھا وہ سامنے تھا۔راستہ یا پھر موت۔یا ایک اور عقوبت خانہ۔حسن نے دو سے تین بار، گہری سانسیں لیں۔غصہ کنٹرول کیا۔اوراب وہ آگے چل رہا تھا۔

زبرج سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہا تھا۔عیسیٰ ایسے چل رہا تھا جیسے وہ یہاں روز آتا جاتا رہا ہو۔اور حسن سلطان یوں چل رہا تھا جیسے معراج صاحب نے یہ سرنگ اسکی جاگیر میں دے رکھی ہو۔وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔پھر مڑکر اپنے ساتھ چلتے عیسیٰ کو دیکھا۔اسکی سیاہ گول آنکھیں چمک اٹھیں۔ایک نیا شکار۔وہ اسکے قریب آیا اسکے کندھے پہ بازو پھیلایا۔یوں جیسے ان دونوں کے درمیان گہرے مراسم رہے ہوں۔

"ہاں تو یہ بتاؤ عیسیٰ تم بچپن سے ہی ایسے تھے یا پھر جوانی میں کچھ ایسا ہوا جس نے تم سے بولنے کی سکت چھین لی۔اگر کسی لڑکی وغیرہ کا چکر ہے تو مجھے بتاؤ میں غور سے سنوں گا۔"اس نے بازو عیسیٰ کے گرد اچھے سے کسا۔"اچھا بتاؤ کیوں چھوڑا اس نے۔پیسے کا چکر تھا؟"

عیسیٰ نے جواب دیا تھا لیکن اپنے انداز میں۔اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر حسن کی پسلیوں سے ٹکرائی۔وہ تھم گیا۔بلکل ٹھہر گیا۔دھیرے سے ہاتھ اسکی گردن سے ہٹایا۔اور فاصلہ بنا لیا۔چہرے پہ معذرتی تاثر تھا۔

"اسپیس چاہیے تو صاف صاف بولو offensive کیوں ہو رہے ہو۔"

وہ کھسک کر ایک طرف ہوگیا۔باقی کا سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔زبرج بے حد چوکنا سا ہر اور دیکھتے ہوئے چل رہا تھا۔وقتاً فوقتاً وہ حسن سے کچھ کہتا بھی تھا جسکا حسن سنجیدگی سے جواب دیتا تھا۔عیسیٰ البتہ ان دونوں سے لا تعلق تھا۔تقریباً بیس منٹ چلتے رہنے کے بعد انہیں ملگجی سی روشنی کا سرا نظر آیا تھا۔آسمان سے گرتی برف نے جیسے سارے میں اجالے کو ڈھک رکھا تھا۔سرنگ جہاں ختم ہوئی تھی وہاں ایک بار پھر گول زینے تھے۔

زبرج نے مدد کرنے کی نیت سے حسن سلطان کو دیکھا مگر اس وقت وہ کوئی اور ہی حسن تھا۔وہ زبرج سے مدد نہیں مانگ سکتا تھا۔کیوں؟ہزار وجوہات تھیں۔وہ اسے گولیاں لگنے کے بعد ہسپتال نہیں آیا تھا۔اس نے حسن کی طرف سے ایک جاب آفر کو انا کا مسئلہ بنایا تھا۔اس نے حسن کے گھر میں ہونے والے کئی فنکشنز بلاوجہ مس کئے تھے۔اس نے وکلاء کی ایک محفل میں بیٹھ کر حسن سلطان کی کامیابیوں کو اسکے باپ کے نام سے جوڑا تھا۔اس نے کئی بار مختلف گیدرنگز میں اسکی بجائے کسی اور کے ساتھ وقت گزارا تھا۔اور ان تمام باتوں پہ ایک دفع بھی معذرت نہیں کی گئی تھی۔

ایک ہزار شکوے تھے اورایک ہزار شکایات۔شاید ایسے کئی ہزار شکوے زبرج کے پاس بھی تھے مگر وہ پھر بھی اسکی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے تھا۔حسن نے نفی میں سر ہلایا اور ہاتھ سے گرل کو تھامے زینے چڑھنے لگا۔اسے شکایات نہیں پسند تھیں وہ بس اپنی ناراضگی کا تاثر چھوڑ دیتا تھا اورفاصلہ پیدا کر لیتا تھا۔اس نے آج بھی وہی کیا۔زبرج لفظوں کے معاملے میں پھیکا تھا وہ درست الفاظ پیش نہیں کر سکا۔کیا زلطان صفدر نے کوئی انتہائی بھونڈی ٹیمز نہیں بنا دیں تھیں؟

وہ تین مرد سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے تو وہ کوئی بیٹھک نما جگہ تھی۔حسن کو اب اندازہ ہوا کہ وہ زیر زمین راستوں پہ چل رہے تھے اور اب جس جگہ وہ تھے وہ زمین کے اوپر بنی کوئی عمارت تھی لیکن خالی۔آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اور گمبھیر خاموشی اس بات کی علامت کی تھی کہ یہ جگہ آبادی سے دور تھی۔

"یہ کس کا گھر ہے؟اگر اسکا مالک آگیا تو؟"حسن نے بے ساختہ سوال کیا تھا۔

"یہ میرا گھر ہے۔فکر مت کرو۔اندر جاؤ اور جا کر کپڑے وغیرہ تبدیل کر لو۔مقامی لباس پہن لو،تاکہ آگے آسانی رہے۔"عیسیٰ پہلی بار کچھ بولا تھا۔

زبرج اور حسن چپ چاپ اس کمرے میں رکھی واحد الماری کی اور بڑھ گئے تھے۔زبرج نے الماری کھولی تو وہاں کئی مردانہ شلوار قمیض سلیقے سے تہہ کر کے رکھے گئے تھے۔ساتھ سوئیٹر اور شالیں بھی تھیں۔شاید عیسیٰ یہاں زیادہ وقت گزارتا تھا۔

اس نے اپنے لئے ایک سیاہ رنگ کی شلوار قمیض نکالی، اتفاق یا پھر دانستاً اس نے حسن کے لئے بھی ہم رنگ کپڑے نکالے۔ اور اسکی طرف بڑھائے، جنہیں اس نے نہیں لیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اپنے لئے کچھ اور نکالنے لگا جب زبرج نے سنجیدگی سے اسکے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کیا۔ اسکی آنکھوں میں کچھ تھا۔ کوئی "بس" کرنے کا اشارہ۔

"جو نکالا ہے چپ چاپ پہن لو۔ ایک بازو ویسے ہی کام نہیں کر رہا دوسرا میں توڑوں گا۔"

"اپنے کام سے کام رکھو۔ میں جو چاہوں کروں تم زبردستی نہیں کر سکتے میرے ساتھ۔"

"تم موقع دو کر کے دکھاتا ہوں۔" وہ اسی ڈھٹائی سے بولا۔ حسن سلگ کر رہ گیا۔ "بارات نہیں ہے تمہاری جو دیا ہے چپ چاپ پہن لو۔"

سختی سے کہتے اس نے الماری کے پٹ بند کئے۔ عیسٰی یونہی ڈھیٹ بنا ان کے آگے کھڑا رہا تو بلاخر انہیں ہی کہنا پڑا۔

"اب اگر تم تشریف باہر لے جاؤ تو ہم کپڑے بدل لیں؟" زبرج تنک کر بولا۔ وہ پتھر کی دیوار بس رخ موڑ گیا تھا۔ باہر اب بھی نہیں گیا۔ کبھی کبھی حسن کو لگتا تھا جبل خان کی ماں نے ایسے بیٹے پیدا کرتے وقت انکو ڈھیٹ بنانے کے لئے کوئی الگ ہی دوائی کھائی ہو گی۔ بس ایک بار انہیں بھی وہ ترکیب مل جائے۔

تھوڑی دیر بعد زبرج کپڑے تبدیل کر چکا تھا اور حسن سے اب تک اسکی شرٹ بھی نہیں اتاری گئی تھی۔ مدد نہیں مانگے گا وہ۔ ہاں بس۔ بات ختم۔ زبرج نے آگے بڑھ کر اسکی مدد کرنی چاہی حسن

نے اسکا ہاتھ جھٹکا۔زبرج برا مانے بغیر اسکی شرٹ دھیرے سے اتار رہا تھا۔حسن نے اب کے سختی سے اسے خود سے دور ہٹایا۔زبرج ٹس سے مس نہ ہوا۔

”تمہارا مسئلہ کیا ہے اپنے کام سے کام کیوں نہیں رکھتے؟“

”تم اور میں حسن . . . . ہم دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے کیا بھرم رکھنے ہیں؟ہم نے ایک دوسرے کے کپڑے بغیر دھوئے پہنے ہیں۔ہم نے ایک دوسرے کی اترن پہنی ہے۔ایک دوسرے کے سامنے کپڑے تبدیل کئے ہیں۔اور ایک دوسرے کے پہنے ہوئے کپڑے اتروا کر پہن کر پارٹیز اٹینڈ کرنے گئے ہیں۔ہم نے ایک دوسرے کے بدبو دار جراب پہنے ہیں۔ایک دوسرے کا جھوٹا کھایا ہے۔ایک دوسرے کے گیلے تولیے استعمال کئے ہیں۔“

”تم نے کئے ہوں گے،ورنہ میں ہمیشہ سے ایک نفیس انسان تھا۔“حسن کو میلے کپڑوں سے اعتراض تھا۔زبرج ہلکا سا مسکرایا۔کہا کچھ نہیں۔وہ کمرے کی کھڑکی پہ رکھی واحد چھوٹی قینچی لے آیا تھا اور اب اس سے حسن کی شرٹ کے بازو کو کاٹ رہا تھا۔حسن خاموش رہا۔وہ مزاحمت چھوڑ چکا تھا۔زبرج نے اسکے سینے پہ لگے زخم دیکھے۔یہ وہ نیل تھے جن کی شکایت وہ اتنے دنوں سے نہیں کر رہا تھا۔وہ اپنی تکلیف کہتا کیوں نہیں تھا۔؟

تھوڑی دیر بعد زبرج اسکے کپڑے تبدیل کروا چکا تھا۔ساتھ اسے سوئیٹر اور شال اچھے سے اوڑھا دیئے۔اسے جراب ڈبل کر کے پہنائے اور اسکے جوتے اتار کر دوبارہ درست طریقے سے

پہنائے۔سر پہ اونی ٹوپیاں رکھے اب وہ دونوں مقامی لوگوں جیسے لگتے تھے۔بس زخموں کی ذرا سی فنشنگ ہوجاتی تو . . . . . . خیر۔

وہ اس بیٹھک سے باہر آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹے سے ایک کمرے کے مکان میں تھے۔یہ عیسیٰ کے رہنے کی جگہ تھی۔باغ کے عین بیچوں بیچ یہاں بیٹھ کر وہ باغ کی حفاظت بھی کیا کرتا تھا اور پڑھتا بھی تھا۔اب نہیں بہت پہلے اب اسکے پاس وقت نہیں تھا۔لیکن اسکا ایک کزن اب یہاں رہتا تھا۔

یہ تمام باتیں عیسیٰ نے خود ہی بتا دی تھیں۔اب وہ باغ کے درمیان راستے بناتے ہوئے گزر رہے تھے۔لیکن سردی کا زور بڑھتا چلا جا رہا تھا۔برف باری اب بھی ہو رہی تھی۔مگر وہ جہنم کہیں بہت دور بہت پیچھے رہ گئی تھی۔کچھ وقت بعد انکے خوف زائل ہو رہے تھے۔عقوبت خانہ اب دوبارہ انکا مقدر نہیں بنے گا۔کیا واقعی؟

"گیارہ جنوری۔"

تیسری اور آخری طرف حنزلہ اور شادان تھے۔انکے ساتھ تیسرا مرید تھا۔حنزلہ نے ہاتھ میں ریوالور تھام رکھی تھی۔آنکھیں اور بدن پوری طرح چوکنا تھا۔شادان اسکے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے انتہائی بے سکون تھا۔اسے تنگ جگہوں سے مسئلہ تھا،اسے سانس ٹھیک سے نہیں آتا تھا وہ بس جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔

"یہ راستہ کتنا لمبا ہو گا؟" چند قدم چلتے ہی وہ پوچھ بیٹھا تھا۔

"تمھارے بیگ میں ان ہیلر موجود ہے سانس لینے میں مسئلہ ہے تو استعمال کرلو۔" مرید نے مشورہ دیا۔

"میں دمے کا مریض نہیں ہوں۔" وہ برا مان گیا۔

"اور میں جبل خان نہیں، راستے کب ختم ہوں گے مجھے نہیں پتہ دماغ چاٹنا بند کرو۔" وہ اکتاہٹ سے بولا۔ شادان جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔ وہ لوگ اگلے چند منٹ بلکل خاموشی سے چلتے رہے۔ شادان کا چہرہ نامحسوس انداز میں سفید پڑ رہا تھا۔ اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے نارمل رہنے کی کوشش کی۔ سینے پہ ہاتھ پھیر کر سانس لینے کی کوشش کی۔ لیکن یہ مشکل امر تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حنزلہ کو مخاطب کیا۔

"تم نے ان تین سالوں میں مجھے مس نہیں کیا حانی؟" وہ فرنچ بول رہا تھا۔ حانی مڑی نہیں چلتی رہی۔ کئی منٹ وہ خاموش رہی پھر اسکی آواز سنائی دی۔

"میرے پاس تمھیں مس کرنے کا وقت نہیں تھا شادان۔۔۔۔ میرے پاس وہ کوزی سا آفس نہیں تھا جس سے چھٹی کے بعد تمھیں یاد کرتی۔ میرے پاس کافی کی مگز نہیں آتے رہے جنہیں پیتے ہوئے تمھارے بارے میں سوچتی رہوں۔ میں ملک سے باہر ٹور پہ نہیں جاتی تھی جہاں کسی اعلیٰ کیفے میں بیٹھ کر تمھاری یاد ستاتی۔ میرے پاس شام کا وہ سہانا پل نہیں تھا جب میں تمھاری

باتیں دہراتی۔"لمبی وضاحتیں باتیں گھمانا یہ اسکا وطیرہ نہیں تھا۔مگر وہ گھبرا رہی تھی۔"بعض دفع یادیں بھی میچور ہو جاتی ہیں۔بے وقت،بتدریج نہیں آتیں۔"

"میں نے تو سنا تھا یادیں بہت ڈھیٹ ہوتی ہیں۔نافرمان اولاد کے جیسی۔دلاسے میں نہیں آتیں ۔وقت، بے وقت کی انہیں پرواہ نہیں ہوتی۔آنسو،ملال رنج کسی جذبے کا ان پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔انہیں آنا ہوتا ہے اور آکر رہتی ہیں۔"

حنزلہ لب بھینچ گئی۔مرید ان الفاظ کو نہیں سمجھ رہا تھا اور حنزلہ سے پوچھنے کی جرات اس میں تھی نہیں۔

"میں نے تمھیں مس کیا۔تین سال۔پورے تین سال۔"وہ بہت دیر بعد دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔حنزلہ تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔"میں نے کئی بار خود کو کوسا کہ کاش میں تم سے اپنے دل کی بات کہہ دیتا تو شاید تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہ جاتیں۔یا شاید میں تمھیں خود پہ اعتبار نہیں دلا سکا۔تم نے اور تمھارے خیال نے تین سال مجھے اذیت میں مبتلا رکھا ہے۔"حنزلہ رک گئی۔ان دونوں کی نظریں ملیں۔زرد بتیوں میں اس مٹی اڑاتی سرنگ میں وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

تین سال پہلے شادان اسکی آنکھوں میں آتے تاثر کو کوئی نام نہیں دے سکا تھا آج تین سال بعد حنزلہ اجلال کی آنکھوں میں سید شادان کا عکس تھا۔

"اور یقیناً تم نے ان تین سالوں میں مجھ سے بدلا لینے کے کئی طریقے ڈھونڈے ہوں گے۔مجھ سے نفرت کی ہوگی مجھے ڈھونڈ کر مار دینے کا خیال آیا ہوگا اور" . . .

"ہر خیال اس خیال پہ بھاری تھا کہ کیا میں تمھیں دوبارہ دیکھ سکوں گا؟"

اس کے آنچ دیتے الفاظ . . . . حنزلہ کو لگا تھا وہ موم بن جائے گی۔شادان آگے آیا۔براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھا۔وہ سحر زدہ ہونے لگی۔

"پہلے مجھے شاک لگا تھا۔پھر غصہ۔پھر نفرت۔پھر میں تم سے انتقام لینے کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔ایک سال اسی طرح گزر گیا۔اور ایک سال بعد میں نفرت غصہ انتقام ہر جذبہ بھول گیا۔کچھ یاد تھا تو تمھارے ساتھ گزرا ہوا وقت۔یہ سوال کہ کیا میں تمھیں دوبارہ دیکھ سکوں گا؟یہ مجھے روز مارتا تھا اور یہی خیال مجھے زندہ رکھے ہوئے تھا۔میرے لئے تین سال بہت مشکل تھے۔"وہ دو قدم مزید آگے آیا۔حنزلہ گنگ سی اسے تک رہی تھی۔مرید ایک اضافی کردار ہوگیا۔

"میں اوور ایکسپریسو ہوں۔میں زیادہ بولتا ہوں۔میں جذباتی ہوں اور شاید انتقامی بھی۔لیکن یقین کرو حانی۔ایک بار بھی،ایک بار بھی میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اگر میں تم سے ملا تو میں تمھیں کوئی نقصان دوں گا۔ہر بار میں یہاں آ کر اٹک جاتا تھا کہ آخر تم نے مجھ سے پیچھا کیوں چھڑوایا۔تم وہاں سے کیوں بھاگیں ؟میں نے تین سال اس سوال کے جواب کا انتظار کیا ہے۔"

"یعنی تم نے تین سال اپنے مقصد کے لئے میرا انتظار کیا ہے؟" وہ تلخ ہوئی۔اپنی خفت چھپانے کو۔وہ جان گے تھا کہ وہ بھاگی ہے۔یعنی سید شادان اتنا بے وقوف نہیں ہے۔

"میرے لئے ہر تعلق سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ اگلا انسان میرے متعلق کیا سوچتا ہے۔میں صرف محبت کے سہارے رہنے والا آدمی نہیں ہوں۔میں تین سال یہ سوچتا رہا کہ کیا میں اتنا بے اعتبار آدمی تھا کہ تم یوں مجھے بتائے بغیر چلی گئیں؟"

حنزلہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ایک لمبا عرصہ وہ سید شادان کے خیال کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی تھی آج وہ سالم اسکے سامنے کھڑا تھا۔وہ اس سے منہ کیسے موڑ لے؟

"ہر تکلیف ہر دکھ اس دکھ سے بڑا تھا کہ کیا تم مجھے ناقابل اعتبار سمجھتی تھیں۔کیا میں نے کبھی تم سے کچھ ایسا کہا جس سے میں تمھیں کوئی desperate آدمی لگا تھا۔میں نے کبھی تم سے یہ تک نہیں کہا تھا کہ اگر تم ہو تو "سب" ہے۔تم نہیں تو شاید بہت کچھ ہو مگر "سب" نہیں ہو گا۔نفرت،انتقام،غصہ سب ختم ہونے میں صرف چند ماہ لگے تھے اور یہ پہیلی سلجھانے میں تین سال . . . کہ . . . تم . نے . . مجھے . . . کیوں . . چھوڑا۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

حنزلہ نے آنکھوں میں امڈتی نمی کو پیچھے دھکیلا۔اسکا دل یکدم جیسے جلنے لگا تھا۔زہر جیسے الفاظ اسے سبز کرنے لگے تھے۔

"کیونکہ تم دشمن کے بیٹے ہو۔" تین سال بعد اس نے کہہ دیا تھا۔بلاخر . . . بے اختیار۔

"مجھے جس دن تمھارے باپ کے متعلق پتہ چلا اس روز سب ختم ہو گیا تھا۔شاید ان ڈھیر ساری ملاقاتوں میں کسی ایک ملاقات میں مجھے تم بے حد اچھے لگے ہو اتنے کہ میں سوچنے لگوں اگر شادان نہیں تو بہت کچھ ہے مگر سب کچھ نہیں۔ہاں شاید کئی بار میں نے ایسا سوچا ہو۔" یہ اعتراف محبت تھا اسے شادان کے دل پہ لگنا چاہیے تھا مگر یہ اسکے منہ پہ تھپڑ کی طرح لگ رہا تھا جانے کیوں۔

"لیکن جس دن مجھے تمھارے باپ کے متعلق پتہ چلا اس دن سب ختم ہو گیا۔اس دن کے بعد سے میں حنزلہ بن کر نہیں زور گڑھ کی بیٹی بن کر سوچنے لگی تھی۔"

"میرے باپ کے گناہوں کی سزا مجھے کیوں ملی؟"

"تمھیں واقعی لگتا ہے یہاں گنہگار صرف تمھارا باپ ہے؟اس روز اس کیفے میں بیٹھے ہوئے میں نے ہی اپنے ایک اکاؤنٹ سے تمھیں زور گڑھ کے حالات کی ایک تفصیلی رپورٹ ای میل کی تھی۔تمھارے کسی جونیئر نے تم سے اس بارے میں بات کرنے کو کہا تھا تم نے کیا کیا شادان؟ "

شادان کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں تاریک پڑی تھی۔

"تم . . بِک . . گئے۔تم نے اسکائی ہائی کے مالکین سے پیسے لئے اور تم نے ہم پہ جھوٹ بولے۔تم نے شادان تم نے لائیو ٹی وی پہ چند ٹکوں کی خاطر جھوٹ بولے۔اٹھارہ سال بعد ہمارے کیس کی سنوائی ہوئی تھی اور تم نے اسکائی ہائی کے معاملے میں جھوٹ بول کر، تمام ثبوت

ہمارے خلاف کر کے تم نے ہمیں پوائنٹ زیرو پہ لا کر کھڑا کر دیا۔"اسکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔شادان بے حس و حرکت تھا۔اسکے سیاہ اعمال یہاں اس موڑ پہ اسکی زندگی اندھیری کریں گے اسے واقعی اندازہ نہیں تھا۔

"بات صرف زور گڑھ کی نہیں تھی تم نے میری آنکھوں کے آگے ایسے کئی زور گڑھ ملیا میٹ کر دیئے تھے۔تم، تم کرپٹ اور جھوٹے تھے۔وہ نہیں بولتے تھے جو سچ تھا تم وہ بولتے تھے جس کے بدلے تمہارا باس تمہارے اکاؤنٹس بھرتا تھا۔تم نے میری آنکھوں کے آگے نوین قتل کیس کے ملزم کا نام ٹپ ملنے پہ چند پیسوں کی خاطر وہ تمام تفصیل، مجرم کا نام اپنے فولڈر سے ڈیلیٹ کیا تھا۔تم لوگوں کی عزت، جان، مال کی قبر پہ اپنا محل تعمیر کرنے نکلے تھے۔تم اپنے باپ سے بڑے گِدھ تھے۔"

وہ سنتا رہا۔اور سانس جیسے اسکا جسم کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر جاتی رہی۔

"میں نے تمھیں اس لئے چھوڑا کیونکہ میں تمہاری عزت نہیں کرتی تھی۔حنزلہ احمد زئی میں ہزار خامیاں ہوں گی مگر میں جس آدمی کے ساتھ رہوں گی وہ کم از کم تمہاری طرح بزدل نہیں ہو گا۔"

اسکا تنفس پھول گیا تھا۔چہرہ سرخ۔شادان کے منہ پہ جیسے کسی نے چونا پھیر دیا ہو۔وہ اسے ایک نظر دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔وہ کئی لمحے ساکت، جامد اپنی جگہ پہ کھڑا رہا۔اس نے اگلا قدم تب اٹھایا تھا جب مرید نے اسکی گردن پہ بندوق کا دستہ مارا۔وہ آگے چلنے لگا مگر ایک بار بھی اس نے حنزلہ

کو مخاطب نہیں کیا تھا۔جو آئینہ وہ اسے دکھا چکی تھی سید شادان کو اس میں اپنا چہرہ بے حد مکروہ نظر آیا تھا۔

قریباًپندرہ منٹ چلتے رہنے کے بعد وہ زینوں سے چڑھ کر اوپر چلے آئے تھے۔وہ کسی ڈھابے کا کچن تھا۔وہ دونوں جونہی اوپر آئے۔زمین کی سطح پہ قدم جمایا۔وہاں موجود دونوں لوگ انہیں دیکھنے لگے تھے۔صبح صادق کا سمے تھا۔چولہے جلنے لگ پڑے تھے۔ایک آدمی آٹا گوندھ رہا تھا اور دوسرا دیگچے میں چڑھائے گوشت میں چمچ ہلا رہا تھا۔ایک طرف چائے ابل رہی تھی۔اور ایک طرف سبزیاں کٹی رکھی تھیں۔

انہوں نے شادان کو بس ایک نظر دیکھا تھا اور رخ پھیر لیا۔آج تک کسی انسان نے سید شادان شاہ کو دیکھ یوں کراہیت نہیں دکھائی تھی۔کسی نے اسے دیکھ کر یوں آنکھوں میں بے زاری نہیں بھر لی تھی۔یہ کون لوگ تھے؟یہ کیسی دنیا تھی؟اسکا دم گھٹ رہاتھا۔وہ زور گڑھ سے واپس چلا جاتا تب بھی ان نظروں کو نہیں بھول سکتا تھا۔یہ کراہیت،یہ نفرت اسکے دل میں کھب گئے تھے۔اس نے کئی لمحے وہاں کھڑے ہو کر ان تمام لوگوں کی طرف سے ایک دوسری نظر کاانتظار کیا مگر کسی نے اسے نہیں دیکھا۔

”تم کپڑے وغیرہ تبدیل کر لو۔پھر ہم آگے چلیں گے۔“مرید کے کہنے پہ اس نے محض سر ہلایا۔وہ اسے کچن سے باہر ایک طرف لے گیا تھا۔تھوڑی دیر بعد شادان باہر آیا تو اس نے سیاہ رنگ کی قمیض شلوار کے ساتھ سفید رنگ کاسوئیٹر اور سفید ہی شال اوڑھ رکھی تھی۔اتنے دن بعد

اپنے جسم پہ صاف ستھرے کپڑے دیکھ اسے ایک الگ ہی طمانیت محسوس ہوئی تھی۔ دھلادھلایا چہرہ، آنکھ کے قریب زخم، پھٹے ہوئے ہونٹ اور ماتھے پہ بینڈج۔ اسکا حلیہ دو مختلف طریقوں سے بدلا ہوا تھا۔

حنزلہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اچھا بھی لگتا تھا اور برا بھی۔ دوست بھی تھا اور دشمن بھی۔ کیا کرے وہ اسکا؟ گہری سانس بھرتے اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا۔

ڈھابے سے نکل کر وہ اب ایک لمبے سفر پہ نکل چکے تھے۔ جہاں کئی چیزیں انکی منتظر تھیں۔ سرفرست ان میں کیا کیا تھا اندازے لگاؤ۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت صبح چھ بجے۔"

قید خانے کی راہداریوں میں بہرام اور اسکے ساتھی خراماں خراماں قدم اٹھا رہے تھے۔ سفید رنگ کے مقامی لباس میں دونوں ہاتھوں میں ریوالور لئے وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ سیدھ میں دیکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ اسکے دائیں بائیں لوگ تھے۔ آج اسکے ذہن میں بہت کچھ تھا۔ کئی فلیش بیکس ایک ادھوری فلم کی طرح اسکے دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ وہ انہیں جھٹک نہیں سکا۔ آج نہیں۔

"اگر بے وقوفوں کی کوئی ریاست ہوتی تو بہرام خان اسکا بادشاہ ہوتا۔"

وہ کوئی دس سال کا بچہ تھا جب پہلی بار اسے اپنے ہی باغ سے کسی سوٹ والے صاحب نے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ پھولے گال اور سرخ سپید چہرے والا بہرام سیدھا اپنے باپ کے پاس جا پہنچا تھا۔ وہ بری طرح رو رہا تھا۔

"داجی . . . وہ سوٹ والا آدمی ہم کو ہمارے ہی باغ میں سے سیب توڑنے نہیں دیتا۔"

اسکے داجی نے محبت سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ چہرے پہ آزردگی رقم تھی۔

"وہ اب ہمارا جگہ نہیں ہے بہرام۔ تم وہاں مت جایا کرو۔"

"لیکن وہ ہماری جگہ تھی۔" وہ رونا بھول کر حیرانی سے بولا۔ "کیا کسی نے ہم سے ہمارا باغ چھین لیا ہے؟"

"یہی سمجھ لو۔ اب وہ جگہ ہماری نہیں۔ وہ باغ چھن چکا ہے۔" وہ مبہم انداز میں بولے۔

"کیا ہم اپنا باغ واپس نہیں لیں گے داجی؟" وہ بچہ تھا مگر چھینی ہوئی جگہ پہ اپنا حق جانتا تھا۔

"جب تم بڑے ہو جاؤ گے ناں تب تم اس باغ کو واپس لانا۔ تم لاؤ گے ناں بہرام؟"

اس روز یہ سوال پہلی بار پوچھا گیا تھا۔ پھر وقتاً فوقتاً پوچھا جانے لگا۔ بہرام ہر دفع بڑے ہی جوش سے اثبات میں جواب دیا کرتا تھا۔ لیکن اگلے ہی سال اسکا جوش غصے میں پھر رنج اور انتقام میں بدلا۔

باغ کا سارا پھل ٹرکوں میں لاد کر لے جایا جا رہا تھا۔وہ پہاڑی بچہ تھا۔اس نے پھل اور کھانا ہمیشہ بانٹنا سیکھا تھا مگر جس شے نے اسکا دل توڑا تھا وہ باغ کی کٹائی تھی۔اس ایک ایک درخت پہ چلنے والی بلڈوزر بہرام خان کے سینے پہ چلی تھی۔اس نے ہمیشہ اس مٹی کی عزت کی تھی۔ان درختوں کی چھاؤں کو مقدم مانا تھا۔اس روز اس نے اپنے باپ کو پہلی بار روتے ہوئے دیکھا تھا۔وہ جامد ہو جانے والا لمحہ تھا۔

وہ بے وقوف نہیں تھا۔ہاں جو سب اس نے سہا تھا اسکے بعد بے حس ضرور ہو گیا تھا۔اسے اب زور گڑھ کے علاوہ کسی پہ ترس نہیں آتا تھا۔اسے اب ہر صورت اپنے باپ کے آنسوؤں کا بدلا لینا تھا۔

وہ بے وقوف نہیں تھا۔مظلوم تھا۔

"اسکی آنکھوں میں بغاوت ہے۔کچھ ہے جو وہ کرنے والا ہے۔"

وہ سولہ سال کا تھا جب اس نے اپنی ماں کو اپنا سارا زیور اونے پونے بیچتے ہوئے دیکھا تھا۔اس روز بہرام کی غیرت نے جیسے اسے للکارا ہو۔

"مورے تم اپنا زیور نہ بیچو خدا کے لئے۔"وہ انکے گھٹنے سے لگ کر جیسے منت کر رہا ہو۔

"مجھ سے دیکھا نہیں جاتا بہرام خان۔جب کوئی تمھارے باپ سے آکر فیصلہ مانگتا ہے۔اس گاؤں کے آدھے لوگوں نے اپنا پیسہ ان جعل سازوں کو اس لئے دیا تھا کیونکہ تمھارے داجی نے ان لوگوں کی ضمانت دی تھی۔اب لوگ تمھارے داجی سے اپنا پیسہ واپس کروانا چاہتے ہیں۔ہم

بھوکے رہ سکتے ہیں بے عزت نہیں۔" وہ مغموم تھیں۔زور گڑھ کی ہر دوسری عورت اپنے گھر کے مرد کو اپنے حق کے لئے کڑھتے دیکھ یونہی مغموم تھی۔ایک غلط فیصلہ اور نسلیں تباہ ہو کر رہ گئیں۔کون کہتا ہے زور گڑھ سے صرف پیسہ چھینا گیا تھا؟

"گھر کا سارا زیور بک گیا ہے۔قیمتی سامان بک گیا۔بڑی حویلی سے ہم ایک گھر میں آ گئے سب چلا گیا اور جو نہیں ملا وہ ہمارا حق ہے۔کوئی قصور تو بتائے ہمارا۔بہتر مستقبل کے خوابوں پہ پابندی ہونی چاہیے۔"مورے ہنوز روتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں اور وہ خاموشی سے سنتا رہا۔اسکے بھائی، چچا سب خاموش تھے۔ہر کوئی اس بربادی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے پہ مجبور تھا۔

اس نے اپنے باپ سمیت گاؤں کے بیشتر گھروں کے مردوں کو پائی پائی سے وکیلوں کے اکاؤنٹس بھرتے ہوئے دیکھا تھا۔انہوں نے کورٹ کے دھکے کھائے۔تاریخ ملنے کے لئے سالوں انتظار کیا۔میڈیا پہ چند دن تک انکا معملہ اچھالا گیا پھر ہر کوئی چپ سا ہو گیا۔زور گڑھ جیسے قصہ پارینہ ہو گیا۔

بھوک اور غربت بڑھ گئی۔گھروں کے رقبے چھوٹے ہو گئے۔غلط فیصلے کرنے کی صورت خاندان سے ان لوگوں کو جدا کیا گیا جنہوں نے زور گڑھ کی ترقی کے خواب دیکھے تھے۔فساد اور حسد بڑھ گیا۔وہ گاؤں اب امن کا گہوارہ نہیں رہا تھا۔

چھوٹے بچے جنہوں نے بڑے بڑے اسکولز میں پڑھنا تھا انہوں نے چھوٹی چھوٹی ملازمتیں شروع کر دیں۔لڑکیوں کے جہیز اور بیاہ کے پیسے تو تھے نہیں سو کئی گھر بیٹھی رہ گئیں اور کئی کی نسبت ایسی

جگہ طے کر دی جہاں نہ قدر ملی نہ دو وقت کی روٹی۔کوئی آسیب تھا جو اس گاؤں کی مٹی کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔

بہرام اگر باغی تھا تو یہ بغاوت اسکی رگوں میں بھری گئی تھی۔کمزور کو طاقتور سے مدد کی امید ہوتی ہے۔زور گڑھ کی ساری امیدوں پہ پانی پھیرا جا چکا تھا اب ایک آگ تھی جو زور گڑھ کے ہر مرد کے سینے کے اندر تھی۔اور آگ تو پھر خاکستر کرے ہی کرے۔

"اسے تخت تاج سے کوئی سروکار نہیں۔ہاں مگر جس دن اسے حکومت ملی سب ڈھے جائے گا۔"

بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کی منازل طے کرتے ہوئے بلاخر زور گڑھ کے بہرام خان اور اسکے جیسے باقی لڑکوں کو اپنی نمائندگی کے لئے کوئی وکیل ملا تھا۔جس نے چند ماہ کے اندر اندر زور گڑھ کے کیس کو تاریخ دلوائی۔اس روز وہ بے حد خوش تھا۔مٹھائی کا ڈبہ لئے وہ باغ کی طرف چلا آیا تھا۔مگر وہ اس مٹھائی کو کھا نہیں سکا تھا۔

تاریخ ملنے کے چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر اسکائی ہائی ہوٹل پہ ایک بہت بڑا حملہ ہوا تھا۔خبر ملی تھی کہ کسی مشتعل گروہ نے اسکائی ہائی کے اندر گھس کر اندر موجود لوگوں کو ڈرایا، دھمکایا، ہراساں کیا اور ملک کے کئی بڑے بڑے عہدوں پہ فائز لوگوں کو جان سے مار دیا۔کئی شہری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے یہاں تک کہ ہوٹل کو کروڑوں روپے کا مالی نقصان جھیلنا پڑا۔یہ ایک سانحہ تھا جس کا اثر مقتولین کے خاندانوں سے زیادہ زور گڑھ پہ پڑا تھا۔

یہ خبر چند گھنٹے گاؤں کو مغموم کرتی رہی مگر اگلے چند گھنٹوں میں مشتعل۔زور گڑھ سے کئی لوگ گرفتار کئے گئے۔ایک ہی دن کے اندر اندر وہ علاقہ وکٹم سے ولن بن چکا تھا۔شفاف پانی کی بہتی ہوئی نہر کے سامنے گھاس پہ بیٹھے ہوئے جبل خان دور خلاؤں میں تک رہا تھا جب کوئی تیز تیز قدم لیتا اسکی جانب آیا۔

”فضل اوراحسان کے دونوں بھائیوں کو پولیس لے گئی ہے جبل۔ہم کب تک یہ سب دیکھتے رہیں گے۔“ اسکا لہجہ بلند تھا۔مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔اسکا بس نہیں چلتا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔خوشیاں تو جیسے غارت ہو چکی تھیں۔

”یہ دیکھو سید شادان یہ منور شاہ کا بیٹا ٹی وی پہ بیٹھ کر جھوٹے ثبوتوں کی بنا پہ یہ کہہ رہا ہے کہ اسکائی ہائی پہ حملہ ہم نے کروایا ہے۔باخدا میں اسکا قتل کر دوں گا۔“اس نے موبائل آگے کرتے ہوئے اسے ایک ویڈیو دکھائی۔جبل اب بھی خاموش رہا۔

وہ طیش کے عالم میں یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔وہ مشتعل تھا مگر رنجیدہ زیادہ۔وہ مسلسل بول رہا تھا۔

”جسٹس سمعیہ کی بیٹی زخرف نے ٹویٹ میں ہمارے وکیل کے خلاف لکھا ہے کہ **'کچھ لوگ اس لائق نہیں ہوتے کہ انکی خدمت کی جائے۔وکلاء کو چاہیے کہ سستی شہرت کی بجائے ملکی وقار کو نظر میں رکھتے ہوئے مقدمے لڑیں۔'** اسکی ماں نے ہمارے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا اور اب اسکی بیٹی بھی وہی کر رہی ہے۔“

وہ جبل کر قریب آ کر بیٹھا۔"تم جانتے ہو زلطان صفدر نے کیا بیان دیا ہے؟"بہرام جانتا تھا کہ جبل کو اس سے پہلے سب معلوم ہے مگر وہ اپنے اندر کی آگ کہیں نہ کہیں نکالنا چاہتا تھا۔"اس نے کہا ہے کہ وہ اس حملے کی مذمت کرتا ہےاور زور گڑھ کو قانون پہ بھروسہ رکھنا چاہیے تھا۔جو حرکت انہوں نے کی ہے اسکے نتائج سنگین بھی ہو سکتے ہیں۔"وہ جیسے شاک کے مارے چند لمحے بول نہ سکا تھا۔"وہ ایسا کیسے کہہ سکتا ہے؟وہ تو نئی قیادت ہے۔ہم نے تو کچھ نہیں کیایہ سب جھوٹ ہے۔"

"زلطان صفدر اچھی طرح جانتا ہے کہ اس وقت اقتدار میں وہ لوگ ہیں جو زور گڑھ کے دشمن ہیں۔وہ جنہوں نے اسکے اپنے بھائی کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیجا ہے۔اس وقت جو وزیر اعلیٰ بن کر ہمارے سروں پہ بیٹھا ہےاس نے اسکائی ہائی حملے کو ہمارے خلاف اور اپنے حق میں استمال کیا ہے۔"جبل نے گفتگو میں حصہ لیا۔

وہ حرف با حرف درست کہہ رہا تھا۔قاضی حمید حسین نامی شخص اس وقت وزیر اعظم کے عہدے پہ فائز تھا۔اور اسکا بھائی قاضی نوید حسین وزیر اعلیٰ پنجاب کے عہدے پہ۔وہ گدھ تھے خاندانی گدھ۔کئی سال حکومت انکے اور صفدر خاندان کے درمیان بٹتی رہی تھی۔ایک دوسرے کا اقتدار گرانے کے لئےوہ دونوں خاندان کچھ بھی کر سکتے تھے۔

چند سال قبل قاضی نوید حسین کے بہنوئی جو کہ بنیادی طور پہ انکی پارٹی کے فنڈز اکھٹے کیا کرتے تھے وہ کاروبار میں اربوں روپے کا نقصان کروابیٹھے اور انہی دنوں الیکشن قریب تھے۔پارٹی کے

پاس ووٹ خریدنے کی رقم نہ رہی تھی۔انھی دنوں نوید حسین کے بہنوئی قاضی اظہر خان نے وہ کام شروع کیا جس نے زور گڑھ سمیت کئی علاقوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

وہ پنجاب،سندھ اور بلوچستان سمیت کئی دیہی علاقوں میں جاجا کر ان سے اپنی کمپنی میں انویسٹ کرنے کے لئے منتیں کرتا رہا۔کئی بار اسکا کام ہوجاتا اور اگر نہ ہو پاتا تو وہ شہر کے کئی امراء اور تخت نشینوں کواپنے ساتھ میں ملا لیتا تھا۔وہ ایسے لوگوں کی جیب میں چند سکے ڈال دیتا تھا جن کی کریڈبلیٹی ہوتی تھی اور وہ لوگ بدلے میں اسکا اکاؤنٹ بھر دیتے تھے۔اسکیم پھیلتی چلی گئی۔لوگوں کا پیسہ آتا ہی گیا۔

سہانےخواب ہر کسی کو پسند تھے یونہی دیکھتے ہی دیکھتےکئی ارب جمع ہوتے چلے گئے۔وہ خاندان جو ملکی خزانہ لوٹتا تھا ان سے منسلک چھوٹا گدھ عام عوام کی تجوریاں لوٹ چکا تھا۔یہ صحیح معنوں میں ظلم تھا۔

کئی علاقے بولتے رہے اور کئی ماتم کرتے رہے۔کئی کی دادرسی نہ کی گئی اور کئی انتظار کی سولی میں لٹکائے گئے۔جو پڑھے لکھے لوگ تھے ان سے جابز دینے کے نام پہ ایڈوانس "**رشوت**"لی گئی۔اور وہ سیاہ پیسہ بھی سیاہ ہی ہوتا چلا گیا۔ایک زور گڑھ تھا جو اپنی بربادی نہ بھولا تھا نہ بھولنے دے سکتا تھا۔وہ بولا تھا،بولتا آیا تھا اور بولتا رہے گا۔

"تم دیکھ رہے ہو ناں جبل۔ہم کیسے نظر انداز کئے جا رہے ہیں۔صرف اور صرف اس لئے کیونکہ کچھ لوگوں کی تجوریاں بھری جا رہی ہیں۔"وہ ملال سے کہتے اسکے پاس بیٹھ گیا۔چہرے پہ شکست خوردگی کے آثار تھے۔

"میں سب جانتا ہوں بہرام۔کون کیا کر رہاہے۔میں ایک ایک کو دیکھوں گا۔تم فکر مت کرو۔جبل خان ہے ناں۔"

بہرام کی آنکھوں کی جوت جیسے بجھ چکی تھی۔وہ بس تھک سا گیا تھا۔آنکھیں اداس لگتی تھیں۔

"دنیا اندھی کیوں ہے جبل۔کسی کو ہم اور ہم جیسے لوگ کیوں نہیں دکھائی دیتے؟اس ملک میں زور گڑھ جیسے کئی علاقے ہوں گے۔کتنے بہرام اور جبل خان ہوں گے۔کوئی ہمیں کیوں نہیں دیکھتا۔یہ تخت پہ بیٹھے لوگوں کی گردنیں اتنی اونچی کیوں ہوتی ہیں؟"

"سب کی نہیں ہوتیں۔"جبل دھیرے سے بولا۔بہرام کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا۔اس نے تھک کر گردن جھکا دی۔"کچھ لوگ ہوتے ہیں بہرام جنہیں تخت مل جائے توانکی گردنوں میں حرص اور لالچ کے پٹے بندھ جاتے ہیں۔وہ اگر جھک کر رعایا کے غم اور تکالیف دیکھنے لگیں تو سونے کا وہ پٹا ہیرے کے وہ نگینے گر پڑیں گے۔مفاد . . . . ذاتی مفاد کئی بار ہر شے پہ بھاری آجاتا ہے۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔جیسے سینے میں ہوتی چبھن چند لمحات کے لئے برداشت کرنا چاہتا ہو۔درد اسکا بھی وہی تھا جو بہرام کا تھا۔

"تخت نشین اندھے نہیں ہوتے۔بعض دفع انکی آنکھوں میں مفاد کے ہیرے آجاتے ہیں۔زبان پہ ایسے جھوٹ جو انکے خزانے بھرتا ہے تب انہیں ہم جیسے لوگ نظر آنا بند ہو جاتے ہیں۔غلطی انکی نہیں ہے ان سے زیادہ غلطی اس عوام کی ہے جس نے انہیں یہ تخت دیا اور احتساب کرنا بھول گئی۔حق کے لئے بولنے والی زبانیں جب مصلحت کے راگ الاپیں گی تو ظلم بتدرج بڑھتا چلا جائے گا اور پھر ہر وہ شخص اسکا حصہ ہو گا جس جس نے اپنی زبانیں بند رکھیں۔وہ بھی جو مفاد کی بنا پہ بولے یا پھر جھوٹ پہ جھوٹ باندھ کر سچ کو دھندھلا کر دیا۔"

بہرام خاموش رہ گیا تھا مگر اس روز اسکے اندر کا شور بہت بڑھ گیا تھا۔اس روز کے بعد اس نے قانون سے امیدیں چھوڑ دی تھیں۔اس دن کے بعد وہ کیس کی پیروی نہیں کر سکا تھا۔وہ ایک سانحہ اسکی زندگی کو الٹ پلٹ گیا تھا۔اس روز کے بعد بہرام خان ایک مختلف انسان بن گیا تھا۔جسے صرف اور صرف انتقام چاہیے تھا۔

حال میں وہ کئی سالہ انتقام اور مزاحمت کی اس آگ کو ختم کرنے والا تھا۔اسے اب صحیح غلط سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔جو اس نے سہا تھا اسکے بعد اس سے رحمدلی کی توقع بے وقوفی ہوتی۔اس نے دروازہ دھکیلا تہہ خانے کا دروازہ ہلکی سی چرکی آواز کے ساتھ کھلا تھا۔جو منظر اسے نظر آیا تھا اسے دیکھ۔ایک لمحے کے لئے بہرام منجمند ہو گیا تھا۔

وہ قید خانہ خالی تھا۔وہاں نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات۔اسیر آزاد ہو چکے تھے۔قفس بے مول ثابت ہوا تھا۔وہاں کوئی نہیں تھا مگر ایک منٹ . . . وہاں کوئی تھا۔وہ فرش پہ چت لیٹا ہوا

تھا۔موبائل ہاتھوں میں لیئے وہ کوئی گیم کھیل رہا تھا۔اسکی سرمئی آنکھیں بے حد روشن تھیں۔بہرام نیم دیوانہ سا ہونے لگا۔مٹھی سے ریت پھسل جانا کیا ہے اسے شاید آج معلوم ہونے ہی والا تھا۔اسی پل فرش پہ لیٹے مرد نے گردن ترچھی کر کے دروازے کے وسط میں ایستادہ اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔پھر مسکرایا۔دلفریب مسکراہٹ۔یوں جیسے مدتوں بعد کوئی آس بر آئی ہو۔

"اچھا ہوا تم آ گئے۔یہ لوگ تو چلے گئے۔تم میرے ساتھ پب جی کھیلنا چاہو گے؟"

بہرام خان نے اس تصدیق پہ بے اختیار دیوار کو تھاما تھا۔اسکا سر بری طرح چکرانے لگا تھا۔وہ کسی ایسے جواری کی مانند تھا جس نے وہ بازی ہاردی ہو جس میں شرط سانسوں کی لگی ہو۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت صبح ساڑھے چھ بجے۔"

زلطان صفدر کے قدموں کو برف نے چھوا تھا۔مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ زیر زمین یہ برف کیسے آ سکتی ہے؟

اگلے ہی پل اسے جواب مل چکا تھا۔اس نے نگاہیں اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا۔جہاں زینے ختم ہوتے تھے برف وہیں سے اندر گر رہی تھی۔وہ زینے چڑھ کر اوپر آیا زخرف نے اسکے ساتھ زینے طے کیئے۔عین اوپر چھت میں ایک بڑا سا سوراخ تھا،جس سے برف فرش پہ گرتی اور فرش سے تہہ خانے میں۔انہوں نے آس پاس نگاہیں دوڑائیں۔وہ ایک بے حد تنگ سی جگہ تھی۔

وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔بلکہ اسے کھوکھا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔زخرف وقار اس انسان کی creativity پہ عش عش کر اٹھی۔جس نے زیر زمین ایسے ایسے راستے بنا دیئے تھے۔ایجنٹ سے ملنے کا اسکا اشتیاق جیسے بڑھ گیا تھا۔یا شاید وہ اس سے کبھی نہ ملنا چاہتی تھی۔اس آدمی کے متعلق اندازے بھی درست نہ لگتے تھے۔

چھوٹی سی کھڑکی سے گردن باہر نکال کر زلطان نے دیکھاتو سامنے نہر تھی۔اور نہر کی دائیں طرف اونچی اونچے پہاڑ۔زلطان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے وہ خود آگے آئی۔اور باہر دیکھنے پہ جیسے اسکی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں۔برف،پانی اور سبزہ۔ہر شے جیسے پکچر پرفیکٹ لگ رہی تھی۔خوبصورتی میں زور گڑھ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ملگجے سے اندھیرے میں اگر یہ منظر انسان کو جامد کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا تو روشنی میں کیسی راحت دیتاہوگا؟

ابھی اس نے گردن باہر نکال کر دیکھا ہی تھا کہ اگلے لمحے چیخ کر پیچھے کو ہوئی۔زلطان صفدر پیچھے نہیں ہوا تھا۔سامنے ہی کوئی کھڑا تھا جس نے سیاہ چادر سے اپنا چہرہ ادھ ڈھک رہا تھا۔زخرف اسی کو دیکھ کرسہم پیچھے ہوئی تھی۔

”جبل خان نے بھیجا ہے۔“وہ سنجیدگی سے ایک ہی سطر بولا تھا۔زلطان لکڑی کے اس بوسیدہ دروازے کواندرسے کھولتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔زخرف بھی اسکے پیچھے ہی باہر آئی تھی۔”میرا نام اجمل ہے۔“

اس آدمی نے دو شاپر ان کی طرف بڑھائے۔جنہیں زخرف نے لینا چاہا پھر کسی خیال کے تحت ہاتھ پیچھے کر لیا۔زلطان اب بھی اسکا ایکسرے کرنے میں مصروف تھا۔وہ کم عمر تھا۔سادہ سا دیہی لڑکا۔زلطان نے اسکے ہاتھ سے دوسرا شاپر لیا اور اندر موجود کپڑے دیکھے۔زنانہ کپڑوں کا شاپر اس نے زخرف کی طرف بڑھایا۔وہ کچھ تردد کے بعد تھام چکی تھی۔

"تم جاؤ اندر جا کر تبدیل کر لو۔میں یہیں ہوں۔"وہ زخرف سے کہہ رہا تھا۔پھر آگے بڑھ کر اس کھوکھے کی کھڑکی وغیرہ بند کر دی۔وہ اندر چلی گئی۔تھوڑی دیر بعد وہ لباس تبدیل کر کے باہر آگئی تھی۔زلطان نے یونہی بلا ارادہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھااور وہ چند لمحے اسکے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔

مخمل کے ہلکے گلابی رنگ کے پشواس میں،کالر بون کو چھوتے سیدھے بال کھولے وہ اچھی لگی تھی۔زلطان کو وہ ہمیشہ ہی اچھی لگتی تھی۔اس نے نظر ہٹائی اور اب وہ اسے شاپر سے شال،سوئیٹر،مفلر سب نکال کر دیتا جا رہا تھا۔اگر وہ جانتا تھا کہ کہ زخرف کو سردی بہت لگتی ہے تو بھیجنے والا بھی اس راز سے واقف تھا۔خلاف توقع زخرف کے لئے جوتے بھی تھے۔سیاہ رنگ کے لانگ بوٹس۔جس شے نے اسے کوفت میں مبتلا کیا تھا وہ پشواس کے لمبے بازو تھے جو اسکی کلائی کے زخم سے ٹکرا رہے تھے۔وہ ہر بار تکلیف سے آنکھیں میچ لیتی تھی۔

زلطان نے دو قدم آگے لئے اسکی فراک کا بازو فولڈ کیا۔اسے خیال سا ہوا کہ یہ دوبارہ کھل سکتا ہے اس لئے اس نے مفلر کو ذرا سی سخت گرفت کے ساتھ اسکے بازو پہ باندھ دیا۔

"تم واقعی بہت سگھڑ ہو گئے ہو۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"میرا جواب وہی ہے میں تو شروع سے تھا، تم نے ابھی نوٹ کیا ہے۔"

وہ جواباً بس مسکرائی کہا کچھ نہیں۔

تھوڑی دیر بعد زلطان بھی لباس تبدیل کر آیا تھا۔اسکے لئے کوئی نئے جوتے نہیں تھے اگر ہوتے تب بھی شاید وہ انہیں ہاتھ نہ لگاتا۔سفید شلوار قمیض کے ساتھ سوئیٹر،شال اونی ٹوپی اور دستانے پہننے کے باوجود انہیں بے حد ٹھنڈ لگنے لگی تھی۔لڑکے نے جب انہیں لباس تبدیل کرتے دیکھ لیا تو اب وہ جانے کی تیاری میں لگا تھا۔

"دائیں طرف مت جانا،بائیں طرف تمہارا راستہ ہے۔اپنے کپڑے برف میں دبا دینا۔تاکہ کسی کو تمھارے سفر کی سمت کا معلوم نہ ہو سکے۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔"یہ کام میرا تھا لیکن تم اس قابل نہیں ہو کہ میں تمھیں یا تمھارے لباس کو چھوؤں۔" وہ بد لحاظی سے کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔

"شاید تم جانتے نہیں ہو کہ ہم کون ہیں۔" زلطان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔وہ رک گیا۔پھر مڑا۔

لڑکے کا چہرہ اب شال میں ڈھکا ہوا تھا مگر زخرف کو لگا جیسے وہ طنزیہ ہنسا ہو۔

"تم اور تمھارے قریبی لوگوں کو کون نہیں جانتا؟لیکن ایک بات بتاؤں ؟وہ بڑے شہر کے بڑے بنگلوں میں دیوار پہ لگی ٹی وی ہو گی جس میں لوگ تمھیں بولتے ہوئے دیکھتے ہوں گے تو عقیدت

سے دیکھتے ہوں گے۔" وہ آگے آیا اسکی آنکھوں میں تپش جیسے بڑھ گئی ہو۔"جب زور گڑھ کے چھوٹے کچے گھروں میں پرانی سی ٹی وی پہ تمہارا چہرہ آتا ہے تو چینل بدل دیئے جاتے ہیں۔لوگ نفرت کرتے ہیں تم سے اور تمھارے اس مکروہ چہرے سے۔"

گفتگو کس سمت جا رہی تھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔زلطان صفدر چاہتا تو وہاں سے جا سکتا تھا لیکن وہ نہ جانے کیوں کیا سوچ کر وہیں ٹھہر گیا۔اس نے ان چند الفاظ پہ اپنے دل کو شل ہوتا محسوس کیا تھا۔

"اور تمھیں کیا لگتا ہے ہمیں کوئی فرق پڑتا ہے۔تم اور تمھارے جیسے چھوٹے کیڑے مکوڑے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔تم اسی طرح اس گاؤں میں گمنام موت مر جاؤ گے اور کسی کو کوئی علم بھی نہیں ہوگا۔زندگی میں تمہارا کوئی مقصد ہے بھی؟"اس کا تنفس پھول رہا تھا۔زخرف نے اسکا بازو تھپک کر جیسے اسے خاموش رہنے کو کہا ہو۔

"اور تم کون ہو زلطان؟یہ تمھارے ساتھ کھڑی عورت یہ کون ہے۔اس وقت تمہاری کیا پہچان ہے؟زیرو . . نتھنگ . . . نل....تم کچھ نہیں ہو۔یہ کچھ نہیں ہے۔مجھ سے زیادہ عام ہو تم۔جب میں مروں گا تو میرا خاندان میرے غم میں روئے گا۔تم مرو گے تو تمہارا خاندان رونے سے پہلے پریشان ہوگا کہ جن سیاہ کارناموں کو تم سر انجام دیتے تھے بھلا اب وہ کس کے زمے آئیں گے۔"یہ لہجے کا تنفر یہ نفرت یہ ذلت زلطان اور زخرف کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ جذبے انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی بار محسوس کیے تھے۔انکے تخت نے انکی گردن میں بھی ایک پٹا

باندھ دیا تھا جھکتے تو ہاتھ سے بہت کچھ جاتا اور آج انہوں نے جھک کر دیکھا تھا ہاتھ سے کیا کیا گیا حساب نہ ممکن تھا۔

”تمہاری پہچان اس وقت کچھ نہیں ہے۔ہم تمھیں بھیک میں زندگی دے رہے ہیں اور تم ایک کتے کی طرح اسے چاٹ رہے ہو۔“زلطان نے آگے بڑھ کر طیش کے عالم میں اسکی گردن دبوچ لی تھی۔زخرف اسے چھڑا رہی تھی۔

”تم جھوٹے،بے غیرت اور کرپٹ ہو۔تم اتنے گھٹیا ہو کہ موت کے خوف سے اپنے دوستوں کو خود سے الگ کر آئے ہو۔اور اب یہاں سے بھاگ رہے ہو۔تم یہاں سے بھاگ جاؤ گے اور کیا ہو کہ بہرام تمھارے دوستوں کو قتل کر دے؟لیکن تمھیں کیا؟تمہیں تو پوزیشن بچانی ہے تخت بچانا ہے۔گیدڑ کی زندگی جینی ہے۔“وہ اسکی گردن پہ دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا مگر وہ لڑکا جیسے چپ ہونا نہ جانتا ہو۔وہ بولتا گیا بولتا گیا۔یہ آوازیں زلطان چار دن سے سن رہا تھا اسے یہ سب نہیں سننا تھا۔وہ ہر آواز کو دبا دینا چاہتا تھا جو اسے سچ بتاتی تھی۔جو اسکے اوپر چڑھی سیاہی کو دھونے کی کوشش کرتی تھی۔

”خدا کرے تم الیکشن ہار جاؤ۔تاکہ تمھیں علم ہو ہار کیسی ہوتی ہے۔خدا کرے تم سے تمہاری زمین چھن جائے تاکہ تمھیں علم ہو بے گھر ہونا کیسا ہوتا ہے۔“

وہ چیخ رہا تھا۔غرا رہا تھا۔اسے موت کا کوئی خوف نہیں تھا۔اسے کسی زلان صفدر کا خوف نہیں تھا۔

"زلطان اسے چھوڑ دو وہ مرجائے گا۔" زخرف نے اسکے بازو پہ زور سے ناخن گاڑے۔"زلطان خدا کے لئے اسے چھوڑو۔تم قتل کرنا چاہتے ہو کیا؟"

اسکی آنکھیں ابلنے کو تھیں جب زلطان نے اسکی گردن چھوڑ دی۔وہ جیسے ایک شیطانی لمحے سے باہر آیا تھا۔آنکھوں سے غیض کا تاثر دفعان سا ہوگیا۔وہ شاکی اور ششدر سا پیچھے ہوا تھا۔برف نے جیسے اسکے قدموں کو پیچھے ہونے سے روک لیا۔وہ غیر یقینی سے اپنے ہاتھ دیکھنے لگا۔

وہ لڑکا اب برف پہ گرا کھانس رہا تھا۔اسکے گلے پہ زلطان کی انگلیوں کے نشان چھپ چکے تھے۔اسکی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔گردن پہ ناخن بھی بری طرح کھب گئے تھے۔زلطان شرمسار ہوا۔وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔وہ تحمل،وہ سپاٹ انداز وہ سب ایک پل میں کہاں غائب ہوا تھا؟کیا تھا جو اسکے اندر بدل گیا تھا۔

زخرف اب گھٹنوں کے بل اس لڑکے کے قریب بیٹھ گئی۔ہاتھوں سے ٹٹول کر اسکی گردن پہ نشان دیکھے۔وہ کم عمر لڑکا رونے لگا تھا۔

"میں اسکی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔پلیز اسے معاف کر دو۔وہ بس کچھ پریشان تھا۔میں معافی مانگتی ہوں۔"

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔"لڑکے نے روتے ہوئے اسکا ہاتھ جھٹکا تھا۔"میرا بھائی سی ایس ایس کا امتحان پاس کر گیا تھا اور یہ پولیس والے اسے پکڑ کر لے گئے۔اسکائی ہائی پہ ہونے والے حملے پہ

ٹویٹ تم نے بھی کئے تھے ناں؟"آنسو اسکے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔وہ جیسے انہیں دیکھ کر خود پہ قابو نہیں رکھ پایا تھا۔وہ غصے میں تھا۔اس پہ ترس بھی آتا تھا۔اور رنج بھی۔

"تم جیسے لوگ اگر ہمارے حق میں بولے ہوتے تو آج یہ سب نہ ہو رہا ہوتا۔میرا بھائی حوالات میں مر گیا۔اپنے حق کے لئے آواز اٹھانے والوں کو تھرڈ ڈگری دیا گیا تھا۔تب کیا ہوا تمہاری زبانوں کو لقوہ لگ گیا تھا کیا۔؟"

زخرف بس خاموشی سے بیٹھی رہی۔وہ نہیں لڑی۔وہ نہیں چیخی کچھ تھا جو وہ تسلیم کر چکی تھی۔کچھ تھا جو اسے اپنے متعلق معلوم ہو چکا تھا۔آج نہیں کئی دن پہلے۔آج بس گھٹنے ٹیک دینے کا لمحہ تھا۔اور یہ امر سب سے مشکل ہوتا ہے۔

"تم لوگوں نے اور تم جیسے لوگوں نے ہمیں برباد کر دیا۔تمھارے بڑے ہمارے پاس بہتر مستقبل کا دلاسا لائے تھے اور ہم سے ہمارا حال بھی چھین لیا۔"وہ کتنی دیر روتا رہا۔انہیں کتنی دیر کوستا رہا کسی کو یاد نہ رہا۔کئی پل بعد زلطان نے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔وہ چند پل اسے دیکھتا رہا۔پھر اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے زلطان کا ہاتھ نہیں تھاما تھا۔

وہ اب خاموشی سے زلطان اور زخرف کے ساتھ چل رہا تھا۔کسی جنگل کی سی جگہ تھی۔صنوبر کے اونچے لمبے درخت تھے۔اور قدموں تلے برف۔دور دور تک صرف درخت اور برف تھی۔یہ راستہ کبھی نہ ختم ہونے والا راستہ لگ رہا تھا۔

"اگر کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ تم سے کیا سوال کریں گے اجمل؟"زخرف نے اسے براہ راست مخاطب کیا تھا۔زلطان کپڑوں کے شاپر تھامے انکے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔یخ بستہ ہوائیں جسم میں سوراخ کر رہی تھیں۔دل کے اندر ہوئے سوراخوں سے جو داخل ہوا تھا وہ قصہ پھر سہی۔

"میں ٹور گائیڈ ہوں۔اور تم ٹورسٹس۔"وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔انداز بے لچک۔

تاحد نگاہ ان درختوں کے سوا وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔زخرف کو رہ رہ کر اسکے آنسو یاد آتے تھے۔وہ بری الذمہ ہونا چاہتی تھی۔اس گلٹ کے ساتھ وہ یہاں سے نہیں جانا چاہتی تھی۔

"تمھیں ہم سے کیا شکایات ہیں اجمل؟"وہ ایک جگہ رک گئی تھی۔لہجے میں شیرنی تھی۔وہی نرمی جس کی وجہ سے وہ جانی جاتی تھی۔آس پاس یہاں برف کافی مقدار میں ڈھیر ہو چکی تھی۔زخرف نے کپڑے یہیں دبانے کا سوچا۔اور نیچے بیٹھ گئی۔زلطان بھی اسکے ساتھ آ کر بیٹھا تھا۔

اجمل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔"تمھیں لگتا ہے ہم تمھارے لئے نہیں بولے اس لئے تمھاری یہ حالت ہے؟تمھارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔اس کمپنی نے صرف یہ فراڈ تمھارے ساتھ تو نہیں کیا تھا۔آدھا پاکستان اثر انداز ہوا تھا۔ہر کوئی قسمت کے لکھے پہ خاموش ہوگیا مگر زور گڑھ کے منحرف(باغی)آج تک خاموش نہیں ہوئے۔کیا تم مصلحت سے ناواقف ہو؟" وہ لکڑی سے برف کھود رہی تھی۔زلطان بھی چپ چاپ وہی کرتا رہا۔اسے اپنے ہاتھ اب تک غیر معلوم ہوئے۔

"دین کہتا ہے اپنے حق کے لئے لڑو۔اور اگر اس لڑائی میں تم مارے جاؤ تو شہید کہلاؤ گے۔وہ جو خاموش ہو گئے وہ شاید کوئی اور ہوں گے۔ہمیں یہ انحراف وراثت میں ملا ہے۔"وہ رکا پھر انہیں دیکھا۔"آپ کے بولنے سے کچھ بدلتا یا نہیں کم از کم زور گڑھ کی آواز مضبوط ہوتی۔اللہ نے آپ کو تخت دیا تھا۔آپ نے اس سے انصاف کیوں نہیں کیا؟"وہ لڑکا اب سلجھے ہوئے انداز میں تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

"اس پورے ملک میں ہم پانچ لوگ تو نہیں ہیں۔اور بھی کئی مشہو شخصیات ہیں۔کیا سب کا بوجھ ہم پہ آنا ہے؟"وہ اب لاکھوں روپے کی مالیت کے اس ٹاپ اور ٹراؤزر کو زمین میں گاڑ رہی تھی۔نظریں سفید برف پہ جمی رہیں۔کیا یہ وقعت تھی پیسے کی؟

"کہتے ہیں جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے سوال اسکی قبر کا ہوتا ہے۔جب کوئی آپ کے پاس کوئی کیس لاتا ہے۔آپ کو لاکھوں روپے دیتا ہے تب آپ اس سے یہ کیوں نہیں کہتیں کہ شہر میں اور بھی کئی وکلاء ہیں۔"

"یہ میرا کام ہے اجمل۔میرا فرض۔میں لوگوں کو انصاف دلاتی ہوں۔"تحمل اب بھی ویسا ہی رہا۔

"آپ انہیں انصاف دلاتی ہیں جو آپ کی جیبیں بھرتے ہیں۔پھر چاہے وہ قاتل ہو چاہے ریپسٹ۔چاہے غاصب،چاہے لٹیرے۔"وہ تلخی سے بولا۔

"ایک میرے بولنے سے دنیا بدل نہیں جائے گی۔"وہ اب برف برابر کر رہی تھی۔

”بدلی تو تھی۔جب آپ زور گڑھ کے خلاف بولی تھیں تب کئی ہزاروں نے آپ پہ اعتماد کیا تو تھا۔“

”زور گڑھ اتنا معصوم نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔“

”اورآپ اتنی پارسا نہیں ہیں جتنی بنتی ہیں۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“زخرف کی جگہ زلطان نے تحمل سے پوچھا۔اجمل چند لمحے انہیں دیکھتا رہا۔آنکھیں کسی بھی تاثر سے پاک رہیں۔

”جس تخت پہ آپ بیٹھے ہیں اسکی سچی اوربغیر مفاد کے قیمت۔دنیا کا خوف چھوڑ کر انصاف کی پیروی۔بس اتنا دے سکتے ہیں آپ؟“دونوں اسے دیکھتے رہے۔”جانتا ہوں یہ آپ سے نہیں ہو گا اس لئے ہمیں بزدلی کے درس دینا بند کر دیں۔زمین ہماری ہے تو اسے لے کر رہیں گے۔پیسہ ہمارا ہے تو اس پہ واویلا کریں گے۔کیونکہ وہ حق حلال کا تھا۔حرام کا ہوتا تو اسے کسی برف کسی مٹی میں دبا دیتے اور فرق بھی نہ پڑتا۔“

وہ دونوں خاموش رہے۔اجمل کو اپنا جواب مل چکا تھا۔اور اسکا دل ایک بار پھر ٹوٹ گیا تھا۔وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔

”گیارہ جنوری۔“

”وقت صبح ساڑھے چھ بجے۔“

بہرام بے حس و حرکت دروازے کے وسط میں کھڑا تھا۔ جبل کا سوال بھی اسے ہوش میں نہیں لا سکا تھا۔ اس نے دیکھا اسکے لوگ دھڑا دھڑ سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔ انکے چہرے غضبناک لگتے تھے مگر جبل خان کے سامنے انکا لہجہ اور بندوقیں اٹھ جائیں کسی ماں نے ایسا بیٹا نہیں جنا تھا۔

"تم نے بھگایا ہے ناں انہیں؟" بہرام کی آواز سارے میں گونجی۔ "تم نے یا ایجنٹ نے؟" یہ سوال تھا۔ "تم نے اپنے باس سے منحرف ہو گئے؟" یہ بے یقینی تھی۔

"میری وفاداریاں صرف اور صرف ایجنٹ سے مشروط ہیں۔"

"میں تمہارا بھائی ہوں جبل۔" صدمہ، شاک، بے یقینی۔

"غیر تو وہ بھی نہیں ہے۔ اگر تمہاری جگہ میرا باپ بھی ہوتا تو میں اسکا تختہ الٹنے میں دیر نہ لگاتا۔"

"تم نے ان غیر لوگوں کو ہم پہ فوقیت دی؟" گلہ کیا گیا۔

"میں نے ظلم پہ حق کو فوقیت دی۔" وہ دوبدو بولا۔ "تم قاتلوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے تھے اور یہ میں ہونے نہیں دے سکتا تھا۔ زور گڑھ کا تاج میرے سر پہ ہے۔ مجھے سب ٹھیک کرنا ہی تھا۔"

بہرام چپ چاپ آخری زینے پہ بیٹھ گیا۔ جبل خان کے الفاظ اسکا دل خالی کر گئے تھے۔ اسکے ہاتھ سے دنیا پھسل گئی تھی۔ جبل اسے دیکھتا رہا۔ یونہی اسی طرح بے بس، بے سانس کوئی اور بھی تھا۔ چند گھنٹے پہلے جبل خان نے کسی اور انسان کے قدموں سے بھی یونہی زمین کھینچ لی تھی۔ رفتہ

رفتہ اسکی آنکھوں کے آگے دھند سی آگئی اور وہ حال کا سفر چھوڑ چند گھنٹے پہلے ہونے والے واقعے کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ بلکل خاموشی سے،چپ چاپ۔اب اسکے سامنے سر جھکائے کوئی اور وجود بیٹھا تھا۔

زینوں کے آخری سرے پہ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ایسے جیسے زندگی سے سانسیں الجھ رہی ہوں۔ایسے جیسے کسی نے اسکی گردن پہ پھندا کس دیا ہو۔یا پھر ایسے جیسے وہ خطہ غیر کا حصہ بن گیا ہو۔

"میری طرف سے تم پہ کوئی دباؤ نہیں ہے۔کوئی دھمکی نہیں ہے۔تمہارا یہ اقدام تمھارے ہی خاندان کی جان بچائے گا۔"جبل خان مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔سیڑھیوں پہ بیٹھا وجود نیم اندھیرے میں تھا۔لب کاٹتے ہوئے وہ ان چار دنوں میں پہلی بار جیسے دلدل میں دھنس گیا ہو۔"میں تم سب کو یہاں سے نکالوں گا۔لیکن زور گڑھ کا چپاچپا بہرام خان کا مرید ہے۔کم از کم اس زمین پہ تم اور تمھارے دوست اس سے چھپ نہیں سکتے۔اور اس صورت میں،میں بھی اسے روک نہیں سکتا۔کیونکہ اسکے لئے یہ جمہوریت نہیں انحراف کا وقت ہے۔اگر تم ویڈیو بناؤ اور اس میں وہی سب بولو تو کچھ وقت کے لئے ہی سہی لیکن میں اسے روک سکوں گا۔"

اندھیرے میں بیٹھے وجود نے کوئی جنبش نہ ہوئی۔وہ جیسے پتھر کے مجسمے کی طرح ساکن تھا۔جبل خان اس سے کہہ رہا تھا کہ اگر تم دمے کے مریض ہو تو اپنا ان ہیلر مجھے دے دو۔اس صورت میں مریض کا جواب کیا ہوتا؟

"میں اس ویڈیو کو اپلوڈ نہیں کروں گا۔میں وعدہ کرتا ہوں۔"جبل نے ایک اور یاد دہانی کروائی۔

"تم میرے باپ ہوتے میں تب بھی تمہارااعتبار نہ کرتا خنزیر۔"وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔جبل بڑے دل کا مالک تھا۔چھوٹی سی گالی کا کوئی اثر نہ لیا۔

"میں بہرام کو یہ ویڈیو دکھاؤں گا اور اپنے سامنے اسے کسی جعلی اکاؤنٹ پہ اپلوڈ کروں گا۔جو کہ بظاہر تمہارا اکاؤنٹ ہو گا،لیکن بہرام کے لئے یہ صرف نظر کا دھوکہ ہو گا۔اس طرح دو سے تین گھنٹے لگ جائیں گے اور ان دو سے تین گھنٹوں میں تم سب ونڈر لینڈ پہنچ چکے ہو گے۔"

"اوراگر تم نے میرے بیان کو استعمال کیا تو؟میں اس سارے میس میں ذلیل ہو کر رہ گیا تو؟"وہ ایک بار پھر بے چین ہوا۔

"جیسے یہاں رہ کرتو بڑی عزت مل رہی ہے۔"جبل نے طنز کیا۔"میں سوائے زبان دینے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔پٹھان کی اولاد ہوں ہمارے لئے زر،زیورسب سے زیادہ قیمتی زبان ہے۔اور میں جبل خان احمد زئی تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمھارے اس بیان کے زریعے تم پہ کوئی مصیبت نہیں لاؤں گا۔میں وعدہ کر رہا ہوں تو نبھاؤں گا۔"

زینوں پہ بیٹھا شخص اضطرابی عالم میں ٹانگ جھلاتا تو کبھی ناخن چباتا۔اس نے اپنے بال تک مٹھیوں میں جکڑ لئے تھے۔سوچ سوچ کر اسکا دماغ پھٹ رہا تھا۔نتیجہ اسے مل کر نہیں دے رہا تھا۔

"منظور ہے۔"کافی دیر بعد وہ شکستگی کے عالم میں بولا۔اس سے اسکا مقام چھن سکتا تھا مگر اسے چانس لینا تھا۔اس سے مستقبل میں ملنے والی عزت چھن سکتی تھی مگر اسے چانس لینا تھا۔وہ مر سکتا تھا مگر اسے خاندان کے لئے چانس لینا تھا۔

اندھیرے پہ روشنی غالب آئی۔اور ماضی کا فسوں ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا۔حال میں بہرام خان سر کو ہاتھوں میں گرائے اسی جگہ،اسی طرح بیٹھا تھا جیسے کچھ دیر قبل کوئی اور وجود۔فرق بس اتنا تھا کہ اس وجود کے آگے جبل خان روشنی کا راستہ روکے ہوئے تھا اور اس آدمی پہ وہ چاہ کر بھی اندھیرا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"تم پریشان مت ہو بہرام۔میں نے ایجنٹ کی حکم مانے ہیں اور ان hostages نے میرے۔"بہرام نے دھیرے سے سر اٹھایا۔اسکا بھائی انہی نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے پاس تمھارے لئے کچھ ہے۔"

تسلی دلاسا،سکون،طمانیت کون سا جذبہ تھا جو اس وقت بہرام نے اپنی رگوں میں سرایت کرتا محسوس کیا۔اسکا بھائی اسے دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔اس بات سے بے خبر کہ اس وقت زور گڑھ کی ہوائیں بھی انحراف کے گیت گاتی تھیں۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت،صبح سات بجے۔"

سیب کا باغ ختم ہوا تو چیری کا باغ شروع ہو گیا۔ برف باری ذرا دیر پہلے ہی تھمی تھی۔ عیسیٰ آگے آگے چل رہا تھا۔ حسن اور زبرج اسکے عقب میں تھے۔ دو سے تین منٹ تک چلتے رہنے کے بعد عیسیٰ انکی طرف مڑا تھا۔ وہ اپنی کلائی سے ایک گھڑی اتار کر زبرج کو تھما رہا تھا۔

''آگے کا سفر آپ کا اپنا ہے۔ میں بہرام کا سب سے بھروسہ مند آدمی ہوں مجھے اب جانا ہو گا۔''

زبرج نے گھڑی تھام لی۔ وہ مڑنے لگا جب حسن نے اسے آواز دے کر روکا تھا۔

''ہم مل چکے ہیں، ہیں ناں؟'' اسے عیسیٰ کو دیکھ کر بہت کچھ یاد آیا تھا۔ عیسیٰ مسکرایا۔ آزردہ سی مسکراہٹ۔

''مجھے کافی دیر سے یاد کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔ لیکن اب یاد آگیا ہے ہم مل چکے ہیں۔'' زبرج نے برف پہ دو قدم مزید آگے بڑھائے۔ ''ہم یونیسیف کے flood پروگرام میں ملے تھے ناں؟''

عیسیٰ نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ ''مجھے یقین تھا آپ مجھے پہچان لیں گے۔''

''اور تمھیں یہ یقین کیوں تھا؟''

''کیونکہ میں نے آپ کے ماتحت کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے پھر مجھے اور میرے کام کو گالیاں دیں۔ میرے سینیئرز کو بتایا کہ میں کتنا ہیچ ہوں۔ اور بدقسمتی بھی کہ میں نے زبرج شاہنواز کے ساتھ کام کرنے کا موقع کھو دیا ہے۔'' وہ سادگی سے گنوا رہا تھا۔

"تو کیا غلط کہا تھا؟"عیسیٰ کو اگر زبرج کے چہرے پہ کوئی شرمندگی دیکھنی چاہی تو وہ نہیں تھی۔"میں زبرج شاہنواز ہوں۔غیر ملکی تنظیمیں صرف میرا نام سنتے ہی کروڑوں روپے کے پروجیکٹس میرے نام کر دیتے ہیں۔تم نے ایک اچھی پوزیشن گنوا دی۔"اسے جیسے تاسف ہوا ہو۔رسی جلی تھی بل نہیں گئے تھے۔

"میں نے جو کمایا وہ سچائی اور ایمانداری تھی۔میں نے فنڈ کے پیسوں سے اپنے سینیئرز کے بینک اکاؤنٹس اور اپنے گھر نہیں بھرے۔امداد ان لوگوں کو دی جو اسکے مستحق تھے۔مجھے ایک ذمہ داری ملی تھی اور میں نے اسے نبھایا۔اس ملک میں کئی parasites ہیں۔سیاست میں، کھیل میں،وکالت میں اور ڈاکٹرز کے جھنڈ میں۔این جی اوز کی دفاتر میں اور ٹی وی پہ۔میں ان میں سے ایک نہیں بنا۔میں نے ملک کی معیشیت کو نہیں چوسا۔کم از کم میری وجہ سے کسی زلزلہ متاثرین کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوا۔"

حسن سلطان کبھی عیسیٰ کو دیکھتا اور کبھی زبرج کو۔عیسیٰ غلط نہیں تھا لیکن حسن سلطان کو آج اس سے غیرت سیکھنی پڑی۔وہ اپنے چاروں دوستوں کی کرپشن۔جھوٹ۔اور پاورز کے ناجائز استعمال سے واقف تھا۔لیکن وہ آج تک مصلحت کے تحت چپ رہا تھا۔عیسیٰ وہ باتیں کہہ رہا تھا جو حسن نے کبھی کہنے کی سوچی تھی۔وہ غلط تھا؟یا عیسیٰ صحیح ؟

"تم جیسے چھوٹی سوچ رکھنے والے لوگ اسی طرح رہتے ہیں۔آج میں کہاں ہوں اور تم کہاں فرق واضح ہے۔ہماری ذرا سی کرپشن سے کچھ نہیں ہوتا۔ملک کے بڑے بڑے ادارے پیسہ چھاپ

رہے ہیں اور عوام ان کو دیکھتی ہے جس پہ ہاتھ ڈالنا آسان ہو۔صرف اوپر کا سسٹم درست ہو جائے تو سب درست ہو جائے گا۔"وہ بحث نہیں کرتا تھا لیکن جانے کیوں آج وہ عیسیٰ سے الجھ پڑا تھا۔شاید عیسیٰ سے پہلے ایسے کچھ الفاظ اسکے دل نے بھی کہے تھے۔

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور حکومت تھا۔مہینے کے آخر کے دن تھے اور انکی زوجہ صاحبہ کو کچھ رقم کی ضرورت تھی۔"عیسیٰ بے حد رسانیت اور نرمی سے کہہ رہا تھا۔"زوجہ نے عمر فاروق سے سے رقم کا مطالبہ کیا تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ مہینے کے آخری ایام ہیں۔سو فلحال انکے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔زوجہ نے حل پیش کیا کہ آپ کچھ ادھار مانگ لیں۔عمر نے اپنے وزیر خزانہ کو خط لکھا کہ انہیں انکی تنخواہ میں سے کچھ ایڈوانس دے دیا جائے۔جانتے ہیں وزیر خزانہ نے کیا لکھ کر بھیجا؟"

زبرج اور حسن عیسیٰ کے کچھ بولنے کے منتظر رہے۔عیسیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

"وزیر خزانہ نے لکھا کہ اے عمر۔میں آپ کو ضرور ایڈوانس دے دوں۔آپ بس اس کاغذ پہ یہ لکھ کر تصدیق کر دیں کہ آپ اگلے ماہ تک زندہ رہیں گے۔یعنی جس مہینے کی تنخواہ آپ طلب کر رہے ہیں کیا آپ اس پورے ماہ سلطنت کے امور سنبھالنے کے لئے حیات ہوں گے۔"

"پھر عمر فاروق نے کیا کیا؟"حسن بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"عمر مسکرا دیے۔انہیں فخر ہوا تھا کہ انکا نظام اتنا مضبوط ہے کہ یہاں خلیفہ وقت کا بھی احتساب ہوتا ہے۔انہیں اپنی ٹیم پہ فخر ہوا۔عمر کی سلطنت کی مثالیں دی جاتی ہیں۔وہ جس نے آدھی دنیا

تسخیر کر لی تھی وہ مجمعے میں کھڑے ہو کر اپنے اوپر اٹھنے والے سوالوں کے جواب دیتا تھا۔"عیسیٰ آگے آیا۔زبرج کی تاثرات بدلتی آنکھوں میں دیکھا۔الفاظ کوڑے کے طرح زبرج کے دل پہ برسے تھے۔

"ایک انسان کے کرپٹ ہونے سے فرق پڑتا ہے۔ایک انسان کی بددیانتی سے فرق پڑتا ہے۔ایک انسان کے جھوٹ سے فرق پڑتا ہے۔تخت چھوٹا ہو یا بڑا،اس پہ بیٹھے شخص کے ہر غلط عمل سے فرق پڑتا ہے۔روز قیامت جب احتساب ہو گا تو اللہ ہر منحرف سے سوال کرے گا۔وہاں یہ نہیں کہا جائے گا کہ زبرج شاہنواز جاؤ تمھیں چھوٹ ہے۔تم ملک کے وزیر اعظم تھوڑی تھے۔"ایک لمحے کو عیسیٰ کی آنکھیں جیسے بھر سی آئی ہوں۔مزی کے زخم یاد آئے۔

"میں نے آپ کو چھوڑ کر دیانتداری کمائی۔وہ دیانتداری جو عمر فاروق نے اپنے سسٹم کو سکھائی تھی۔"

اس نے زبرج کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا۔اور مڑ گیا۔زبرج نے سانس لینے کی کوشش کی مگر اسے سانس نہیں آیا تھا۔ایک لمبا عرصہ وہ جن حقیقتوں سے منہ موڑتے ہوئے آیا تھا آج وہ تھپڑ بن کر اسکے چہرے پہ لگی تھیں۔وہ آئینہ دیکھے بغیر بتا سکتا تھا کہ اس وقت اسکا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو گا۔

موت جیسا سفید۔

"گیارہ جنوری۔"

"صبح سات بج کر دس منٹ۔"

"اگر تمھیں لگتا ہے تم ایجنٹ کے پلان کو مات دے دو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" بہرام کو مسلسل یہاں سے وہاں چکر کاٹتے دیکھ جبل خان بولا تھا۔اس نے جبل خان کی دی ہوئی ویڈیو پہ لعنت بھیجی تھی۔

وہ ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے اپنے گھر کی تلاشی لے کر آیا تھا۔اور اپنے باقی ساتھیوں کو گھر کے باہر کھڑا کر کے آیا تھا۔کچھ ماہر لوگوں کو اس نے "**پیرا**" اٹھانے کا حکم بھی صادر کر دیا تھا۔(**پیرا پرانے وقتوں کا ایک تفشیشی عمل ہے جس میں چور اور قاتل کو اسکے پیروں کے نشان سے اسکے راستے کی سمت معلوم کی جاتی تھی۔**)

"میں ایجنٹ کے پلان کو مات نہیں دے رہا۔میں بس اسکے پلان کا توڑ نکال رہا ہوں۔" وہ ایک بار پھر سکرینز کے سامنے بیٹھے لڑکوں کے عقب میں آ کر کھڑا ہوگیا تھا۔وقت مٹھی سے ریت کی مانند پھسل رہا تھا۔بہرام کا چہرہ بے تاثر ہو چکا تھا۔وہ اس پلان میں صرف ہاتھ چلانے کی حد تک شامل رہا تھا۔دماغ . . . . اسے کبھی دماغ چلانے کی ضرورت نہ پڑی تھی یا شاید موقع بھی نہ ملا تھا۔

وہ چکر کاٹتے کاٹتے تھک گیا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا اور اسی پل وہ آخری زینے پہ جیسے تھک کر بیٹھ گیا۔سر کو ہاتھوں میں گرا لیا۔چند لمحے اسکا دماغ بلکل مفلوج رہا۔عین ممکن تھا کہ وہ اٹھتا چیزیں اٹھا

اٹھا کر پھینکتا۔بندوقیں چلاتا۔جبل پہ چیختا چلاتا۔اور تھک ہار کر بیٹھ جاتا۔اس نے ارادہ بدل لیا تھا، منصوبہ بدل لیا تھا۔کچھ تھا جو اسکے کام کرنے کے انداز میں بدل گیا تھا۔کچھ تھا جو اسکے دماغ میں کلک ہوا تھا۔

"پلان کس کا تھا جبل خان؟تمہارا یا ایجنٹ کا؟"سنبھلا ہوا ٹھہرا ہوا لہجہ۔آنکھوں میں تفکر کی لکیریں تھیں۔وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"فرق کیا پڑتا ہے۔وہ لوگ یہاں سے جا چکے ہیں۔تم انکی خاک بھی نہیں پاسکتے۔"وہ بات بدلنے کی غرض سے بولا۔

"کیا تم اپنے بھائی کو صرف یہ بتاؤ گے کہ یہ پلان کس کا تھا؟"وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔"صرف ایک بات جبل صرف ایک۔تم ایجنٹ کو اتنی رعایات دے سکتے ہو اور مجھے ایک بھی نہیں؟"

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے تکتا رہا۔اور چند پل بعد دو لفظ اسکے لبوں سے ادا ہوئے۔

"ایجنٹ کا۔"اسکا انداز محتاط تھا۔"تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

بہرام اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔جبل کو گمان ہوا تھا کہ وہ مسکرایا ہے۔شاید وہ واقعی مسکرایا تھا۔

"ایجنٹ کے پلان بظاہر الجھے ہوئے مگر بے حد سیدھے ہوتے ہیں۔وہ تمہاری طرح ہنٹس نہیں چھوڑتا۔ایجنٹ کا پلان سرکس کا وہ کرتب ہے جس پہ سیدھی رسی پہ چلنا ہوتا ہے۔بے حد دشوار

مگر سیدھا راستہ۔وہ تمہاری طرح exploitation tricks استعمال نہیں کرتا۔" اس نے جبل خان کا کندھا تھپکا۔جبل کے چہرے پہ کچھ تھا۔کوئی بے قراری سی۔

"مجھے سمت دکھانے کے لئے شکریہ بڑے بھائی۔"

"تم کیا کر رہے ہو؟دیکھو بہرام کوئی بے وقوفی مت کرنا۔" اس نے بہرام کا بازو کھینچ کر اپنی طرف موڑا۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں۔میں نے ہر دفع تمہاری مانی تمہیں سنا تمھیں سمجھا۔یہ نہیں تھا کہ میرے پاس دماغ نہیں تھا میں نے بس اسے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔لیکن یہ انحراف کا وقت ہے۔اور میں اپنے پچھلے طریقہ کار سے منحرف ہو رہا ہوں۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بے حد بے خوفی سے بولا۔

وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔"گاؤں سے نکلنے والے چاروں راستوں پہ پہرہ دو،پُل کے سرے کاٹ دو۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے؟وہ پُل سرکاری ہے۔اسکائی ہائی والے تمہاری جان کو آجائیں گے۔" جبل کو لگا تھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔اسکا اپنا دماغ بھی چکرانے لگا تھا۔

"سب سے پہلے میرے گھر جاؤ اور اسکے چاروں اطراف میں جا کر کھڑے ہو جاؤ۔اندر مت جانا وہ میرا کام ہے۔چرچ کی عمارت کے گرد پہرہ شروع کرو۔اور گاؤں میں کچھ لوگوں کو پھیلا دو۔زور گڑھ rat trap ہے۔یہاں سے اگر کوئی جائے گا تو ہماری مرضی سے جائے گا۔"

جبل خان کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا شاک لگا تھا۔اس نے ہر ہر شے کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔وہ بہرام خان بن کر نہیں ماسٹر مائنڈ بن کر کام کر رہا تھا۔

چند منٹ کے اندر اندر تہہ خانہ خالی ہو چکا تھا اور اب سیکورٹی روم کا نقشہ بدل چکا تھا۔اب وہاں میز تھے کرسیاں تھیں۔اور دیواریں ان پہ سکرین لگی تھی۔دو لڑکے ان کرسیوں پہ بیٹھے کی بورڈز پہ کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کرتے نظر آ رہے تھے۔بہرام انکے عقب میں کھڑا تھا۔اسکے اندر اگر کوئی بے چینی اور اضطراب تھا بھی تو اس کے چہرے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔وہ بے حد پر سکون نظر آتا تھا یوں جیسے سب کچھ اسکے کنٹرول میں ہی ہو۔یا پھر یوں جیسے سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کی بے بسی۔

البتہ جبل واقعی پریشان تھا۔اسکے اندر انتشار بھر گیا تھا اور یہ سب اسکے چہرے سے عیاں تھا۔نہ اس نے چھپانے کی کوشش کی اور نہ ہی وہ اس سب کو چھپا سکا تھا۔اسکی رنگت واضح طور پہ تاریک پڑنے لگی تھی۔ہر گزرتے لمحے اسکے اندر خوف جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔وہ اس سیکورٹی روم سے نکل آیا تھا۔اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا تھا۔

اسے ایجنٹ کا پلان ڈوبتا نظر آ رہا تھا۔

گیارہ جنوری۔

انکے بڑھتے قدم بے اختیار تھم گئے تھے۔ایک تنگ و تاریک گلی میں ایک مکان کی اوٹ میں کھڑے زلطان صفدر اور زخرف وقار کو اپنے دائیں اور بائیں دونوں اطراف سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ایک لمحے کے لئے زلطان کو خوف آیا تھا۔اس نے خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیری۔گردن موڑ کر زخرف کو خاموش رہنے کو کہا۔وہ الٹے قدم پیچھے چلنے لگا۔زخرف اسی کی تقلید میں اسی کی طرح الٹے قدم پیچھے ہو رہی تھی۔آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔زلطان انکی زبان سمجھ سکتا تھا زخرف نہیں۔وہ خوف سمجھ رہا تھا اور خوف وہ بھی سمجھ سکتی تھی اسکی بھلا کوئی زبان ہوتی ہے کیا؟

”تم اس دیوار کی اوٹ میں کھڑی رہنا اور میں یہاں رکوں گا۔“اس نے زخرف کے سامنے رک کر دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔”یہاں سے ہلنا مت، آواز مت کرنا۔میں انکا دھیان بٹا کر واپس آ رہا ہوں اوکے؟“

”میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔“

”میں واپس آرہاہوں زی۔بس پانچ منٹ۔“وہ پلکیں جھپکا کر اسے تسلی دیتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔”تم یہاں سے کہیں مت جانا۔کوئی آجائے تو مجھے آواز دینا۔“ ذرا سے فاصلے پہ رک کر تنبیہہ دہرائی۔زخرف اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔وہ کافی آگے جا چکا تھا زخرف ہراساں نظروں سے اپنے آس پاس دیکھتی رہی۔اسی پل اسے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔اس نے بے اختیار اپنی پشت دیوار سے جوڑ لی۔چاپ نزدیک آتی چلی گئی۔

زخرف نے جونہی اپنی دائیں طرف دیکھا اسے اپنے اوسان خطا ہوتے محسوس ہوئے۔دو مرد باقاعدہ مسکراتے ہوئے اسے تک رہے تھے۔انکے ہاتھوں میں پسٹل تھیں۔اس نے زلطان کی طرف دیکھنا چاہا مگر وہ آگے نکل گیا تھا۔وہ اسکے بچاؤ کے سامان پیدا کر رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ خطرے اسکے گرد منڈلانے لگے تھے۔

"بہت ہو گئی سیر وکیل صاحبہ واپسی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اسکا بازو پکڑنا چاہا مگر اسکا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔کسی نے ہاتھوں میں تھامی دونوں اینٹیں ان کے سروں پہ دے ماری تھیں۔وہ تیورا کر گرے۔نوارد نے انہیں موقع دیئے بغیر جھک کر پستول کے دستے سے وار کیا۔دوسرا آدمی اٹھ کر مزاحمت کرتا کہ زخرف نے تیزی سے نیچے گری اینٹ اسکے چہرے پہ دے ماری۔نوارد دیوانہ وار انہیں پیٹ رہا تھا۔اسکے ہاتھ اور اسکا جسم جیسے ان سب کاموں کا عادی ہو۔

اندھیری گلی میں واحد روشنی نوارد اور زخرف کی سرمئی آنکھوں کی تھی۔زخرف کی پیش رفت پہ جبل مسکرایا تھا۔چند ایک مذید وار کے بعد پھر اس نے ان دونوں کے منہ پہ ٹیپ ماری، اور ایک رسی زخرف کی طرف اچھالی۔وہ زخمی کلائی والی لڑکی ہر شے کی پرواہ کیئے بغیر نیچے بیٹھی اور انکے پیر باندھے، پھر ہاتھ۔انکے منہ سے اب محض غوں غاں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔جبل کندھوں سے پکڑ کر انہیں برف پہ گھسیٹ رہا تھا۔وہ چند پل اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بھی طاقت متجمع کی اور دوسرے آدمی کو گھسیٹنے لگی۔وہ تنومند لوگ تھے۔زخرف دو زندگیوں میں بھی انہیں اس طرح گھسیٹ کر ایک طرف نہیں کر سکتی تھی۔وہ بھی جلی ہوئی کلائی کے ساتھ۔

جبل اجلال خان نے ایک آدمی کو ٹھکانے لگایا اور واپس اسکی طرف مڑا۔وہ دوسرے آدمی کو بامشکل ہی چند قدم گھسیٹ سکی تھی۔

"میں مدد کروں خاتون؟" دلفریب لہجے میں آفر دی۔

"میں کرسکتی ہوں۔"

"بلکل۔"وہ پرسکون انداز میں کہتے ہوئے آگے آیا۔اور آدمی کو دونوں ٹانگوں سے پکڑا۔"آپ کرسکتی ہیں لیکن جس رفتار سے کر رہی ہیں دو سے تین دن لگ جائیں گے۔"وہ اب اسے برف پہ گھسیٹنے لگا۔زخرف اسے دیکھتی رہی۔ان دونوں کو ایک دیوار کے ساتھ چھوڑ کر وہ واپس زخرف تک آیا۔ابھی وہ اس سے کچھ کہہ پاتی کہ سامنے سے کسی نے فائر کھولا تھا۔جبل نے بجلی کی سی تیزی سے زخرف کا بازو پکڑکر اسے ایک طرف کیا۔لمحوں کا کھیل تھا زخرف جہاں تھی وہیں تھم گئی۔

ان دونوں کو چھوڑ گلی کے اختتام کی طرف آؤ تو زلطان فائر کی آواز سن کر منجمند رہ گیا۔اسکا دل بے اختیار حلق میں آیا تھا۔مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔اسے جلد ازجلد زخرف تک جانا تھا۔دیوار کے ساتھ لگ کر وہ واپس اسی طرف جانے لگا جہاں سے وہ آیا تھا۔دوسری طرف جبل اسکا ہاتھ پکڑے گلی میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔اسکے پیچھے ایک آدمی تھا۔اور اسکے ہاتھ میں پستول تھی۔اندھیرے میں اس نے جبل خان کو دیکھا نہیں تھا ورنہ کم ازکم پستول تاننے کی جرات نہ کرتا۔

گلی کے وسط میں وہ رک گئے۔زخرف کا سانس بری طرح پھول گیا تھا۔جبل جیسے اس کام کا عادی رہا ہو۔اس نے دائیں بائیں دیکھا۔انکے پیچھے آنے والا آدمی اب نظر نہیں آرہا تھا۔اس نے نگاہیں اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا ذرا سے فاصلے پہ کافی لوگ کھڑے تھے۔جبل بغیر زخرف کی طرف دیکھے اسکا ہاتھ پکڑے دائیں طرف والی عمارت میں داخل ہوا۔اسکے اندر آتے ہی وہاں موجود لوگ جیسے ہر کوئی حیران ہو گیا ہو۔وہاں کئی عورتیں تھیں جبل کو دیکھ انہوں نے سروں پہ دوپٹے درست کئے۔کسی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھا۔وہ غالباً کوئی سلائی سینٹر تھا۔چھوٹی کرسیوں پہ بیٹھی عورتوں کے آگے لمبے تختے پہ لاتعداد سلائی مشینیں رکھی تھیں۔غرغر کی آوازیں ان دونوں کے اندر آتے ہی رک گئی تھیں۔جبل نے دھیرے سے اسکے ہاتھ پہ گرفت چھوڑ دی۔اور عورتوں کی طرف دیکھ کر کہنا شروع کیا۔

"تسلی رکھیں پریشان مت ہوں پلیز۔" وہ پشتو میں بولا۔"یہ ہماری مہمان ہیں ہمیں تھوڑی دیر کے لئے پناہ چاہیے۔آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"اس نے عورتوں کے چہرے پہ اطمینان اترتے دیکھا۔"آپ اپنا کام جاری رکھیں،میڈم کدھر ہیں؟"رسان سے کہتے ہوئے اس نے سلائی گھر کی مالکن کے متعلق استفسار کیا۔

"جبل خان تم؟سب خیر تو ہے؟"صحن کے دائیں طرف بنے ایک کمرے سے کوئی ادھیڑ عمر عورت نکل کر باہر آئیں۔جبل آگے بڑھ آیا۔مختصر الفاظ میں انہیں ساری روداد کہہ سنائی اور اب وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ لئے صحن کے ایک طرف بنے ہوئے زینوں سے چڑھتے ہوئے اوپر جا رہی تھیں۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے زلطان کے پاس جانا ہے۔" وہ جبل کے کان کے پاس جھکی۔

"زلطان کے پاس جانا آپ کی نانی کے گھر جانے جیسا ہوتا تو ضرور، لیکن اس وقت آپ نہیں جا سکتیں۔"

"تم یہ ڈرامے بازی بند کرو جبل۔ شرافت سے مجھے وہیں چھوڑ کر آؤ جہاں سے لائے تھے۔" وہ اب کے بلند آواز میں بولی۔

"خیر شرافت اور میں تو دو الگ الگ قصے ہیں لیکن پھر بھی میں آپ کو وہاں نہیں لے کر جا سکتا۔" وہ سیڑھیوں کے وسط میں کھڑی زخرف کے قریب آیا اور اسے بازو سے کھینچ کر اپنے ساتھ لے کر جانے لگا۔ نرمی اسے راس نہیں تھی شاید۔

"تمہیں اگر لگتا ہے کہ تم اس طرح مجھے مینوپلیٹ کر سکتے ہو تو تم بہت غلط ہو۔ اگر دو منٹ کے اندر اندر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں چیخ چیخ کر ساری عورتوں کو اکھٹا کر لوں گی۔" وہ اسکے ساتھ کھڑی دبادبا غرا رہی تھی۔ میڈم البتہ چھت کی طرف جانے والے دروازے میں مختلف چابیاں لگ رہی تھیں۔

"مثلاً کیا بتائیں گی آپ انہیں؟"

"یہی کہ تم ایک نمبر کے گھٹیا اور ذلیل آدمی ہو۔ تم ایک کڈنیپر ہو۔ اور ہمیں حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے تم صرف اپنا فائدہ سوچتے ہو۔"

جبل نے گردن پھیر کر اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا۔اسکی آنکھوں میں تاسف تھا۔"کسی نے آپ کو میرے متعلق بھڑکایا ہے خاتون۔باخدا میں اس پہ ہتک عزت کا دعوی کروں گا۔"

"میرا صبر مت آزماؤ جبل اجلال خان۔"وہ چبا چبا کر بولی۔دروازہ کھل گیا تھا۔میڈم نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"اتنے دنوں سے یہ کام آپ کر رہی تھیں پانچ منٹ کے لئے میں نے کیا تو تلملانے لگیں؟"وہ یونہی اسے بازو سے کھینچتے ہوئے اوپر لے آیا۔جبل اب اس کی طرف دیکھے بغیر میڈم سے کچھ کہہ رہا تھا وہ اثبات میں سرہلانے لگیں۔پھر انہوں نے جبل سے کھانے پینے کے بارے میں پچھ پوچھا وہ شائستگی سے انکار کر گیا۔زخرف نے کئی بار اپنا بازو اسکی گرفت سے آزاد کروانا چاہا مگر بے سود۔مذید چند باتوں کے بعد میڈم نیچے کی طرف چلی گئیں۔زخرف نے ایک بار پھر تالا لگنے کی آواز سنی۔اسے اپنا دل رکتا محسوس ہوا۔آنکھوں میں خوف آن ٹھہرا۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے جبل اور میری بات کو مذاق میں لینا بند کرو تم۔"

وہ گہری سانس بھر کر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ساتھ بازو پہ گرفت چھوڑ دی۔"مجھے یہاں رہ کر آپ کے ساتھ کوالٹی ٹائم اسپینٹ کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے خاتون۔باہر اس وقت بہرام کے لوگ ہیں۔دو بار آپ کی جان بچا چکا ہوں تیسری بار کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔آپ کو تو خیر سے خود پہ بندوقیں چلوانے کا بہت شوق رہا ہے لیکن میں مر کر سارے زور گڑھ کو یتیم نہیں کر

سکتا۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔اور جمائی لی۔اسکی آنکھوں میں نیند واضح تھی۔"کچھ دیر انتظار کرلیں۔باحفاظت چھوڑ کر آؤں گا۔"

"مجھے تم پہ ٹکے کا اعتبار نہیں ہے۔" وہ تنفر سے بولی۔

"جیسے میں تو اپنی وصیت میں آپ کو اپنی جائیداد کے معملات دے جاؤں گا۔" وہ اسی کے انداز میں بولا۔پھر آنکھیں موند لیں۔"اب آپ تھوڑی دیر خاموش رہیں میں سونا چاہتا ہوں۔"

"مجھے زلطان کے پاس جانا ہے تمھیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی۔" وہ پیر پٹخ کر چیخی۔

"اوکے جائیں۔لیکن جانے سے پہلے چھت کی دیواروں سے گلیوں کا جائزہ لے لیں۔پھر اگر مزید خوار ہونے کا شوق ہو تو مجھے اطلاع دے دیں۔پورا کر دوں گا۔" وہ یونہی بند آنکھوں کے ساتھ بڑبڑایا۔زخرف نے آس پاس نگاہیں دوڑائیں۔اسے ایک چھوٹا سا اسٹول نظر آیا وہ اسے اٹھا کر لے آئی اور اگلے ہی لمحے وہ اس پہ چڑھ کر کھڑی تھی۔ٹرپل سٹوری گھر کی چھت سے دور دور تک واضح نظارہ دکھائی دیتا تھا اور جہاں جہاں اسکی نگاہ جا رہی تھی وہاں لوگ کھڑے تھے، ٹہل رہے تھے۔اسے زلطان کہیں نظر نہیں آیا۔زخرف کے چھت کی دیواروں پہ جمے ہوئے ہاتھ ٹھنڈے پڑنے لگے۔

"آدھے گھنٹے کی بات ہے یہ لوگ چلے جائیں گے۔اس وقت انکو ہماری یہاں موجودگی کا شک ہے۔اگر آپ اسے یقین میں نہ بدلیں تو صرف پندرہ منٹ کی بات بھی ہو سکتی ہے۔" وہ اسکی پشت کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔کئی لمحے اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"زلطان کے لئے پریشان ہو رہی ہیں؟"

"نہیں تمھارے زور گڑھ کے غم میں گھلی جا رہی ہوں۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں تیزی سے بولی۔

"اسکے لئے میں ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ کمزور پڑ جائیں گی۔" کمال اطمینان تھا۔

"وہ یہاں دکھائی نہیں دے رہا۔ تمھارے لوگ اسے لے گئے ہوں گے۔" وہ اسکی پچھلی بات پہ لعنت بھیجتے ہوئے بولی۔

"اگر یہ میرے لوگ ہوتے تو میں اس وقت یہاں پناہ گزین نہ ہوتا۔ اور اگر وہ زلطان کو لے گئے ہوتے تو اس وقت یہاں نہ ہوتے۔ گھاک آدمی ہے وہ، اسکے لئے پریشان نہ ہوں۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے نگاہیں ہٹا لیں۔ "اب نیچے آجائیں، اور تھوڑی دیر مجھے بھی سکون کی سانس لینے دیں۔"

"میں جب تک اسے دیکھ نہیں لوں گی مجھے سکون نہیں آئے گا۔"

جبل کو ان الفاظ سے بہت کچھ یاد آیا تھا مگر یہ قصہ پھر سہی۔ وہ کافی دیر تک وہیں کھڑی رہی اور پھر جب اسکی واقعی کسی گلی کے اختتام پہ دیوانہ وار یہاں سے وہاں گھومتے زلطان پہ نگاہ پڑی۔ تب وہ ہٹ گئی۔ وہ زندہ تھا یہی کافی تھا یہی ڈھارس تھی۔ وہ نیچے اتر آئی اور جبل کی دائیں طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کوئی آدھا گھنٹہ وہ آنکھیں موند کر سوتا رہا۔ شاید اسے واقعی نیند کی ضرورت تھی۔ اسکی آواز کسی کے سسکی لینے کی آواز پہ کھلی تھی۔ ہاتھ بے اختیار پستول تک

گیا۔ پھر وہ ٹھہر گیا۔ مندی مندی آنکھیں کھول کر اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو بے آواز روتے ہوئے دیکھا۔

"اسے کچھ نہیں ہو گا آپ فکر نہ کریں۔" اسکی آواز نیند کے خمار میں ڈوبی تھی۔

"تمہارے لوگ اس پہ گولی بھی چلا سکتے ہیں۔ وہ مجھے ڈھونڈ رہا ہو گا۔"

"میں نے مرید کو اسکی لوکیشن دے رکھی ہے۔ وہ لوگوں کو اس سے دور رکھے گا یقین نہیں آتا تو آ کر یہ دیکھ لیں۔" اس نے اپنا موبائل اسکے آگے کیا۔ وہاں مرید کے چند میسجز تھے۔ وہ جلدی جلدی ان تمام میسجز کو پڑھنے لگ گئی۔ اور آخر تک جاتے جاتے اسے کچھ تسلی ہوئی تھی۔ جبل اور مرید کے درمیان زلطان کے متعلق بات ہو رہی تھی۔

"مجھے اگر کچھ برا ہی کرنا ہوتا تو آپ کو وہاں سے بچا کر نہ لاتا۔ یقین کریں مجھے اچھا بننے کا کوئی شوق نہیں لیکن میں باحفاظت آپ کو اور زلطان کو ونڈرلینڈ لے جاؤں گا کیونکہ آپ دونوں میری ٹیم ہیں۔"

زخرف نے لب کاٹتے ہوئے موبائل اسکی طرف بڑھا دیا۔ آدھے گھنٹے پیچھے کا سفر کرو اور واپس اس گلی میں آؤ تو زلطان یک ٹک اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں وہ آخری بار زخرف کو چھوڑ کر گیا تھا۔ ہاتھوں سے زندگی نکل جانا کیا ہوتا ہے اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اس دیوار اور فرش کو دیکھ رہا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے بے اختیار اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔ کوئی کمی کوئی قلق تھا جو وہاں محسوس ہوا تھا۔ گھٹنوں کے بل جھک کر اس نے چند گہری سانسیں لیں۔ پھر سیدھا

ہوا۔اس نے خود کو اندھا دھند گلیوں میں بھاگتے ہوئے دیکھا۔وہ نہیں ملی۔وہ کہیں نہیں تھی اسکا کوئی نشان نہیں تھا۔

گلی کے ایک کونے میں بندھے پڑے لوگوں کے منہ پہ مکے اورلاتیں مارتے ہوئے وہ صرف ایک سوال کر رہا تھا۔"کہاں ہے وہ؟میری زخرف کہاں ہے؟"کوئی جواب نہ پا کر وہ میدان میں آگیا۔اسے معلوم نہیں ہوا کب مگر اسکی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو اسکا چہرہ گیلا تھا۔ایسا درد ایسی تکلیف تو پہلی بار ہوئی تھی۔آج سے پہلے تو وہ کسی چیز کے دور جانے پہ اتنا بے بس نہیں ہوا تھا۔وہاں بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ جو عورت اپنی گمشدگی کے آدھے گھنٹے میں اسکی حالت ایسی کر سکتی تھی وہ اسکے بغیر آدھی صدی کیسے گزار سکتا تھا؟فیصلہ ہوجانے والا لمحہ تھا فیصلہ ہوگیا تھا۔وہ تھی تو سب تھا،وہ نہیں تو کچھ نہیں۔وہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا وہ اسے ڈھونڈے گا۔اور ساتھ رکھے گا۔ہمیشہ۔

"آپ کو ایک مشورہ دوں؟"دیوار سے ٹیک لگائے زخرف کو دیکھتے وہ مخلصانہ انداز میں بولی۔

"ضرورت نہیں ہے۔"

"اگر یہاں سے باہر نکل کر آپ واقعی شادی کرنے والی ہیں تو زلطان سے کیجئے گا۔"اسے بھی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

زخرف نے تھک کر اسے دیکھا۔"ہمارے کڈنیپر، ہمیں ٹارچر کرنے والے جیلر کے بعد اب تم ریلشن شپ کاؤنسلر بھی بنو گے ؟"

"میں نے آپ سے کہا تھا آپ میری صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں۔"کندھے اچکائے۔"وہ اچھا آدمی ہے۔اپنے سے جڑے رشتوں کی اسے بہت قدر ہے۔اسکے اندر کچھ برائیاں ہیں لیکن ایک پرفیکٹ انسان کسی کو بھی نہیں ملتا۔وہ برائیاں ایسی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ زندگی نہ گزاری جا سکے۔اس لئے وہ بہتر آدمی ہے۔"

"اور تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟"

وہ جبل کو دیکھ رہی تھی اور جبل اسے۔وہ ان نظروں کے تقدس سے بے خبر رہی۔۔چند لمحے بعد وہ بے حد آہستگی سے بولا۔

"کیونکہ میں آپ کے لئے آسانیاں کرنا چاہتا ہوں۔"ایک ایک لفظ اسکے چہرے کو دیکھ کر ادا کیا۔

زخرف نے چہرہ پھیرلیا۔وہ نہیں پھیر سکا۔چند منٹ ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔پھر بہت دیر بعد زخرف نے اسے مخاطب کیا۔

"تم یہ سب کر کے خوش ہو؟جو تم چاہتے تھے تمھیں مل گیا؟تمھارے ساتھ کچھ بھی ہوا ہو ہمارے ساتھ برا کرنے کا کوئی حق نہیں تھا تمھیں۔"

جبل نے گہری سانس لی۔ سر دیوار سے ٹکا دیا۔اور گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگا۔"ہاں میں اور میرا پلان غلط تھا۔" خلاف توقع اس نے اعتراف کیا۔"کسی کے قصور کی سزا اسکے خاندان کو دینا یا پھر کسی سے زبردستی اپنی مدد کروانے کو کہنا بہت غلط تھا۔کسی کو قید کرنا،ٹارچر کرنا سب غلط تھا۔" زخرف نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔"مجھے لگتا تھا صحیح کام کو غلط کر کے اپنا حق لے لیں گے لیکن میں غلط تھا۔دنیا کے rules اور regulations بہت پہلے بن چکے تھے غلط،غلط ہے۔"

"مجھے تمہارے لئے بلکل برا نہیں لگ رہا۔تم یہی ڈیزرو کرتے تھے۔تم مزید بھگتو گے۔" وہ تنفر سے بولی۔

"میرا بھائی میرے خلاف ہے۔میرے دونوں بھائیوں کو گولی لگی ہے۔میرا آدھا گاؤں مرے تعاقب میں ہے۔میں نے کیا کیا کھویا ہے اسکا اندازہ کسی کو نہیں۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس نے زخرف کا چہرہ بے اختیار دیکھا تھا۔"میں نے بہت کچھ انویسٹ کر دیا ہے اور واپسی میں کچھ نہیں ملا۔غلط واقعی غلط تھا۔لیکن وقت کو ریورس کر کے سب فکس کر دینا انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔"

زخرف چپ رہی۔وہ اپنی غلطی مان رہا تھا تو وہ اسے اور کیا کہتی؟ اگلے کئی لمحے وہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے بیٹھے رہے۔

"میں کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہوں خاتون۔اپنی غلطی تسلیم کر چکا ہوں اور میں آپ سے ہر شے کی معافی مانگتا ہوں۔" وہ جواباً خاموش رہی۔"آپ نے مجھے تین مکے مارے ہیں اور دو تھپڑ معافی مانگیں گی تو معاف کر دوں گا۔"

وہ ہنس پڑی۔اس نے جبل کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا اور ایک بار پھر ہنس پڑی۔اور پھر ہنستی چلی گئی۔چہرے پہ ہاتھ رکھے، کبھی گردن پیچھے پھینکے وہ ہنستی گئی۔جبل کے سپاٹ تاثرات میں دراڑ پڑی اور وہ مسکرایا۔

"تمھیں تھپڑ اور مکوں کی تعداد بھی یاد ہے؟" وہ اسی طرح ہنسنے کے درمیان بولی۔

"کسی مرد سے پڑے ہوتے تو بھول جاتا عورت نے مارے ہیں اب ساری زندگی یاد رہیں گے۔"

"اچھا ہوا، بہت اچھا ہوا تم یہی ڈیزرو کرتے تھے۔"

"بلکل میں یہی ڈیزرو کرتا تھا۔" سر تسلیم خم ہوا، انا واری گئی۔کچھ لوگوں کے لئے انسان یہ سب کر ہی دیتا ہے۔اگلی کئی ساعتیں وہ ہنستی رہی۔جبل کی سماعتوں میں اسکے قہقہے مدھم موسیقی بن کر اترے اسکی روح میں یہ آواز غذا کی مانند اتری۔کئی لمحے بعد وہ ہنسنا بند کر چکی تھی۔گہری سانس بھرتے وہ اب اٹھا کھڑا ہوا اور چھت سے باہر دیکھنے لگا۔گلیاں خالی نظر آ رہی تھیں۔ایک گلی چھوڑ کر اسے زلطان دکھائی دیا۔وہ ظاہر ہے کسی پہ تشدد کرتا دکھائی دے رہا تھا۔قریب سے جا کر دیکھو تو اسکے ہاتھ میں ایک موٹا پتھر تھا جسے وہ آدمی کی منہ میں ڈال رہا تھا اور ساتھ تھپڑوں سے اسکے

کان کو سن کر رہا تھا۔اسکی آنکھوں میں کوئی ٹھنڈا تاثر تھا۔آدمی بے سدھ ہونے لگا تھا جب زلطان نے اسکے منہ پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔نیچے گرا اپنا بیگ اٹھایااور آدمی پہ ایک بھی نگاہ غلط ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا۔

دوسری طرف گلیوں کے کئی چکر کاٹ کر چوڑی لمبی گلی میں آؤ توجبل اور زخرف ایک ساتھ چل رہے تھے۔چند لمحے بعد جبل اس سے فاصلے پہ آگے چلنے لگا۔زخرف اسکے پیچھے تھی۔برف سے اٹی سڑکیں اور گھروں کے بند دروازوں سے یوں لگتا تھا جیسے کئی برس تک یہاں کوئی آیا ہی نہ ہو۔

زخرف کو چلتے چلتے احساس ہوا کہ کوئی اسکے پیچھے آ رہا ہو جیسے۔کئی ایک بار اس نے وہم سمجھ کر سر جھٹکا مگر اچانک ہی جب کسی نے اسکی زخمی کلائی پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا زخرف وقار نے اسی تیزی سے مٹھی میں دبا ننھا سا کانچ اسکے کندھے میں گھسا دیا۔تعاقب کار تو تعاقب کارذرا سے فاصلے پہ کھڑا جبل بھی دم بخود رہ گیا۔آدمی کراہامگر اس نے سیدھا ہو کر وار کرنے چاہا تھا کہ زخرف نے ایک اور کانچ کا ٹکڑا اسکے دوسرے بازو میں گھسایا۔وہ کہیں سے ایک ویل مینرڈ،ایلیٹ کلاس اور قابل وکیل نہیں لگ رہی تھی وہ اس وقت کسی جنگلی سے زیادہ جنگلی تھی کیونکہ وہ اس وقت اپنی محافظ تھی۔آدمی لڑکھڑا کر پیچھے ہوا اسکی پستول اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گری۔زخرف نے تیزی سے اسکی پستول اٹھائی اور اسی کے سر پہ دے ماری۔وہ سیدھا ہونے کی کوشش کرنے لگا مگر زخرف نے ایک اور بار دستہ اسکے منہ پہ مارا۔وہ اسے سنبھلنے کا موقع دییے دیئے بغیر پے در پے وار کرتی چلی گئی۔

وہ اسکے منہ،ماتھے،اور سر پہ مارتی گئی یہاں تک کہ اسکے چہرے سے خون کے چھینٹے اڑ تے ہوئے اسکے چہرے پہ لگے۔جبل نے باقاعدہ گردن جھکا کر اپنی ہنسی برداشت کی تھی وہ بے حد محظوظ ہوا تھا۔وہ جب تک اسکے قریب آیا آدمی ادھ موا ہو چکا تھا۔اسکے سینے پہ ایک آخری لات مارتے ہوئے وہ ہٹی اور اپنے سامنے کھڑے جبل کو دیکھا۔وہ شال کا ایک پلو اسکی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔زخرف نے چپ چاپ آگے بڑھ کر پلو سے چہرہ صاف کیا۔مٹی کے داغوں کے ساتھ اب وہاں خون کے قطرے بھی تھے۔وہ زخرف وقار کی ایک نئی سائیڈ سے متعارف ہورہا تھا۔بکھرے بال،سرخ چہرہ اور آنکھوں میں چھلکتا غصہ۔

"پستول مجھے دے دیں،بھاری ہے آپ کے ہاتھ تھک جائیں گے۔"

زخرف چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔وہ بھی اسے ہی تک رہا تھاعین اسی لمحے اس نے پستول والا ہاتھ تیزی سے اوپر کیا اور جبل کے چہرے پہ ایک ضرب مارنی چاہی مگر وہ تیار تھا۔اپنے چہرے تک آنے سے پہلے وہ اسکا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔

"پہلے تین مکوں اور دو تھپڑوں کی معافی تو مانگ لیں خاتون۔کیوں اپنے اپنے کھاتے میں حساب بڑھا رہی ہیں؟"وہی بے لچک انداز۔

زخرف بل کھا کر رہ گئی۔جبل نے اسکی کلائی چھوڑ دی۔"طاقت آزمائی کا شوق ختم ہوگیا ہو تو اب چلیں؟"

اس نے سانسیں ہموار کیں۔اور گہری سانس بھر کر رہ گئی۔اس گلی سے نکل کر وہ دونوں جس گلی میں داخل ہوئے وہیں اسی گلی میں سامنے فاصلے پہ زلطان صفدر تھاہاں یہ وہی تھا۔اس نے نگاہیں اٹھاکر سامنے دیکھاوہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔زلطان کی آنکھیں پھر سے نم ہوئیں۔اس نے ہاتھ اپنے سفید سوئیٹر سے صاف کئے اور اسکی اور آیا۔برف سے اٹی گلی میں وہ دونوں آس پاس سے بے نیاز ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔وہ اسے کھو کر دوبارہ حاصل کررہا تھا اور زخرف کے لئے وہ جنگ کے اختتام سے پہلے ملنے والا مال غنیمت تھا۔

جبل دھیرے سے قدم پیچھے لیتا گیا۔اور پھر کہیں کسی گلی میں غائب ہوگیا۔زلطان اسکے قریب کھڑا اس سے بہت کچھ کہہ رہا تھا وہ رو رہی تھی اور زلطان اسکے ساتھ رویا۔وہ اس سے اسکی خیریت دریافت کر رہا تھا وہ اسکی خیریت پوچھ رہا تھا سب کچھ گڈمڈ تھا سوائے اس کے کہ
جنگیں،اختلاف،سازشیں اور دہر کے چکر کوئی بھی،کچھ بھی ان دونوں کے درمیان نہیں آ سکتا تھا۔دس سال پہلے نہیں آج نہیں اور دس سال بعد بھی نہیں۔۔"

گیارہ جنوری۔

صبح ساڑھے نو بجے۔

وہ ایک رہائشی علاقہ تھا۔جہاں قطار در قطار گھر بنے ہوئے تھے۔کہیں کسی گھر سے بچے دودھ لینے باہر جا رہے تھے اور کہیں گھر کے مرد صبح سویرے اپنے اپنے کاموں کو نکل رہے تھے۔مرید،ان

سے فاصلے پہ چل رہا تھا۔وہ ان سے پہلے ہی خطرے کو سونگھ لینا چاہتا تھا۔حنزلہ اور شادان ایک ساتھ قدم اٹھا رہے تھے۔گلی بے حد تنگ تھی،اس پہ پھر جمی ہوئی برف نے مذید مشکلات پیدا کر دیں تھیں۔سردی کی بڑھتی شدت اعصاب کو جما دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔جسم میں کھنچاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

اس سارے وقت میں ایک بار بھی شادان کی جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ حنزلہ کو مخاطب کر سکے۔تین سال کے گلے شکوے ملامت سب دور چلا گیا۔حالیہ وقت میں اگر کوئی ملامت کے لائق تھا تو سید شادان کا دل چیخ کر کہتا تھا کہ وہ سید شادان ہی ہے۔

چلتے چلتے وہ یکدم ایک جگہ رک گیا تھا۔حنزلہ ابھی گلی کا موڑ مڑتی کہ شادان نے تیزی سے اسے اپنی طرف کھینچا۔وہ آواز نکالتی اس سے پہلے شادان اسکے منہ پہ ہاتھ رکھ چکا تھا۔وہ اسکے کان کے پاس جھکا۔

"قدموں کی آہٹ سنو،وہ لوگ اسی طرف آ رہے ہیں۔"

حنزلہ ٹھہر سی گئی۔قدموں کی آواز واقعی بڑھ رہی تھی۔شادان نے اسکے چہرے سے ہاتھ ہٹایا اسکا بازو چھوڑا۔اور اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں یہاں سے چلنے کا اشارہ کیا۔حنزلہ نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی۔ریوالور بیگ سے نکالا اور اب وہ دونوں دیوار کے ساتھ لگ کر محتاط انداز میں دوسری طرف جا رہے تھے۔بغیر آہٹ پیدا کئے،چپ چاپ۔دھیرے دھیرے۔

دوسری طرف بہرام کے ساتھیوں کے سامنے مرید کھڑا تھا۔ان میں سے ایک کڑی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے آگے آیا۔اور پشتو میں اسے گھرکنے لگا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟تم ہمارے ساتھ نہیں آئے تھے۔"

"میں بلکل تمھارے ساتھ نہیں آیا۔میں عیسیٰ اور حنزلہ کے ساتھ آیا تھا۔اور یہ جگہ دو بار چھان مار لی ہے۔کہاں گئے وہ بے غیرت۔"وہ ہتھیلی کا مکا بنا کر اپنے ہی ہاتھ پہ مارتے ہوئے بولا۔چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

دوسرا لڑکا کچھ کچھ مطمئن ہوگیا تھا۔جوگی کو اپنی پٹاری کے سانپ پہ بڑا اعتبار ہوا کرتا ہے۔نہ وہ ڈسے گا نہ غیروں کی صف میں شامل ہوگا۔جوگی بعض دفع بھول جاتے ہیں انحراف اپنے گھر سے شروع ہوتا ہے۔مرید اب انکے ساتھ پلٹ رہا تھا۔حنزلہ نے دیوار کی اوٹ سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ان دونوں نے ایک ساتھ جانا تھا اور ٹریکر شادان کو مل جاتا۔مرید ٹریکر اپنے ہاتھ پہ باندھے وہاں سے جا رہا تھا۔وہ بے بسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔حنزلہ کے لئے جیسے مصیبت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔اسکا دل چاہا تھا چیخ چیخ کر روئے۔پلان کے مطابق کچھ بھی کیوں نہیں ہو رہا تھا؟

"آگے چلیں؟"حنزلہ تھوڑی دیر بعد اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

شادان نے نفی میں سر ہلایا۔اسکے انداز میں کچھ بے حد محتاط سا تھا۔"وہ مرید کی بات کا یقین نہیں کریں گے یہاں دوبارہ آئیں گے۔تھوڑی دیر انتظار کر لیتے ہیں۔"

حنزلہ اختلاف کرنا چاہتی تھی مگر اسی پل بوٹوں کی دھمک ایک بار پھر انہیں اپنے قریب آتی محسوس ہوئی۔شادان نے اسکا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے دیوار کی اوٹ میں ہوا۔سامنے ایک زیر تعمیر مکان تھا۔وہ اب چھوٹے، محتاط قدم لیتے ہوئے اس گھر کے اندر داخل ہو گئے
تھے۔سیمنٹ،اینٹیں،بجری اور برف سے اٹا فرش۔

"مجھے نہیں معلوم تھا تم ایک پروفیشنل کرمنل ہو۔"وہ اسکی حکمت عملی پہ جیسے جل کر رہ گئی۔شادان مسکرایا تھا۔

"میں ایک اینکر ہوں۔جرم، مجرم،طریقہ واردات سنتا رہا ہوں۔آج عمل کر کے دیکھ رہا ہوں۔"

وہ چاروں اطراف نظر گھما کر کوئی محفوظ جگہ تلاش کررہا تھا۔حنزلہ کا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"مجھے تمھارے ساتھ آنے کی کیا ضرورت تھی تم تو خود عادی مجرم ہو۔چند منٹ کے اندر اندر مختلف طریقہ واردات سکھا چکے ہو۔"اس نے ہاتھ سے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کرمنل ہوں اور تم میری مورل سپورٹ ہو۔موٹیویشن بھی۔اور . . . . . ."اس نے گردن پھیر کر اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا۔وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"اور کیا؟"اس نے شادان کی گہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ نہیں تم خوامخواہ غصہ ہوجاؤ گی۔تم مجھ پہ بس غصہ ہی ہوتی ہو۔"وہ ہنس کر بولا۔حنزلہ نے اسکے بعد کوئی سوال نہیں کیا۔وہ دونوں آگے بڑھ آئے اور ایک بغیر چھت والے کمرے میں چلے

آئے۔ یہاں اینٹوں کا ایک ڈھیر تھا جس کے اوپر بڑا سا پلاسٹک ڈال کر اسے برف سے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی جو کہ اس وقت بذات خود اس وقت برف سے اٹا ہوا تھا۔ایک طرف پانی سٹور کرنے کے لئے ایک بڑا سا برتن رکھا تھا جو پانی کی بجائے برف سٹور کر رہا تھا۔

وہ اسی اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے آ کر بیٹھ گئے۔شادان نظر بچا بچا کر سامنے دیکھنے کی کوشش بھی کرتا تھا۔صد شکر کہ برف باری رک چکی تھی ورنہ اس وقت ان دونوں کے منجمند ہونے کے قوی امکان تھے۔وہ اگلے دس سالوں تک سردی نہیں دیکھنا چاہتا تھا یہ طے ہوا۔

"سید شادان شاہ ہمیں ایک شیلٹر مل چکا ہے۔"حنزلہ کچھ جتانے والے انداز میں بولی۔

"ہاں مل گیا ہے۔"وہ اطمینان سے بولا پھر آلتی پالتی مار کر وہیں بیٹھ گیا۔

"پھر میرا ہاتھ چھوڑنے کا کب تک ارادہ ہے؟"

شادان نے بے اختیار چونک کر دیکھا وہ ہنوز اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔حنزلہ کے لمس میں ایک حدت تھی،یا پھر شادان کو محسوس ہوئی۔بہرحال اس نے دھیرے سے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔یکدم جیسے برف آس پاس جم گئی ہو۔

اگلے کئی پل خاموشی کا راج رہا۔شادان اسکی طرف دیکھنے سے احتراز برت رہا تھا۔وہ بس فرش کو دیکھے جا رہا تھا۔باہر لوگوں کے بولنے اور قدموں کی چاپ کی آواز بڑھ گئی تھی۔حنزلہ نے اسکے اندازے کی درستگی پہ اسے ستائش سے دیکھا مگر وہ اب بھی بس فرش کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تمہیں ڈر نہیں لگ رہا؟ اگر ہم پکڑے گئے تو؟" حنزلہ اپنی ریوالور کی میگزین کھولتے ہوئے بولی۔

"نہیں . . . ڈر ہے۔ لیکن اتنا نہیں جتنا زور گڑھ آنے کے پہلے دن تھا۔ پھر غصہ آ گیا۔ پھر یہاں سے بھاگنے کی جلدی۔ اب تو بس ٹھہراؤ ہے۔"

"کیسا ٹھہراؤ؟" اس نے چند بلٹس میگزین کے اندر ڈالیں۔ اور میگزین واپس چڑھا لی۔ شادان بے اختیار سا اسکے ہاتھوں کی ہر ہر حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ جب لکھتی تھی تب بھی شادان اسکے ہاتھوں کو دیکھا کرتا تھا۔ اسکے ہاتھوں کی حرکت اسکے اندر کے اضطراب، خوشی ہر جذبے کا پتہ دیتے تھے۔ شادان نے جب آخری بار اسے دیکھا تھا اسکے ہاتھوں میں قلم تھا۔ آج بندوق۔ دہر کے اس باب کو شادان کبھی بھولنے والا نہیں تھا جس نے اسکے محبوب انسان کو اس بری طرح بدل ڈالا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کیسا ٹھہراؤ؟" وہ اسے اسکے خیالوں سے کھینچ لائی۔ شادان نے گہری سانس لی۔ بازو سینے پہ باندھ لئے اور دیوار سے ٹیک لگائی۔

"یہاں آنے کے بعد مجھے احساس ہوا ہے کہ میں اپنی زندگی میں بس بھاگ رہا تھا۔ یہ کروں گا تو لوگ یہ سمجھیں گے وہ کام کروں گا تو لوگ میرے بارے میں یہ کہیں گے۔ ساری زندگی یا تو پیسے کے لئے جی یا لوگوں کے لئے۔ اور اس وقت یہاں اس گھر میں اگر میں مر گیا تو نہ پیسہ کام آئے گا نہ وہ لوگ۔ میں ایسے گمنامی میں نہیں مرنا چاہتا۔ ایک پائنٹ آتا ہے آپ کی زندگی میں

جب آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ **"لوگ"** کوئی نہیں تھے۔جب سمجھ آجاتی ہے کہ سیاہی میں آدھی دنیا ساتھ ہوتی ہے۔مگر جب آپ وہاں اکیلے ہوں تب کوئی نہیں آتا۔"

حنزلہ کو یوں لگا جیسے وہ افسوس کر رہا ہو۔وہ واقعی افسوس ہی کر رہا تھا۔لیکن شاید دیر ہو چکی تھی۔شاید نہیں۔

"حسن نے وہاں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے بازو پہ گولیاں کھائیں۔میں سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ گولی اسکے سینے پہ لگ جاتی،اور وہ مر جاتا تو؟"

"تم نے یہ سوال حسن سے نہیں کیا؟"

"کیا تھا۔"اس نے دھیرے سے کہا۔"حسن نے کہا کہ اسے مرنے کا خوف نہیں ہے۔اس نے کہا anything for resistance."اسکی آواز مدھم تھی۔حنزلہ کو اسکے نزدیک آنا پڑا۔

"میں نے اس سے پوچھا اسے مرنے سے خوف کیوں نہیں آتا۔اس نے کہا کیونکہ وہ ایک اچھا آدمی ہے۔اس پہ کسی کے حقوق نہیں رہتے۔اس نے کبھی اپنے تخت سے بے وفائی نہیں کی۔اس نے رشوت لے کر ثبوتوں کے ساتھ ہیر پھیر نہیں کی۔اس نے لوگوں کی حقوق نہیں کھائے۔میں نے تو یہ سب کیا ہے۔اگر میں یہاں مر گیا تو؟"اس نے توقف کیا۔بولنا تکلیف دہ تھا۔

"تم اب کیا چاہتے ہو؟"وہ نرمی سے پوچھنے لگی۔

"میرے کچھ سوالات کے جواب۔کیا تم دے سکتی ہو؟"

"تم پوچھ کر دیکھو، شاید دے دوں۔" وہ لکھاری تھی جواب اگر نہ آتے تو بُن بھی لیتی۔ الفاظ کا تانابانا مشکل نہیں تھا۔

اس سارے وقت میں شادان نے پہلی بار گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ حنزلہ اسے بدلی ہوئی نگاہوں سے تک رہی تھی۔ بے زاری عنقا، بدگمانی غائب۔ اسکی نرم نظروں نے شادان کے دل کو موم کی طرح پگھلا دیا تھا۔ درمیان کے کئی سال دور چلے گئے۔

"یہاں اس ملک میں رشوت، جھوٹ، بددیانتی، سفارش سب عام ہے۔ پھر ایک میرے ٹھیک ہونے سے کیا ٹھیک ہو گا۔ چلو مان لیا کہ میں ٹھیک ہو بھی گیا۔ مجھ جیسے ہزار سید شادان ٹھیک ہو گئے۔ پھر فائدہ؟ باقی دنیا تو رشوت لیتی رہے گی۔ جھوٹ بول کر حق مار کر پیسے کھا کر آگے بڑھتی رہے گی اوراگر کوئی پیچھے رہ جائے گا تو صرف ایک ایماندار آدمی۔ دنیا سیاہی کی ریس میں آگے بھاگ رہی ہے سفید رنگ لے کر کوئی کہاں جائے؟"

حنزلہ نے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا تھا۔ "حضرت عثمان غنی مکہ کے سب سے دولتمند شخص تھے۔ انہوں نے تو کبھی جھوٹ، چوری، رشوت کا نہیں کمایا۔ پھر انہیں وہ مقام کیسے ملا شادان؟"

"وہ اونٹوں کا زمانہ تھا جانی۔ وہاں سادہ سا لائف سٹائل تھا۔ عام سی زندگی تھی۔ ہم چودہ سو سال پہلے کے زمانے سے ریلیٹ نہیں کر سکتے۔"

"چار شادیاں چودہ سو سال پہلے جائز ہوئیں تھیں۔نمازیں تب ہی فرض ہوئیں تھیں۔نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات اسی دور میں دی تھیں اور قرآن بھی چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا۔وہ زمانہ کبھی بھی ہمارا ماضی نہیں بن سکتا وہ زمانہ ہمارا حال اور مستقبل ہے۔

اس دور میں کفار شراب پیتے تھے اب مسلمان پیتا ہے۔اس دور میں زانی عیسائی تھے تو اب مسلمان ہیں۔ قاتل یہودی تھے اور اب مسلمان۔جب مجرم اپنے گھر کا ہو ناں تو انسان سزا نہیں جسٹیفکیشن دیتا ہے۔"

شادان پلکیں نہیں جھپک سکا۔اسکے منہ پہ جیسے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا گیا ہو۔

"وہ کوئی سادہ زمانہ نہ تھا۔اس دور میں بھی کئی بادشاہ اپنا پیسہ عیاشیوں میں جھونکتے تھے۔بغیر نکاح کے عورتیں رکھتے تھے۔شراب پیتے،جوا کھیلتے تھے۔مگر ان میں کثیر تعداد غیر مذہبیوں کی تھی لہٰذا مسلمانوں کو واضح فرق کا علم تھا۔انہیں معلوم تھا ہم نے یہ کرنا ہے اور یہ نہیں۔اب جب مسلمان ہی یہ سب کرنے لگیں گے تو برا کہنے والا یہودی اور عیسائی تو نہیں ہو گا ناں ؟"

ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آیا تھا۔شادان کے پاس چند لمحے کوئی نئے الفاظ نہ آ سکے۔بہت دیر بعد وہ دوبارہ بولا تھا۔

"حق پہ چلنے والے مارے جاتے ہیں حانی۔سچے کو اب بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔اور ایماندار کو لوگ تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

"کسی نہ کسی کو تو معاشرے کے یہ سٹینڈرڈز بدلنے پڑیں گے ناں؟" وہ رسان سے بولی۔ "ہمارے نبی کریم ﷺ کی زندگی کو اپنانے کے لئے اسی لئے کہا گیا تھا کہ کیونکہ اللہ جانتا ہوگا کہ وہ چودہ سو سال پہلے والا وقت لوٹ آئے گا۔ وقت آگیا ہے شادان۔ اب ایک راہ چننے کی باری ہے۔ وہ راہ جو عمر بن خطاب نے چنی تھی، یا پھر وہ راہ جو عمر بن ہشام نے چنی تھی۔"

شادان خاموش ہوگیا۔ اسکے پاس جواب دینے کو اب الفاظ نہیں بچے تھے۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ خالی خالی نگاہوں سے اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ محلوں میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے والا شخص تھا، آج غلاموں سے بدتر حالت میں یہاں موجود تھا۔ محل چل کر یہاں نہیں آئے۔ وہ پیسے میں غرق تھا مگر آج وہ پیسہ اس کڑکتے جاڑے میں اسکے کسی کام کا نہیں تھا۔ لوگ کی بھیڑ بھاڑ میں رہنے والا شخص اگر مر جاتا یہاں تو جنازے کو چار کندھے بھی نہ ملتے۔

"تم نے ان تین سالوں میں مجھے یاد نہیں کیا حانی؟" کافی دیر بعد اس نے یونہی، اسکے چہرے کو دیکھتے سوال کیا تھا۔ حنزلہ کئی ثانیے خاموش رہی۔

"کیا تھا۔" وہ بے حد آہستگی سے بولی۔ "پہلے بس یاد کیا پھر زور گڑھ والے معاملے کے بعد میں نے دعا کی تھی۔"

"کہ اللہ سید شادان کو غارت کرے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"میں نے دعا کی تھی کہ اللہ سید شادان شاہ کو ہدایت دے، میں اگر زندگی میں اس سے دوبارہ ملوں تو وہ ایک مختلف انسان ہو۔"

زور گڑھ کی ساری برف جیسے شادان کے دل پہ گولوں کی صورت آ کر لگی تھی۔وہ بے سانس دم سادھے اسے تک رہا تھا۔وہ جس کی محبت میں شادان مبتلا تھا وہ اسکے لئے دعائیں کرتی رہی تھی۔ہر عدم تحفظ غائب ہوگیا۔شادان کی محبت ایک بونا لگنے لگی۔حنزلہ احمد زئی کی محبت کئی درجے اعلیٰ تھی وہ اسکے لئے دعا کرتی رہی تھی؟اور اگر کی تھی تو وہ دعا قبول ہونے والی تھی۔اسے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کئی درجے اعلیٰ دکھائی دینے لگی۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت،صبح دس بجے۔"

(تہہ خانے کی قید میں یہ انکی تیسرا دن تھا۔شاید یہاں آس پاس کوئی مسجد تھی جہاں جمعہ نماز کا خطبہ دیا جا رہا تھا۔نا چاہتے ہوئے بھی انکے کان اسی طرف لگ گئے۔

"آج کے مسلمان کو لگتا ہے اگر وہ جھوٹ نہیں بولے گا تو اسکا سامان بکے گا نہیں۔ناپ تول میں کمی نہیں کرے گا تو پیسہ نہیں بنا سکے گا۔ان سے کوئی یہ پوچھے کہ چودہ سو سال پہلے جب دین کے مکمل ہونے پہ حلال اور حرام کا فرق واضح کر دیا گیا تھا تو اب تم ہوتے کون ہو سوال اٹھانے والے؟

اگر کاروبار جھوٹ سے بڑھ رہا ہے تو تم کم کھاؤ لیکن جھوٹ نہ بولو۔ناپ تول سے فائدہ ہو رہا ہے تو تمھیں چاہیے کہ بے فائدہ رہو۔کیوں؟کیونکہ یہ عارضی ہے۔پیسہ دولت۔دنیا۔آسائش یہ سب چھوٹ جائے گی۔اصل زندگی اس کے بعد شروع ہوگی۔اصل گھر جنت جہنم میں سے چننا ہے۔کیا تم اتنے باغی ہو کہ آخرت کے بدلے دنیا لینا چاہو گے؟"

اسیر پہلو بدلنے لگے تھے۔انھوں نے ظاہر کیا کہ انکے کان بند ہیں،وہ یہ سب نہیں سننا چاہتے ہیں۔دنیا کی محبت نے انکے دل سیاہ کر دیئے تھے۔اجالا اب آنکھیں نابینا کئے دیتا تھا۔)

زلطان صفدر کے ہاتھ میں موجود گھڑی اب ایک سیدھا راستہ دکھا رہی تھی۔ایک سیدھی لائن اور اس لائن کے اختتام پہ سبز ٹک۔انکی منزل۔بس وہ ایک عمارت۔یہاں زیادہ گھر نہیں تھے۔اکا دکا مکان دور دور سے کہیں نظر آجاتا تھا۔ہر طرف اونچے لمبے درخت تھے۔اب ذرا آگے جا کر بلاخر ایک رہائشی علاقہ آیا تھا۔وہ بار بار اپنے ساتھ چلتی زخرف کو دیکھ رہا تھا۔اسے ڈر تھا وہ اسے کھو دے گا۔زور گڑھ نے زلطان کے دل کے ساتھ بڑا برا کیا تھا۔

"کیا لگتا ہے باقی سب چلے گئے ہوں گے؟"برف پہ چلتے چلتے زخرف نے سوال کیا۔

"نہیں۔زبرج کے جوتوں کی وجہ سے اسکے ٹانکے ادھڑ گئے ہوں گے۔اگر نہیں بھی ادھڑے تو وہ مسلسل تین گھنٹے نہیں چل سکا ہوگا۔برف باری دو گھنٹے پہلے رکی تھی یہاں نہ انکے بوٹوں کے نشان ہیں نہ کسی قسم کے گھسیٹے جانے کے۔وہ دونوں یہاں نہیں آئے۔یعنی وہ دونوں اب بھی زور گڑھ سے نکلے نہیں۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں انکے حصے کی سرنگ ختم ہوئی ہو وہاں سے یہاں تک کا راستہ بہت چھوٹا ہو۔" وہ مسلسل اپنی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ منزل قریب تھی۔ دل کو خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ نہیں ہوا۔ وہ یہاں رکنے کی تاویلیں گڑھ رہی تھی۔

"ہم سب کے ٹریکر میں تین گھنٹے کا سفر تھا۔ ہم سب کے بیگز میں سامان مختلف لیکن کھانے کی مقدار ایک ہی تھی۔ یعنی انکا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور راستہ بھی۔"

"تم یہاں سے جاتے ہی کل کاغذات نامزدگی جمع کرواؤ گے۔؟" دو گھنٹے سے رکی ہوئی برف باری دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔ وہ کبھی مکانوں کی اوٹ میں ہو جاتے، کبھی دکانوں کے چھجے تلے۔

"میں یہاں سے "**آج**" نہیں جا رہا۔" وہ جس نارمل انداز میں بولا تھا زخرف اتنا ہی ٹھٹھکی تھی۔ "میں جب تک اپنے دوستوں کو اپنے سامنے یہاں سے جاتے ہوئے نہ دیکھ لوں، میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"اور میں تمھارے اس عمل کو کیا نام دوں؟" وہ بگڑ کر بولی۔

"انسانیت۔ بہادری۔ قیادت۔ تینوں میں سے جو بہتر لگے۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "میں یہاں سے بھاگنا چاہتا تھا، چاہتا ہوں لیکن اکیلا نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال جن لوگوں کے ساتھ گزارے ہیں۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ بزدل نہیں ہوں میں۔ بے غیرت بھی نہیں۔ یہاں سے جاؤں گا تو اپنے چاروں لوگ لے کر جاؤں گا، ورنہ چار کندھوں پہ جاؤں گا۔" وہ فیصلہ کر چکا تھا اور اسکے انداز سے واضح تھا یہ فیصلہ ابھی نہیں ہوا۔

زخرف کی آنکھوں میں بے اختیار نمی امڈ آئی۔ زلطان ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔ کچھ تھا جو اسکے دل میں کانٹے کی طرح چبھا تھا اور اسے نکالتے ہوئے تلوار چبھنے کی سی تکلیف ہوتی تھی۔

"بہت سوچا ہے میں نے بہت زیادہ۔ کوئی دلیل نہیں ہے جو ظلم اور مظلومیت کے درمیان کچھ تیسرا لے آئے۔ کوئی دعوی نہیں ہے جس سے میں زور گڑھ کو جھوٹا قرار دوں۔ جھوٹا، کرپٹ، مکار سب ہوں میں۔ ظالم نہیں ہوں۔"

"یہ سب ہم نے نہیں کیا زلطان۔ ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم ظالم نہیں۔"

"ظلم کے خلاف نہ بولنے والا بھی ظالم ہے اور سہنے والا بھی۔ اسلام ہمیں ظلم کی مزاحمت سکھاتا ہے اور دنیا مصلحت۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"اور مصلحت میں سکون ہے۔" با خدا وہ بس کہہ رہی تھی۔ بس کچھ سوال پیش کر رہی تھی، ورنہ اسکی نظریں اب منزل کی سبز بتی سے ہٹ چکی تھیں۔ وہ دل کی آواز پہ لبیک کہہ چکی تھی۔ اسے یہاں سے نہیں جانا تھا۔

"یہ سکون وقتی ہے۔ یہ زندگی بھی عارضی ہے۔ پل سراط پہ کھڑے ہو کر اگر میرا پاؤں ان مظالم پہ نہ بولنے کی وجہ سے پھسل گیا تو؟ روز محشر ساری کائنات کے سامنے اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے سامنے ایسی سبکی سے ڈر لگتا ہے مجھے۔"

اب کے زخرف کچھ نہ بولی۔ برف ہر اور سفید چادر تان رہی تھی۔ امن کی یا موت کی کون جانے۔ وہ چلتے ہوئے بس زلطان کو سنتی رہی۔

”میں جبل خان سے دوبارہ ملوں گا۔اسے ایک پلان سمجھاؤں گا۔اس وقت میرے پاس پاورز نہیں لیکن میں اسے یقین دلاؤں گا کہ پاورز آتے ہی میں زور گڑھ کا حق ادا کروں گا۔میں سب فکس کر دوں گا۔تم یہاں سے جاؤ۔“

زخرف چلتے چلتے ایک جگہ ٹھہر گئی تھی۔زلطان کو بھی اسکے لئے رکنا پڑا۔وہ اسے دیکھ رہی تھی،زلطان ہمیشہ اسے ہی دیکھا کرتا تھا۔کچھ چیزیں ان دونوں کے درمیان کبھی نہیں بدل سکتیں تھیں۔

”میں نہیں جاؤں گی۔“

زلطان کے لئے یہ الفاظ حیران کن نہیں تھے۔ہاں یہ فیصلہ اسے اسکا دل بھی سنا چکا تھا۔

”زی . . . یہ سنہری موقع ہے۔اس rat trap سے نکلنے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع مر کر بھی نہیں ملے گا۔تمہیں جانا ہوگا۔میں باقیوں کو لے کر آجاؤں گا۔“

”تم جاؤ۔مجھے یہاں چھوڑ دو۔“اسکی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔زلطان کے سینے میں کوئی درد سا اٹھا تھا۔

”میں تمھیں چھوڑ ہی تو نہیں سکتا۔“

”دس سال پہلے بھی تو چھوڑا تھا۔“

اس نے شکوہ کیا۔وہ چند پل اسے تکتا رہا۔پھر دو قدم آگے آ کر عین اسکے سامنے کھڑا ہوا۔آسمان سے گرتی برف،آس پاس پھیلے خوف کے سائے سے بے خوف وہ اسکے سامنے،اسکے نزدیک کھڑا تھا۔اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا۔

"دس سال پہلے غلطی کی تھی اب نہیں کروں گا۔"اعتراف تھا،ندامت تھی،یا لجاجت زخرف کو فرق کرنے میں دقت ہوئی۔وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔زلطان صفدر نے ایک لمبے عرصے بعد کوئی اعتراف کیا تھا۔وہ دھیرے سے اسکا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رہا تھا۔

"میں اپنی غلطی سدھارنا چاہتا ہوں۔کیا تم مجھے موقع دو گی؟"وہ بے سانس اسے دیکھتی رہی۔دور کہیں سے گولیوں کی آوازیں آتی تھیں۔بھاری بوٹوں کی دھمک لمحہ بالمحہ قریب آتی اور اس پہ یہ اظہار۔زلطان نے اسکا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔زخرف کے ہاتھ لرز رہے تھے۔اسکی آنکھوں میں نمی تھی۔

"میرے کچھ مسائل تھے۔کچھ مجبوریاں اور شاید انسکیورٹی۔لیکن میں غلط تھا۔باقی ہر شے غلط تھی سوائے میری فیلنگز کے۔"اس نے سر جھکا لیا تھا۔دل میں جیسے ٹیسیں اٹھی تھیں۔وہ منظر جس میں بہرام نے زخرف کے سر پہ بندوق رکھی تھی۔وہ جب اس نے مڑ کر دیکھا اور زخرف اسکے ساتھ نہیں تھی وہ منظر اب تک زلطان کی جان نکال رہا تھا۔وہ اس منظر کو آدھی زندگی نہیں بھولنے والا تھا۔

"میری منگنی ٹوٹ گئی تم نہیں آئے۔"اس نے گیلے لہجے میں گلا کیا۔کتنے سالوں بعد پہلا شکوہ۔

"میں آیا تھا۔لیکن تم ان دنوں بہت اپ سیٹ تھیں۔مجھے وہ وقت مناسب نہیں لگا۔مجھے لگا تم مجھے خود غرض سمجھو گی۔"ایک اور ندامت بھرا اعتراف۔

"میں تین سال سنگل رہی تم نہیں آئے۔"

"ان دنوں تم میری فیملی کے خلاف کیس لڑ رہی تھیں۔میں کس طرح بات کرتا اور کیا بات کرتا؟ہمارے خاندان کے درمیان کشیدگی تھی۔تمھارے ابا میری اور میرے چچا کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔" اسکی آواز مدھم تھی۔گردن ہنوز جھکی ہوئی۔وہ مدھم لہجے میں توجیہات پیش کر رہا تھا۔نادم سا وہ آج ہر الزام قبول کر رہا تھا۔

"تم میرے باپ کے مرنے پہ نہیں آئے۔میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔تم وہ واحد انسان تھے جس کے ساتھ میں رونا چاہتی تھی۔"وہ رو پڑی تھی۔بلند آواز میں روتے ہوئے اسکی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں۔"میں نے کتنی دفع تم سے چیزیں سارٹ آؤٹ کرنے کی کوشش کی تم نے ہمیشہ اپنی انا کو ترجیح دی۔بابا کی موت کے بعد مجھے ایک کال نہیں کی۔ایک میسج نہیں ہوا تم سے زلطان؟"

اب کے زلطان نے گردن اٹھائی تھی۔اسکی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں۔ہلکی بھوری آنکھیں کانچ جیسی سرمئی آنکھوں سے ملیں۔وہ آنکھیں اپنے تمام جرم تسلیم کر رہی تھیں۔

"میں نہیں آیا،کیونکہ میں جانتا تھا تمھارے باپ کا قتل کس نے کیا ہے۔"اس نے زخرف کے ہاتھوں کو ٹھنڈا پڑتے محسوس کیا۔اس نے زخرف کے ہاتھوں کو بے جان ہوتے محسوس کیا۔"اگر

میں آجاتا تو میں تمھیں بتا دیتا۔وہ تم سے زیادہ طاقت ور لوگ تھے۔تم انکے خلاف جاتیں اور تمہارا نقصان ہوتا۔میں تمھیں پروٹیکٹ کرنا چاہتا تھا۔"

"میں جانتی ہوں میرے بابا کو کس نے قتل کیا تھا۔" وہ جیسے ہل نہیں سکا۔اسکی آنکھوں میں ڈھیر سارا تحیر ابھرا۔

"میں چاہتی تھی تم آؤ تاکہ میں تمھارے ساتھ مل کر کوئی حکمت عملی اختیار کروں۔تم تو ہمارے لیڈر تھے ناں؟تم پھر بھی نہیں آئے۔" وہ چہرہ جھکا گئی۔آنسو اب زلطان کے ہاتھوں پہ گرنے لگے تھے۔وہ کئی لمحے بے سانس رہا۔اس کی ان کہی کتنے مسائل کھڑے کر چکی تھی وہ اب انکا شمار بھی نہیں کر سکتا تھا۔اسکی انا نے کتنی دیواریں کھڑی کر دی تھیں وہ اب انہیں توڑ بھی نہیں سکتا تھا۔

"تین دن بعد میرا نکاح ہے۔"

زلطان نے اسکے ہاتھوں پہ گرفت سخت کر دی۔پہلی بار اسے خوف آیا تھا۔حد سے زیادہ خوف۔اس عورت کو جانے دینا،اب اسکے بس میں نہیں رہا تھا۔

"میں اس شادی سے خوش ہوں۔آج اگر ہم یہاں زور گڑھ نہ آتے تو کیا ہوتا؟تم اب بھی مجھ سے وہ سب نہیں کہتے۔تم اب بھی مجھے معذرتی ٹیکسٹ یا کال نہیں کرتے۔" اس نے ایک جھٹکے سے زلطان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکالے۔"تم آج بھی انا پرست اور خود غرض رہتے،بلکل ویسے جیسے دس سال پہلے تھے۔"

”میں خودغرض اور انا پرست نہیں تھا۔“اس نے نرمی سے زخرف کی بات کاٹی۔”میرے طریقے غلط تھے۔میری محبت نہیں۔مجھے کہنا چاہئے تھاچاہے حالات جیسے بھی تھے چاہے درمیان میں کچھ بھی ہوتا مجھے کہہ دینا چاہیے تھا کہ . . . . . .“وہ ایک لمحے کو رکا۔زور گرڑھ کے آسمان سے گرتی برف نے اس کے منہ سے کچھ سننے کی خواہش کی تھی۔یخ بستہ ہوائیں مختلف رخ پہ بہنے لگیں۔

”کہ زلطان صفدر اگر کسی کے لئے پیورpure ہے تو وہ تم ہو۔اگر میں کسی کے لئے سیاست چھوڑ سکتا ہوں تو وہ تم ہو۔اور اگر میں کسی کے لئے انسکیور ہو سکتا ہوں تو وہ بھی تم ہو۔میں اگر کسی کے لئے جگہیں تبدیل کر سکتاہوں تو وہ بھی تم ہو۔“

”تم انتہائی گھٹیا آدمی ہو زلطان۔تین دن بعد میری شادی ہے۔“

”میں واقعی بہت گھٹیا آدمی ہوں،لیکن اگر میں کسی کو**"کوئی بات نہیں"**کہہ کر معاف کر سکتا ہوں تو وہ تم ہو۔“

”تم نے بہت دیر کر دی ہے۔اب کچھ نہیں ہو سکتا۔بلکہ میں کچھ کرنا نہیں چاہتی۔“

”میں اگر کسی کی منت کر سکتا ہوں تو وہ تم ہو۔“

”میں اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ بہت خوش ہوں،اور میں بھلا اسے کیا کہہ کر منع کروں گی؟“

"میں اگر کسی کے لئے قتل کر کے اپنے کیریئر کو ڈبو سکتا ہوں تو وہ تم ہو۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔"یہاں مقتول تمہارا ہونے والا شوہر ہے۔" وہ جیسے اسکے علم میں اضافہ کر گیا۔

"تم نے اپنی انا میں کتنے سال ضائع کر دیئے جانتے ہو؟" وہ جیسے رنج سے بولی۔ملال سا ملال تھا جو ہر اور بکھر گیا۔

"تم مجھے گھٹیا، برا، ذلیل سب کہہ سکتی ہو۔لیکن مجھ سے یہ مت کہو کہ میں نے تمھیں انا کی وجہ سے چھوڑا۔ میں آدھے لندن کے سامنے تمھارے لئے ننگے پیر چلا ہوں۔میں نے تمھارے جوتے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہیں۔کوئی انا پرست انسان ایسا نہیں کرتا۔میں تمھارے لئے کالج سے ایکسپیل ہوا ہوں۔تمھارے لئے کالج کے نامور بدمعاشوں سے دشمنی لی ہے۔کوئی خود غرض انسان یہ سب نہیں کرتا۔میں نے تمھیں ہر اس جگہ تسلیم کیا جہاں باقی مردوں کی منفی انا بیچ میں آجاتی کوئی انا پرست ایسا نہیں کرتا۔تمھارے لئے اپنے چچا، بابا، بھائی سے لڑا ہوں۔تمھارے خلاف باتیں کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیئے ہیں۔" وہ بولتے بولتے رکا۔کئی سالوں کا غبار نکل گیا تو دل میں بس محبت اور خلوص باقی رہا۔

"میں یہاں آنے سے پہلے سراج بھائی کو تمھاری ممی سے ملنے کا کہہ کر آیا ہوں۔" اس نے بے حد آرام سے زخرف کے سر پہ بم پھوڑا۔وہ جیسے جامد ہو گئی تھی۔

"تم نے یہ کیوں کیا؟اوہ خدایا زلطان تم اتنے بے وقوف کیسے ہو سکتے ہو؟"

"میں اس روز کیفے میں کچھ کہنے والا تھا یاد ہے؟" اسے یاد تھا اس روز اس کیفے میں وہ پانچوں کچھ کہنے والے تھے۔

"ڈونٹ ٹیل می تم چار لوگوں کے درمیان مجھے پروپوز کرنے لگے تھے۔"

"نہیں میں تمھیں پروپوز نہیں کرنے والا تھا۔میں تم سے شادی ڈیلے کرنے کو کہتا تاکہ سراج کو بات کرنے کا وقت ملے۔تم ،تم مجھے وقت دے سکتی ہو؟" وہ بے حد معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

زخرف کو کچھ سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔دس سالوں میں اسکی ایک منگنی ٹوٹی تھی اور اسے فرق نہیں پڑا۔اسکی ماں نے جب شایان کا رشتہ لا کر رکھا تب اس نے زلطان کی خواہش ضرور کی تھی۔زلطان صفدر کے ساتھ کی خواہش اس نے دس سال پہلے لندن میں شروع کی تھی۔لیکن تب تک وہ پاکستان واپس جا چکا تھا۔وہ کم عمری تھی۔اٹھارہ انیس سال میں محبت ہو ضرور جاتی ہے لیکن اسکا ادراک نہیں ہو پاتا۔ادراک ہو جائے تو محبت سنبھالی نہیں جاتی۔اسے بھی ادراک جب تک ہوا شاید تھوڑی دیر ہو چکی تھی۔

وہ زلطان کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہی تھی۔وہ کینیڈا چلا گیا تھا مگر ان دونوں کے درمیان فاصلہ نہیں آ سکا تھا۔اپنے ہونے والے منگیتر سے زیادہ وقت وہ اسکے ساتھ گزارتی تھی۔زلطان اسے اپنی پینٹنگز کا وقت بھی دیا کرتا تھا۔زلطان صفدر اسکا سیف زون تھا۔ساری دنیا سے تھک کر وہ اسی کے پاس آتی تھی۔ساری دنیا سے خوش ہو کر بھی وہ اسی کے پاس آتی تھی۔وہ اچھا سامع تھا کئی گھنٹے اسے سنتا رہتا۔کبھی کبھی زخرف کو بے حد خواہش ہوا کرتی تھی کہ زلطان اس سے

وہ کہے جو وہ سننا چاہتی تھی۔وہ نہیں کہتا تھا۔کئی سال زخرف کو لگا شاید وہ اسے بس دوست کی حیثیت سے پسند کرتا ہے۔لیکن وہ جب بھی ملتے تھے زلطان کی آنکھیں اس سے جیسے داستان کہتی تھیں۔وہ دونوں ان کہی کے عذاب میں رہے۔مگر فاصلہ نہیں رہا۔

بیچ میں کئی ماہ و سال ایسے آئے کہ ان دونوں کے درمیان دوریوں کی خلیج سی در آئی۔زلطان صفدر وہ دنیا کا گھاک آدمی تھا مگر اسے یہ خلیج پر کرنا نہ آسکی اور زخرف جیسے اسکی عادی ہو گئی تھی۔ان سب مسائل،اندیشوں اور دوریوں کے باوجود ایک جذبہ تھا انکے درمیان جس کے آگے وہ دونوں بے بس تھے۔یوں جیسے میدان جنگ میں نہتا سپاہی۔چند سال قبل آنے والی دوریوں کی آج کوئی وقعت نہ رہی تھی۔وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے جیسے کبھی دور گئے ہی نہ ہوں۔وہ اس آدمی سے محبت کرتی تھی یا نہیں یہ مشکل سوال تھا لیکن اگر وہ کسی مرد کے ساتھ کی خواہش رکھتی تھی تو وہ زلطان تھا۔

”تین دن بعد میری شادی ہے زلطان۔“اس نے نگاہیں چرائیں،عذر پیش کیا۔عورت کے انکار اور عذر میں فرق ہوتا ہے۔عذر مان ہوتا ہے۔جس کے نتیجے میں وہ منائے جانا مانگتی ہے۔اور مرد پہ محبت میں لاڈ اٹھانا فرض ہے۔

”شادیاں ٹوٹ بھی سکتی ہیں۔“وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔”تمھارے پاس پورے تین دن ہیں یہ سوچنے کے لئے کہ تم اگلے تیس سال کیسے گزارنا چاہتی ہو۔میں تم سے دوبارہ پوچھوں گا۔اور پھر تمھارے ہر فیصلے کا احترام کروں گا۔تم پہ کوئی زور زبردستی نہیں ہے زی۔یہ

فیصلہ تمھارے دل کا ہوگا۔" اس نے زخرف کا مضطرب چہرہ دیکھا پھر مسکرایا۔وہ مسکرا بھی نہ سکی۔ "اوکے؟"

"اوکے۔" وہ بھاری دل سے بولی۔

"اب تم جاؤ زخرف۔میں بہت جلد تم سے دوبارہ ملوں گا۔" وہ بہلانے والے انداز میں بولا۔

"میں نہیں جاسکتی۔دل پہ بوجھ رکھنا اب بہت مشکل ہوگیاہے۔میں زور گڑھ واپس جاؤں گی۔"

"پاگل مت بنو زی۔جو وہ چاہتے ہیں ہم وہ نہیں کرسکتے۔تمھیں لگتا ہے انکے حق میں ایک ویڈیو بنادو گی تو سب صحیح ہو جائے گا؟" زلطان حتی الامکان اپنا لہجہ نارمل رکھے ہوئے تھا۔

"اور تمہیں لگتا زخرف وقار بے وقوف ہے؟میں جبل خان کا پلان فالو نہیں کر رہی۔میری اپنی بساط ہوگی۔ میں انکی مدد کروں گی،مگر اپنے طریقے سے۔سیاہ کاروں کی فینٹسی ہوتی ہے انہیں جب جب کسی شیطانی عمل کرنا ہو انکے کندھے سے کندھا ملانے والے ابلیس کئی ہوتے ہیں۔زور گڑھ کو انصاف ملے گا لیکن میرے ذاتی طریقے سے۔تم میرے ساتھ ہو؟"

"میں یہ سب دیکھ لوں گا۔تم جاؤ،خود کو اس سب میں مت پھنساؤ۔" وہ بے چین ہوا۔

"میں نے کبھی کسی مرد کے کندھے پہ رکھ کر بندوقیں نہیں چلائیں۔لڑکی سمجھ کر واپس بھیجو گے تو وقت ضائع کرو گے۔پارٹنر سمجھ کر ساتھ دو گے تو فائدہ ہوگا۔اتنے سال بعد واپس آکر یوں میرے پیروں کی زنجیر مت بنو۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔

زلطان نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ . . . . .

”زلطان؟ . . . . زبرج . . . . “دو ناموں کی پکار تھی۔وہ آواز سید شادان شاہ کی تھی۔اگلی آواز گولیوں کے چلنے کی تھیں۔اور پھر سکوت . . . . گہرا سکوت۔لمحوں کا کھیل تھا بس لمحوں کا۔اور زلطان صفدر کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی۔اس نے بے اختیار اپنا دل تھاما تھا۔

”موجودہ دور میں ہر انسان کی بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ صرف اس ایک کے ٹھیک ہوجانے سے دنیا ٹھیک نہیں ہو جائے گی۔جو مقام اسے ملا ہوا ہے وہ تو بہت کم ہے۔اصل تخت تو کسی اور کے پاس ہے۔

مان لیا کہ آپ کے ٹھیک ہونے سے دنیا ٹھیک نہیں ہوتی۔لیکن آپ کا کیا؟اگر ایک صاف پانی میں کسی نے سیاہی کے تین قطرے ڈالے ہیں تو چوتھا تمھیں کیوں ڈالنا ہے؟“

آواز آرہی تھی اور ان قیدیوں کو یہ آواز اپنے چہرے پہ تھپڑوں کی صورت لگتی محسوس ہوئی تھی۔

”قبر پہ،قیامت پہ تو ہر ایک کو اعتبار ہے ناں؟قبر میں آپ اکیلے ہوں گے۔قیامت میں پل صراط آپ نے اکیلے پار کرنی ہے۔اعمال آپ اکیلے کے دیکھے جائیں گے یہ نہیں ہوگا کہ تمھارے

کسی عزیز کی چند نیکیاں اٹھا کر تمہیں دے دی جائیں۔جب آنا، جانا اکیلے ہے تو اچھائی کے وقت ساتھی کیوں چاہیے؟

دنیا بڑی ظالم ہے۔کوئی آپ کی تکلیف اپنے سر نہیں لے گا۔کوئی آپ کا کھوٹا کھرا نہیں کرے گا اور جو کر سکتا ہے وہ ہستی ایک ہے۔اللہ۔صرف اور صرف اللہ۔پھر تم کس غیرت سے اس سے منحرف ہو رہے ہو؟"

"تم نے بچپن میں ہارر موویز دیکھی ہیں؟"

شادان نے ایک مسجد کی اوٹ میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے اپنی دائیں طرف بیٹھی چوکنا نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھتی ہوئی حنزلہ سوال کیا تھا۔جتنا نارمل وہ سوال تھا حنزلہ نے اتنی ہی غیر یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

"بچپن میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ ایک اچھی خاصی، ہنستی کھیلتی فیملی ایک آسیب زدہ گھر میں رہنے کیوں آ جاتی تھی؟"حنزلہ کی گھوریوں کی پرواہ کئے بغیر،اپنا تعاقب کرتے لوگوں سے چھپ کر ایک کونے میں بیٹھے ہوئے وہ بچپن کی یادیں تازہ کر رہا تھا۔کیا اب بھی اسکے پاگل ہونے پہ کوئی گمان ہے؟

"اور پھر جب آدھی دنیا ان سے کہتی تھی کہ یہاں نہ رہیں تب بھی وہ وہاں رہتے تھے جانتی ہو کیوں؟"

"کیوں؟"ناچاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھی۔

"کیونکہ وہ کھسکے ہوئے ہوتے تھے۔" شادان سلگ کر بولا۔" انکے پیچ ڈھیلے ہوتے تھے جیسے اس وقت میرے اور میرے دوستوں کے ہیں۔لعنت ہو ہم پہ جو ہم اس کیفے گئے۔"

قدموں کی آہٹ قریب آنے لگی تو وہ خاموش ہوا تھا۔حنزلہ اب پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چلنے لگی تھی۔شادان اسکی تقلید میں دیوار سے کمر جوڑے پنجوں کے بل خود کو اس برف پہ گھسیٹ رہا تھاساتھ اپنے ہاتھوں سے اپنے قدموں کے نشانات کوہاتھ پھیر کرصاف کر جاتا تھا۔تم نے فوج کی تربیت لیتے سپاہیوں کو دیکھا ہے؟یہ بلکل ویسی مشقت تھی۔ہاں فرق یہ ہے انہیں اس کے بعد تنخواہ ملتی تھی مگر یہاں ایسا کوئی سین نہیں تھا۔

وہ دونوں اب دیوار کی دوسری طرف تھے۔بہرام کے لوگ اب آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے۔ حنزلہ اور شادان سانس روکے دیوار کی دوسری جانب بیٹھے تھے۔سردی انکے اعصاب کو جمارہی تھی۔حنزلہ کو اس سردی کی عادت تھی اور شادان کے لئے یہ بہت زیادہ تھی،بے حد زیادہ۔اس کے ہونٹ نیلے پڑنے لگے تھے۔ہاتھ سن۔بھوک،پیاس،زخم،تعاقب کار اس زندگی میں اس سے زیادہ برا کیا ہو سکتا تھا؟

چند پل بعد لوگ پلٹ گئے تھے۔شادان نے جیسے سکھ کا سانس لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔اسکے گھٹنے درد کرنے لگے تھے۔اور کمر اکڑ گئی تھی۔حنزلہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔شادان گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے کمر کے بل جھکا ہوا تھا۔اسکے جسم کا ہر ہر حصہ اکڑ گیا تھا۔

"تم بہت فنی ہو۔" وہ ہنس کر بولی۔

"میں بھی تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

حنزلہ اور زور سے ہنس پڑی۔"کس نے کہا مجھے تم سے شادی کرنی ہے؟"

"جب لڑکیاں کسی مرد کے مزاح کی تعریف کریں،تواسے پروپوزل سمجھنا چاہیے۔"سیدھے ہوتے ہوئے اس نے جیسے پتے کی بات بتائی۔ساتھ مسکرایا۔وہ اسے دیکھتے ہوئے اسکے ساتھ مسکرائی۔

"شادان صاحب آپ کو اچھی اچھی پک اپ لائنز سیکھنے کی ضرورت ہے۔"وہ کہہ کر ایک گلی کی طرف چلنے لگی۔شادان نے اسکے قدموں کا مقابلہ کیا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے؟مائنس زیرو میں جب چار غنڈے میرے پیچھے پڑے ہوں گے تو میرے منہ سے رانجھے کی لائنز نکلیں گی؟"

"وہ کوئی غنڈے نہیں۔میرے کزنز ہیں۔اور بھائی بھی۔"اس نے واضح طور پہ برا منایا۔ساتھ پشتو میں کچھ بڑبڑائی۔جسے شادان سمجھ نہ سکا۔

"نہ کرو . . . اتنے سارے بھائی؟اتنے سارے کزنز۔یعنی تم سے تو بندہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ **"صرف فیملی"** کے لوگ آئیں۔"وہ حنزلہ کے کندھے سے کندھا ملائے چلنے لگا۔"ویسے ایک بات بتاؤ اگر شادی میں صرف دلہن آئے تو تمھارے خاندان والے برا تو نہیں منائیں گے؟"

"اگر اب تم نے اپنا منہ بند نہ کیا تو میں ضرور برا مناؤں گی،اور اس امر کو یقینی بناؤں گی کہ ایک آدھ گولی تمہارا سر پھاڑ دے۔"

”عجیب تشدد پسند خاندان ہے تمہارا۔“ وہ جیسے مایوس ہوا ہو۔”میں ابھی سے بتارہا ہوں میرے گھر میں یہ سب نہیں چلے گا۔میں ایک امن پسند آدمی ہوں۔“

حنزلہ گلی کے عین بیچوں بیچ ٹھہر گئی۔وہ شادان کو نہیں دیکھ رہی تھی اسکی چوکنا نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔دفعتاًوہ رکی تھی۔آس پاس دکانیں اور گھر تھے۔سردی کی وجہ سے اور بڑھتی برف باری کی وجہ سے اس پہر لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔مگر دکانوں کے شٹر کھل چکے تھے۔دکانوں کے سامنے سے گزر کر جانا یقیناًخطرے سے خالی نہ ہوتا۔اس نے شادان کو ہاتھ کے اشارے سے گھروں کے عقب میں بنی گیلری نما جگہ سے گزرنے کا کہا۔وہ سر ہلاتے ہوئے آگے آگے چلنے لگا۔حنزلہ نے بے حد کوشش کے ساتھ اپنے جوتوں کو کسی بھی قسم کی چاپ پیدا کرنے سے باز رکھا۔وہ ایک لمبی سی گیلری تھی جس میں دو لوگ بامشکل ہی چل سکتے تھے۔وہ دونوں اب دیوار سے کمر جوڑے وہیں کھڑے تھے۔باورچی خانوں کی چمنیوں سے نکلتا دھواں فضاؤں میں تحلیل ہو رہا تھا۔

”ابھی کتنا راستہ رہتا ہے؟“

”دس منٹ اور۔“ وہ سرگوشی نما انداز میں بولی۔”اس گلی کے بعد گراؤنڈ آئے گا۔ہم یہیں گلی کے اختتام سے دیکھیں گے اگر اس وقت وہاں بچے موجود ہیں تو ہم وہاں سے نہیں جائیں گے۔“

”کیا تم مجھے آگے کا راستہ سمجھا سکتی ہو؟“

"میں تمھارے ساتھ چل رہی ہوں ناں۔ونڈر لینڈ اب زیادہ دور نہیں ہے۔" وہ دور جانے والا تھا یہ ایک خیال حنزلہ کے دل کو خالی سا کر دیتا تھا۔مگر اسے جانا ہی تھا۔

"مجھے ونڈر لینڈ نہیں،مجھے زور گڑھ سے ایگزیٹ کا راستہ سمجھاؤ۔"حنزلہ جیسے تھم گئی تھی۔اس نے مڑ کر اچھنبے سے اسے دیکھا۔"مجھے باقی سارا راستہ سمجھ آگیا ہے۔یہاں سے آگے ایک پلے گراؤنڈ ہے اسکی دائیں طرف ایک گلی ہے اور گلی میں بائیں طرف مڑنے پہ ونڈر لینڈ ہے۔مجھے وہاں نہیں جانا۔"

"اور مجھے تمہیں وہاں لے کر جانے کے آرڈرز ملے ہیں۔"حنزلہ نے جیسے اسکی یاددہانی کروائی ہو۔

"میں تم سے ایک فیور مانگ رہا ہوں۔میں نے تمہارا راز رکھا ہے۔میں نے تمھارے بھرم رکھے ہیں کیا تم میرا بدلا نہیں چکا سکتیں؟"

"کس احسان کی بات کر رہے ہو تم؟" وہ ہنوز متعجب تھی۔

شادان نے سادگی سے اسے دیکھا۔پلکیں جھپکائیں،اور اسکے کان کے پاس جھکا۔"مجھے ہمیشہ سے معلوم تھا تم اس کیفے میں آتی رہتی ہو۔میں دیواروں پہ فرنچ میں لکھے quotes پڑھتا تھا حانی۔"

وہ پیچھے ہوا،حنزلہ کا وجود جیسے کسی بھی جنبش سے انکاری رہا۔وہ ہل بھی نہ سکی۔برف نہیں تھی جس نے اسے جما دیا تھا یہ کچھ اور تھا۔

”میں تمہارے لئے پیغام چھوڑا کرتا تھا اور بدلے میں مجھے انکے جواب دیوار پہ ملتے تھے۔اماں کہتی ہیں سید شادان اپسراؤں کے حصول میں دیوانہ ہو رہا ہے۔میں شکر ادا کرتا ہوں کہ میں ایک انسان کے حصول میں تھا۔“

حنزلہ نے دیوار کا سہارا لیا۔شادان اسے یوں کمزور پڑتے نہیں دیکھ سکتا تھا اس نے نگاہیں چرائیں۔کئی لمحے وہ شاکی انداز میں اسے دیکھتی رہی۔بہت دیر بعد اسکے حلق سے کوئی آواز برآمد ہوئی۔

”تم کب سے جانتے تھے؟“اسکی آواز کہیں بہت دور سے آتی تھی۔

”دو سال ہو گئے۔پہلے مجھے یہ سب اپنا وہم لگتا تھا۔پھر مجھے الہام اور معجزات پہ یقین آگیا۔“

”تم نے کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“اب کے حنزلہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔یہ شخص پرت در پرت اس پہ کھل رہا تھا۔وہ تین سال پہلے والے شادان کو نہیں سمجھ پائی تھی تو تین سال بعد والا شادان بھی ایک ممنوع کتاب تھا۔جسے حاصل کرنا بے حد مشکل تھا۔

”میں نے بہت کوشش کی۔ہر دفع اس کیفے سے واپسی پہ سوچتا تھا بس اب صبح جاؤں گا اور جب تک تمہارا سراغ نہیں ملتا تب تک میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔لیکن پھر میں ایک نقطے پہ آکر رک جاتا تھا۔“شادان نے اسکی سمت دیکھا۔گرتی برف میں، یخ بستہ ہواؤں میں، نفرتوں کے بیچ، دہر کے سیاہ ایام میں اسکی شہد رنگ آنکھیں شادان کی سیاہ آنکھوں سے ملیں۔برف روئی سی لگی۔یخ

ہواؤں نے آج گرمائش پہنچائی۔نفرتوں نے محبت کے رنگ اوڑھے اور دہر نے ایک ایسا باب کھولا جس کے پار بہت کچھ تھا سوائے نفرت کے۔ان دونوں کے درمیان متفقہ جذبات تھے۔

"میں اس نقطے پہ آکر رک جاتا تھا کہ محبت ایک طرف،عزت ایک طرف۔تم سے ملنا ایک طرف اور تمہارا مجھے ناقابل اعتبار سمجھنا ایک طرف۔جو تھپڑ تم مجھے مار کر گئی تھیں وہ سرخ گال لے کر میں تمھارے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔تم مجھ سے مخفی رہنا چاہتی تھی اور میں نے یہ ہونے دیا۔میں چاہتا تھا ایک دن میں تم سے ملوں اور پھر پوچھوں کہ تم میری عزت کیوں نہیں کرتیں۔میں ملا،میں نے پوچھا اور . . . . "وہ رکا۔آنکھوں میں کچھ ملال سا آکر ٹھہرا۔

"تم ٹھیک کرتی ہو۔میں انسان نہیں ہوں۔پیسہ کھا کر ایمان بیچنے والا جانور ہوں۔کوئی اگر میری عزت کرے تو میں اسکی عزت نہیں کر سکوں گا۔"وہ لب کاٹنے لگا۔ایک وقت وقت آتا ہے جب انسان کو لگتا ہے اسکی ساری زندگی دھوکہ اور فریب تھی۔وقت میں پیچھے جانا کاش قصے کہانیوں تک محدود نہ ہوتا۔

حنزلہ جواباً خاموش رہی تھی۔اس نے دھیرے سے پشت دیوار سے جوڑ لی۔

"میں نے وہ کیا جو تم چاہتی تھیں۔کیا تم وہ نہیں کر سکتیں جو میں چاہتا ہوں ؟"

حنزلہ نے اسی خاموشی سے اپنا بیگ نیچے رکھا اور اسے کھولا۔ایک کاغذ نکالا اور اسے اپنی گود میں رکھا۔وہ اب پین سے اس پہ کچھ لکیریں کھینچ رہی تھی۔

"میں لڑکیوں سے رقعے نہیں لیتا حانی۔" وہ کاغذ پہ اسے کچھ لکھتے ہوئے دیکھ کر بولا۔حنزلہ نے گردن اٹھا کر اسے خفگی سے دیکھا۔

"میں لڑکوں کو رقعے نہیں دیتی۔"

"ہاں لیکن تم ایک اسپیشل لڑکے کے لئے کیفے کی دیوار پہ نوٹس چھوڑ کر آجاتی ہو۔" وہ دوبدو بولا۔

حنزلہ کے گال تپ اٹھے۔"اب تم اس بات کا طعنہ کب تک دینے والے ہو؟"

"ساری زندگی۔"کمال تعبداری تھی یا عمر بھر ساتھ رہنے کا وعدہ۔اس سارے وقت میں حنزلہ کو اسکے منہ سے صرف ایک ہی بات اچھی لگی تھی۔چند پل بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔بیگ بند کیا اور کاغذ اسکی طرف بڑھایا۔وہ اسے دیکھتا رہا۔

"ویسے تو میں ایک شرمیلا،روایات کا پاسدار اور ڈیسنٹ مرد ہوں۔لیکن اگر تم مجھے خط دینا چاہو تو لینا ہی پڑے گا۔"

اس نے کاغذ کو دو انگلیوں کے درمیان پکڑ رکھا تھا۔حنزلہ نے کاغذ پہ مکمل دستبرداری نہیں دی تھی۔کاغذ ان دونوں کی انگلیوں کوے درمیان دبا تھا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" اسکی آنکھوں میں فکر تھی۔

"خود کو ہر قسم کے خوف سے آزاد۔" وہ سہولت سے بولا۔"لوگ عزت نہیں دیتے۔لوگ ذلت نہیں دیتے۔لوگ رزق نہیں دیتے۔لوگ زندگی نہیں دیتے۔لوگ آپ کو بچانے نہیں آتے۔لوگ،لوگ ہیں۔ہماری زندگی کے ایکسٹرا کردار۔میں دنیا کی قید سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔اور ہر آزادی، ہر تخت کی ایک قیمت ہوتی ہے۔میں اسے چکاؤں گا۔"

"اسکی قیمت تمہاری جان بھی ہو سکتی ہے۔"اسکی آواز لڑکھڑائی۔مشکل تھا،بے حد مشکل اس محبت پہ دستبرداری دینا جو ایک طویل مدت بعد نظر کے سامنے آئی تھی۔

"پرواہ نہیں۔یا شاید ہے۔لیکن خوف تب تک خوف رہتا ہے جب تک اس سے خوف کھایا جائے۔اگر ایک بار گردن اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھ لیا جائے تو خوف ہم سے خوف کھانے لگتا ہے۔"

"تم دنیا کی قید سے آزاد ہونا چاہتے ہو لیکن شاید تم نہیں جانتے کہ دنیا اپنا دائرہ توڑنے والے کے گرد ایک ایسا دائرہ بنا دیتی ہے کہ وہ جکڑا جاتا ہے۔"وہ اسے ہر ممکن طریقے سے روکنا چاہتی تھی۔یا شاید آزما رہی تھی۔

"تہہ خانے کی ان زنجیروں سے زیادہ جکڑ کس شے میں ہوگی؟"

"دنیا اپنی رونق میں اندھا کر دیتی ہے شادان۔"ایک اور تنبیہ۔

"جن اندھیروں سے میں نکل کر آیا ہوں اسکے بعد روشنی مجھ پہ اپنا اثر کھو چکی ہے۔"شادان نے گردن جھکا دی۔اسے تکلیف ہونے لگی تھی۔"مجھے اب موت کا خوف نہیں۔مجھے لوگوں سے ڈر

نہیں لگتا۔یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پانچ دن سید شادان کو یاد نہیں کیا۔یہ لوگ میری قبر بھی بھول جائیں گےاور پھر جو ہو گا وہ صرف میرے اعمال۔اور مجھے اپنا کوئی ایسا عمل نظر نہیں آ رہا جس کے تحت مجھے معاف کیا جائے۔دنیا دھوکہ ہے ایک دن ختم ہو جائے گا۔آخرت سچائی۔اسکا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا پڑے گا۔"

اس نے لمحے بھر کا توقف کیا حنزلہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔"خاندان کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"تم رسک لے رہے ہو۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ یہاں سے جا چکے ہوں۔"

"اور یہ بھی ہو سکتاہے کہ وہ ایک بار پھر جبل کے ہاتھ لگ گئے ہوں۔"وہ کہہ کر گلی میں چلنے لگا۔تہہ شدہ صفحہ کھول لیا۔

"میں انہیں ڈھونڈوں گا۔انکے ساتھ مل کراپنی اور انکی غلطیاں فکس کروں گا اور پھر یہاں سے جاؤں گا۔"صفحے پہ ایک نقشہ سا تھا۔ایک رف اور بے حد آسان نقشہ۔

وہ دونوں چلتے چلتے میدان میں آ گئے تھے۔میدان خالی تھا۔وہاں برف تھی۔بس برف۔شادان وہاں رک گیا تھا۔حنزلہ کو یہ اشارہ تھا کہ آگے کا سفر اسکا اپنا ہے۔وہ دونوں اگلے کئی لمحے بس ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔دنیا میں بڑے بڑے مشکل کام ہیں لیکن "**الوداع** "کا امر آج بھی ان سب پہ فوقیت رکھتا ہے۔یہ لمحہ نہیں آنا چاہیے۔کسی بے حد عزیز شخص کو الوداع کہنے کا لمحہ نہیں آنا چاہیے۔

عین اسی پل گلی کے دونوں اطراف سے بندوقیں ہاتھ میں لئے لوگ اسی طرف چلے آ رہے تھے۔حنزلہ نے فوراً اپنی پستول سیدھی کی۔شادان کا جسم ہر حرکت جیسے بھول چکا تھا۔وہ چند لمحوں کے لئے کوئی رد عمل نہیں دے سکا۔

حنزلہ نے آگے بڑھ اسکا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے جانا چاہا مگر نہیں فرار ممکن نہیں تھی۔وہ گھیرے جا چکے تھے۔وہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے۔کسی نے آگے بڑھ کر حنزلہ کو بازو سے پکڑا تھا۔شادان کے جسم میں جیسے انگارے دوڑ گئے ہوں۔وہ اگلے منظر میں اس لڑکے پہ جھپٹ پڑا تھا۔وہ اسے لاتیں اور مکے مار رہا تھا۔ساتھ ساتھ چیخ رہا تھا۔

"تم نے اسے ہاتھ کیسے لگایا؟"اسے اپنی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔اسے لوگ نہیں دکھائی دے رہے تھے۔اسی پل لوگوں کے درمیان راستہ بنا۔کسی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر پسلیوں پہ ضرب مارتے ہوئے اس لڑکے سے دور ہٹایا۔اگلا منظر اس سے زیادہ جان لیوا تھا۔دائرہ جس سمت چھٹا تھا وہیں عین درمیان میں دو لوگوں کو لایا جا رہا تھا۔

حسن سلطان اور زبرج شاہ نواز۔

انکے ہاتھ انکی پشت پہ بندھے تھے۔انکے سر پہ بندوقیں تانی گئی تھیں۔شادان کو ہر مصیبت میں خدا کے بعد اگر کوئی یاد آتا تھا تو وہ زلطان تھا۔اس وقت بھی وہ پوری قوت سے اسکا نام پکار رہا تھا۔وہ جانتا تھا زلطان انہیں چھوڑ کر کہیں نہیں گیا ہو گا۔وہ جانتا تھا اسے آنا پڑے گا۔

زبرج نے خود کو چھڑوانے کے لئے اپنے صیاد کو ایک لات رسید کی تھی جس کے نتیجے میں ایک گولی چلی تھی۔وہ صرف ایک فائر نہیں تھا۔وہ بہت کچھ تھا۔شادان نے اول تو زلطان کا نام پکارا پھر زبرج کو خبر دار کیا۔گولی ایک بار پھر چلی۔

سید شادان شاہ کو اپنے ارد گرد موت رقص کرتے دکھائی دینے لگی۔

"جو انسان سمجھتا ہے کہ تخت صرف ایک انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہےوہ غلط ہے۔تخت کی کئ قسمیں ہیں۔اور انسان سے اسکے اپنے تخت کااحتساب ہو گا۔باپ ہے تو اس سے اولاد کی بری تربیت کا۔شہر کامیئر ہے تواس سے شہر کا احتساب ہو گا۔

ہر شخص اپنی جنت جہنم ساتھ لے کر گھومتا ہے۔انسان جب دنیا کے نشے سے باہر نکلنا چاہے تودنیا مزید رنگین ہوتی جاتی ہے۔جب وہ غلط کام اور گناہ چھوڑ دے تو یہی سب اسے مزید دلکش لگنے لگتے ہیں۔کیوں؟

کیونکہ دنیا سراب ہے۔دھوکہ۔وہ دھوکہ جو ابلیس دیتا ہے۔ابلیس کو بس دنیا تک کے اختیار ہیں۔وہ اسی کو سراب میں بدل سکتا ہے۔دجال کا فتنہ بھی محض دنیا کا ہے۔اور آگے کا معملہ اللہ اور انسان کا ہے۔یہ انسان کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ابلیس کے چکر میں آکر وقتی سراب کے پیچھے بھاگے یا پھر اللہ کے سچے وعدے پہ اعتبار کرتے ہوئے دنیا میں وہ عمل کرے جو چودہ سو سال پہلے متعین کئے گئے تھے۔

مسلمانوں وقت ہے اپنے اصل کی طرف لوٹ آؤ۔وقت ہے کہ اپنے تخت سے وفا نبھاؤ۔اس سے پہلے کہ مہلت ختم ہو جائے۔"

مولوی خطبہ ختم کر چکا تھا۔ان چار لوگوں نے یوں ظاہر کیا گویا کسی نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔موجودہ دور اندھے، گونگوں اور بہروں کی نگری ہے۔

چلتے چلتے انکے پیر تھک گئے تھے۔ہاتھ سن ہونے لگے تھے اور چہرے سے ٹکراتی سرد ہواؤں کے تھپیڑے کھال کو جیسے بری طرح کھینچ لیتے تھے۔وہ باغوں سے نکل آئے تھے۔اور اب انکے قدم ایک رہائشی علاقے کی طرف رواں تھے۔

عیسیٰ کی کلائی پہ بندھی گھڑی پندرہ منٹ کا فاصلہ بتا رہی تھی۔اسی پل عیسیٰ کے موبائل پہ مرید کا کوئی پیغام جگمگ کرنے لگا۔یہ نیٹ ورک کھل جانے کے دو منٹ تھے۔مرید اسے اپنی لوکیشن بتا رہا تھا۔وہ قریب تھے صرف ایک ہی گلی کے فاصلے پہ بے حد قریب۔

"ہمیں فلحال یہیں قیام کرنا ہوگا۔دس منٹ بعد نکلیں گے۔"عیسیٰ نے کہتے ہوئے انہیں ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔گرتی برف انکے قدموں کے نشانات کو غائب کرتی جا رہی تھی۔چند پل بعد عیسیٰ انکے ساتھ ایک بوسیدہ دروازے والی عمارت کے اندر داخل ہوا۔آس پاس خاموشی تھی۔

پھر یونہی انہیں ساتھ لئے تیز تیز قدم لیتا اندر کی جانب چلنے لگا۔وہ کوئی اسکول لگتا تھا۔میدان کے عین بیچوں بیچ پرچم پاکستان بلند تھا۔وہ انہیں لئے ایک چھوٹے سے کمرے میں چلا آیا۔اندازہ ہوتا

تھا کہ کسی وقت میں وہ کمرہ کینٹین رہا ہوگا۔فرش چکنا تھا اور دیواریں سیلن زدہ۔چپس اور جوس کے ڈبوں کے بڑے بڑے کاٹن اب بھی وہاں رکھے ہوئے تھے۔

وہ ایک بے حد تنگ جگہ تھی جسے کاٹھ کباڑ مذید تنگ کئے ہوئے تھا۔زلطان کے اندازے کے مطابق زبرج کے ٹانکے خراب ہو رہے تھے۔وہ کوئی پروفیشنل ٹریٹمنٹ تو تھا نہیں۔

وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہے تھے۔زبرج اور حسن آس پاس کا جائزہ لیتے رہے۔اور عیسیٰ چھوٹی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔برف بس برف اور صرف برف۔

"کیا یہ جگہ محفوظ ہے؟اسکول میں بچے نہیں آئیں گے؟"حسن کچھ دیر بعد بولا تھا۔

"اب یہاں بچے نہیں آتے۔"عیسیٰ سنجیدگی سے بولا۔

"یقیناًتم لوگوں نے انہیں اسکول سے نکال کر اپنی طرح بندوقوں کے ساتھ لگا دیا ہوگا۔"زبرج کے انداز میں تنفر تھا۔"جانتے ہو ہم دنیا سے پیچھے کیوں ہیں کیونکہ ہمارے پاس تعلیم نہیں ہے۔"

عیسیٰ مسکرایا۔تلخ،اور سرد مسکراہٹ۔

"یہ زور گڑھ کا واحد نجی اسکول تھا۔میں،جبل،بہرام ہم سب یہیں سے پڑھے تھے۔"وہ باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"عقیل صاحب بہت قابل انسان تھے۔اسلام آباد کے بڑے بڑے اسکولز انہیں ہائر کرنا چاہتے تھے مگر وہ زور گڑھ کے اس چھوٹے سے نجی اسکول سے اپنا خرچہ پورا کرتے رہے۔اسکائی ہائی پہ ہونے والے حملے کے بعد پولیس نے اس اسکول پہ ریڈمارا اور عقیل صاحب کو

اپنے اسٹاف سمیت گرفتار کر لیا گیا۔زور گڑھ کے سب سے عقل مند انسان پہ دہشت گردی کا الزام لگایا گیا۔اسکول پھر آباد نہیں ہو سکا۔دنیا میں عقیل صاحب بہت کم ہیں ناں۔“وہ منہ پہ جوتا مارنے والے انداز میں بول کر خاموش ہو گیا۔

اگلے کئی لمحے زبرج اور حسن کچھ کہہ نہیں سکے۔شرم و غیرت کی اتھاہ گہرائیاں تھیں جن میں وہ ڈوب گئے تھے۔یہ پہلی بار نہیں تھا۔زور گڑھ میں گزارے تمام دن ایسے ہی شرمناک تھے۔

”ویسے آپ نے پچھلے سال بلوچستان میں ڈیڑھ سو اسکولز کی تعمیر میں حصہ لیا تھا ناں؟دنیا آپ کو رہبر کے نام سے پکارنے لگی تھی۔مجھے ہیش ٹیگز یاد ہیں۔“عیسیٰ بھگو بھگو کر مارنے میں ماہر تھا۔وہ برف کا باسی تھا مگر اسکے الفاظ آگ کا تاثر رکھتے تھے۔”میں نے آپ کو ڈیڑھ ہزار ای میلز لکھی تھیں جن میں زور گڑھ کے اسکولز کا ذکر تھا۔“

یہ طعنہ نہیں تھا یہ بس سرسری بے حد سرسری سا ذکر تھا۔یہ وہ لمحہ تھا جب زبرج شاہنواز کے ہر بہانے پہ پانی پھر گیا تھا۔دنیا کی محبت میں اندھے شخص سے جیسے اسکی لاٹھی چھین لی گئی تھی اور وہ بری طرح زمین بوس ہوا تھا۔المیہ یہ ہے کہ دنیا اپنے گرے ہوئے کو نہیں اٹھاتی۔

اگلے کئی منٹ وہاں موت جیسی خاموشی رہی تھی۔کوئی کچھ نہ بولا۔”تم یہاں سے نکلنے کے بعد کیا کرو گے زبرج؟“حسن اس خاموشی سے اکتاتے ہوئے بہت دیر بعد بولا۔

”میں یواین کے اجلاس میں جا کر بہت سارے مسائل پہ بات کرنے والا ہوں۔“وہ رکا۔الفاظ مجتمع کیئے۔”میں زور گڑھ کے لئے بھی بات کروں گا۔“یہ فیصلہ وہ کب کر چکا تھا اسے علم نہ ہوا۔کھڑکی سے باہر کا جائزہ لیتے عیسیٰ نے گویا کرنٹ کھا کر اسے دیکھا تھا۔

”تم کنٹیکٹس کھو دو گے زبرج۔“حسن نے جیسے اسے خبردار کرنا چاہا۔”وہ لوگ جو تم سے رشوت لے کر تمھیں کروڑوں کے فنڈز اور پراجیکٹس دلواتے ہیں وہ تمہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیں گے۔دنیا کے لئے سیاہ رنگ میں ڈوبنے کو ہزار اور زبرج تیار کھڑے ہیں۔“

زبرج خاموشی سے اس چکنے فرش پہ بیٹھا اپنے آس پاس تکتا رہا۔گہری بھوری آنکھیں خاموش تھیں۔

”تم جانتے ہو دانین نے مجھے کیوں چھوڑا؟“حسن نے نہیں پوچھا کیوں، مگر وہ خود ہی کہنے لگا۔”میں خود کو بہت بڑا سمجھنے لگا تھا۔مجھے لگتا تھا دنیا میں رہنے کے لئے آپ کو گُر آنے چاہیے۔میں اسے اپنے جیسا بنانا چاہتا تھا۔شاطر، مکار، غاصب۔مجھے وہ جب بھی پھولوں کے ساتھ نظر آتی مجھے میرے مستقبل میں کانٹے نظر آتے تھے۔مجھے لگتا تھا جیسے وہ میرے بیٹے کو بھی اپنے جیسا کم عقل اور دنیا سے بے پرواہ بنا دے گی۔“

”پھر تم نے کیا کیا؟“سوال عیسیٰ کی طرف سے آیا تھا۔زبرج نے گردن جھکا دی۔

"ہر مشرقی مرد کی طرح میں نے اسے **"بتانا"** شروع کر دیا کہ وہ کتنی عام ہے۔اسکا کام کتنا **"غیر ضروری"** ہے۔اسے وہ کرنا چاہیے جو اسکا **"شوہر"** چاہتا ہے۔چاہے وہ غلط ہو یا صحیح۔عورت مار سے بچ جائے تو زبان سے مرجاتی ہے اور میں نے اسے مار دیا۔"ٹھوڑی جیسے سینے سے آن لگی۔اپنے گناہ کا اعتراف مشکل امر ہوتا ہے۔

"کئی بار ہم اتنے one dimensional کیوں ہو جاتے ہیں؟"اس نے جیسے خود سے سوال کیا تھا۔

عیسیٰ نے چہرہ دوبارہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔مگر چہرے کے تاثرات اب کے یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔وہ انہیں مختلف زاویے سے پرکھتا رہا تھا،آج وہ اسے عام انسان لگے تھے۔اسی پل اسکی مدھم مگر مدبر آواز اس چھوٹے سے کینٹین میں گونجی۔

"کچھ لوگوں کو تخت مل جائیں ناں تو انکی گردن میں غرور کی نادیدہ زنجیر لٹکتی جاتی ہے۔کچھ فصیح اور اہل ایمان ہوتے ہیں جنہیں وہ زنجیر نظر آنے لگتی ہے اور وہ ایک درست وقت پہ اسے کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جن پہ دنیا کی چکاچوند چھاجاتی ہے۔پیسہ بڑا کمبخت ہے جس کے پاس ہو اسے اپنے عیب خوبی لگتے ہیں۔جن لوگوں کے گرد کوئی ایک ایسا انسان بھی نہ ہو جو انہیں غلط کہے انہیں سمجھ جانا چاہیے تخت بیٹھنے کی جگہ ہے،گردن سے لٹکتا پٹا نہیں۔"

اگلے کئی لمحے وہاں موت جیسی خاموشی رہی تھی۔ پھر چند منٹ بعد عیسیٰ کھڑکی سے ہٹا۔ اور انکی طرف دوبارہ مڑ کر دیکھا۔ ان میں سے ایک کے چہرے پہ جیسے اطمینان تھا۔ وہ حسن سلطان تھا۔ معراج سلطان کا بیٹا۔ نیک سیرت، ہمدرد، نرم دل۔ وہ جس پہ دنیا اپنا رنگ نہیں چڑھا سکتی تھی۔ ایسا اسے لگتا تھا۔ کیا تمھیں بھی؟

دوسرا زبرج شاہنواز تھا جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا۔ ان پانچ دنوں میں جو تاویلیں وہ اپنے لئے اور اپنے سیاہ ہوتے دل کے لئے گڑھے بیٹھا تھا وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں جل کر خاکستر ہوئیں تھیں۔ اسے اپنے اندر اٹھتی تبدیلی سے خوف آیا۔

"یہ تبدیلی اگر شروع کرنی تھی تو اس تہہ خانے سے کرنی تھی۔ جہاں تمھارے دوست زندگی اور موت کے درمیان تھے اور شاید اس وقت بھی ہوں۔ تمہیں زور گڑھ کے نہ پڑھ سکنے والے بچوں پہ ترس آرہا ہے اور اپنے دوستوں کا کیا جو شاید اس وقت بہرام خان کی گولی کا نشانہ بن چکے ہوں گے۔" حسن بے حد تلخی سے بولا تھا۔ اسکے لہجے میں تنفر تھا۔

زبرج نے اب بھی گردن نہیں اٹھائی۔ بس اسکے لب دھیرے سے پھڑپھڑائے تھے۔

"تم چاروں یہاں سے صحیح سلامت واپس جاؤ گے۔"

"ہمیں اب چلنا چاہیے۔" عیسیٰ کھڑا ہوا۔ حسن کو کچھ بھی کہنے کا ارادہ اس نے ترک کیا تھا۔

مجھے میرے دوستوں کے پاس جانا ہے۔" زبرج کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

”معذرت مگر زور گڑھ آپ کی جاگیر نہیں، یہاں آپ کے قدم اس طرف اٹھیں گے جہاں میں چاہوں گا۔یا پھر وہاں جہاں ایجنٹ چاہے گا۔“

”میں ایجنٹ کے کسی حکم کا پاسدار نہیں۔“زبرج تندہی سے بولا۔

”میں تو ہوں۔“عیسیٰ دوبدو بولا۔اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔طیش سے اسکے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

”وہ میرا خاندان ہے۔تم اور تمہارا پورا زور گڑھ انکو مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔انکو اپنے ساتھ لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔“

”کیوں نہیں جاؤ گے۔"عیسیٰ نے اسکے سینے پہ دھکا دیا۔۔۔”اس وقت تمھیں آخر وہ لوگ کیوں یاد آرہے ہیں۔ڈر لگ رہا ہے ناں؟ڈر رہے ہو ناں کہ کہیں ہم میں سے کوئی ان پہ وہی الزام نہ لگا دے جو اسکائی ہائی حملے کے وقت ہم پہ لگا تھا؟اور فرض کرو ہم نے وہ الزام لگا دیا تو کیا کرو گے تم؟“زبرج کی آنکھوں میں بے چینی بھرنے لگی۔

عیسیٰ نے زبرج کو دیوار کے ساتھ لگایا اور اپنی کہنی اسکی گردن پہ رکھ دی۔حسن چپ چاپ انہیں دیکھ رہاتھا۔

”اب بتاؤ کیا کرو گے تم؟تم اس وقت بھی خاموش رہے تھے زبرج۔تم کیااب بھی خاموش رہو گے۔اگر تم اب بولے توخدا کی قسم تمھیں زندہ گاڑ دوں گا۔“وہ چیخنے لگا تھا۔اسے غصہ آرہا تھا اسے رنج ہوا تھا ملال بھی۔کئی جذبات تھے جو یکدم اس پہ وارد ہوئے تھے۔

”میں باقاعدہ اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ تمھارے سارے دوست بہرام کے ہاتھ لگ جائیں۔اور وہ ایک ایک کو گولیوں سے بھون دے۔“

”اگر تم لوگوں نے میرے خاندان کو ہاتھ بھی لگایا تو میں پورے زورگڑھ کو جلاؤں گا۔“زبرج اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا۔اور ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کروایا۔

”وہ اگر خود کو بدل رہاہےتو تمہیں اسکی بات سنی چاہیے۔تم لوگوں کو آخر وکٹم بننے کا اتنا شوق کیوں ہے؟“حسن تیز لہجے میں بولا تھا۔عیسیٰ نے رخ بدل کر اسے دیکھا۔اسکی سرخ انگارا ہوتی آنکھیں جیسے بھسم کرنے کی طاقت رکھتی تھیں۔

”ہمیں وکٹم بننے کا شوق ہے تو تمہیں کس بات کا شوق ہے میں بتاؤں؟حسن سلطان تم سفید بھیڑوں کے درمیان ایک کالی بھیڑ ہو۔ہاں یہ لوگ تم سے زیادہ سفید ہیں کیونکہ یہ چار لوگ برملا خود کو جھوٹا،کرپٹ،مکار سب کہتے ہیں۔اور تم؟تم اپنے ایک بھی گناہ کو own نہیں کرتے۔کیا تم کرتے ہو؟“

حسن آنکھوں میں اچھنبا لئے اسے دیکھتا رہا۔ذہن کے پردوں پہ بے تحاشا زور ڈالنے پہ بھی اسے یاد نہ آیاکہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہو یا پھر اپنی پاورز کا بے دریغ ،ناجائز فائدہ اٹھایا ہو۔

”میرے باپ نے مجھے ہمیشہ اچھائی کا درس دیا تھا اور میں نے اپنے باپ کی ایک ایک بات کو اپنے دل پہ لکھا ہے۔“عیسیٰ کی نگاہوں کا تمسخر اسکی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"تمہارا گناہ یہ ہے کہ تم نیوٹرل ہو۔ تم رشوت نہیں لیتے لیکن اپنے راشی دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹھٹھے لگاتے ہو۔ تم جھوٹ نہیں بولتے لیکن جو جھوٹ بولتے ہیں انہیں پہلو میں لئے گھومتے ہو حلانکہ تم انکے جھوٹ کی وجہ سے پھیلے شر سے بھی واقف ہو۔" حسن سلطان کو جیسے بھرے بازار میں برہنہ کر دیا گیا ہو۔ وہ چند لمحوں کے لئے ششدر رہ گیا۔

"تمہارا اتنا بڑا سرکل ہے اور سارے سرکل میں ڈھیروں لوگ ہیں جو سیاہ ہیں۔ تم انہیں کبھی نہیں بتاتے کہ وہ غلط ہیں۔ لوگوں کا حق کھانا غلط ہے۔ لوگوں کے متعلق بہتان باندھنا غلط ہے۔ تم غلط کام نہیں کرتے لیکن تمہارے اچھے کام بھی اس وقت کھوٹے ہیں جب تم ناانصافی دیکھ کر خاموش رہ جاتے ہو۔ تمھارے باپ نے تمھیں ناحق کے خلاف بولنا سکھایا ہوگا۔ تم کیا کرتے ہو؟ اپنا الو سیدھا کیا اور چل دیئے۔ پھر چاہے تمھارے ساتھی، جاننے والے لوگوں کو ماریں انکے حق کھائیں۔" عیسیٰ تیز ہوتے تنفس کے ساتھ بس بول رہا تھا۔ حسن سلطان مانند تاریک پڑتا چہرہ لئے اسے سن رہا تھا۔ یہ کیسا طمانچہ تھا جو اسکے منہ پہ لگا تھا۔ یہ کیسا آئینہ تھا جس میں اسے اپنا ہی چہرہ بے حد مکروہ نظر آیا تھا۔

"مومنین کے ساتھی بھی مومن ہوتے ہیں اور اگر نہیں ہوتے تو وہ کوشش ترک نہیں کرتے۔ مومن چپ نہیں سادھ لیتا۔ مومن تخت پہ بیٹھ کر بس اپنے اعمال درست نہیں کرتا وہ ان لوگوں کو بھی خود میں شامل کر لیتا ہے جو سیاہ کار ہوں۔ نیکیاں تو بانٹی جاتی ہیں۔ حق کی سچی بات پھیلائی جاتی ہے۔ تم اس معاملے میں بخیل ہو حسن سلطان۔ میرے لئے یہ چار لوگ تم سے زیادہ اچھے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ ایک سائیڈ لی ہے۔ تمہاری طرح نیوٹرل نہیں رہے۔"

وہ بول بول کر تھک گیا۔گردن کی نسیں تک پھڑکنے لگی تھیں۔حسن چپ چاپ مردہ ہوتی آنکھیں لئے دیوار کو تکتا رہا۔زبرج نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا،خدشہ یہ تھا کہ وہ بھربھری دیوار کی طرح ڈھے ہی نہ جائے۔وہ واقعی ڈھے چکا تھا۔

”میں ۔ ۔ ۔ ۔ “اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اسکے الفاظ حلق میں ہی دب گئے۔اسکول کا دروازہ توڑتے ہوئے بہرام اور اسکے ساتھی اندر آئے تھے۔عیسیٰ چلانے لگا تھا۔وہ انہیں لے کر وہاں سے نکلنا چاہتا تھا مگر وہ دونوں مزاحمت کئے بغیر وہیں کھڑے رہے۔شل،ساکت۔زور گڑھ نے صرف جسم پہ وار نہیں کیا تھا یہاں آ کر بدلنے والے انکے دل بھی تھے۔

انکے سروں پہ بندوقیں رکھ کر انہیں آگے چلنے کو کہا گیا۔اگلے کئی لمحات سلوموشن میں گزرے۔وہ بہرام کے ساتھیوں کے ساتھ چلنے لگے۔حسن کو لوگوں کے ہونٹ ہلتے محسوس ہو رہے تھے الفاظ اسکے ذہن میں جذب نہیں ہوتے تھے۔وہ انکی گردن اور پیٹھ پہ ضرب لگا رہے تھے کیوں وہ نہیں جانتا تھا۔اگر کچھ یاد تھا تو یہ کہ اس نے اپنے باپ کے الفاظ کے ساتھ بے وفائی کی تھی۔وہ اسے گالیاں بک رہے تھے کیوں۔اسے فرق نہیں پڑتا تھا اسے بس یہ معلوم تھا کہ مومنین کی صف میں سے دھکے دے کر نکالا گیا تھا۔

زبرج شاہنواز لب بھینچے انکے ساتھ چل رہا تھا۔اسے اپنے لوگوں تک جانا تھا۔وہ انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا۔کہیں وہ پکڑے تو نہیں گئے؟یہ سوچ ہی اسکے دل میں میخیں گاڑھ دیتی تھی۔

چند پل بعد حسن سلطان نے آنکھیں جھپک کر اپنے آس پاس دیکھا۔وہ ایک بڑا سا میدان تھا۔جس کے عین بیچوں بیچ سید شادان شاہ کھڑا تھا۔وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔کئی سال بعد نگاہوں میں وہ بے قراری تھی جو ایک دوست کی آنکھ میں ہونی چاہیے تھی۔جو ایک اچھے انسان کے پاس دوسرے انسان کے لئے ہونی چاہیے۔وہ انکے لئے فکر مند تھا۔

اسی پل شادان چیخا تھا۔اس نے کئی سال بعد دوست کو پکارا۔وہ دوست جو ہر بار،ہر جگہ آجایا کرتا تھا۔اسی پل ایک گولی چلی۔آسمان کی جانب۔دھات کا ذرا واپس آ کر برف پہ گرا۔

زبرج نے نگاہیں گھمائیں۔میدان کی دائیں طرف نکلتی گلی سے زلطان صفدر آ رہا تھا۔اسکا تنفس پھولا ہوا تھا۔وہ بے قرار تھا۔اسکے ساتھ زخرف تھی۔وہ گلابی پڑتی آنکھیں لئےاپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔صرف اپنے دوستوں کے لئے فکرمند۔وہ جان دینے اور جان لینے کے درجے پہ آ گئے تھے۔

وہ پانچ لوگ اکھٹے ہو گئے تھے۔وہاں جہاں ہر اور نفرت پھیلی تھی۔وہاں جہاں انکی جان کو خطرے لاحق تھے۔وہاں جہاں انکے درمیان کوئی منحرف موجود تھا۔کوئی نفرت کوئی آگ کوئی انحراف ان پانچ لوگوں کو نہیں توڑ سکتا تھا۔وقت کا کوئی دروازہ انکے درمیان خلیج پیدا نہیں کر سکتا تھا۔

باب دہر نے خاندان دوبارہ جوڑ دیا تھا۔

”گیارہ جنوری۔“

"وقت صبح گیارہ بجے۔"

(گزر چکی رات کا ذکر ہے۔ایجنٹ دیوار پہ نصب بڑی بڑی سکرینز کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھا ہوا تھا۔اسکی نگاہیں پر سوچ تھیں۔جبل عین اسکے عقب میں فرش پہ بیٹھا تھا۔

اسکی نگاہوں میں گہری چمک تھی۔ایجنٹ نے اسے ایک سیدھا سیدھا پلان سنا دیا تھا۔وہ اسی پلان کے لئے ایک فوج بھی اکٹھی کر چکا تھا۔وہ زور گڑھ کے چند وفاداروں سے انکی وفاداری خرید چکا تھا۔مگر کچھ تھا جو اسے ادھورا لگ رہا تھا۔جبل خان کے انداز،ہاں وہاں کچھ تھا۔کوئی انحراف سا۔

"یہ پلان کامیاب رہے گا ہے ناں جبل؟"

"آپ کے پلانز ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں ایجنٹ۔"وہ عقیدت سے بولا۔

"کیا تم مطمئن ہو؟"

"میں آپ کے فیصلوں سے ہمیشہ مطمئن ہی رہا ہوں۔"یہ الفاظ،یہ لہجہ ایجنٹ کے لئے یہ عقیدت نئ نہیں تھی۔

"میرا خاندان ونڈر لینڈ پہنچ جائے گا ہے ناں؟"

"انہیں جبل خان بذات خود ونڈر لینڈ لے جائے گا۔آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟"

اب کے ایجنٹ خاموش رہا۔بات اعتبار کی نہیں تھی۔بات لفظوں کی بناوٹ کی تھی۔کچھ تھا جو اسے بے حد کھٹکا تھا۔اسے جبل خان کے متعلق غلط فہمیاں نہیں ہوتی تھیں۔۔)

صبح کے گیارہ بجے کا وقت بھی رات کے گیارہ بجے کا سماں لگتا تھا۔آسمان سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔برف جیسے آج نہ گری تو پھر کبھی نہیں گرے گی۔

میدان میں اس وقت پانچ لوگ تھے۔دو کے سر پہ بندوق تانی گئی تھی۔زبرج اور حسن۔

دو کی گردن کے عقبی حصے کو پستول کی ٹھنڈی نال چھو رہی تھی۔انکے ہاتھ ہوا میں بلند تھے۔زخرف اور زلطان۔

ایک کے سینے کا نشانہ لئے ہوئے کئی بندوقیں تھیں۔مگر وہ براہ راست انکے لیڈر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔سید شادان شاہ۔یہ بےخوفی اس نے کمائی تھی۔

"تم سب ابھی اور اسی وقت وہ کام کرو گے جو ہم چاہتے ہیں۔"پستول ہاتھ میں لئے بہرام آگے آیا۔لوگ گھروں کی کھڑکیوں اور چھتوں پہ جمع ہونے لگے تھے۔آج سارا زور گڑھ اپنے مجرمین کی اولادوں کی بے بسی کا تماشہ دیکھنے والا تھا۔

"بہرام ہم تمہارا اور زور گڑھ کا مسئلہ حل کریں گے۔تم ایک بار ہمارا پلان سن لو۔"زلطان صفدر تحمل سے بولا تھا۔

"میں تمہارا کیس لڑوں گی۔میرے کنٹیکٹس ہیں جو تم چاہتے ہو سب ہو جائے گا۔پلیز یہ گن ہٹاؤ اور ہم سے بات کرو۔"زخرف کا انداز صلح جو تھا۔

"تم اب اپنے مرے ہوئے باپ کا کیس لڑنا بی بی۔ہمیں جو چاہیے وہ ہم اپنے طریقے سے لے کر رہیں گے۔"بہرام ناگواری سے بولا۔

"تمیز سے بات کرو تم۔"حسن نے اسکی گرفت میں مزاحمت کرتے ہوئے سختی سے کہا۔"عورتوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے تم میں؟"

"ہے . . . بلکل ہے۔لیکن عورت عزت کرنے کے لائق بھی تو ہونی چاہیے۔"بندوقیں تانے کھڑے لڑکوں میں سے کسی ایک نے ہانک لگائی تھی۔

زلطان صفدر نے مٹھی بھینچ کر ضبط کیا۔شادان اور زبرج نے لب بھینچ لئے۔یہ اب انکی برداشت سے باہر ہونے لگا تھا۔

"اسکی کیا عزت کریں جو پانچ دنوں سے چار مردوں کے ساتھ ایک جگہ رہ رہی ہے۔"بہرام پستی کی انتہا کو پہنچا اور اسی پل حسن سلطان نے کہنی مار کر اسے پیچھے کیا۔اور پھر اس پہ بس نہیں کی گئی۔وہ اسکے ہاتھ سے کس برق رفتاری سے گن جھپٹ چکا تھا کسی کو علم نہیں ہوسکا۔اسکا ایک ہاتھ مفلوج تھا اسے اسکی بھی پرواہ نہیں تھی۔کہاں کا غصہ کہاں نکلنا تھا اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا۔

دوسری طرف حنزلہ نے کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ پاتے ہوئے اپنی گن شادان کی طرف بڑھائی۔لوہا اسکے ہاتھ کی جلد سے ٹکرایا تو شادان نے جیسے چونک کر اسے دیکھا۔وہ آنکھوں کے اشارے سے اسے پستول لینے کا کہہ رہی تھی۔شادان انکار کرنا چاہتا تھا۔مگر . . . .

"anything for solidarity "

وہ بے حد آرام سے بولی۔شادان نے تیزی سے اس سے پستول جھپٹی اور اسکا رخ گھما کر اسی کی گردن پہ رکھ دی۔دور زمین پہ گرے بہرام کا سانس جیسے سینے میں اٹک گیا تھا۔حسن کو مارنے کا

ارادہ ترک کرتے ہوئے وہ اٹھااور دیوانہ وار اپنی بہن کی اور بڑھا مگر شادان پستول کو ہوا میں بلند کر کے ایک فائر کر چکا تھا۔ بہرام کو اپنی جگہ پہ رکنا پڑا۔باقی سب بندوقیں سیدھی کئے بہرام کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔ صرف ایک اشارہ صرف ایک۔ مگر نشانے چوک بھی جاتے ہیں یہ بہرام کو علم تھا۔

"تمہارا معملہ مجھ سے ہے۔ حنزلہ کو اس سب سے دور رکھو۔بندوق ہٹاؤ اس سے۔ہم بات کر سکتے ہیں۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑے کھڑے چلایا۔

"تمہارا معملہ بھی ہم سے تھا زخرف کو بیچ میں کیوں لائے؟" شادان اس زیادہ بلند آواز میں غرایا۔"تمہیں لگتا ہے تمہارے ہاتھ میں بندوق ہے تو کسی پہ بھی کوئی بھی بات کر لوگے۔ہمارے ساتھ آئی لڑکی پہ بات کروگے تم؟" وہ حانی کی گردن پہ بندوق رکھے اپنی جگہ سے ہٹ رہا تھا۔وہ زلطان کی طرف جا رہا تھا۔زخرف اور زبرج اس پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔حنزلہ چپ چاپ اسکے ساتھ چل رہی تھی۔شادان کا بازو اسکی گردن دبا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں معافی مانگتا ہوں۔بندوق ہٹاؤ۔" بہرام کا بس نہیں چلتا تھا وہ اسکے پیروں میں گر پڑے۔ حنزلہ اسکی بہن نہیں اولاد تھی۔

"یہ کچھ نہیں کرنے والا سب ڈرامہ ہے۔" مجمعے میں سے کوئی چلایا۔"بہرام خان مرد بنو مرد۔"

شادان نے پستول حانی کی گردن سے ہٹا کر اپنی بائیں طرف کھڑے عیسیٰ کے پیر کا نشانہ لیا اور اگلے ہی لمحے عیسیٰ کی چیخیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔بہرام تو بہرام شادان کے اپنے دوست بھی

ہکا بکا رہ گئے تھے۔حنزلہ کے دل پہ جیسے کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔عیسیٰ اسکا چھوٹا بھائی تھا۔اور حنزلہ وہ اس سے ایسی سفاکی کی امید نہیں رکھتی تھی۔

"anything for solidarity" شادان دھیرے سے اسکے کان کے پاس بڑبڑایا۔حنزلہ بس اپنے بھائی کو درد سے تڑپتے دیکھتی رہی۔درد خود کو ہو تو سہا جاتا ہے۔کسی عزیز کو ہو جھیلا جاتا ہے۔اور اس وقت وہ اس درد کو جھیل نہیں پائی۔عیسیٰ کے گرد کئی لوگ جمع ہونے لگے۔

"اپنی بندوقیں نیچے پھینکو۔"اسکے اگلے حکم پہ بہرام نے ہاتھ میں پکڑی دوسری بندوق نیچے پھینک دی تھی۔باقی سب کو اب وہ چیخ چیخ کر بندوق نیچے کرنے کو کہہ رہا تھا۔

"اب تم سب ایک طرف ہوجاؤ۔میں اور میرے دوست یہاں سے نکل جائیں گے اور تم لوگوں میں سے کوئی مزاحمت نہیں کرے گا۔"شادان نے کہتے ہوئے اپنے پیر سے عیسیٰ کی چھوڑی ہوئی پستول زلطان کی طرف بڑھائی۔وہ اپنے عقب میں کھڑے لوگوں کی پرواہ کئے بغیر جھک کر فوراً پستول اٹھا گیا تھا۔

اسکے پستول اٹھانے کی دیر تھی اور اسکے عقب میں کھڑے دونوں مردوں نے ہاتھ اٹھا لئے ۔زلطان نے ان میں سے ایک کو پستول کے اشارے سے آگے کیا۔مجمعے میں سے کسی نے اندھا فائر کھولا تھا۔بجلی کی سی تیزی سے زلطان اپنے ساتھ کھڑی زخرف اور ایک آدمی کو لئے جھک گیا۔انکے ساتھ کھڑے دوسرے آدمی کے بازو پہ تین گولیاں لگیں۔وہ تینوں گولیوں کے درد سے

تڑپتے نیچے جھک گیا تھا۔برف سفید نہیں رہی تھی،وہ خون سے بھرنے لگی تھی۔مجمعے میں بے چینی بھرنے لگی۔

شادان نے جوابی وار میں حنزلہ پہ گرفت سخت کی تھی۔وہ گرفت جیسے بہرام کی گردن پہ سخت ہوئی تھی۔

”لعنت تمہاری شکل پہ ملعون انسان۔“بہرام فائر کرنے والے پہ چیخا تھا۔ساتھ پیچھے مڑ اسکے منہ پہ دو مکے دے مارے۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ بڑا سا میدان جہاں صرف سفید برف تھی اب دو لوگوں کے خون سے بھرنے لگا تھا۔بہرام کے ہاتھ سے سب کچھ پھسل گیا تھا۔

زلطان نے سیدھے ہوتے ہی اپنے ساتھ جھکنے والے لڑکے کے اوپر بندوق تان لی تھی۔بہرام خان کو جیسے حالات واقعی اپنے ہاتھوں سے نکلتے محسوس ہونے لگے تھے۔وہ بے بسی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو ایک لمحے میں پاسا پلٹ چکے تھے۔شادان اور زلطان اب کمر جوڑے ہوئے تھے۔حسن اور زبرج اپنی جگہ سے انہیں دیکھ کر ان حالات میں بھی مسکرائے۔وہ ساتھ ہوں تو انہیں کوئی نہیں توڑ سکتا تھا۔

”تم سب ادھر آؤ گے۔اس گھر میں سب کے سب۔“زلطان گلی کے اختتام پہ بنے ایک گھر کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس کے آگے یہ میدان تھا۔وہ پندرہ سے بیس مرد استہزاء سے انہیں دیکھ رہے تھے۔جیسے وہ مر کر بھی انکا حکم نہیں ماننے والے تھے۔

"اگر میں اپنے دوسرے سالے کو بھی گولی ماروں تو ہمارے رشتے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟" شادان حنزلہ کے کان کے پاس جھکا۔

"تم . . . " اس سے پہلے وہ کچھ کہتی زلطان بہرام کے بازو کا نشانہ لے چکا تھا۔ گولی اسکے بازو کو چھو کر گزری اور وہ گھٹنوں کے بل گرا۔ وہ لیڈر تھا اسکے ساتھ گرنے والے کئی حوصلے بھی تھے۔

"میں تمھارے مسئلے باخوشی اپنے سر لینا پسند کروں گا۔" زلطان فائر کرتے ہوئے سکون سے بولا۔ بہرام کے گرتے ہی حسن نے جھک کر اسکی پستول اٹھائی۔ اور مجمعے کی طرف تان لی۔ زبرج، زخرف کی طرف بھاگا تھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر وہ بھی زلطان اور شادان کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا۔ چار لوگ ایک ساتھ پانچواں انکے سامنے۔ خاندان مکمل تھا۔ اسے مکمل ہونا ہی تھا۔

حسن سلطان کی پستول پہ گرفت ڈھیلی تھی اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ مگر وہ اپنے دوستوں کی طرف پشت کئے بندوق دشمنوں کی طرف تانے ہوئے تھا۔ اس نے آج تک یوں کسی پہ پستول نہیں تانی تھی۔ بہرام نے انہیں جھکنے کو کہا، ہتھیار چھوڑنے اور اس گھر کی طرف جانے کو کہا۔

اگلے چند منٹ میں وہ ان بیس افراد کو اسی ایک گھر میں بند کر چکے تھے۔ دروازے پہ تالا چڑھاتے ہوئے زبرج شاہنواز فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ انکی طرف مڑا تھا۔ اسی پل شادان نے حنزلہ پہ اپنی گرفت ڈھیلی چھوڑی اور شاید غلطی کی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے مڑی پستول اسکے ہاتھ سے لی اور دستہ پوری قوت سے اسکے سر پہ دے مارا۔ شادان پوری شدت سے کراہا تھا۔ خون فوارے کی مانند اسکے ماتھے سے نکلا تھا۔ وہ لب بھینچ گیا۔ سر بری طرح چکرا کر رہ گیا۔

"میرے بھائیوں کو ہاتھ کیسے لگایا تم نے؟"

"ہاتھ کب گولی لگائی تھی۔" حسن نے تصیح کی۔باقی تین لوگوں نے اپنے گروپ کے سب سے رعبدار اور ضدی لڑکے کو ایک عورت سے مار کھاتے دیکھ نظریں چرائیں۔انہوں نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں۔حنزلہ نے اسی قوت سے دستہ حسن کے ماتھے پہ مارا۔اسکی چیخیں عرش تک گئیں۔

"میری طرف سے انکار ہے۔تم ذرا شامل ہو کر دکھاؤ ہم میں۔" وہ چلایا۔ساتھ اپنا ہاتھ ماتھے پہ رکھا کہیں خون تو نہیں نکل آیا۔

شادان بس ماتھے کو سہلاتا رہا بولا کچھ نہیں۔حنزلہ کا تنفس پھول گیا تھا۔وہ اسے غصے میں دیکھتا رہا۔

"اب اپنے باپ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا ہے یا بھاگنا ہے؟" وہ ان پانچوں کو وہاں ایستادہ دیکھ ایک بار پھر غرائی۔جی تو چاہا تھا ایک ایک پہ فائر کھولے۔

ان پانچوں نے مزید عزت افزائی کا پروگرام ملتوی کرتے ہوئے حنزلہ کی تقلید میں قدم اٹھائے۔بلاخر وہ زور گڑھ سے باہر نکل رہے تھے۔ایک ساتھ۔

("مجھے سمجھ نہیں آ رہا جبل،اگر یہ پلان ناکام ہوگیا تو کیا ہوگا؟" ایجنٹ مسلسل اپنی کرسی کو جھلاتے پریشانی سے بولا۔اسکے ماتھے پہ تفکر کی لکیریں تھیں۔

"میرے پاس بیک اپ پلان ہے ایجنٹ۔"

"واقعی؟" اسکی آنکھوں میں رنگ اترے۔ "بتاؤ مجھے میں اسکے جھول فکس کرتا ہوں۔" وہ کرسی سے اتر آیا۔ وہ بے قرار تھا۔ زور گڑھ سے زیادہ وہ اپنے اس خاندان کے لئے بے قرار تھا۔

"اس بار نہیں ایجنٹ . . . . بس آپ مجھ پہ بھروسہ رکھیں۔ آپ کہتے ہیں ناں میں عظیم ہوں۔ میں ثابت کر کے دکھاؤں گا۔"

"دیکھو جبل میں جانتا ہوں میرے دوستوں کا کہیں نہ کہیں تھوڑا بہت قصور ہے لیکن ہم انہیں مار نہیں سکتے۔" وہ اسکے قریب فرش پہ آ کر بیٹھا۔ ایجنٹ آج تک فرش پہ نہیں بیٹھا تھا۔ اپنے خاندان کے لئے ایک اور کام۔ جبل کی آنکھوں میں تمسخر بھر گیا۔

"ہم انہیں نہیں ماریں گے ناں جبل؟" وہ کسی بچے کی طرح تصدیق چاہتا تھا۔

"ہرگز نہیں ایجنٹ۔ وہ چاروں یہاں سے زندہ واپس جائیں گے۔ یہ جبل خان کا وعدہ ہے۔"

ایجنٹ کے دل کو تقویت ہوئی۔ جبل خان کی طرف سے اگر کوئی وہم، کوئی خدشہ تھا بھی تو وہ ابدی نیند جا سویا۔ اسکے دوست زندہ واپس جائیں گے۔ (کیا واقعی؟))

وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے گلیوں میں اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ سمت کا تعین صرف اور صرف حنزلہ جانتی تھی۔ کیا ستم تھا کہ وہ اپنے دشمن پہ اعتبار کرنے کے لئے مجبور تھے۔ کئی بار انہیں رکنا پڑا تھا۔ اب وہ سب تندرست اور پہلے کی طرح نارمل انسان نہیں تھے۔ انکا جسم انہیں "سب" کرنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد رکنا پڑتا تھا۔

سخت سردی میں یوں بھاگتے بھاگتے انہیں پسینے آنے لگے تھے۔قدم جیسے زنجیر ہو رہے ہوں اور سر ان یخ بستہ ہواؤں سے بری طرح دکھنے لگا تھا۔جسم کے اکڑنے سے زخموں میں ایسا درد اٹھتا تھا کہ الامان۔بھاگتے بھاگتے انہیں ایک جگہ رکنا پڑا۔زبرج کے پیر کے ٹانکے کھل گئے تھے اور اب ان سے خون رس رہا تھا۔حسن سلطان کا بازو بھی بری طرح دکھ رہا تھا۔زخم تو ان سب کے چہروں اور جسم پہ تھے اور ان میں اٹھتا درد بھی خدا کی پناہ۔ ۔۔۔۔۔

"تھوڑی ہمت کرو زبرج۔بس تھوڑا اور۔ہم اس پل تک پہنچنے والے ہیں۔"زخرف اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے تسلی دینے لگی۔زلطان آگے بڑھا اور ہتھیلی اسکے سامنے پھیلائی۔زبرج نے تھکے تھکے انداز میں اسے دیکھا۔زلطان نے اسکی طرف پیٹھ کر دی۔دوستوں کے سامنے کمزور پڑنے والے ایسی طاقت پاتے ہیں کہ دنیا یاد رکھتی ہے۔چند پل بعد وہ زلطان کے کندھے پہ سوار تھا۔اور وہ بھاگنے کی بجائے چل رہے تھے۔شادان نے اپنی شال اتار کر حسن کے اوپر ڈال دی تھی۔شاید گرمائش سے اسکا زخم کم درد کرتا۔لندن میں بیتے وہ سال جیسے واپس آگئے ہوں۔دہر ان پہ عجیب انداز میں مہربان ہوا تھا۔ایسے کہ رونا اور ہنسنا ایک ساتھ آئے۔چوڑی لمبی گلی میں چلتے ہوئے وہ لوگ کسی کہانی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

"کبھی مجھے تو ایسے اٹھا کر نہیں چلے تم۔" حسن نے چلتے ہوئے شکوہ کیا۔

"تمہارے بازو پہ گولی لگی ہے۔سینے میں نہیں۔"زلطان کی بجائے زخرف نے جواب دیا۔

”اسکے سینے میں گولی لگتی یہ مر جاتا تو میں زلطان کو اسکی لاش بھی نہ اٹھانے دیتا۔زندہ سلامت کو اٹھانا پھر الگ بات ہے۔“شادان نے بے پر کی اڑائی۔شاید اسے یاد آگیا تھا کہ حسن انکے گروپ میں "گھس" آیا تھا۔

”اگر یہ مسخرے بازی ختم ہو گئی ہو تو ہم جلدی جلدی چلیں؟“حنزلہ چلتے چلتے پیچھے مڑی۔اور سخت طیش سے بولی۔شادان اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ اسے سمجھ سکتا تھا۔اسکے سامنے اسکے دو بھائیوں کو گولیاں لگی تھیں۔اسکا یہ رد عمل بنتا تھا۔

”میں نے جو گولی بہرام کو ماری تھی وہ بس اسے چھو کر گزری ہے آپ فکر مت کریں۔“زلطان نے اسے تسلی دی۔

حنزلہ زخمی شیرنی کی طرح مڑی تھی۔

”اب آپ مجھے بتائیں گے کونسا زخم کتنا گہرا ہو سکتا ہے۔ڈاکٹر ہیں آپ؟نیم حکیم۔“آخر میں وہ تڑخ کر بولی۔شادان نے بے چارگی سے زلطان کو دیکھا اور باقی سب نے شادان کو ترحم سے۔اسکا تو زندگی بھر کا معملہ تھا۔

حسن کمینی نظروں سے اسے دیکھتے اسکے پاس سے گزرا،جان کر کندھا شادان کے کندھے سے ٹکرایا۔

”میر تقی میر لکھتے ہیں۔میاں یہ عاشقی عزت بگاڑ دیتی ہے۔“

شادان کا دل چاہا تھا وہ اس آدمی کی شکل بگاڑ دے۔مگر اسے ضبط کرنا پڑا۔چھید اسکی اپنی جھولی میں تھے۔

چند منٹ مزید چلتے رہنے کے بعد بلاخر وہ اس گلی کے اختتام پہ تھے جس کے بعد ایک بڑا سا میدان تھا اور اس میدان کے پار وہ پل جو زورگڑھ کے گاؤں کی حدود کو ختم کرتی تھی۔جس کے پار اسکائی ہائی تھا۔جس کے پار انکی آزادی تھی۔لمحوں کے اندر اندر وہ آزادہونے والے تھے۔وہ ایک ساتھ آئے تھے وہ ایک ساتھ جانے والے تھے۔

وہ میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔سب کچھ جیسے ایک خواب جیسا تھا۔وہ اس قید سے نکل آئے تھے۔وہ جہنم جیسی زندگی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔دہر کا وہ باب کھل رہا تھا جس کے پار وہ سب آزاد تھے۔

مگر نہیں . . . . فلحال نہیں . . . . . ابھی نہیں۔ابھی کہاں؟

زلطان نے گلی کے اختتام پہ زبرج کو اپنے کندھے سے اتار کر ایک بڑے سے پتھر پہ بٹھایا اور اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ آگے آیا۔وہ راستہ دیکھنا چاہتا تھا مگر اسکے دل کو دھکا سا لگا تھا۔لکڑی کی اس پل کے دونوں سرے کاٹے جا چکے تھے۔دونوں طرف پہاڑوں کے درمیان نیچے کی طرف بہت پانی تھا اور سرحد پار کرنے کو ایک نا قابل عبور فاصلہ۔ان چاروں کے منہ پہ جیسے طمانچہ لگا تھا۔وہ آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہو سکے تھے۔

وہ چاروں دھیرے دھیرے سے پیچھے ہٹے تھے۔زبرج ان سے کچھ پوچھ رہا تھا مگر انہیں آواز نہیں آ رہی تھی۔وہ یہاں سے جا کر اس علاقے کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر شاید اب یہ ممکن نہیں رہا تھا۔ہر شے ہاتھ سے پھسل گئی تھی۔کوفت،غصہ،اکتاہٹ بے بسی کیا تھا جو انہیں محسوس نہیں ہوا ہوگا۔دنیا اگر تہس نہس کرنے کا کوئی خیال تھا تو وہ اس وقت انکے دل میں آیا تھا۔

مگر اس خیال کو طوالت نہ حاصل ہو سکی۔انکے آس پاس اطراف میں گاڑیاں جمع ہونے لگیں۔وہ پہاڑوں پہ چلنے والی جیپس تھیں۔انکے آتے ہی ہر طرف دھواں سا بھر گیا۔وہ شاید آنسو گیس تھا۔ان پانچوں کو کچھ دکھائی نہیں دیا۔کھانس کھانس کر اور آنکھیں ملتے ہوئے انکی آنکھیں جلنے لگیں اور کئی منٹ بعد جو پہلا منظر انہوں نے دیکھا تھا وہ انکی سانس روک دینے کو کافی تھا۔ہاتھوں میں بھاری بھرکم اسلحہ لئے انہوں نے ان تین لوگوں کے اسلحے کی پرواہ کئے بغیر انکے گرد دائرہ بنایا۔لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ جکڑے جا چکے تھے۔مگر انکے ٹھہر جانے کی وجہ انکا جکڑے جانا نہیں تھا۔زبرج شاہنواز کا بہرام خان کی گرفت میں ہونا تھا۔اس سے زیادہ شاکنگ یہ تھا کہ بہرام نے اسکے اسی پیر پہ فائر کیا تھا۔اسکی آنکھیں جنونی حد تک سرخ پڑ رہی تھیں۔وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار لگتا تھا۔زبرج بلبلا رہا تھا۔درد سے آنکھیں میچے وہ چیخ رہا تھا۔

حسن،شادان،زلطان اور زخرف دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔ہر پلان مات کھا چکا ہر راہ فرار مسدود ہوئی۔انہیں اپنے اعصاب شل ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

”وکیل صاحبہ کو ادھر بھیج دیں۔باقی سب جا سکتے ہیں۔یہاں سے باہر جاکر تم ہمارا کام کرنا اور پھر اسے واپس لے جانا۔“بہرام کے اس نئے مطالبے پہ وہ شاک کم،طیش میں زیادہ آئے تھے۔

”تم لوگ جاؤ یہاں سے۔بھاگ جاؤ۔مجھے کچھ نہیں ہوگا زلطان انہیں لے کر یہاں سے جاؤ۔“زبرج اسکی گرفت میں پھڑپھڑا رہا تھا۔اسے اپنی گولی کی پرواہ بھی نہیں رہی تھی۔وہ بس انہیں یہاں سے نکال دینا چاہتا تھا۔

”میں صرف دس تک گن سکتا ہوں اگر تم نے وکیل صاحبہ کو ادھر بھیج دیا تو تم آزاد،ورنہ آج سے تم ایک ساتھی کھو دو گے۔اب صرف وہ ہمارا کام کریں گی۔“بہرام ایک بار پھر بولا۔

زخرف نے ایک قدم انکی طرف بڑھایا حنزلہ نے تیزی سے اسے واپس اپنی طرف کھینچا تھا۔”بھاگو،یہاں سے دائیں طرف جاؤ۔جبل لالہ تمہیں لینے آجائیں گے۔“

”ایک“. . . . .

"بھاگو یہاں سے . . . . زلطان انکو لے کر جاؤ۔“زبرج چیخنے لگا۔

”دو“. . . . . .

”میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔اسے جانے دو بہرام۔“شادان کا دل پسیجا۔

”تین“. . . . . .

"تم جو چاہو گے میں کرنے کو تیار ہوں۔"حسن سلطان نے ہاتھ سے پستول گرا دی۔"اسے جانے دو۔وہ زخمی ہے اسے جانے دو پلیز۔"

"چار" . . . . . .

"میں . . میری سیفٹی کی کیا گارنٹی ہے؟"زخرف کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے؟میں اسکے پاس جانے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے تمہارا قتل کر دوں گا۔"شادان چلایا۔اور بازو سے اسے اپنی جانب کھینچا۔

"پانچ" . . . . . .

"یہاں سے جاؤ جاہلوں . . میں کہہ رہا ہوں ناں مجھے کچھ نہیں ہو گا۔دفع ہو جاؤ بھاگو۔"زبرج حلق کے بل چیخ رہا تھا۔

"یہاں سے جاؤ . . . "

"وکیل صاحبہ کو بھیجو . . . "

"حنزلہ انہیں لے کر جاؤ . . . "

سات . . . . .

"جاؤ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔"

"میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

”میں یہاں رہنے کے لئے تیار ہوں۔“

”میں زخرف کی جگہ یہاں رہنے کو تیار ہوں ۔ ۔ ۔ “زلطان تحمل سے بولا۔

"آٹھ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

آوازیں گڈ مڈ ہو رہیں تھیں۔چہرے مکس اپ ہو رہے تھے۔شور بڑھ رہا تھا اور ماحول میں جیسے سنسنی بڑھ رہی تھی۔سانس لینا بھی جیسے ایک اضافی کام بن گیا تھا۔کون،کہاں کیا مطالبہ کر رہا تھا کچھ سمجھ نہ آرہا تھا۔

”تم جاؤ زخرف ۔ ۔ ۔ یہ مجھے کچھ نہیں کریں گے۔“زبرج جیسے بے بسی کی انتہا پہ چلایا تھا۔اسکی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

”میں تمھیں مرنے نہیں دے سکتی۔“اس نے شادان سے ہاتھ چھڑاوا کر ایک قدم اسکی طرف بڑھایا۔

”میں سرینڈر کرتا ہوں۔“زلطان گھٹنوں کے بل وہیں بیٹھ گیا۔ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔”تمہیں جو چاہیے میں کرنے کو تیار ہوں۔زبرج کو چھوڑ دو۔“

”نو“۔ ۔ ۔ ۔ ۔

”اسے چھوڑ دو پلیز“۔ ۔ ۔ ۔

”میں زور گڑھ میں رہنے کے لئے تیار ہوں پلیز اسے مت مارو“۔ ۔ ۔ ۔

"یہ لوگ مجھے نہیں ماریں گے زخرف تم جاؤ خدا کے لئے جاؤ . . . "زبرج شاہنواز اب بھی ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔

"میں تمھیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی" . . .

"زبرج شاہنواز کوزور گڑھ کوئی نہیں مار سکتا۔۔۔"حنزلہ احمد زئی پوری قوت سے چیخی تھی۔حلق کے بل،بلند آواز میں۔ہوائیں سہم گئیں۔"وہ ایجنٹ ہے،اس پورے پلان میں اگر کسی کی حفاظت کی ذمہ داری سارا زور گڑھ لیتا ہےتو وہ ایجنٹ ہے۔"

وہ سفید پڑتی رنگت بہتی آنکھوں کے ساتھ چیخ رہی تھی۔وہ اپنے بھائی کو قتل ہوتے اور اپنے دوسرے بھائی کے پلان کوفیل ہوتے نہیں دیکھ سکی۔اسے اندازہ بھی نہیں تھا وہ کس طرح باقی چار لوگوں کے جسم سے سانس قطرہ قطرہ کھینچ رہی ہے۔اسے اندازہ نہیں تھا وہ کیسے الفاظ کہاں استعمال کر کے کتنے لوگوں کوساکت کر چکی تھی۔

"ایجنٹ کو زور گڑھ میں کوئی نہیں مار سکتا۔جاؤ بھاگ جاؤ۔"وہ راز اگل چکی تھی۔زبرج شاہنواز عرف ایجنٹ دم سادھے اپنے دوستوں کو تک رہا تھا۔اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔اس نے ہر مزاحمت ترک کر دی۔وہ بے دھم ہوگیا تھا۔وہ کیا کھو چکا تھا یہ صرف اسے معلوم تھا۔

گھٹنوں کے بل بیٹھے زلطان کو لگا اب وہ کبھی ہل نہیں سکے گا۔زخرف وقار کے بڑھتے قدموں میں جیسے کسی نے زنجیر ڈال دی ہو۔سید شادان شاہ کی نگاہیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔حسن سلطان

نے اپنے سب سے قابل اعتبار دوست کو ایک لمحے کے اندر اندر منحرف ہوتے دیکھا۔وہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھہر گئے تھے۔

زور گڑھ کی ہوائیں ساکن ہو گئیں۔زبرج شاہنواز کا مزاحمت کرتا وجود ٹھہر گیا۔اسکے دوست اسکا خاندان شاکی نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔اسے لگا زندگی میں اس سے بڑی اذیت کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

"ایجنٹ کو زور گڑھ میں کوئی نہیں مار سکتا۔"حنزلہ بڑبڑائی۔اس سے ایک بہت بڑی غلطی ہو چکی تھی۔اوہ خدایا۔اوہ خدایا۔اسکا چہرہ عجیب سے عجیب ہوتا گیا۔

ہر کوئی اپنی اپنی جگہ شل تھا۔متحیر اور متعجب۔بس ایک زبرج تھا جس کی آنکھوں میں کچھ کھو دینے کا خوف تھا۔بہرام نے نا چاہتے ہوئے اس پہ اپنی گرفت ڈھیلی چھوڑ دی۔وہ بری طرح زمین بوس ہوا تھا۔برف پہ گرے ہوئے اس نے نگاہیں اٹھا کر اپنے دوستوں کو دیکھا۔وہ حیرت زدہ تھے۔کئی لمحے،کئی ساعتیں،کئی منٹ وہاں کھڑے تمام لوگ چپ رہے۔منجمند رہے۔

کئی منٹ بعد اسکی طرف بڑھنے والا پہلا قدم زخرف کا تھا۔وہ بغیر کسی کی طرف دیکھے اسکی طرف تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔مگر پھر اس نے کئی قدم اپنی اور بڑھتے دیکھے۔وہ چاروں اسکی طرف آ رہے تھے۔وہ منحرف تھا مگر دوست تھا۔غدار تھا مگر دوست تھا۔

اسی لمحے بغیر کسی آہٹ کے، بغیر کسی فوج کے کوئی تھا جو آیا تھا۔ اکیلا، مضبوط، بہادر۔ اسکے آتے ہی بہرام کے ساتھی ایک طرف ہوگئے۔ فوجیں اسکی طرف ہتھیار نہیں اٹھاتیں تھیں۔ فوجیں اسکی خاطر بغاوت کرتی تھیں۔ بہرام کے ساتھ کھڑے لوگ اسکی طرف ہوئے۔

وہ چاروں جب زبرج کے ارد گرد جمع اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اسی وقت وہ مسیحا بہرام خان کی گردن پہ پستول رکھے ہوئے تھا۔ بہرام کے ساتھ کھڑا مرید دو قدم پیچھے ہوا اور جیب سے ایک پتلی رسی نکال کر بہرام کے ہاتھوں پہ باندھ دی۔ وہ چیخا، چلایا۔ پھڑپھڑایا۔ مگر بے سود۔ جبل خان کے حکم پہ ہزاروں لوگ منحرف ہو سکتے تھے۔ اور ہزاروں ہو رہے تھے۔

جبل نے اسے دھکا دے کر برف پہ گرایا۔ پھر دو قدم مزید آگے آیا۔ اپنا ایک ہاتھ زبرج کی طرف بڑھایا۔ وہ جسے اسکے دوست اٹھا رہے تھے۔ اس نے گہری بھوری آنکھیں اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے مرد کو دیکھا۔ وہ سرمئی آنکھیں اسی پہ مرکوز کئے ہوئے تھا۔

"ہاتھ دو میرے بھائی۔"

زبرج نے ہاتھ اسکی طرف نہیں بڑھایا۔ اس نے بازوؤں کا زور اپنے دونوں دوستوں کے کندھے پہ ڈالا اور اگلے ہی لمحے وہ اسے اٹھا چکے تھے۔ اب وہ جبل کے سامنے کھڑا تھا۔ شادان، اور زلطان کے کندھے پہ اپنے بازو جمائے اور جبل کو دیکھا۔ اسکا ہاتھ پہلی بار خالی نہیں ہوا تھا۔

"ونڈرلینڈ لے چلو۔" حکم دے کر اس نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا۔ وہ بغیر کچھ کہے اسے دیکھ رہے تھے۔ اسکے چہرے پہ بہت کچھ کھوج رہے تھے۔ جبل نے ہاتھ سینے پہ باندھ کر جیسے اسکے

حکم کی تعمیل کی ہو۔اب وہ آگے آگے چل رہا تھا اور لوگ پیچھے۔بہرام کے ساتھیوں نے جبل کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی۔

تھوڑی دیروہ گاڑی میں بیٹھے تھے۔فرنٹ سیٹ پہ زبرج تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پہ جبل خان تھا۔ایک حقیقت تھی جو کھلی تھی اور اس ایک راز نے زبرج کے انداز میں بہت کچھ بدل دیا تھا۔سپاٹ سا کچھ۔سرد سا کچھ۔کچھ قیادت سا۔کوئی رعب سا بے اختیار اسکے اندر داخل ہوگیا تھا۔وہ گردن سیدھی کئے بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔

گاڑی ایک بوسیدہ سی چرچ کی عمارت کے سامنے آکر رکی۔جبل کی معیت میں وہ آگے آگے چلنے لگے۔زبرج شاہنواز منحرف تھا مگر اسکے دوست اب بھی اسے کندھوں پہ لئے ہوئے تھے۔وہ چاہے جیسا تھا اسکا پہلا تعارف تو دوست کا تھا ناں؟

عمارت کے اندر داخل ہوتے ہوئے وہ انہیں چرچ کے حال کی طرف لے آیا۔حال سے عقبی حصہ اور پھر ایک بار پھر تہہ خانہ۔زرد بتیوں کے حالے میں وہ بھوری بنچز پہ آکر بیٹھ گئے۔زبرج نے انکے سوالوں کے جواب دینے سے قبل جبل کو آواز دی۔وہ جو داخلی دروازے کی طرف مڑ رہا تھا رک گیا۔مڑکر انکی طرف دیکھا۔

”مجھے میری کچھ چیزیں چاہیے۔یہاں سے نکلنے کے لئے راستہ ٹھیک کرواؤ اور۔میرا لیپ ٹاپ اور۔۔"

"یہاں سے کوئی کہیں نہیں جا رہا زبرج۔" پورے چار سال بعد اس نے زبرج کا نام لیا تھا۔وہ بولتے بولتے رک گیا۔اچھنبے سے اسے تکا۔"آپ سب اب میرے مہمان ہیں۔یہاں تک آنا آپ کا پلان تھا۔سیدھا صاف۔اب میرا پلان شروع ہوتا ہے۔"وہ مسکرایا۔گہری مسکراہٹ۔

"پاخیر راغلےٹو مائے ونڈر لینڈ۔"

زبرج شاہنواز بس اسے دیکھتا رہا۔وہ جبل خان کو عظیم سمجھتا تھا۔وہ واقعی عظیم تھا۔شیطانوں کی دنیا کا سب سے عظیم شیطان۔

ونڈر لینڈ۔

گیارہ جنوری۔

دوپہر دو بجے۔

زبرج بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا جس نے چار سال اسکا حکم کسی معتقد مرید کی طرح مانا تھا۔جو عقیدت سے اسے یوں دیکھتا تھا جیسے کوئی اپنے کسی بزرگ کو دیکھتا ہو۔وہ اس سے ایسی محبت کرتا تھا جیسی کوئی اپنے خاندان سے کرتا ہو اور وہ خاندان ہی تھا۔زبرج شاہنواز درانی جبل خان احمد زئی کا خالہ زاد ،اور دودھ شریک بھائی تھا۔وہ تیرہ سال کی عمر تک زور گڑھ میں رہا تھا۔یہیں کھایا،پیا بڑا ہوا۔یہیں کھیلا،دوست بنائے۔زندگی کو جیا۔

وہ جبل خان کا پہلا اور آخری دوست تھا۔وہ جبل خان کا مینٹور تھا۔وہ جبل کا کمفرٹ تھا۔ایسے ہی کچھ جذبات زبرج شاہنواز کے بھی تھے۔ان دونوں کی دوستی مثالی تھی۔دینے کے لئے جان سب سے کم قیمت تھی۔وہ اسے دیکھ رہا تھا جو بھائی بھی تھا۔دوست بھی خاندان بھی اور مسیحا بھی۔یہی حالت اسکے ساتھ کھڑے ان چار لوگوں کی بھی تھی۔وہ جبل خان کو ایسی ہی بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔انکا مسیحا منحرف نکلا تھا۔

”جبل . . . .“زبرج نے اسے کھوکھلی آواز میں پکارا۔”یہ لوگ یہاں سے جائیں گے۔دو دن بعد ان سب کی زندگی بدلنے والی ہے۔ہم بات کر لیں گے ناں۔کوئی مسئلہ ہوا ہے؟۔“

”میں بھی بدل رہا ہوں۔بہت سوچا ہے میں نے۔مجھے لگا تھا کہ تمھیں پرواہ ہے زور گڑھ کی۔سب چھوڑ دیں گے تم نہیں چھوڑو گے لیکن دیکھو کیا ہوا۔تم انہی لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو۔انکی زندگی بچانے کی خاطر تم نے زور گڑھ کا پیسہ اور زمین قربان کرنے کا سوچ لیا۔ان لوگوں کی خاطر؟“اسکی آنکھوں میں تپش تھی۔اسکا دل بری طرح دکھا تھا۔آج اسکا دل ایجنٹ سے خراب ہوا تھا۔وہ اسے بدلی ہوئی نگاہوں سے تک رہا تھا۔

”تم چلے جاؤ گے یہ چلے جائیں گے اور پیچھے کون رہے گا؟میں اور میرا زور گڑھ۔کئی سالہ بربادی کے بعد ہمیں خود کو دوبارہ کھڑا کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔تمہیں بھی لگنے چاہئے۔تم سب کو لگنے چاہیے۔جو کیا ہے اب بھگتو۔کوئی کہیں نہیں جائے گا دو دن یہاں رہ کر تم

سب اپنی زندگی کے بہترین مواقع گنواؤ گے تب تمھیں ہماری تکلیف کا علم ہو گا۔میں یہاں تم سب کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔"

"ہم تمہارا کیس لڑنے کو تیار ہیں جبل۔"زخرف اس سارے وقت میں پہلی بار بولی تھی۔"ہم سب کچھ ٹھیک کرنے کو تیار ہیں۔تم ہمیں صرف ایک بار اسلام آباد واپس پہنچاؤ۔پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ہر انسان کو دوسرا موقع دیا جاتا ہے۔ہمیں بھی دیا جانا چاہیے۔تم دوہرے معیار نہیں رکھ سکتے۔"وہ جیسے اسکے انداز سے خائف ہوئی تھی۔اسے بہت کچھ برا لگا تھا۔

جبل طنزاً مسکرایا۔"خاتون کئی بار میں نے سوچا تھا کہ زور گڑھ کو بدل دوں۔یہاں ترقی کے لئے کچھ کروں۔ یہاں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دوں اور یہاں سے کمپرسری ختم کر دوں۔لیکن میرے ہاتھ ہر دفع بندھ جاتے تھے۔کیونکہ میرے بڑوں سے اپنی زمین دینے کی غلطی ہوئی تھی۔میں نے اور سارے علاقے نے اس غلطی کو جھیلا now it's your turn"

"تم کیا بکواس کر رہے ہو جبل؟"زبرج اب کے بری طرح گرجا تھا۔وہ اسکی ساری بکواس پراسیس کر چکا تھا۔"تم یہ سب کیا کر رہے ہو،دماغ درست ہے تمہارا؟ہم بات کر لیتے ہیں۔تم میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہو۔"

حنزلہ چپ چاپ اپنے دونوں بھائیوں کو اختلاف کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔اسکے دو بھائی زخمی تھے دو لڑ رہے تھے۔رہا تو اب اسکے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔

"فلحال مجھے نہیں۔ تمھارے خاندان کو تم سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔انہیں صفائیاں چاہئے۔شروع کرو زبرج شاہنواز عرف ایجنٹ صاحب۔" چبا چبا کر کہتے ہوئے وہ چلا گیا۔اس نے مڑ کر نہیں دیکھا وہ جانتا تھا زبرج کی رنگت سفید پڑ چکی ہوگی۔وہ جانتا تھا اسکی آنکھوں میں خوف در آیا ہوگا۔جبل خان سب دیکھ سکتا تھا لیکن دوست . . . وہ اس دوست کی آنکھوں میں تکلیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔وہاں سے جاتے ہوئے اسکا دل بھاری تھا۔اس نے اپنا دوست ایک بار پھر کھو دیا تھا۔

وہ جا چکا تو تہہ خانے میں گمبھیر خاموشی چھاگئی۔زبرج نے گردن جھکا دی۔باقی سب اسے دیکھ رہے تھے۔وہ اسکے چہرے پہ کچھ کھوج رہے تھے۔زبرج کے لئے گردن اٹھانا محال ہوگیا تھا۔وہ خود کو انکا مجرم گردانتا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا۔مگر یہ احتساب گلے کی طوق جیسا تھا۔

"تم لوگ جو سمجھنا چاہتے ہو سمجھ سکتے ہو لیکن میں۔۔"

"ہم تم سے سچ سننا چاہتے ہیں۔" زلطان نے اسکی بات کاٹ دی۔"یہ بغیر کہے برطرف ہوجانے سے ہم نے بہت کچھ کھو دیا ہے۔باب دہر ہمیں یہاں شاید اس لئے لایا ہے تاکہ ہم ایک دوسرے کی سن سکیں۔میں تمہیں سننا چاہتا ہوں زبرج۔مجھے بتاؤ جو بھی سچ ہے سب۔"

زبرج نے گیلی نظروں سے باقی تینوں کو دیکھا۔انکی آنکھیں بے تاثر تھیں۔چہرے سپاٹ۔مگر وہ واقعی سننا چاہتے تھے۔

"ہمارا لیڈر زلطان رہا ہے۔اگر وہ سننا چاہتا ہے تو ہم بھی سننا چاہتے ہیں۔" حسن سنجیدگی سے بولا۔زخرف اس سے متفق تھی۔

"تمہارا خون بہہ رہا ہے۔" شادان دھیرے سے زبرج سے بولا جس کے پیروں سے خون کی ایک دھار فرش پہ بہتی چلی جا رہی تھی۔پھر اس نے حنزلہ کو دیکھا۔وہ گردن جھکائے رو رہی تھی۔اسے بے اختیار ملال سا ہونے لگا۔زلطان نے بیگ سے ٹشو نکال کر اسکی طرف بڑھائے۔اس نے خاموشی سے تھام لئے اپنی آنکھیں خشک کیں۔چہرہ صاف کیا۔

کچھ پل سب خاموش رہے۔پھر وہ دھیرے سے اٹھ کر اپنا بیگ کھولنے لگی۔سب اسے دیکھ رہے تھے۔وہ میڈیکل کٹ نکال کر بنچز کے درمیان سے نکل کر آئی اور اسکے پیر کے قریب فرش پہ آ کر بیٹھ گئی۔آنکھیں ایک بار پھر رگڑ کر صاف کیں۔اور اپنا کام شروع کرنے لگی۔

"پیر آگے کریں لالہ۔" شادان سمیت ہر کوئی بھونچکا رہ گیا۔شادان تو البتہ نظر ملانے جیسا بھی نہیں رہا تھا۔کیا وہ اپنے دوست کی بہن سے محبت کر بیٹھا تھا؟محبت تک ٹھیک تھا وہ اپنے معاشقے کے قصے بھی اسی بھائی کو سناتا رہا تھا؟اسے ڈھیروں ڈھیر شرم نے آن گھیرا۔

اوہ خدایا . . . . اوہ خدایا . . . . اسے وہ جگہ چاہیے تھی جہاں وہ اس وقت منہ چھپا لے۔وہ اس وقت یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"حنزلہ میری خالہ زاد اور دودھ شریک بہن ہے۔میری کوئی بہن نہیں ہے اس لئے حنزلہ ہی سب ہے۔" وہ پیر حنزلہ کے آگے کرتے ہوئے بولا۔اس نے دانستاً شادان کو نہیں دیکھا تھا۔وہ

اسکے چہرے پہ امڈنے والی شرمندگی بھانپ چکا تھا۔زلطان ان سنجیدہ حالات میں بھی اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔اللہ نے سید شادان کو "**سالوں**" کی صورت کئی نمونے دیئے تھے۔ہر گزرتے دن جنکا تعارف اسے ہولا دینے کو کافی ہوتا تھا۔حسن سلطان کے پاس اسے ستانے کے لئے ایک نیا ٹاپک آگیا تھا۔اسکی روح تک سرشار ہو گئی۔

حنزلہ چند لمحے اسکا پیر ہاتھ میں لئے اسکے زخم کو جانچتی رہی۔خون ابل ابل کر باہر نکل رہا تھا۔گولی عین پیر کے بیچوں بیچ لگی تھی۔اس نے دھیرے سے پیر کو چھوڑا اب۔اس نے ایک ایک کر کئی سارے سامان باہر نکال لئے۔یہ بیگ جبل خان نے اسکے لئے تیار کروایا تھا۔

"آپ کو دعوت دینی پڑے گی؟"اس نے گردن اٹھا کر زلطان کو دیکھا۔وہ اسکا نرس تھا۔ unpaid غیر پروفیشنل مگر تھا تو سہی۔شادان اسکی مورل سپورٹ تھا۔حسن سے اسے بیر تھا۔چاہے جیسا بھی سہی ایک ناتا بن رہا تھا۔خاندان میں ایک نئے فرد کا اضافہ ہو رہا تھا۔

زلطان اسکے ساتھ ہی نیچے آ کر بیٹھا اور حنزلہ نے زبرج کا پیر رکھنے کے لئے کوئی شے دیکھنی چاہی ۔جو کہ اسے نظر نہ آئی۔مگر اسے حسن سلطان ضرور نظر آیا تھا۔

"آپ یہاں آرام کرنے آئے ہیں یا کامیڈی کرنے؟"اسکا رخ اب حسن کی جانب تھا۔"میڈیکل میں پڑھا ہے میں نے اگر ہڈیوں سے کوئی کام لیا جائے تو انسان مرتا نہیں ہے۔"

حسن نے شادان کو جتاتی نظروں سے دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو۔"ہم خاندانی لوگ ہیں کسی کی سنتے نہیں اسکی سن رہا ہوں کیونکہ تمہاری والی ہے۔"

شادان زمین کو گھورنے لگا تھا۔ گروپ کا اکڑو، گھبرو جوان بھیگا بلا بن گیا تھا۔ ہک ہاہ محبت۔ میر تقی میر صحیح ہی لکھتے ہیں۔

حسن نے اسٹول لا کر دیا۔ حنزلہ نے اس چھوٹے سے اسٹول پہ اسکا پیر درست انداز میں رکھا۔ زلطان اسے روئی کے گولے کھینچ کھینچ کر دیتا جا رہا تھا اور وہ اسکے پیر پہ جمع خون، مٹی صاف کر رہی تھی۔ زبرج خاموش تھا۔ چند پل مزید خاموشی میں ڈوب گئے پھر اسکی مدھم آواز نے اس سکوت کو توڑا تھا۔

اب اگلے کئی لمحے وہ بولنے والا تھا۔ اور ہر کوئی اسے سننے والا تھا۔ ایک مدت بعد وہ ایک دوسرے کو سننے بیٹھے تھے۔ چرچ کا وہ ہال ہمہ تن گوش ہوا۔

"زور گڑھ میرے لئے گھر ہے۔ ونڈر لینڈ بھی اور hell بھی۔"

شاہنواز درانی اپنے خاندان کا سب سے خوبرو اور محنتی نوجوان تھا۔ وہ اچھا آدمی تھا لیکن اسے کامیاب ہونے کے لئے ہمیشہ سے ایک "**شارٹ کٹ**" کی تلاش رہی تھی۔ شادی کے بعد وہ زور گڑھ میں ہی رہائش پذیر تھا۔ مگر کچھ ہی سال بعد وہ اس چھوٹے علاقے سے باہر نکلنے کے لئے پر تولنے لگا تھا۔ وہ کامیاب ہو بھی جاتا مگر کچھ تھا اسکے اندر جو اسے اکیلے یہاں سے نکلنے نہیں دیتا تھا۔ وہ چاہتا تھا اگر وہ یہاں سے جائے تو اپنے بہترین لوگوں کو ساتھ لے کر جائے۔ اسکا یہ خواب پورا تو نہیں ہوا مگر ایک نئے سانچے میں ڈھل کر اسکے پاس ضرور آیا تھا۔

وہ بروکر تھا۔کچھ عرصہ ہوا تھا کہ اسکا کام اچھا خاصا چل پڑا تھا اور وہ آج کل اسلام آباد کے امراء کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔کسی کو اگر پراپرٹی خریدنی ہوتی تو وہ شاہنواز درانی کو یاد کرتا اور اگر کسی کو پراپرٹی بیچنی ہوتی تب بھی وہ اسے ہی یاد کرتے تھے۔اسکی ذہانت اور دو قدم آگے رہنے کی صلاحیت نے اسے آسمان پہ لا کر بٹھادیا تھا اور انہی دنوں اسکی قسمت کاستارہ چمکا تھا۔

فاروق لغاری،جو کہ شاہنواز کا ایک بہترین دوست اور سیاسی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا آدمی تھا وہ ایک دن اسکے پاس ایک آفر کے لئے آیا۔جس کے عوض شاہنواز کو پورے ایک کروڑ دیئے جانے کا وعدہ ہوا۔ان دنوں زبرج کا اسکول شروع ہو چکا تھا اور شاہنواز کی بیوی کے ہاں ایک دوسرے بچے کی پیدائش متوقع تھی۔یہ محض ایک آفر نہیں تھی یہ ایک گولڈن چانس تھا۔جسے ضائع کرنا حماقت سے بڑی حماقت تھی۔آسمان کی بلندیوں کو چھونے کی اسکی خواہش اب خواہش سے ضرورت بن گئی تھی۔وہ اپنے بیٹے کو اس چھوٹے علاقے کے چھوٹے اسکول میں نہیں پڑھانا چاہتا تھا۔مواقع اس نے زندگی میں پہلے بھی نہیں گنوائے تھے سو اب بھی نہیں گنوائے۔

اہم بات یہ تھی کہ اس آفر سے صرف شاہنواز کا بھلا نہ ہوتا بلکہ اسکے سارے گاؤں کا نقشہ بدل سکتا تھا۔وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کی ویسی زندگی دیکھ سکتا تھا جیسی وہ اسلام آباد کے امراء کی دیکھا کرتا تھا۔وقت ضائع کئے بغیر وہ یہ آفر لے کر اجلال خان احمد زئی(**جبل کے والد**) کے پاس پہنچا۔انکے بچپن کے دوست،رشتے دار اورزور گڑھ کے تخت نشین۔

فاروق لغاری نے صاف صاف لفظوں میں شاہنواز پہ یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس اسکیم پہ اعتبار تیس فیصد اور شک ستر فیصد کرنا۔ مگر جن آنکھوں نے سنہری خواب دیکھے ہوں وہ بعض دفع روشنی کی اتنی عادی ہوجاتی ہیں کہ اندھیرے کو دانستاً نظر انداز کر دیتی ہیں۔ یہی کام شاہنواز نے بھی کیا۔ اس نے اجلال کے سامنے اور برادری کے باقی لوگوں کے سامنے جھوٹ گڑھے۔ ایسے جھوٹ اور دلاسے کہ گاؤں کے وہ دیہی لوگ اسکی باتوں میں آگئے اور اپنی تمام تر جمع پونجیاں اور زمین اس اسکیم کے نام کر دیں۔ وہ بھی ویسی زندگی چاہتے تھے جیسی انکا ساتھی گزار رہا تھا۔

وقت پر لگا کر اڑا اور الیکشن ہوتے ہی تین ماہ کے اندر اندر اس اسکیم کو شروع کرنے والا آدمی ملک سے فرار ہوگیا۔ جو پیچھے بچے وہ طاقت اور اقتدار کے نشے میں ایسے دھت تھے کہ انہیں زور گڑھ اور اس جیسے کئی علاقے بے حد دھندلے نظر آئے۔ یہ ایک کڑا وقت تھا۔ جن جن لوگوں نے پیسے اور زمینیں دی تھیں انکے قدموں سے زمین کھسک چکی تھی۔

اشتعال کے مارے لوگوں نے شاہنواز کا جینا حرام کر دیا۔ وہ ہر آئے دن اس سے اپنی رقم کا تقاضا کرنے لگے تھے۔ اپنے ایک کروڑ کی خاطر کئی ہزار زندگیاں وہ داؤ پہ لگا چکا تھا۔ ان دنوں زبرج تیرہ سال کا تھا۔ انہی دنوں اس تیرہ سالہ بچے کو راتوں رات اپنا گاؤں چھوڑنا پڑا۔ اسے اپنا واحد دوست جبل اجلال خان چھوڑنا پڑا۔ بچوں کو ہمیشہ انکے بڑوں کے کئے اعمال جھیلنے پڑتے ہیں۔ زبرج بھی جھیل رہا تھا۔ لیکن فلحال وہ اس سب سے بے خبر تھا۔

وہ رات ان دونوں نے گھر کی چھت پہ جاگ کر گزار دی تھی۔جبل خان ساری رات وہ وعدے سنتا رہا جو زبرج نے جانے سے پہلے اس سے کیئیے تھے۔وہ کئی بار اسکے ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور اسے یقین دلاتا تھا کہ ایک دن وہ زور گڑھ واپس آئے گا۔وہ اسکے کندھے پہ بازو پھیلا کر جیسے اسے تحفظ کا یقین دلارہا ہو۔زبرج اسے ہر ممکن طریقے سے تسلی دیتا رہا تھا اور یہ کہ وہ دونوں دوست ایک بار پھر اس علاقے کی خوشحالی دیکھیں گے۔وہ ایک ساتھ اسکول جائیں گے اور وہ کوئی اور دوست نہیں بنائیں گے۔جبل اسکے ہر وعدے پہ مسکرایا تھا۔ہر عہد پہ ایمان لایا تھا۔اس رات ان دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔آنسوؤں سے جھلملاتی ہوئی۔وہ روشن بھی تھیں مستقبل کے سنہرے خوابوں سے۔

کئی ماہ پہلے وہ گاؤں کی ایک ایک سڑک پہ جاتے تھے تو سوچا کرتے تھے کہ اب وہ وقت دور نہیں جب یہاں پکی سڑکیں ہوں گی۔ویسے کیفیز ہوں گے جو انہوں نے اسلام آباد میں دیکھے تھے۔ان دونوں کی آنکھوں سے آج رات رنگ غائب ہونے والے تھے۔تیرہ سال کی عمر میں بھی زبرج اپنے سے ڈیڑھ سال چھوٹے اپنے کزن،بھائی اور دوست کا دکھ اسکی آنکھوں سے پڑھ سکتا تھا۔وہ جانتا تھا جبل اسکے جانے کے بعد افسردہ ہو جائے گا۔مگر اپنے باپ کی طرح آنکھیں چرانا اسے بھی خوب آتا تھا۔

اجلال نے راتوں رات اس دوست کو گاؤں سے نکلنے میں مدد دی تھی جس نے اسکی ساری کی ساری جائیداد کوڑیوں کے مول بکوا دی۔جس نے جھوٹ کہے۔جس نے دغا کیا۔مگر دوستی میں یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کیچڑ پھینکا ہے تو میں بھی کیچڑ پھینکوں۔ہاں اگلی بار دامن بچا لو۔راستہ بدل

لو، مگر خدارا دامن گندے کرنے سے بچ جاؤ۔وہ بھی اس رات اپنا دامن بچا کر اسے زور گڑھ سے رخصت کر آئے تھے۔اس رات انہوں نے اس دوست کو دل سے بھی نکال دیا تھا۔

گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھا زبرج تب تک پگڈنڈی پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے جبل خان کو دیکھتا رہا جب تک گاڑی موڑ نہیں مڑ گئی۔اسے امید تھی وہ دوبارہ ملیں گے۔وہ وصل کی امید میں مسکراتے ہوئے گیا تھا اور جبل ہجر کو مقدر مان کر مسکراتا رہا تھا۔

جبل خان نے بھی پلکیں نہیں جھپکائیں تھیں۔وہ ہاتھ ہلاتا رہا تھا کیونکہ اسے گمان ہوا تھا کہ اسکے اعضاء جامد ہونے والے ہیں۔اسکی آنکھیں نم تھیں کیونکہ وہ جانتا تھا وہ زبرج شاہنواز سے دوبارہ نہیں ملے گا۔وہ اس گاؤں سے جا رہا تھا ہمیشہ کے لئے یہ جبل کو الہام ہوا تھا۔

زور گڑھ کی کچی پگڈنڈیاں کئی ماہ ان دو دوستوں کو یاد کرتی رہی تھیں۔عام، سیب اور چیری کے باغ انکی آمد کے منتظر رہے۔اسکول کا کینٹین ان دونوں کی آمد کا منتظر رہا۔گاؤں کی چھوٹی چھوٹی دکانیں انکی راہ تکتی رہیں۔پھر سب نے گہری سانس لی گزر چکے وقت پہ مٹی ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔صرف ایک انسان تھا جو دہر کے اس چکر سے کبھی آگے نہیں نکل سکا تھا۔جبل خان کسی اور کے ساتھ باغ نہیں گیا تھا۔اس نے اپنی ڈیسک پہ کسی اور کو ساتھ نہیں بٹھایا تھا۔وہ اب کسی کے ساتھ پھل نہیں توڑتا تھا۔وہ ٹیوب ویل کا ٹھنڈا پانی کسی اور کے ساتھ نہیں پیتا تھا۔وہ کسی اور کے ساتھ قہوے کی چینک خالی نہیں کرتا تھا۔وہ گاؤں کا سادہ وفادار بچا تھا اور زبرج شاہنواز وہ جاتے جاتے جبل خان کی ساری رونقیں لے گیا تھا۔کمبخت کو خبر بھی نہ ہو سکی۔

جبل اور زبرج کا ونڈر لینڈ اب بدلنے والا تھا۔اور اس علاقے سے جڑی یادیں بھی۔

”وقت آپ کو بدل دیتا ہے۔پہلے صرف سنا تھا۔کچھ وقت بعد دیکھ بھی لیا۔دوست ہمیشہ دوست نہیں رہتے،ترجیحات ہمیشہ ترجیحات نہیں رہتیں۔لیکن خون . . . خون نہ ری پلیس ہو سکتا ہے۔نہ سفید ہو سکتا ہے۔“

اس رات زور گڑھ سے نکل آنے کے بعد زبرج کی زندگی میں ایسی ایسی تبدیلیاں آئیں جنہیں شمار کرنا بھی اسکے بس میں نہیں رہا تھا۔اسکول،کوچنگ،دوست،گھر بار سب بدل گیا۔زور گڑھ کے چاند کی مدھم روشنی وہ رفتہ رفتہ بھولتا چلا گیا۔شہر کی رونقوں نے اسکی زندگی میں اپنی جگہ بنالی۔وہ بچپن سے flexible رہا تھا۔تبدیلیاں اسے اثر انداز نہیں کیا کرتی تھیں اب بھی نہیں کیا۔وہ بڑی آسانی سے نہ سہی کچھ تردد کے بعد اسلام آباد کے اس پوش علاقے میں اپنی زندگی کو ایڈجسٹ کر چکا تھا۔

ہاں مگر اسے وہ یاد آتا تھا۔وہ جو برے دنوں کا اچھا ساتھی تھا۔وہ جو کسی تقریب پہ جانے کے لئے اسے اپنے کپڑے دیتا تھا۔وہ جس کے کندھے پہ سر رکھ کر وہ رویا کرتا تھا۔جو اسے ہنساتا تھا۔جو اسکی خاطر لڑتا تھا۔جو دوست تھا۔جو واقعی دوست تھا۔زندگی کئی بار آپ سے ایسے ایسے لوگ لے لیتی ہے جن کے جانے کے تصور سے کبھی جان جایا کرتی تھی۔مگر وہی تصور جب حقیقت بن کر سامنے آتا ہے تو انسان سہہ جاتا ہے۔بعض دفع سہنا ہی پڑتا ہے۔وہ جبل خان کو بھولا نہیں تھا مگر

وہ اسکا ہجر سہہ گیا تھا۔زبرج اپنے باپ کا پرتو تھا۔جس طرح وہ زور گڑھ کو بھولا اسی طرح زبرج گاؤں کی زندگی بھولنے لگا۔سوائے جبل کے۔

اس نے کئی بار ٹیلیفون پہ جبل کے گھر کا نمبر ملایا تھا۔جو کوئی اٹھاتا صرف ایک ہیلو سنتا پھر فون رکھ دیتا۔زبرج چھ ماہ تک اس پہیلی کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہا پھر بلاخر ایک دن اس نے شاہنواز سے وہ سوال کر لیا تھا جس نے اسکی دنیا بدل ڈالی۔جس نے اس چودہ سالہ بچے کے دل کو بری طرح توڑ دیا تھا۔

وہ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے جب زبرج اپنا مطالبہ لے کر وہاں پہنچا۔

"بابا حویلی والے میرا فون نہیں اٹھاتے۔ہم ان سے ملنے جا سکتے ہیں؟یا پھر آپ جبل کے پاس میرا نیا نمبر پہنچا دیں۔"

شاہنواز چند لمحے خاموش رہے۔پھر انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کے کندھوں پہ اپنے ہاتھ جمائے۔سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"جبل خان،اجلال خان اور زور گڑھ اب ہمارا نہیں ہے۔"الفاظ کچھ ایسے تھے کہ زبرج انکے سیاق و سباق سمجھنے سے محروم رہا۔"اس روز ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے بیٹے۔اجلال نے ہمیں ہمارے گاؤں سے نکالا تھا۔اور اب ہم دوبارہ وہاں واپس نہیں جا سکتے۔تم یہاں سیٹل ہونے کی کوشش کرو۔میں نے تمھیں اس بچی سے ملوایا تھا ناں جسٹس سمعیہ کی بیٹی،زخرف اس سے دوستی کرو۔گھلو ملو۔گاؤں کی زندگی وہ لوگ اور وہاں کے دوست تمہیں ان سب سے آگے بڑھنا

ہو گا۔وہاں ہماری کوئی ضرورت نہیں رہی۔"اسکے بابا اور بھی بہت لوگوں کے نام لے رہے تھے مگر زبرج نہیں سن رہا تھا۔اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اسے دھوکہ دیا گیاہو۔ چودہ سال چھوٹی عمر تھی مگر برا لگنے کے لئے عمر کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

"جبل یہ سب جانتا تھا؟"

ان تمام باتوں کے بعد اس نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔اور شاہنواز کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ جبل خان سب جانتا تھا۔اس روز چودہ سال میں پہلی بار اسے واقعی تکلیف ہوئی تھی۔اسکے لئے جبل خان آج دور ہوا تھا۔زمینی فاصلے وقتی تھے آج وہ اسکے دل سے دور ہوا تھا۔شاید کسی نے زبرج کو یہ نہیں بتایا تھا کہ دوستوں کے متعلق کسی دوسرے سے شہادت نہیں لی جاتی۔

وہ اس رات خاموشی سے اپنے باپ کے پاس سے اٹھ کر آگیا تھا۔اس دن کے بعد اس نے کبھی زور گڑھ کال نہیں ملائی تھی۔نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ونڈر لینڈ سے نفرت کرنے لگا تھا۔اس نے دوبارہ زندگی میں اگر کہیں نہ جانے کا تہیہ کیا تھاتو وہ زور گڑھ تھا۔اس بات سے بے خبر کہ کوئی آج بھی ان کچے راستوں پہ اسکی آمد کا منتظر تھا۔کوئی تھا جو اسکے جانے کے بعد بلکل تنہا ہو گیا تھا۔

انہی دنوں وہ کمپیوٹر کلاسز میں بیٹھے ہوئے ایک دن کچھ الگ کرنے لگا۔کچھ لڑکوں کے گروہ کے ساتھ مل کر وہ چھوٹے موٹے اکاؤنٹس ہیک کیا کرتا تھا۔زبرج نے خود سے باقاعدہ یہ کام کبھی نہیں کیا تھالیکن جب اسکے ساتھی یہ کام کرتے تھےاسے دیکھ کر مزہ آتا تھا۔اب وہ پڑھائی چھوڑ

کر انہی مشغلوں میں لگ گیا تھا۔شاہنواز کی کڑی نظر کے باوجود وہ رات رات بھر کمپیوٹر کے آگے بیٹھا رہتا۔

انہی دنوں اسے اپنے کسی ہم جماعت سے مسئلہ تھا۔زبرج نے زندگی میں پہلی بار خود سے ایک فیسبک آئی ڈی ہیک کی تھی۔اور اپنے ہم جماعت کی طرف سے ایک انتہائی احمقانہ پوسٹ کر دی تھی۔یہ حرکت کرتے وقت اسے علم نہیں تھا کہ ایک دن کی بورڈ اسکا غلام ہوگا۔یہ سبز الفاظ جو اسکا سر چکراتے تھے کبھی وہ اسکے لئے کھلی کتاب ہوں گے۔کمپیوٹر کے تمام سافٹ ویئرز اسکے تابع اور وہ ہیکرز کی دنیا میں "ایجنٹ" کے نام سے جانا جائے گا۔اسے یقین چھوڑو گمان تک نہیں تھا کہ وہ ہیکرز کی بلیک ہیٹ کیٹیگری میں شامل ہو جائے گا۔اسکا ماضی سیاہی جتنا روشن تھا۔

آئی ڈی ہیک کرنا آسان تھا۔مگر اسکے بعد وہ اگلے کئی دن پریشان رہا۔گلٹی اور خوفزدہ بھی۔اپنے اس ہم جماعت کو کہیں بھی دیکھ لیتا تو وہ ایسے بھاگتا جیسے اس نے بھوت دیکھ لیا ہو۔ٹیچرز اسے بلاتے تو وہ خوفزدہ ہو جاتا تھا۔اسے اپنے راز پکڑ لئے جانے کا خدشہ تھا۔وہ اب کمپیوٹر کے آگے نہیں بیٹھا کرتا تھا۔وہ بہت بری طرح خوف زدہ ہو گیا تھا۔کلاس میٹس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کم ہو گیا تھا اسے بس دھڑکا لگا رہتا کہ کسی کو اسکے اس کارنامے کے متعلق پتہ نہ چل جائے۔

اسی طرح چند دن بعد اسکے گھر شاہنواز کے ملنے والوں میں سے کوئی آیا تھا۔شاہنواز گھر پہ نہیں تھا۔جب ملازمہ اسے بلا کر لائیں تب "skipper" سے اسکا پہلا تعارف ہوا تھا۔وہ اسے جانتا تھا لیکن اسکیپر کا لقب اسے اسی روز ملا تھا۔یہ لقب اسے زبرج کی طرف سے ملا تھا۔

وہ اس بچے کے مزاح سے بہت محظوظ ہوا کرتا تھا۔زبرج اپنے باپ کے ساتھ کئی بار انکے محل نما گھر جا چکا تھا۔آج پہلی بار skipper کو اپنے گھر پہ دیکھ اسکےاوسان صحیح معنوں میں خطا ہوئے تھے۔اسکیپر اسکے اسی ہم جماعت کا رشتے دار تھا جس کی آئی ڈی زبرج نے ہیک کی تھی۔اسے لگا تھا وہ آج اسکی پوچھ گچھ کرنے آیا تھا۔خوف کے مارے اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

ہر بار کی طرح آج نہ وہ اسکے ساتھ کھل کر بول سکا۔اور نہ ہی اسکیپر کی کسی نئ **"شناسا"** کا قصہ سن سکا۔اسکی یہ گھبراہٹ وہ مہمان خود بھی نوٹ کر چکا تھا۔اور باتوں کو کرید کرید کر باہرلانا جیسے اسکا محبوب مشغلہ ہو۔وہ زبرج کے ساتھ اسکے گھر کے ایکوریم کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔وہ جلدی میں آیا تھا مگر جانے میں جیسے اسے کسی قسم کی کوئی جلدی نہ تھی۔جہاں اسے اپنے مقصد کی کوئی بات مل جائے وہ وہاں گھنٹوں گزار سکتا تھا۔اور آج اسے اس بچے کی ذات میں کوئی بھید ملا تھا۔

"تمھیں پتہ ہے زبرج تخت کیسا ہوتا ہے؟"اس نے ایکوریم میں مچھلیوں کا دانہ ڈالا تو اندر جیسے ہلچل سی مچ گئی۔

"کیسا ہوتا ہے؟"وہ جواباً بولا۔اسکی طرف دیکھنے سے احتراز ہی برتا۔

"addicting "وہ آنکھیں بند کیے سرور میں بولا۔"تمھیں پتہ ہے تخت کسے ملتا ہے؟"

"جس کے پاس پاور ہو؟"لڑکے نے اندازہ لگایا۔

"جسے اپنی پاور کا اندازہ ہو۔"تصیح کی گئی۔"چیتا،بھیڑیا،ہاتھی،سب شیر سے زیادہ طاقت ور ہیں۔لیکن وہ بادشاہ نہیں کیونکہ انہیں اپنی طاقت کا اندازہ نہیں۔تمھیں اپنی طاقت کا اندازہ

ہے؟" بات گھوم کر کب زبرج پہ آئی اسے اندازہ نہ ہو سکا۔ایکوریم میں موجود نارنجی،سبز اور مختلف رنگوں کی مچھلیاں اب بھی تیزی سے یہاں سے وہاں سفر کر رہی تھیں۔

"میری پاور کیا ہے؟" وہ اسکیپر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"وہ کام جسے کرنے میں تمھیں مزہ آتا ہو،اور وہی کام جو تمھیں ڈراتا بھی ہو۔طاقت بعض دفع خوفزدہ کر دیتی ہے۔لیکن وہی تمہارا اصل بھی ہوتی ہے۔" مچھلیوں کا پیٹ نہیں بھرا تھا وہ اب بھی منہ نکال کر مزید کھانے کی خواہش کر رہی تھیں مگر اسکیپر اب انہیں مذید کھلانے کے موڈ میں نہیں تھا۔وہ اس وقت طاقت تھا جو چاہے کرتا۔

"تمھیں کیا ڈراتا ہے زبرج؟" ہال کی ملگجی روشنی میں ایکوریم کے پانی کی لہریں اسکے چہرے پہ بنتی نظر آ رہی تھیں۔ان لکیروں میں ایک لکیر خوف کی بھی تھی۔

"ہیکنگ . . . . " بے ساختہ اسکے لبوں سے ادا ہوا۔"میری طاقت بھی ہیکنگ ہے۔"

اسکیپر نے ایکوریم سے ٹیک لگا کر اسے دلچسپی سے دیکھا۔آنکھوں میں اب کے مکمل چمک تھی۔لبوں پہ ہلکی مسکراہٹ۔"تم نے کبھی ہیکنگ کی ہے؟"

زبرج کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔وہ کچھ کچھ محتاط ہو گیا۔اسکیپر ابا کے قریبی لوگوں میں تھا اگر اس نے ابا کو بتا دیا تو؟ وہ بے اختیار خود کو کوسنے لگا۔

"اگر کی ہے تو مجھے دوبارہ کر کے دکھاؤ،میں دیکھنا چاہوں گا۔"

"آپ بابا کو بتائیں گے؟" خدشات زبان پہ لائے گئے۔"آپ رائد کو بتاؤ گے میں نے اسکا اکاؤنٹ ہیک کیا؟

اسکیپر مسکرایا۔شاطر اور ٹھنڈی مسکراہٹ۔

"بلکل نہیں۔میں بس تمہاری طاقت کو بڑھاؤں گا۔"اسکی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔"مجھے اچھا لگتا ہے۔دنیامیں اپنے حصے کا contribute کرنا۔"

"تو اپنے طریقے سے،اپنی محنت سے کریں۔"زبرج جیسے برا مان گیا ہو۔اسکیپر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔یہ لڑکا اسے اسی حاضر جوابی کی وجہ سے پسند تھا۔

"میری محنت ،میرا طریقہ یہی ہے۔میں بادشاہوں کو انکے ہنر سے آگاہ کرتا ہوں۔تم ہونا چاہو گے؟"

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟"

"میں تمھارے بابا کو نہیں بتاؤں گا۔"

زبرج ہنس پڑا۔اسکیپر اسکے ساتھ ہنسا تھا۔دلفریب، کھنکتی ہنسی۔کچھ تھا اس میں کہ جہاں وہ جاتا تھا چند لمحوں کے لئے اس جگہ کو سحر زدہ کر آتا تھا۔ایکوریم کے سامنے زرد روشنیوں کے ہالے میں وہ دونوں ہنس رہے تھے۔خوامخواہ ،بے وجہ۔

اس روز اسکیپر نے زبرج شاہنواز سے تین فیسبک اکاؤنٹس ہیک کروائے تھے۔اور وہ کر چکا تھا۔اسے آج یقین ہوگیا تھا کہ وہ کمپیوٹر کے لئے بنا ہے۔اسے آج معلوم ہوا تھا کی بورڈ اسکا غلام ہے۔اور اسکا دماغ وہ ایک عظیم دماغ کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔اسکیپر کی آنکھوں میں ابھرتی اس ستائش نے زبرج کو بہت کچھ بھلا دیا تھا۔زور گڑھ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔وہ ہیکنگ کی دنیا میں قدم رکھ چکا تھاجبل خان اسکیپر کے ذریعے ری پلیس ہو چکا تھا۔

وہ اب آئے دن اسکیپر سے فون پہ بات کررہا ہوتا تھا۔اور جب بھی اسکے بابا کو اسکیپر سے ملنا ہوتا زبرج شاہنواز کو الگ سے بلوایا جاتا تھا۔اسکیپر کے شاہی سیکورٹی روم میں اسے داخلہ مل چکا تھا۔وہ اسے مختلف ہیکس سکھانے کے لئے کئی لوگوں سے ملوایا کرتا تھا۔"**ایجنٹ**"یہ نام اسے سترہ سال کی عمر میں ملا تھا۔

وہ نمبرز کے حساب سے سترہ سال کا تھالیکن وہ اپنی عمر سے کافی بڑا ہو چکا تھا۔اسکے دماغ کو وہ پختگی ملی تھی جس نے اسے اپنی عمر کے بچوں سے بے حد مختلف بنا دیا تھا۔طاقت کا گھونٹ وہ سترہ سال کی عمر میں پی چکا تھا۔خود شناسائی اسے وقت سے پہلے ملی تھی۔وہ چودہ سال کی عمر سے اپنے سے کئی سال بڑے بڑے مردوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا تھا۔اسکیپر اسے دنیا کے گھاک سے گھاک لوگوں سے متعارف کرواتا تھا اور اسکی ہیکنگ جو صرف ایک فیسبک اکاؤنٹ سے شروع ہوئی تھی اسکیپر اور اسکی دی ہوئی تربیت سے اب ایسے ایسے کام کرتا تھا جو شاید اس نے کبھی سوچے بھی نہیں تھے۔اسے ہر وہ شے ملی تھی جس کی خواہش کسی عام بچے نے کی ہوتی۔

زبرج شاہنواز کے آگے قسمت گھٹنے ٹیک کر بیٹھی رہتی تھی۔

"میری زندگی کا سب سے خوبصورت دور،اور سب سے بدترین دور وہ تھا جب میں لندن گیا۔اگر میں وہاں ان چارنمونوں سے نہ ملتا تو زبرج شاہنواز کی زندگی میں کچھ بھی یاد کرنے لائق نہ ہوتا۔میں بس ایک عام انسان ہوتا کسی داستان کا حصہ نہیں۔"

وہ سترہ سال کا تھا جب اسے لندن میں اسکالرشپ ملی تھی۔ان دنوں شاہنواز کا کاروبار گھاٹے میں تھا۔اور اسکی اچھی خاصی جمع پونجی ایک فراڈ سودے میں ضائع ہو چکی تھی۔حالات کئی بار انسان کے منہ پہ ایسا جوتا مارتے ہیں جس کے داغ چہرے پہ برص کی طرح چھپ جاتے ہیں۔اور یہ نشان کئی بار ساری دنیا کو آپ سے دور کر دیتے ہیں۔ایسا ہی کچھ شاہنواز درانی کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

انسان جب کسی کو دھکا دے کر کامیابی کے زینے چڑھتا ہے تو زوال کی باری اسکی بھی آتی ہے۔شاہنواز کی باری بھی آ چکی تھی۔رفتہ رفتہ اسکے سارے **"اچھے وقتوں"** کے دوست یار اسے چھوڑ رہے تھے۔پیسے کی قلت اور بد حالی نے جیسے اسکا گھر دیکھ لیا ہو۔وہ اپر مڈل کلاس سے مڈل کلاس تک آگیا تھا اور وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ یہ درجہ بہت جلد لوئر مڈل کلاس کو چھوئے گا۔

شاہنواز کبھی بھی زبرج کو اسکالرشپ پہ نہ بھیجتا مگر ان دنوں حالات ایسے بن گئے تھے کہ انکے گھر میں دال چاول تک پورا نہیں ہوتا تھا۔زبرج اگر flexible نہ ہوتا تو ان حالات کے سامنے ڈھے جاتا۔اس نے خاموشی سے بستہ بندھا اور لندن کی اور چل دیا۔اسکیپر سے جدائی کا صدمہ اسے

زیادہ نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ ہر ہفتے اسے کال کرتا تھا۔اپنا کام کرواتا،اسے مذید ٹرکس سیکھنے کے لئے کنٹیکٹس فراہم کرتا اس عمر میں وہ بڑے بڑے لوگوں کے لئے ہیکنگ کیا کرتا تھا یہ اسکا واحد راز تھا۔اسکے پاس اس عمر میں بھی کمائی کا زریعہ تھا یہ اسکا واحد اسپارک تھا۔لیکن وہ ان پیسوں کو کبھی ہاتھ میں نہیں لے سکا تھا۔خوف تھا کہ کیا وہ پیسے سے ڈرتا تھا۔

لندن آ کر وہ زخرف سے سب سے پہلے ملا تھا۔وہ اسکول کی ساتھی تھی اور برے وقت کے چلتے ہوئے ان دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔زلطان،شادان،حسن۔یہ تینوں اسے کسی اثاثے کی مانند ملے تھے۔اور زبرج نے انہیں زندگی کی کتاب میں سنہری حروف میں تحریر کیا تھا۔اسے زندگی کا سنہرا دور لکھنے کا موقع ملتا تو وہ بغیر سوچ سمجھے ان تمام لمحات کو تحریر کر دیتا جن میں اسے یہ چار دوست ملے تھے۔زبرج نے انہیں صرف دوست نہیں خاندان مان لیا تھا۔

وہ کالج میں کچھ لوگوں کے لئے ہیکنگ کرتا تھا۔لیکن یہ بات اسکے گروپ سے مخفی رہی۔کئی ایک بار جب اسکا کوئی **"کلائنٹ"** اسکے دوستوں کے سامنے آ بھی جاتا تو زبرج کا کہنا ہوتا کہ اسکا ایک دوست پاکستان میں ہے جو کہ ہیکر ہے۔اور امرا کی ان بگڑی اولادوں کو زبرج کے مڈل کلاس ہونے کی وجہ سے اس میں ٹیلنٹ دیکھنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

وہ کوئی عظیم انسان نہیں تھا،سو وہ اپنے دوستوں کے لئے ایفرٹس بھی مختلف کرتا تھا۔وہ کوئیسچن پیپر بنانے والے افراد کا لیپ ٹاپ ہیک کر لیتا۔کبھی وہ آنلائن چڑھانے والے رزلٹس میں اپنے دوستوں کے نمبرز میں رد و بدل کر دیتا۔جن سے اسکے دوستوں کی دشمنی ہوتی وہ انکے اکاؤنٹس

ہیک کر کے انہیں کسی نہ کسی قسم کا نقصان ضرور دیا کرتا تھا۔سکرین کے پیچھے بیٹھ کر اسے سامنے آنے کی عادت اب نہ رہی تھی۔وہ اس سیاہی کا عادی ہوگیا تھا جو اسے سکرین کے پار ملتی تھی۔

وہ کئی بار اپنے دوستوں میں خود کو مس فٹ محسوس کرتا تھا یہ انکا رویہ نہیں تھا یہ زبرج کی مالی حالت تھی۔جسے وہ چھپاتا نہیں تھا مگر اسکا نظر آنا بھی اسے پسند نہیں تھا۔گو کہ ان چاروں میں سے کوئی اسے اس بات کا احساس نہیں دلواتا تھا مگر پھر بھی زبرج کو احساس ضرور ہوجاتا تھا۔وہ مہنگے ہوٹلز،ریستورانز سے کتراتا تھا سو چاروں نے سٹریٹ فوڈز کھانے شروع کر دیئے۔

وہ برانڈڈ لباس نہیں پہن سکتا تھا سو وہ چاروں بھی اب لوکل مارکیٹ سے شاپنگ کرتے نظر آتے۔آج کل کو انہوں نے بارگینگ بھی سیکھ لی تھی۔وہ انہیں مہنگے تحائف نہیں دے سکتا تھا تو وہ چاروں بھی اب اسے بازار سے کوئی سستی شے گفٹ کرنے لگے تھے۔زبرج اس معاملے میں حساس تھا اور محتاط بھی سو ان چار لوگوں نے اسے اس دیوار کے پار رہنے دیا۔وہ اسکے رنگ میں رنگ گئے تھے اور زبرج کے لئے وہی اسکا خاندان بن گئے تھے۔لندن میں گزرا وہ وقت کسی آب حیات کی مانند تھا جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیتے ساری زندگی گزار سکتا تھا۔

ان سب میں اسے کبھی کبھار زور گڑھ بھی یاد آتا تھا۔اسے سال میں عید،سالگرہ،کسی دکھی موقعے پہ ایک کال ضرور آتی تھی۔ہر دفع وہ کال اٹھا کر ہیلو ہیلو کرتا رہ جاتا۔سامنے والا اپنی بات کہتا اور فون رکھ دیتا۔کئی سال گزر گئے تھے اگر وہ جبل تھا تو زبرج اسکی آواز بھول چکا تھا۔اس بات سے بے خبر کہ کسی نے اسکے بعد کبھی دوست نہیں بنائے۔کوئی تھا جو صرف اسے کالز کیا کرتا تھا۔وہ

زور گڑھ میں قید ہو گیا تھا اور زبرج ونڈر لینڈ آگیا تھا۔ونڈر لینڈ آکر کوئی کسی لٹی پٹی ریاست کو کیا ہی یاد کرتا۔

وقت کسی کے لئے نہیں رکتا۔انکے لئے بھی نہیں رکا۔لندن میں وہ ایک پانچویں انسان سے بھی ملا تھا۔زبرج شاہنواز کو وہ ایک انسان اپنی زندگی کی سب سے بڑی نعمت معلوم ہوا تھا۔اس ایک انسان اور اسکی محبت نے زبرج کو اندر اور باہر سے بدل کر رکھ دیا تھا۔اسکے اندر کی سیاہی کم ہونے لگی تھی۔

"دانین . . . . میری زندگی کا بہترین فیصلہ تھی۔اس تعلق کے لئے قربانیاں تم سب نے دیں۔اسکے سفید پھولوں سے لے کر،اسکے لائے جامنی،ہرے،پیلے اور گلابی پھولوں کو خریدنے کے لئے شکریہ۔مجھے اب اندازہ ہوا ہے کہ اگر تم چار لوگوں کا شکریہ ادا کرنے بیٹھوں تو آدھی زندگی گزر جائے گی۔"

آسٹریلیا کی اسکالرشپ رد کرنے کے بعد وہ لندن میں ہی رہا۔زخرف،حسن اور زبرج کا میل جول ویسا ہی تھا۔وہ یونیورسٹی کے آخری سال میں تھا جب دانین جعفر نے اسکے سامنے ایک ایسی بات رکھ دی تھی جس نے کئی لمحے اسکے حواس شل کر دیئے تھے۔

رات کا سمے تھا۔لندن جیسے جاگ اٹھا تھا۔سرمئی سڑکوں پہ روشنیوں نے جیسے روشنی پھیلا دی تھی۔سٹریٹ پولز اور سڑکوں کے اوپر عمارات کے درمیان لٹکتی فیری لائٹس کرسمس کے آنے کا پتہ دیتی تھیں۔کل کرسمس تھا۔اور لندن آج سے پر جوش ہو گیا تھا۔لندن آئی کے سامنے پانی کی

جھیل کے سامنے وہ دونوں ایک اوپن ایئر ریستوران کے سٹولز پہ بیٹھے تھے۔لندن آئی فیرس وہیل کو کہاجاتا ہے البتہ لندن آئی کی سائز اسے بے حد انوکھا اور خوبصورت بناتی ہے۔وہاں ہر وقت روشنیاں ہوتی ہیں مختلف رنگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشناں۔اس وقت جامنی روشنیاں انکے چہروں پہ پڑتی تھیں۔پانی میں بھی انہی روشنیوں کا عکس جھلملاتا تھا۔لوگ تصاویر اتار رہے تھے۔باتیں اور قہقہے ہر اور تھے۔مختلف ممالک سے آئے لوگ اپنے لمحے یاد گار بنا رہے تھے۔

سیاہ اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ دونوں سردی کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔یہ سردی نہیں تھی جو زبرج کے اعصاب شل کر رہی تھی،یہ دانین کے آنسو تھے جو زبرج کے دل پہ نوکیلی برف کی طرح چبھ رہے تھے۔مگر آج اسے نہیں معلوم تھا تسلی کی زیادہ ضرورت کسے تھی؟

"تم رونا تو بند کرو ناں یار کچھ سوچنے دو۔"وہ جیسے جھنجھلا گیا تھا۔پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ بری طرح رو رہی تھی۔دو دن قبل اسکے دادا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا زبرج انکی تیمار داری میں لگا رہا تھا مگر حالت سنبھلتے ہی انہوں نے جو فرمائش دانین کے سامنے رکھی تھی وہی فرمائش اب اس نے زبرج کے سامنے رکھ دی اور چند لمحوں کے لئے وہ بھونچکا رہ گیا۔دانین کے دادا جلد از جلد اسکی شادی کرنا چاہتے تھے اور زبرج کے لئے فی الفور جیسے یہ ممکن نہیں تھا۔

"دانین میں صرف اکیس سال کا ہوں۔میں اس وقت شادی کیسے کر سکتا ہوں؟"

وہ رونا بھول کر اسے دیکھے گئی۔"اس وقت میں تمہاری دکان پہ رہ رہا ہوں۔میرے پاس ڈھنگ کی جاب نہیں ہے۔میری پڑھائی مکمل نہیں ہوئی میرا خاندان پاکستان میں ہے ہم اس وقت شادی کیسے کر سکتے ہیں؟"

"تم میرے ساتھ افیئر چلا سکتے ہو۔تم چار سال تک اپنے سوشل سرکل میں مجھے اپنی ملکیت کے نام سے متعارف کروا سکتے ہو۔میرے ساتھ مستقبل کے پلانز بنا سکتے ہو لیکن تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"وہ بری طرح مشتعل ہوئی تھی۔"یونیورسٹی چھوڑتے ہی تمہیں جاب مل جائے گی کیا؟یا پھر جاب ملتے ہی تم فوراً گھر بنالو گے؟گھر بنا بھی لیا جاب بھی مل گئی پھر کیا؟اسٹرگل ختم نہیں زبرج اسٹرگل چلتی رہے گی اور مجھے جب آگے اسی اسٹرگل میں تمھارے ساتھ رہنا ہے تو اب کیوں نہیں؟مجھے یقین نہیں آتا تم وہی زبرج ہو جس سے میں نے محبت کی تھی۔"لو جی اب اسکی ساری کارکردگی پہ پھر گیا پانی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ اگلے کئی لمحے زبرج پہ برستی رہی۔کئی بار وہ وضاحت دینے کی کوشش کرتا اور کئی بار وہ بھی اسی کے انداز میں ترش جواب دیتا۔یہ سچ تھا کہ اس اچانک مطالبے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔اور اسکا دماغ کچھ بھی پراسیس کرنے سے عاری تھا۔

جھگڑے ان دونوں کے درمیان پہلے بھی بہت ہوئے تھے مگر وہ ہر بار منا لیا کرتا تھا آج وہ نہیں منا سکا۔سرخ میٹرو میں بیٹھ کر جب وہ اسکی آنکھوں سے اوجھل ہوئی زبرج تب تک کچھ نہیں کر سکا تھا۔آج اسے واقعی نہیں پتہ تھا اسے کیا کرنا ہے۔

کئی گھنٹے وہ یونہی بے مقصد سڑکوں پہ چلتا رہا تھا۔سڑکوں پہ کئی منچلے گٹار لئے کرسمس کا جشن منا رہے تھے۔انکے ہاتھوں میں بیئر کے کینز تھے۔لندن میں رہنے کے کئی سال بعد آج پہلی بار زبرج کو اس کین کو لبوں سے لگانے کی طلب ہوئی۔ارادہ ترک کرتے اس نے ایک شاپ سے کافی خریدی ورنہ اسے لگا تھا جیسے اسکا سر پھٹ جائے گا۔وہ واپس دکان نہیں جا سکا تھا۔جب تمام راستے اسے بند ہوتے نظر آئے تب اسکے ہاتھوں نے میکانکی انداز میں اسکیپر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔تڑاتڑ برستی بارش میں وہ سرخ رنگ کے فون بوتھ کے اندر تھا۔ہاتھ میں سفید رنگ کا کافی کا کپ تھا۔سردی سے اسکے ہاتھ یخ پڑ رہے تھے،مگر وہ بار بار فون ملا رہا تھا۔بلاخر دسویں گھنٹی پہ کال ریسیو ہو گئی تھی۔

"میں مصیبت میں ہوں۔"وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔

"کتنے پیسے چاہئیں؟"اسکیپر جمائی روکتے ہوئے بولا۔

"مجھے پیسے نہیں چاہییں۔"

"لڑکی تو یہاں سے میں بھیج نہیں سکتا تم ایسا کرو۔۔۔"

"آپ ایک بار میری پوری بات سننا پسند کریں گے؟"زبرج کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔اسکیپر بے زار ہوا۔اسے لوگوں کی سننا بہت کم پسند تھا۔مختصر یہ کہ اسے لوگ ہی نہیں پسند تھے۔"پیسہ نہیں،لڑکی نہیں۔پھر آدھی رات کو اٹھایا کیوں؟"

"دانین چاہتی ہے میں اس سے شادی کر لوں۔"اس نے بلاخر کہہ ڈالا۔

”ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔کب ہے شادی؟“وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا تھا۔زبرج نے بے اختیار اس لمحے کو کوسا جب اس نے اس خبطی آدمی کو کال کی تھی۔لیکن ستم یہ تھا کہ اسکی زندگی میں وہ واحد تجربہ کار تھا۔ماشاءاللہ۔

”میں فلحال شادی نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔اسے لگتا ہے میں بس اس سے افیئر چلاتا رہا ہوں۔مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں۔اکیس سال بھلا کوئی شادی کی عمر ہوتی ہے؟“وہ بے حد خفگی کے عالم میں بولتا چلا گیا۔”میں اسے مر کر بھی چھوڑ نہیں سکتا۔لیکن اس وقت اس اسٹیج پہ شادی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔“

”کوئی اور لڑکی پسند ہے تمھیں؟“

”دانین کے علاوہ میں کسی کو دیکھتا بھی نہیں۔“وہ مزید خفا ہوا۔

”شادی کے تین چار سال بعد دانین کے علاوہ سب کو دیکھو گے۔“اس نے جیسے بے زاری سے کہا۔

”آپ تھوڑی دیر کے لئے پلیز اپنی سیاہ تھیوریز سائیڈ پہ رکھ سکتے ہیں؟“

اسکیپر نے گہری سانس لی اور اپنے بیڈ پہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

”تمھیں کیا لگتا ہے شادی کے لئے سب سے ضروری چیز کیا ہے؟“وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

”تھوڑا بہت پیسہ . . . ایک گھر . گاڑی . . . اچھی جاب۔“

"اور اگر شادی کے اگلے دن پیسہ چوری ہو جائے؟گھر ٹوٹ کر گر جائے۔گاڑی کا حادثہ ہو جائے اور نوکری چھوٹ جائے تو کیا شادی ختم ہو جائے؟"زبرج فریز ہو گیا تھا۔"یہ سب چیزیں معاہدے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔شادی companionship ہے۔اس کے لئے صرف اور صرف انڈرسٹینڈنگ،دل کی رضا مندی اور اچھے پارٹنر کی ضرورت ہے۔یہ فیسبک،یوٹیوب اور انسٹاگرام کے کانٹینٹ creators نے شادی کو بھی ایک کانٹینٹ بنا دیا ہے۔مہنگی،رنگین،ڈھیر سارے لوگوں کی محتاج۔اصلیت مختلف ہے ایجنٹ۔"وہ تحمل سے کہنے لگا۔اسکے لفظ جیسے سحر پھونک رہے تھے۔زبرج پہ اثر ہونے لگا۔اسکا بھاری دل ہلکا ہو رہا تھا۔

"اگر دو لوگ غربت،بیماری،برے وقت اور اچھے وقت میں ساتھ رہنے کے لئے تیار ہیں اور ایک دوسرے کو سمجھ سکتے ہیں تو وہی شادی کا صحیح وقت ہے۔"

"مجھے ذمہ داریوں سے ڈر لگتا ہے۔بچے ہو گئے تو؟"وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔

"چار سال بعد بھی تمھیں ذمہ داری لینی ہی ہے۔اس وقت دانین جعفر کی ہے کل کسی اور کی ہوئی تو شاید تمھیں مشکل ہو۔"اسکی بات سے ہی زبرج کو سانس لینے میں دقت ہوئی۔"مجھے بھی درست وقت پہ درست لڑکی ملی تھی۔لیکن مجھے لگتا تھا فلحال شادی نہیں کر سکتا میں۔اور دیکھو آج کیا ہوں میں؟"

اسکے لہجے میں کوئی خودترسی نہیں تھی۔مگر ہاں ایک ملال ضرور تھا۔محبت کئی سال پہلے چھوٹی تھی اور درد اب بھی ہوتا تھا۔

"تم اسکے بغیر رہ سکتے ہو ایجنٹ؟"

"بلکل بھی نہیں۔" وہ فوراً بولا۔

"وہ صرف محبت ہے؟"

"اس سے پہلے دوست اور کمفرٹ ہے۔ وہ مجھے میری آنکھوں سے سمجھ سکتی ہے۔"

"اسے تمھارے پیسے میں دلچسپی ہے؟"

"جیسے میں تو جیب جھاڑتا ہوں اور نوٹ گرنے لگتے ہیں۔" وہ جل کر بولا۔

اسکیپر ہلکا سا مسکرایا تھا۔ "گدھے پھر جا کر اسے مناؤ آج کل اچھی لڑکیوں کا اسٹاک مارکیٹ سے ویسے ہی ختم ہو رہا ہے۔ یار دیکھو وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ آنے والا اپنا رزق اور اپنا بخت لاتا ہے۔ تم کس لئے خوف زدہ ہو؟ تسلی رکھو اور دل کی مانو۔ دماغ تمھارے پاس ویسے بھی نہیں۔"

زبرج اسکی بات پہ ہنس پڑا۔ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ ہر دھند جیسے چھٹ گئی۔

"میں آپ کا احسان یاد رکھوں گا۔"

"یہ احسان وغیرہ چھوڑو، ذرا ایک کام کر کے دینا۔ میں بھی دیکھوں اسکے معملات کیا ہیں۔"

"جی بلکل بس انہی کاموں کے لئے رہ گیا ہوں میں۔ آپ کی سابقہ اور موجود شناساؤں کے اکاؤنٹس ہیک کرتا رہوں۔" وہ سلگ اٹھا۔ "شادی پہ آئیں گے ناں آپ؟"

"ضرور آؤں گا۔" وہ ترکی با ترکی بولا۔

"یعنی نہیں آئیں گے۔"

دوسری طرف وہ ہنس پڑا تھا۔ وہ جیسے بے حد محظوظ ہوا ہو۔ اسکیپر آج تک زبرج کے بلانے پہ کبھی نہیں آیا تھا۔ ہاں اسکے کام کر دیتا تھا کروا دیتا تھا۔ لیکن وہ آتا نہیں تھا۔ اسے لگتا تھا ایک دن آئے گا جب اسے زبرج کے لئے جانا پڑے گا اور وہ دن ابھی نہیں آیا۔

"آپ میرے لئے کبھی نہیں آتے۔"

"میں ایک ہی دفع آؤں گا بچے اور تمھارے سارے شکوے دور ہو جائیں گے۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "تمھارے پیسے میرے پاس رکھے ہیں شاید تمہیں ضرورت ہو۔"

"نہیں فلحال نہیں۔" اس نے کئی سالوں سے اسکیپر کے لئے کئے جانے والے کام کا معاوضہ نہیں لیا تھا۔ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ یہ وقت درست نہیں تھا اور ایک وقت آئے گا جب اسے اس پیسے کی ضرورت ہو گی۔ اسکیپر اسکا سول میٹ، گارجین اور بڑا بھائی تھا۔ کئی بار کچھ لوگ آپ سے غیر ارادی طور پہ ملتے ہیں۔ وہ زندگی کی طرف سے بونس گفٹ ہوتے ہیں۔ اسکیپر، ایجنٹ کا بونس گفٹ تھا۔

فون بوتھ سے وہ سیدھا دانین فلاورز آیا تھا۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے اسے مکمل طور پہ بھگو چکے تھے۔ اس نے اسکے پاس رکھی چابی سے دروازہ کھولا۔ دکان میں رکھے پھولوں میں سے چن کر سفید ٹیولپس اٹھائے اور دانین کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ بجانے پہ بھی جب اس نے دروازہ

نہیں کھولا تب زبرج وہیں زینوں پہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا۔اس نے کافی دیر انتظار کیا مگر دروازہ نہیں کھلا۔

وہیں بیٹھے بیٹھے اسے نیند آ گئی تھی۔اگلی صبح اسکی آنکھ اپنا بازو جھنجھوڑے جانے پہ کھلی۔دانین شب خوابی کے لباس میں روئی روئی آنکھیں لئے اسکے سامنے کھڑی تھی۔وہ پریشانی سے اس سے کچھ استفسار کر رہی تھی۔ زبرج کی گردن میں میں درد ہو گیا تھا۔اسکی کمر اکڑ گئی تھی۔سارے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔مگر وہ اسے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔اور فرش پہ پڑا سفید ٹیولپس کا گلدستہ اٹھا کر اسے پیش کیا۔اسے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔دانین مسکرا بھی نہ سکی۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟"

دانین ایک بار پھر آبدیدہ ہوئی۔"بڑے ہو گئے تم؟"

"تھوڑا ہو گیا ہوں۔ تھوڑا شادی کے بعد ہو جاؤں گا۔"وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے مسکرا کر بولا۔وہ اسے بہت رلا چکا تھا اب اور نہیں۔

"تم آزاد ہو زبرج۔میں غلط تھی۔اب اندازہ ہوا ہے۔شادی دو لوگوں کی رضامندی سے ہونی چاہیے۔کسی کے دادا نانا کی خواہش پہ نہیں۔"

”میں کسی دادا نانا کی خواہش پہ شادی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔تم سے شادی میری اپنی خواہش ہے۔ہاں چند سال بعد کرنی تھی لیکن تم اگر پہلے ہی میرے سر پہ مسلط ہونا چاہتی ہو تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔“

دانین ہنوز سنجیدہ تھی۔

”پلیز تم ایک بار پھر سوچ لو۔رات میں جذباتی تھی اب نہیں ہوں۔میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔انتظار کر سکتی ہوں میں۔میں دادا سے بات کر لوں گی۔“

زبرج نے کچھ بھی کہے بغیر سفید ٹیولپس ایک بار پھر اسکے آگے کئے تھے۔لبوں پہ ہنوز مسکراہٹ تھی۔اور آنکھوں میں مخلصی۔دانین نے اسے دیکھا،وہ اسکے لئے کئی مرد رد کر چکی تھی کئی کر دیتی۔زبرج اسے بے حد عزیز تھا۔

”شادی کرو گی مجھ سے؟“

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔زبرج بھی اسکی متورم آنکھوں سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔اورکئی لمحے بعد وہ پھول تھام چکی تھی۔وہ پھول سفید تھے مگر انکی زندگی قوس قزح کے رنگوں سے بھرنے والی تھی انہیں یقین تھا۔

ایک ہفتہ لگا تھا زبرج کو اپنے گھر والوں کو منانے کے لئے اکلوتے بیٹے کے آگے بلاخر انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔دانین سے انہیں اعتراض نہیں تھا۔اعتراض انہیں اس جلدی کی شادی سے تھا۔نکاح سادگی سے ہوا۔جس میں زبرج کی طرف سے حسن سلطان،زخرف وقار اور کینیڈا سے

زلطان صفدر شامل ہوئے تھے۔یہ وہ پہلا موقع تھا جب سید شادان اور زبرج کے درمیان اختلاف ہوا تھا۔ایک گمبھیر اختلاف۔

اپنے ایگزامز کی وجہ سے وہ آ نہیں سکا تھا اور زبرج سے اس نے تاریخ آگے کرنے کو کہا جو کہ نہیں ہو سکی۔وہ خاموش ہو گیا۔اور زبرج مصروف۔لیکن کچھ تھا جسے شادان دل سے نہیں نکال سکا۔خلش اور ناراضگی درمیان تھی،سو وہ رہی۔نکالنے کی ضرورت ان دونوں نے محسوس نہیں کی تھی۔سرد دیوار کی بنیاد کے لئے پہلا پتھر رکھا جا چکا تھا۔

"کچھ ملاقاتیں زندگی پہ ادھار ہوتی ہیں۔انہیں ادھار رہنا چاہیے۔کئی لوگوں کی واپسی نہیں ہونی چاہیے۔کچھ تعلقات کبھی نہیں جڑنے چاہییں اس روز ایک پرانے دوست سے ملاقات کے بعد میں صرف یہی سوچ سکا تھا۔"

گریجویٹ ہونے کے اگلے چھ ماہ بعد ہی اس نے ایک اینجیو میں اپلائے کیا۔کچھ ذہانت اور کچھ اسکیپر کی مداخلت وہ بہت جلد نظروں میں آگیا تھا وہ جانتا تھا اسکی کامیابیوں کا سہرا صرف اسکے اپنے سر نہیں ہے لیکن بعض دفع زندگی میں مصلحت یعنی دیکھی بھالی نابینائی ضروری ہوتی ہے۔اپنا لوہا منوانے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔وہ مقناطیس جیسی کشش رکھتا تھا۔ذہانت،بخت،محبت،دولت ہر شے اسکے پاس کھنچی چلی آتی تھی۔پھر چاہے جیسے آئے زبرج انکار کو گناہ سمجھتا تھا۔جس زندگی کو اس نے کئی سال جھیلا تھا وہ اب اسے جینا چاہتا تھا۔

دانین کے دادا کی وفات کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ پاکستان لے آیا تھا۔گو کہ وہ نہیں آنا چاہتی تھی مگر زبرج کی محبت نے اسکے پیروں میں یہ بیڑی بھی باندھ دی۔لندن میں اپنی آدھی زندگی گزارنے کے بعد اسکے لئے پاکستان میں سیٹل ہونا ایک مشکل امر تھا۔مگر شادی کے بعد فوری پریگنینسی نے اسکی زندگی اور ترجیحات بدل دیں تھیں۔حمدان کے اس دنیا میں آنے کے بعد وہ جیسے خود کو ساتویں آسمان پہ تصور کرتی تھی۔زبرج جو اسکی پریگنینسی سے اسکے جتنا خوش نہیں ہوا تھا وہ بھی اپنی اولاد کے دنیا میں آتے ہی اسکے عشق میں ایسا برا گرفتار ہوا تھا کہ اب دانین اور حمدان اسکی زندگی کے لازم جُز بن گئے۔اسے اب زندگی میں کچھ کرنا تھاتو حمدان درانی کے لئے۔وہ اسے ویسی زندگی نہیں دینا چاہتا تھا جیسی اس نے خود جی تھی اور اسکے لئے اسے چاہے جو کرنا پڑتا وہ تیار تھا۔

چوبیس سال کی عمر میں اسے یونیسیف کی طرف سے ایک بہت بڑا پراجیکٹ ملا تھا،جس نے اسکی زندگی تین سو ساٹھ ڈگری پہ بدل دی۔یہ وہ وقت تھا جب خیبر پختون خواہ میں ایک بڑے پیمانے پہ زلزلے آئے تھے اور زبرج اپنی ہی اینجیو کے کالے چٹھے منظر عام۔پہ لا چکا تھا۔اس نے سوشل میڈیا پہ وہ تمام ریکارڈز اور ثبوت پیش کئے جن میں واضح تھا کہ جس اینجیو سے وہ منسلک تھا وہ کتنے کروڑ کا گھپلا کر چکی ہے۔کتنے غرباء کا حق کھا چکی ہے۔یہ چند ویڈیوز اسے عالمی سطح پہ مشہوری دلا چکی تھیں۔وہ لوگوں کے لئے مسیحا بن گیا تھا۔لوگ بیچارے یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ راز کھولنے کا واحد مقصد یہ تھا کہ زبرج کو اسکی پسند کا "**حصہ**" نہیں ملا۔اگر اسکے سر پہ اسکیپر کا ہاتھ نہ ہوتا تو شاید اسکے لئے مشکلات ہوتیں لیکن وہ زندگی سے لوگ کما چکا تھا۔اچھے لوگ۔

اس کے بعد یونیسیف نے بجائے اسکی اینجیو کے براہ راست اسی سے رابطہ کیا۔اربوں روپے کے فنڈز میں سے زبرج نے کئی کروڑ کی کرپشن کی۔اپنے سینیئرز کے اکاؤنٹس بھرے۔شیر کے منہ کو خون لگ چکا تھا۔اور اب شکار کے نام پہ اسے مردار میں بھی فرق نظر نہیں آتا تھا۔مگر کچھ لوگوں پہ اللہ بہت مہربان ہوتا ہے۔وہ اندھیری غار میں گھس رہے ہوتے ہیں اور اللہ انہیں کھینچ کر نکال لیتا ہے۔ایسا ہی کچھ زبرج کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

کئی سال بعد ایک انٹرنیشنل سیمنار میں ہال کے اختتام پہ اس نے عیسیٰ کے ساتھ کھڑے جبل خان کو دیکھا تھا۔۔وہ کسی سے بات کرتے کرتے ٹھہر گیا اور اسکی نظریں جبل خان پہ جم گئیں۔اسکے ساتھ عیسیٰ اور بہرام تھے عیسیٰ کو وہ بہت اچھے سے جانتا تھا یہ وہی لڑکا تھا جس نے اسکی قیادت میں کام کرنے سے منع کیا تھا۔اسے وہ سرمئی آنکھوں والا شناسا لگا تھا۔اسی لمحے کسی نے جبل کا نام پکارا اور یہ لمحہ جیسے غیر یقینی تھا۔وہ برے وقتوں کا ساتھی،وہ اچھے وقتوں کا سبب،اسکے ونڈرلینڈ کا بہترین کردار کئی سال بعد آج ایک بار پھر اسکے سامنے تھا۔زبرج بچپن میں شاید اس سے کسی بات پہ ناراض ہوا تھا بات کیا تھی اسے یاد نہیں رہا۔زندگی اتنی آگے نکل آئی تھی کہ وہ دس،گیارہ سال پہلے ہونے والے ہر واقعے کو بھول گیا تھا۔لیکن وہ جبل کو نہیں بھولا تھا۔آس پاس رش کے درمیان راستہ بناتے وہ میکانکی انداز میں اسکی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔عیسیٰ سے بات کرتے ہوئے جبل نے نگاہیں گھمائیں اور اسکی نگاہیں ساکت ہو گئیں۔زبرج کے برعکس اسے کسی پکار،کسی قسم کے ذہنی زور کی ضرورت نہیں تھی۔زبرج شاہنواز اسے ازبر تھا۔بچپن کے کسی گیت کی مانند۔وقت بیت چکا تھا زندگی آگے بڑھ آئی تھی مگر جبل خان آج بھی گاؤں کی اس

کچی پگڈنڈی پہ کھڑا تھا۔انتظار آج بھی اسکی آنکھوں میں واضح تھا۔دوست . . . آج بھی وہی تھا۔درمیان کے ماہ و سال نکالو تو اسے الوداع کہنے کی اذیت آج بھی وہی تھی۔وہ خاموشی سے اسے اپنے قریب آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ اسکے قریب چلا آیا۔اسے دیکھ کر مسکرایا۔کئی سال بعد جبل بھی دل سے مسکرایا تھا۔

"جبل اجلال خان رائٹ؟میں زبرج شاہنواز درانی۔میں تمھیں یاد ہوں ناں؟"وہ اسکے سامنے کھڑا مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اسے لگا تھا گیارہ سال بعد شاید جبل اسے بھول چکا ہو۔اس نے جبل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

جبل نے اسکا ہاتھ تھام کر،دو قدم آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا تھا۔برسوں کا کھویا سکون تھا جو ایک لمحے کے اندر واپس مل گیا تھا۔وہ دونوں بازو اسکے گرد باندھ گیا۔زبرج نے بھی اسکے کندھے کے گرد ہاتھ مضبوطی سے جمائے۔وہ جبل خان کو بھولا تو کبھی نہیں تھا۔اگلے کئی لمحے وہ اسے یونہی سینے سے لگائے کھڑا رہا۔

"آپ کو کون بھول سکتا ہے۔ٹی وی اور سوشل میڈیا پہ چرچا ہے آپ کا۔"وہ مدھم آواز میں بولا۔ہاں وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ اگر زبرج کو ساری دنیا بھول جائے اور ایک آدمی یاد رکھے تو وہ جبل خان ہوگا۔"آپ بھولنے والی شے نہیں رہے۔"

وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔یہ وہ دوست نہیں تھا جو چند سال پہلے چھوٹ گیا تھا۔یہ اعلیٰ عہدے پہ بیٹھا ایک کلاس فیلو تھا۔"**آپ**"ہر دفع احترام نہیں،کئی دفع اجنبیب بھی ہوتا ہے۔زبرج جبل کے لئے اجنبی ہو گیا تھام۔

وہ چند پل کھڑے کھڑے اس سے بات کرتا رہا۔زبرج اپنی ماں سے اکثر جبل اور اسکی فیملی کے بارے میں سنتا رہتا تھا۔گو کہ اسے بہت کچھ معلوم تھام لیکن پھر بھی اس نے جبل سے سوال کیا۔

"شادی ہو گئی تمہاری؟"

"ابھی نہیں۔آپ نے تو کرلی ناں؟"

زبرج مسکرایا۔"میرا تو ایک بیٹا بھی ہے۔تمھیں تصویر دکھاتا ہوں۔"وہ کوٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالنے لگا۔جبل کو اس تصویر کی ضرورت نہیں تھی وہ یہ چہرہ کئی بار دیکھ چکا تھا۔مگر پھر بھی جب زبرج نے اسے تصاویر دکھائیں تو وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ تصویر دیکھتا رہا۔ساتھ زبرج کے باتیں سنتا گیا۔اسے محسوس ہوا حمدان کے متعلق زبرج کو اپنے جذبات پہ کنٹرول نہیں تھا۔وہ اسکی تصاویر دکھاتے ہوئے مختلف انسان بن گیا تھا۔یا شاید ایک بہترین باپ۔

"تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"وہ دونوں ایک ساتھ پارکنگ لاٹ تک آئے تھے جب زبرج نے سوال کیا تھا۔بہرام اور عیسیٰ سارا وقت خاموش رہے تھے۔ان دونوں کو یہ ملاقات کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔

"زور گڑھ سنبھال رہا ہوں۔ دستار میرے سر پہ ہے۔"

"اوہ . . . اجلال انکل ڈیتھ ہو گئی ناں؟ ممی سے سنا تھا۔ بہت دکھ ہوا۔ میں آنا چاہتا تھا مگر۔۔"

"مورے آپ کو یاد کرتی ہیں۔" جبل اسکی بات کاٹ کر بولا۔ پرانے دوست جھوٹ بولیں تو پکڑے جاتے ہیں۔ وہ بھی اسکا جھوٹ پکڑ چکا تھا۔ بجائے اسے شرمندہ کرنے کے اس نے بات بدل دی۔ "اجلال انکل ہوں گے لیکن مورے آپ کی ماں ہیں۔"

زبرج ٹھہر سا گیا تھا۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا پھر گردن پھیر کر اپنے ساتھ چلتے جبل کو دیکھا۔

"اگر وہ میری ماں ہیں تو اتنے سال انکو میری یاد کیوں نہیں آئی؟" تلخی اسکے انداز سے واضح تھی۔

"اگر انہیں یاد نہیں آئی تو تم بھی انکے شوہر کے مرنے پہ نہیں آئے۔" جبل کی بجائے بہرام بولا تھا۔ اسکا چہرہ غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔ وہ دو چار مکے اسکے منہ پہ جڑ دینا چاہتا تھا۔

"زور گڑھ کے دروازے ہم پہ بند کئے گئے تھے۔ ہمیں ہمارے اپنے گھر سے نکالا گیا تھا۔" زبرج چبا چبا کر بولا۔

"وہ وقتی غصہ تھا۔ اسکے بعد تمھارے بابا نے کبھی اپنی غلطی تسلیم کی؟ کبھی معافی مانگنے آئے؟ یہاں تک کہ داجی نے مرنے سے قبل انہیں فون کیا تھا بلایا بھی تھا لیکن وہ تب بھی نہیں آئے۔" بہرام کا غصہ کسی طور کم نہ ہوتا تھا۔ پارکنگ لاٹ میں کھڑے کئی ایک لوگوں نے مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔

"بابا نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔زور گڑھ کی ترقی کا خواب اگر غلطی تھا تو اسکی معافی مانگنے میں انہیں نہیں دوں گا۔"

بہرام مزید کچھ کہتا کہ جبل نے اسکا بازو پکڑ کر اسے خاموش رہنے کو کہا تھا۔

"میں یہاں جھگڑے نہیں چاہتا۔گاؤں کا سردار میں ہوں اور میں چاہتا ہوں آپ ایک بار زور گڑھ ضرور آئیں۔میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

وہ بول کر چند لمحے زبرج کو دیکھتا رہا۔زبرج نے جبڑے بھینچ لئے تھے۔جبل خان آج بھی اسکا غصہ کم کرنے کا جادو جانتا تھا۔اس پارکنگ لاٹ سے جاتے ہوئے اسکے ذہن میں کئی خیال تھے۔سوائے اسکے کہ وہ کبھی زور گڑھ جائے گا۔اس نے ہر پلان طے کر لیا تھا سوائے زور گڑھ جانے کے۔اسے نہیں جانا تھا۔وہ وہاں کیوں جائے گا بھلا؟

یہ بس اسکی سوچ تھی۔

"انسان فطرتاً بہت ڈھیٹ ہے۔بعض اوقات اپنی غلطیاں ماننے میں اتنا وقت لگا دیتا ہے کہ غلطی گناہ بن جاتی ہے۔"

اس ملاقات کے کئی روز بعد وہ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز تھا۔سینے پہ حمدان کو لٹائے وہ اسے کوئی کہانی سنا رہا تھا۔شاہنواز سامنے بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔آس پاس حمدان کے کھلونے

بکھرے ہوئے تھے۔ دفعتاً زبرج کچھ سوچتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔ حمدان کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اور اسکے ہاتھ میں کوئی کھلونا دیا۔ ورنہ اسکا راگ شروع ہو جانا تھا۔

”میں پچھلے ہفتے جبل سے ملا تھا بابا۔“ اس نے جتنے نارمل انداز میں یہ الفاظ کہے تھے شاہنواز کا رنگ اتنی تیزی سے سفید پڑا تھا۔ ”جبل خان اجلال انکل کا بیٹا یاد ہے ناں آپ کو؟ اسکے بھائی بھی ساتھ تھے۔“ وہ بتا رہا تھا اور شاہنواز شاکی انداز میں اسے سن رہے تھے۔

یہ چودہ سالہ زبرج نہیں تھا جس کے دوست وہ خود پسند کرتے۔ یہ چوبیس سالہ زبرج تھا جو اس وقت ملک کے مشہور ترین نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ وہ اسکے پیروں میں بیڑیاں نہیں ڈال سکتے تھے۔

”اس نے مجھ سے کہا کہ میں زور گڑھ آؤں۔ مورے بہت یاد کرتی ہیں۔ وہ بلکل نہیں بدلا بابا۔ وہ آج بھی اتنا ہی اچھا ہے۔“ وہ اپنے باپ کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو اسکے کھلونے ہاتھ میں پکڑا رہا تھا۔

”میں سوچ رہا ہوں چلا جاؤں۔ آپ ساتھ آئیں گے بابا؟“ اس نے گردن اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا۔ جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو چکا تھا۔ وہ زبرج کا آئیڈیل تھا۔ کیا جبل خان اس بت کو توڑ کر گیا تھا؟ چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکے۔

”اس نے تم سے میرے بارے میں کچھ کہا ہے؟“ بہت دیر بعد ہلکی آواز میں پوچھا۔

"نہیں تو . . . ہاں وہ اجلال انکل کی ڈیتھ کے بعد جبل گاؤں کا سردار ہے۔" وہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔حمدان اسے بیٹھنے نہیں دے رہا تھا۔اسے ایک جگہ سکون کم ہی آیا کرتا تھا۔

"میں اگلے ہفتے جا رہا ہوں۔اب ختم کرتے ہیں اس جھگڑے کو۔ہمیں انہیں معاف کر دینا چاہیے۔کیا مل گیا انہیں؟اتنے سال بعد اگر دیکھا جائے تو ترقی ہی کی ہے ہم نے۔" وہ اپنے بیٹے کو کندھے سے لگائے تھپک رہا تھا۔اور شاہنواز اپنے بیٹے کو دیکھ کر رہ گئے۔اب وہ چودہ سال کا نہیں رہا تھا۔اب وہ باپ سے اجازت نہیں مانگ رہا تھا۔اب وہ فیصلہ سنا رہا تھا۔اور انکار انکے بس میں نہیں تھا۔کاش وہ وقت کو چند سال پیچھے لے کر جاسکتے۔

"میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔" وہ بوجھل انداز میں بولے تھے۔وہ اپنے تیئں اسے کچھ بھی پتا چلنے سے باز رکھ سکتے تھے۔انہوں نے بلاارادہ پھر یونہی حمدان کے ساتھ مسکراتے ہوئے زبرج کو دیکھا۔وہ اپنے بیٹے کے ایک ایک نقش کو چوم رہا تھا اور وہ کھکھلا رہا تھا۔زبرج کے چہرے پہ آسودگی تھی۔وہ زندگی سے بے حد خوش تھا۔کئی لمحے وہ اسے دیکھتے رہے پھر دھیرے سے سوال کیا۔

"اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو کیا تم مجھے معاف کرو گے؟"

"آپ غلطی نہیں کر سکتے بابا۔" اس نے شاہنواز کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اگر کبھی موقع ملے تو میرے سیاہ کو سفید کرنا زبرج۔"

"کیا ہو گیا ہے بابا؟ آپ غلط نہیں تھے۔" وہ اب انکی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ "آپ اب تک ان لوگوں کا غم لے کر بیٹھے ہوئے ہیں؟"

وہ جواب میں کچھ نہیں کہہ سکے۔ ہاں البتہ وہ اگلے ہفتے زور گڑھ بھی نہیں جا سکے تھے۔ موت نے دو روز بعد ہی انہیں اپنے شکنجے میں لے لیا تھا۔ زبرج کے لئے جیسے ساری دنیا اندھیری ہو گئی ہو۔ دوست، کولیگز سب آئے تھے مگر جبل خان اور اسکے بھائیوں کے آنے سے جو سہارا اسے ہوا تھا اسکا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ **(زلطان صفدر، شادان اور حسن اس وقت نہیں آ سکے تھے۔ وہ چند دن پہلے ہی ایک ساتھ ملک سے باہر گئے تھے۔ لہٰذا بہرام اور جبل سے انکی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔)**

وہ اگلے دو ماہ گھر سے نہیں نکلا۔ کسی سے ملا نہیں۔ وہ پوری طرح ڈپریس ہو چکا تھا۔ شاہنواز اسکی زندگی کا بڑا اور بہترین حصہ تھے۔ وہ چلے گئے تو زبرج کے لئے کچھ بھی پراسیس کرنا مشکل امر ہو گیا۔ وہ کئی کئی گھنٹے خاموش اور غائب دماغ رہتا تھا۔ ظاہری حلیہ بھی بدل کر رہ گیا تھا۔ دوستوں سے میل جول نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

پورے دو ماہ بعد اسے جبل خان نے دوبارہ فون کیا تھا۔ وہ چند لمحے اس سے یہاں وہاں کی باتیں کرتا رہا پھر فون رکھ دیا۔ ان دونوں نے شاہنواز کی کوئی بات نہیں کی لیکن زبرج کے دل کو کوئی ڈھارس سی نصیب ہوئی تھی۔ اور اگلی صبح وہ اپنے بیٹے کے ساتھ زور گڑھ آیا تھا۔ بغیر کسی کو بتائے، بغیر کسی دعوت نامے کے۔ وہ حمدان کو بازوؤں میں بھرے گاؤں کی ان کچی پگڈنڈیوں پہ بے مقصد چلتا رہا تھا۔ اسے اعتراف کرنا پڑا کہ زور گڑھ تباہ ہو چکا تھا۔

وہ تیرہ سال کی عمر میں اس ونڈرلینڈ سے نکل کر آیا تھا۔تب یہ علاقہ اور یہاں کے لوگ خوشحال تھے مگر اب . . . مفلسی نے جیسے انکے گھر دیکھ لئے ہوں۔گاؤں کے زیادہ تر لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی تھا اور جب زمینیں ہی نہ رہیں تو کیا خاک کام ہوتا۔آہستہ آہستہ جمع پونجیاں ختم ہوئیں۔گھر بک گئے۔اور غربت بڑھتی چلی گئی۔یہ وہ زور گڑھ نہیں تھا جسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔اپنے نقوش میں شاہنواز سے غیر معمولی مشابہت کے باعث لوگ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔کئی ایک نے اس پہ سلام تک نہیں بھیجا کئی ایک نے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔وہ حق دق سا چلتا رہا۔زور گڑھ کبھی بھی ایسا نہیں تھا۔وہ پہاڑوں کے لوگ تھے انہیں دلاسے دینے آتے تھے مگر آج وہ اس پہ پتھر لڑھکا رہے تھے۔اور وجہ کیا تھی،وہ سمجھ نہ پایا۔

داجی کی حویلی میں اگر کسی نے اسکے لئے گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا تو وہ مورے،جبل اور حنزلہ تھے۔وہ گھر واپس چلے جانا چاہتا تھا مگر جبل نے اس سے آج رات رکنے کی فرمائش کی۔درمیان میں کئی سال آئے تھے مگر جبل خان کو انکار کرنا آج بھی اسکے لئے مشکل ترین امر تھا۔وہ اس دوست کے سامنے بے بس ہوجاتا تھا۔یا شاید جبل اسے بے بس کر دیتا تھا۔

وہ رات رک گیا تھا۔شام کے کھانے کے بعد دانین کا فون آ رہا تھا سو وہ چھت پہ چلا آیا۔

”تم مجھے دو گھنٹے کا کہہ کر گئے تھے زبرج۔تم وہاں پوری رات رکنے والے ہو؟“وہ اب اس پہ برس رہی تھی۔”تم شاید بھول رہے ہو حمدان دو سال کا ہے،بیس سال کا نہیں۔کیسے رہے گا وہ میرے بغیر۔“وہ روہانسی ہوئی۔

"یہ کہو کہ تم میرے بغیر نہیں رہ پا رہیں۔ تم کہو تو واپس آجاتا ہوں۔" وہ پورے چاند کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"شٹ اپ۔" وہ خفا ہوئی۔ زبرج ہنس پڑا۔ "حمدان رو تو نہیں رہا؟ کیسا ہے وہ؟" دانین کو بے اختیار فکر ہوئی۔

"یار وہ سو گیا ہے میری مورے کے پاس۔ تم اسکی فکر مت کرو۔ میری فکر کرو۔ دیکھو مجھے تمھارے بغیر نیند بھی نہیں آ رہی۔"

"تو اپنے cutie کزن سے کہو ناں تمھیں اپنی گود میں سلائے۔ بیٹھے بٹھائے پتہ نہیں کہاں سے یہ کزن آگیا۔ وہ حسن اور شادان کم تھے کیا؟"

وہ غصے میں مزید بہت کچھ کہتی رہی۔ زبرج ڈھیٹ بن کر سنتا رہا۔ اور اسکا پارہ مزید ہائی کرتا رہا۔ پانچ دس منٹ بعد جب وہ اس سے اچھا خاصا جھگڑ کر فون بند کر چکی تب جیسے اسے قرار آیا۔ جھگڑے ہونے چاہئے۔۔ اچھی بات ہے۔ یہ اسکا ذاتی تجزیہ تھا۔

وہ نیچے جانے کی بجائے وہیں چھت پہ رکھی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ گاؤں کی خاموشی۔ میٹھی چاندنی اور سکون۔ زبرج کو شاہنواز کی موت کے بعد ایک لمبے بے چینی کے بعد اب جا کر کچھ سکون آیا تھا۔ جبل نماز پڑھنے گیا ہوا تھا اسی پل حنزلہ اسکے لئے چائے لے آئی۔ بہرام اور زبرج اسے پکڑنے کے لئے لڑا کرتے تھے آج انکی بہن کافی بڑی ہو گئی تھی۔ زبرج اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"حانی یہاں اسکولز وغیرہ کا ایسا حال کیوں ہے؟میں نے تو سنا تھا یہاں اینجیوز کافی کام کرتی ہیں۔اور گاؤں کی حالت بھی بہت خراب ہے۔"تھوڑی دیر بعد وہ چارپائی پہ اسکے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔"اور حویلی کی حالت بھی خراب ہے۔تم لوگ مرمت نہیں کرواتے؟"

"اگر آپ سچ سننا چاہتے ہیں تو دل بڑا کریں لالہ۔ورنہ جانے دیں۔"وہ بے حد سنجیدہ تھی۔قہوے کی گرتی دھار میں اسکی آواز شامل ہوگئی۔

زبرج نے کپ واپس رکھا۔ستاروں سے بھرے آسمان نے آج کئی راز کھلتے ہوئے دیکھنے تھے۔وہ مکمل یکسوئی سے اسے سننے کو تیار تھا۔چاند تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے اپنے سامنے چھائے بادلوں کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا۔

"سچ بولو۔کیا ہوا تھا؟"

"جو پیسے گاؤں والوں نے اسکیم میں انویسٹ کئے تھے۔جب وہ ڈوب گئے تو زمین بھی ہاتھ سے گئی۔آہستہ آہستہ لڑکوں نے مزدوری کے لئے شہر کا رخ کیا۔والدین کے پاس بچوں کو پڑھانے کے لئے رقم نہیں رہی تو لڑکیوں کو گھر بٹھالیا گیا۔کشیدہ کاری سے آنے والی رقم سے،اور لڑکوں کی مزدوری کی رقم سے گھر چلے۔جب لوگوں کے گھروں میں فاقے ہوں گے تو گاؤں کی ترقی پہ توجہ کون دے گا؟"

"اور جبل نے گاؤں کے لئے کچھ نہیں کیا؟"

"کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ جا کر اینجیوز اور ایم پی اے کے دفاتر کے چکر لگاتے ہیں۔ گاؤں میں بہت جلد ایک اچھا اسکول کھلنے والا ہے۔اور شاید ہسپتال بھی۔ ہم خود ہی کھول لیتے اگر مقدمے پہ اتنے پیسے نہ لگ رہے ہوتے۔" وہ اسے سب بتاتی گئی۔ دور تھا مگر وہ گھر کا حصہ تھا۔گھر کے مکینوں کی ایک اچھی بات ہوتی ہے جب بھی واپس آتے ہیں، ہر طرح کی پرت سے پاک ہو کر آتے ہیں۔

"اگر تمھارے جبل لالہ اپنی انا کو ایک طرف رکھ کرایک بار مجھے یہ سب بتا دیتے تو میں مدد کر سکتا تھا۔ صرف ایک پراجیکٹ پورے زور گڑھ کا نقشہ بدل سکتا تھا۔۔میں زور گڑھ کو بدل دیتا۔" وہ اسی اونچی گردن اور اٹھی ہوئی ناک کے ساتھ رعونت سے بولا۔

"جبل لالہ کو اناؤں کے مسئلے نہیں۔" اس نے دھیرے سے ٹوکا۔اور زبرج کی پلیٹ میں خشک فروٹ نکال کر رکھے۔

"لیکن اسے بہت شوق ہے باتیں راز رکھنے کا۔بہت شوق ہے اسے خود ہیرو بننے کا اور باقیوں کو ولن بنانے کا۔اتنا خود ترس کیوں ہے وہ؟" کہتے کہتے اسکے انداز میں بے حد خفگی در آئی۔

"جبل لالہ خود ترس نہیں،خوددار ہیں۔"

"اچھا اس لئے اس نے اپنے بیسٹ فرینڈ کو جاتے وقت دلاسے دیئے،یہ نہیں بتایا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے۔ہم تو فیملی تھے ناں؟مورے کا بیٹا تھا میں پھر انہوں نے داجی کو ہمیں نکالنے

سے روکا کیوں نہیں۔" کئی سالہ غصہ، اور آگ تھی جو آج باہر آ رہی تھی۔ حنزلہ سرخ پڑتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ جبل اسے خاص تاکید کر گیا تھا مگر بھاڑ میں جائیں ساری تاکیدیں۔

"شاہنواز درانی کو گاؤں سے نکالا نہیں **"بھگایا"** گیا تھا۔ میرے داجی نے انہیں گاؤں کے قہر سے بچایا تھا۔" زبرج اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔ "داجی نے انکے واپس آنے پہ کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ وہ شرم سے واپس نہیں آئے تھے یا پھر غرور سے۔ جبل خان جھوٹا نہیں تھا جبل خان دوست تھا۔ اس نے آپ کے آئیڈیل کا بت نہیں توڑا۔ وہ گیارہ سال کی عمر میں بھی ایک لیڈر تھا۔ ماسٹر مائنڈ۔ اس نے وہ فیصلے کئے جو اسکے پارٹنر کو تحفظ دیتے۔ زور گڑھ تباہ نہیں ہوا۔ آپ کے والد نے اس گاؤں کو اپنے ایمان کے ساتھ بیچا ہے۔"

وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ مزید اس بکواس کو نہیں سننا چاہتا تھا۔ چارپائی سے اٹھتے ہوئے اسکا سر چکرا رہا تھا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر سامنے سے آتے جبل خان کو دیکھ کر ٹھہر گیا۔

"آپ کے بابا نے ڈیڑھ کروڑ میں خاندان، وفاداری، دوستی، گاؤں سب بیچا تھا۔ یہ ہمارا احسان ہے کہ ہم نے انہیں یہاں سے جانے دیا۔ یہ جبل خان کا احسان ہے کہ اس نے آپ کو ونڈر لینڈ جانے دیا اور خود اس جہنم میں رہے۔" حنزلہ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے چیخ پڑی تھی۔ وہ گنہگار کا بیٹا تھا تو پارسائی کے درس کیوں دیتا تھا؟

ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ان دونوں مردوں کا غرور مٹی ہو گیا تھا۔ کونسا راز کہاں آ کر کھلا تھا۔ الفاظ کیسے جوتے کی طرح زبرج کے منہ پہ آ کر لگے تھے۔ اس نے تصدیق کی خاطر

مردہ ہوتی آنکھیں اٹھا کر جبل خان کو دیکھا۔سرمئی آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔اس نے آگے بڑھ کر زبرج کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"آئی ایم سوری۔" بے حد آہستگی سے لفظ کہے۔زبرج کو وہ الفاظ بھی تھپڑ لگے۔یعنی یہ سچ تھا۔

جبل کی آنکھوں میں ٹھہرا وہ کرب وہی کرب زبرج کے دل میں جیسے گھر کر گیا۔ان دونوں نے بغیر کہے ایک دوسرے سے بہت کچھ کہا تھا۔اگلی صبح وہاں سے جاتے ہوئے اسکا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔اسکا دل وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔زبرج شاہنواز وہ انسان بن کر واپس نہیں گیا تھا جو یہاں آیا تھا۔

"کئی بار کچھ لوگوں کے اصل چہرے سامنے آنے پہ بھی آپ ان سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔میں بھی نہیں چھوڑ سکا۔لیکن میں نے اس چہرے کو دوبارہ ٹھیک کرنے کا ضرور سوچا تھا۔"

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں جبل؟"

زور گڑھ سے آنے کے پورے ایک ماہ بعد جبل اس سے ملنے آیا تھا۔وہ اسے اندر لے آیا۔اپنے کمرے کے فرش پہ بیٹھتے ہوئے کئی منٹ بعد یہ وہ پہلا سوال تھا جو زبرج نے کیا تھا۔اسکی حالت بکھری ہوئی تھی۔وہ بے حد مضطرب تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے فرش پہ بیٹھے تھے۔کمریں بیڈ سے جوڑ رکھی تھیں اور چہرے ان پہ ایک جیسا کرب تھا۔

"میں ایک جہنم میں رہنے والا تھا۔آپ کے لئے آگے ایک ونڈر لینڈ تھا۔داجی نے کہا تھا مت بتاؤ۔سو میں نے نہیں بتایا۔"

وہ خاموش رہا۔کچھ کہہ نہیں سکا۔جبل خان اسکی کہانی کا ولن رہا تھا۔جس نے اسے کئی سال ایک راز سے محروم رکھا۔آج وہ ہیرو ثابت ہو رہا تھا جس نے زبرج شاہنواز کے آئیڈیل کے بت کو ٹوٹنے سے بچا لیا تھا۔ولنز کو ایک وقت بعد ہیرو مان لینا بڑا مشکل امر ہوتا ہے۔اسکے لئے بھی مشکل رہا۔یا شاید ہیرو کو ولن ماننا زیادہ مشکل تھا؟

"تم نے کبھی مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟دس سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے جبل۔"یاسیت سی اسکے لہجے میں گھل گئی۔آنکھیں جیسے جلن ک شکار ہوئی ہوں۔اسکے بس میں ہوتا تو زندگی سے یہ دس سال کاٹ دیتا۔

"آپ کے پاس بہت دوست تھے۔میری ضرورت نہیں تھی آپ کو۔"

"تمہاری ایک الگ جگہ تھی۔اور مجھے آپ کہنا بند کرو۔"وہ چڑا تھا۔جبل مدھم سا ہنس پڑا۔

"میرے لئے دوست یا تو ہوتا ہے یا پھر نہیں ہوتا۔یہ الگ جگہ،تھوڑی جگہ ،زیادہ جگہ یہ کچھ نہیں ہوتا۔"

"میں زور گڑھ کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔میں اپنے باپ کے نام پہ لگا بٹہ ہٹانا چاہتا ہوں۔قبیلے کے سردار کیا تم مجھے اپنے علاقے میں رہنے کی اجازت دو گے؟"وہ ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا اور مختلف لہجے میں بولا۔

"کوشش کرکے دیکھ لیں۔" وہ مبہم انداز میں بولا۔اس وقت زبرج جبل خان کی بات کا سیاق و سباق نہیں سمجھ سکا تھا۔لیکن آنے والا وقت اسے بہت کچھ بتانے والا تھا۔وہ جس زور گڑھ کو اپنے ایک پراجیکٹ کی مار سمجھتا تھا وہ در حقیقت ایک آسیب تھا جو بہت جلد ٹلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔وہ کوئی بوسیدہ حویلی تھی جسے اب مرمت کی نہیں نئ تعمیر کی ضرورت تھی۔

زبرج بری طرح اس کام سے آبسیسڈ ہوگیا تھا۔اس نے اسکیپر سے پہلی دفع اس رقم کا مطالبہ کیا جو اس نے کئ سال ہیکنگ کرکے بنائی تھی۔لیکن اسکی حیرت کی انتہا تب نہ رہی جب زور گڑھ میں ہر گھر نے حرام کا یہ پیسہ اسکے منہ پہ دے مارا تھا۔وہ اپنی زندگی میں اتنا حیران کبھی نہیں ہوا تھا۔پچھلے چند ماہ نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔کون تھے یہ لوگ جن کو پیٹ کے جہنم سے زیادہ کئ ہزار سال بعد آنے والی اس جہنم کا خوف تھا؟کیسا ایمان تھا جس نے حرام پہ بھوک کو ترجیح دی تھی۔

اس نے ہمت نا ہاری اور سارا پیسہ وہاں لگایا جہاں سے اسے امید تھی کہ یہ لوگ اسکی بات اوپر پہنچائیں گے۔اس نے کئ بار دبے دبے لفظوں میں حسن،زلطان،شادان اور زخرف سے زور گڑھ کے بارے میں بات کی تھی۔وہ ہر دفع اس بات کو ہوا میں اڑا دیتے تھے۔لیکن وہ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔اس سارے وقت میں صرف ایک چیز جو بہت اچھی ہوئی تھی وہ جبل کے پاس زبرج کی واپسی تھی۔

گاؤں کی کچی پگڈنڈیاں ایک بار پھر ان دونوں کی وجہ سے خوش رہنے لگی تھیں۔وہ باغ میں بیٹھتے تھے۔جرگے میں فیصلے کرتے تھے۔کئی کئی گھنٹے مستقبل کے پلانز بناتے تھے۔جبل خان جانتا تھا اسے ایک دوست نہیں واپس ملا۔وہ ایک گلٹی بیٹا تھا۔ایک غیرت مند لڑکا اور ایک فرض شناس مسیحا۔وہ زور گڑھ کو ایک بار پھرونڈر لینڈ بنانے آیا تھا اور بنا کر چلا جاتا۔وہ دوست بن کر واپس نہیں آیا تھا اور اب شاید کبھی آتا بھی نہیں۔اسے ایک بار پھر الوداع کی اذیت سہنی تھی۔اور وہ اس بار بھی تیار نہیں تھا۔

کئی بار زندگی صحیح یا غلط فیصلے نہیں کرتی۔بعض دفع زندگی مصلحتانہ فیصلے کرتی ہے۔اور عقلمند انسان ان فیصلوں کو مان لیتے ہیں۔جبل بھی مان چکا تھا۔وہ زبرج کی موجودگی اور واپسی کو مان چکا تھا۔

دن رات کی جان توڑ محنت کے بعد زبرج شاہنواز پورے دو سال بعد وہاں ایک ایسا پراجیکٹ لانے میں کامیاب ہوگیا تھا جس سے زور گڑھ کا نقشہ بدل جانے والا تھا۔لیکن انہی دنوں قسمت نے ایک بار پھر کایا پلٹی۔

اسکائی ہائی پہ ہونے والے اس حملے نے زور گڑھ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ترقی نے دبے پاؤں اپنے قدم اس دھرتی سے موڑ لئے۔زبرج پوائنٹ زیرو پہ آگیا تھا۔اسکا سارا پیسہ ڈوب چکا تھا۔اسکے سارے تعلقات جیسے صفر ہو گئے تھے۔اسکی تمام کوششیں خاک ہوگئی تھیں۔اپنی زندگی سے اسے بخت،تاج،تخت،ہرشے جیسے چھنتی محسوس ہوئی۔سیدھے راستے پہ آنا آسان تھا قدم جمائے رکھنا مشکل۔

اسکا پلان پوری طرح رپٹ گیا تھا۔اس رات وہ حویلی کی چھت پہ پوری رات جاگتا رہا تھا۔اس رات اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار سیگریٹ پہ سیگریٹ پئے تھے۔زندگی ہمیشہ اسکے اشاروں پہ رقص کرتی رہی تھی آج وہ جیسے ہر اشارہ بھول گیا تھا۔فجر سے چند لمحہ قبل جبل خان اسکے عقب میں آ کر رکا۔زبرج اسکی موجودگی سے لا علم نہیں تھا۔وہ خالی خالی نظروں سے آسمان کو تکتا رہا۔

”میں تمھارے پلان پہ کام کرنا چاہتا ہوں جبل۔“وہ چاند کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کرنے لگا۔دو سال قبل جبل نے اسے ایک پلان سنایا تھا۔اور زبرج نے سنتے ہی رد کر دیا تھا۔آج وہ اس پہ منظوری دے رہا تھا۔بلیک ہیٹ ہیکر نے سیدھے کام کرنے چاہے تھے مگر کچھ لوگوں کے لئے سیدھے کام بنے ہی نہیں ہوتے۔

”وہ ایک ٹیڑھا کام ہے۔اور آپ ایک سیدھے آدمی۔خود کو مشکل میں مت ڈالیں۔آپ کرمنل نہیں ہیں۔“وہ دو قدم مذید آگے آیا۔زبرج کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔”آپ کا گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے۔اس پہ توجہ دیں۔“

”تم کرمنل ہو؟“زبرج نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔

”نہیں لیکن اگر میں وہ کام کروں گا تو میرے پاس ایک اچھی بیک سٹوری ہوگی۔آپ کے پاس نہیں ہے۔“اس نے بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔

”بیک سٹوری ہم دونوں کی ایک ہے۔“

”نہیں ہے۔آپ دس سال بعد آ کر یہاں جذباتیت دکھا رہے ہیں۔اور میں دس سالوں میں ہر جذبہ کھو چکا ہوں۔سوائے انتقام کے۔“

زبرج اب کے اسکی طرف مڑا۔اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔چہرے پہ حزن و ملال کا سایہ تھا۔

”میں جب تک اپنے باپ کا ادھورا چھوڑا ہوا کام نہیں کروں گا۔مجھے کہیں بھی سکون نہیں آئے گا۔تم اپنا پلان مجھ دے سکتے ہو؟اپنی وفاداری اور ملازمت بھی۔“

جبل اسے دیکھتا رہا۔وہ اسے انکار نہیں کر سکتا تھا۔یہ ایک کام جبل خان کے بس میں نہیں تھا۔اپنے باپ کا نام صاف کرنے کے لئے اس نے جو کام شروع کیا تھا وہ اسکی زندگی کو سیاہ کرنے والا تھا۔وہ اس بات سے بے خبر تھا۔

”اس ساری جنگ میں جو سب سے اہم چیز میں نے کھو دی۔وہ میرا کمفرٹ تھا۔میری بیوی،میری اولاد۔میں انہیں بہت مس کرتا ہوں۔“

دانین اور زبرج کے درمیان پہلے جھگڑے ہوئے۔پھر لمبی لمبی بحث اور پھر بلاخر ایک سکوت چھا گیا۔وہ دونوں ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔وجہ زبرج کا جنون تھا۔وہ ایک تباہ شدہ علاقے میں سرنگیں کھود رہا تھا۔وہ لوگ جو اسکے باپ کو گالیاں دیتے تھے انکے بچوں کو تعلیم دلوا رہا تھا۔وہ انہیں اسلحہ دلوا رہا تھا۔اپنی ہیکنگ سے کمایا لاکھوں روپیہ وہ

اپنے باپ کا نام صاف کرنے پہ جھونک رہا تھا۔وہ ان کی مدد کر رہا تھا جو اسکے باپ اور اسکے باپ کے دوست کو معاف کرنے کو تیار نہ تھے وہ انکے لئے گاؤں میں ترقی لانا چاہتا تھا۔اور ان سب کے درمیان اس نے جس کے ساتھ ناانصافی کی تھی وہ اسکی اپنی محبت تھی۔لندن سے آئی وہ آزاد ملک کی آزاد لڑکی گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔زبرج کو اندازہ نہ ہوا کہ اپنے مرے ہوئے باپ کا نام صاف کرتے ہوئے وہ اس جیتی جاگتی عورت کے ساتھ کیا کر چکا تھا۔

شادی کے پہلے سال تو اسکی پھولوں کی دکان رہی، مگر پھر آہستہ آہستہ زبرج کی ناپسندیدگی پھولوں سے بڑھتی گئی اور بلاخر دانین کو وہ دکان بھی چھوڑنی پڑی۔زبرج گھر میں تو شروع سے ہی مالی مدد کے علاوہ contributions نہیں کرتا تھا مگر حمدان کے بعد تو وہ جیسے بری الذمہ ہو گیا تھا۔دانین نے پھر بھی برداشت کر لیا کیونکہ وہ سارا وقت حمدان کو دیا کرتا تھا۔کم مگر **"محبت"** کے بول بولتا تھا۔اگر وقت دیتا تھا تو صرف اپنے بیٹے اور بیوی کو لیکن جنون اس وقت اسکے سر چڑھ گیا تھا۔اسے اتارنا ناممکنات میں سے ہو گیا تھا۔وہ کئی کئی ہفتے بھی دانین سے لمبی بات کئے بغیر گزار دیتا تھا اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

”زبرج . . . تم آج کل میری کوئی بات نہیں سنتے۔“آج بڑے دن بعد وہ ایک بار پھر ہمت کر کے اس کے پاس آئی تھی۔صوفے پہ بیٹھا لیپ ٹاپ گود میں رکھے وہ کھٹاکھٹ ٹائپ کرتا رہا۔”حمدان یہ سب نوٹس کر رہا ہے۔تمہاری آبسیشن بس بڑھتی ہی جا رہی ہے۔“

"دانین میں اس وقت لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔بعد میں پلیز۔" وہ اکتایا۔نگاہیں لیپ ٹاپ پہ مرکوز رکھیں۔

دانین چندپل اسے دیکھتی رہی۔ان دونوں کے بیچ ایک خلیج در آئی تھی۔وہ اب اسکی آبسیشن کے چکر میں ایک دوسرے کے تعلق کو گنوا نہیں سکتی تھی۔انا کو ایک طرف رکھتے وہ اسکی باتوں کا برامانے بغیر اسکے قریب صوفے پہ آ کر بیٹھی۔چند پل اسے دیکھتی رہی۔

صاف سنہری رنگت زرد پڑ گئی تھی۔آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں۔لب کثرت سیگریٹ نوشی سے سیاہ پڑنے لگے تھے۔یہ تمام تبدیلاں صرف اسکے ظاہری حلیے میں نہیں آئی تھیں۔ایسا ہی کچھ انکے تعلق میں بھی آگیا تھا۔

وہ مزید چند پل اسے دیکھتی رہی پھر بازو اسکے بازو میں ڈالے اسکے کندھے سے سر ٹکائے۔سکڑی سمٹی سی اسکے قریب بیٹھ گئی۔زبرج اول تو حیران ہوا۔لیپ ٹاپ پہ چلتی اسکی انگلیاں ساکت ہوئیں۔پھر وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔لیپ ٹاپ گود سے ہٹاتے ہوئے اس نے بازو سے اسکا ہاتھ ہٹایا اور پھر وہی بازو اسکے گرد حمائل کر کے اسے سینے سے لگایا۔ٹھوڑی اسکے سر پہ جمائے،وہ آنکھیں موند گیا۔وہ اسکے قریب تھی بے حد قریب۔سکون سا سکون تھا جو آس پاس پھیل گیا۔اسکی بیوی کی خوشبو دنیاکے ہر عطر پہ بھاری تھی۔

"مجھ پہ سحر پھونکنا چھوڑ دو دانین۔" وہ بہت دیر بعد بے بسی سے بولا۔شادی کے کئی سال بعد بھی وہ اس پہ دس سال پہلے والا اثر رکھتی تھی۔

"حمدان تمہیں بہت مس کرتا ہے۔وہ اب مجھے بہت تنگ کرنے لگا ہے۔اسے تمھارے وقت کی ضرورت ہے۔"

"میں کل سے اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔فکر مت کرو۔"وہ اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا۔ساتھ وقفے وقفے سے اسکا سر بھی چوم لیتا تھا۔اسے اپنی زندگی میں دانین جیسی محبت کسی اور سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے یقین تھا۔

وہ کئی پل خاموشی سے اسکے پاس بیٹھی رہی۔پھر اسکا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔اسکا ہاتھ سخت اور کھردرا ہو گیا تھا۔رنگت سفید تھی جس پہ سبز رگیں ابھر کر نظر آتی تھی اب وہی رنگت سانولی پڑتی جا رہی تھی۔

"میں پریگنینٹ ہوں۔"دھیرے سے کہے گئے اسکے ان الفاظ سے زبرج کو شاک لگا تھا۔وہ فوراً آنکھیں کھول گیا۔دانین اسکے سینے سے سر نکالے اب اسے تک رہی تھی۔وہ بے حد تحیر سے اسے دیکھتا رہا۔وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"چار مہینے ہو گئے ہیں۔میں نے سنا تھا اگر شروعات میں بتا دو تو نظر لگ جاتی ہے۔"اس نے اضافہ کیا۔

"میں کوئی "کسی" نہیں تھا دانین۔میں اسکا باپ ہوں،میں تمہارا شوہر ہوں۔یہ جاننا میرا حق تھا۔"وہ بہت بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔چہرے پہ واضح ناگواری تھی۔

”آئی ایم سوری۔تم سے خفا تھی میں۔اور تم بہت بزی تھے۔تمہیں میں اور حمدان بھی یاد نہیں تھے۔تم میری برتھڈے بھی بھول گئے تھے۔“

”اب تم مجھ پہ نیا کھاتا کھولنے کی کوشش مت کرو۔“وہ اکتایا۔پھر گہری سانس لی۔”کیا کہا ڈاکٹر نے؟ تمہیں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟“وہ غصہ چھوڑ کر پوچھنے لگا تھا۔کوئی فائدہ نہیں تھا غصے کا۔وہ اسکے کئی قصور نکالے بیٹھی تھی۔چارج شیٹ تیار تھی۔ایف آئی آر دو آنسو ہوتے اور مقدمہ بغیر کسی ثبوت اور دلائل کے "**بیوی**" ہی نے جیتنا تھا۔سمجھدار شوہر وہی ہوتا ہے جو ہتھیار ڈال دے۔

اب وہ بڑے جوش سے اسے سب بتا رہی تھی۔اس نے کیا کیا کھایا۔کیا ڈائٹ تھی۔حمدان کو کیا بتانا ہے۔اور فلحال یہ خبر اپنی مورے سے لازمی چھپانی ہے۔دانین اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بہت بدل گئی تھی۔وہ ہر بات مانتا چلا گیا۔وہ ماننے کا عادی تھا۔سوائے زور گڑھ کے معاملے میں وہ دانین کی باقی ساری باتیں مان جایا کرتا تھا۔وہ اچھا شوہر تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ یونہی اسکے قریب سو گئی۔زبرج نے سر صوفے کی پشت پہ گرا دیا۔اور دانین کا سر اپنی گود میں رکھا۔اگلے کئی لمحے وہ اسے دیکھتا رہا تھا۔انکے اختلافات کا رنگ دانین کے چہرے پہ بھی تھا۔حلقے،کھردری جلد۔سوکھے ہونٹ۔اسکے بال بھی خراب ہو رہے تھے۔مرد کی گھر میں عدم توجہی سب سے پہلے عورت کے چہرے پہ اثر انداز ہوتی ہے۔

پھر وہ اسکا ہر ممکن طریقے سے خیال رکھنے لگا تھا۔حمدان کو اپنے ساتھ لے جاتا اور مورے کو اپنے گھر دانین کے پاس چھوڑدیتا۔اس نے زور گڑھ کے پلان میں کوئی جھول نہیں چھوڑا تھا مگر اسکی اپنی زندگی میں اسکے ونڈر لینڈ میں ایک بھونچال ضرور آیا تھا۔

وہ زور گڑھ میں تھا۔اسکے بنائے پلان میں اسے رقم کی ضرورت تھی۔اور رقم اسے سوائے اسکیپر کے کسی اور سے نہیں مل سکتی تھی۔وہ اسکے لئے ہیکنگ کر رہا تھا۔فون آف تھے۔دانین سے وہ جھوٹ بول کر آیا تھا کہ اسے بلوچستان جانا ہے۔اسکے لئےہیکنگ کبھی مشکل کام نہیں رہا تھالیکن یہ وقت طلب ضرور تھا اور اس معاملے میں زبرج کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اسے فون ملاتے ہوئے بے دھیانی میں سیڑھیاں اتر رہی تھی اور وہ سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔پورا ایک دن وہ اس فرش پہ پڑی رہی۔قصور زبرج کا نہیں تھا۔وہ اگر اسلام آباد میں بھی ہوتا تو اپنے آفس میں ہوتا۔اور چاہ کر بھی اسے گرنے سے نہ بچا سکتا۔چاہ کر بھی اپنی ہونے والی اولاد کو نہ بچا سکتا۔جو بخت تھا سو تھا۔وہ چاہ لینے سے بدل نہیں جاتا۔پچھتاوے مٹ نہیں جاتے ۔مگر غم انسان کو سوچنے سمجھنے کے مواقع بہت کم دیتا ہے۔دانین کو بھی نہیں ملا۔اسکی ساری فرسٹریشن،غصہ اور انسکیورٹی اس نے زبرج پہ نکالی۔

وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔زبرج اب ہر جذبہ کھو چکا تھا۔باب دہر نے اسکے لئے ملال کے سامان پیدا کئے تھے۔اور اب اگر اسکے پاس کچھ بچا تھا تو وہ اسکا پلان تھا۔جس کے لئے وہ آخری حد تک جانے کے لیے تیار تھا۔جس کے لئے وہ آخری حد تک گیا تھا۔جس کے لئے وہ مرنے تک

کو تیار تھا اور جس کے لئے وہ مر بھی سکتا تھا۔اب اسے کسی شے سے فرق نہیں پڑتا تھا اپنی زندگی سے بھی نہیں۔

****

"حصہ سوئم:ونڈر لینڈ"

گیارہ جنوری۔

اسکے دونوں پیروں پہ اب سفید پٹی تھی۔چہرہ زخم زخم اور روح . . . . وہ کئی سال سے گھائل تھی۔وہ بنچ پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ہر کوئی اپنی اپنی جگہ خاموش تھا۔زلطان اور حنزلہ اب بھی اسکے قدموں کے قریب بیٹھے تھے۔باہر تواتر سے برف گر رہی تھی۔آسمانوں سے گرتے ننھے ننھے روئی کے گالوں کی مانند برف کے زرے زور گڑھ کو برف کی چادر میں لپیٹ رہے تھے۔اس تہہ خانے میں بیٹھے تمام لوگوں کے لئے باقی دنیا کی آوازیں تھم گئی تھیں ہر کوئی اس آواز کو سن رہا تھاجو کافی دیر قبل خاموش ہو چکی تھی مگر انہیں اب بھی اپنے کانوں میں پڑتی سنائی دے رہی

تھی۔زبرج کو خاموش ہوئے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں۔مگر وہ چپ ہوا تو کوئی بولا نہیں۔کسی کے پاس کہنے کو کچھ بچا نہیں تھا۔اس وقت اس پہر الزام ثانوی تھے۔چپ تھی جو بول رہی تھی۔سناٹا تھا جو دل چیر رہا تھا۔

”میں تمھیں غلط لگتا ہوں،تو میں غلط ہوں۔میں برا لگتاہوں تو میں برا ہوں۔“کئی لمحے بعد اسکی بھاری آواز خاموشی کو توڑ رہی تھی۔”کچھ فیصلے جو میں نے لے لئے تھے وہ میری آبسیشن تھے۔اپنے باپ،اپنے آئیڈیل کے نام کو صاف کرنے کی آبسیشن۔اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔“اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔دھیرے سے گردن اٹھائی۔سب اسے دیکھ رہے تھے۔سب کی نظریں مختلف تھیں۔

”تم لوگ اگر چاہو تو مجھے چھوڑ سکتے ہو۔میں کوئی شکایت نہیں کروں گا۔“

زلطان نے بیٹھے بیٹھے اسکی ٹانگ تھپتھپائی۔پھر خاموشی سے سر کو اسکی ٹانگ سے جوڑ لیا۔یہ جیسے اشارہ تھا کہ وہ اسکے ساتھ تھا۔زبرج کے دل کو جو تقویت ملی تھی اسکا کوئی ثانی نہیں تھا۔وہ چہرہ جھکائے رو پڑا۔یہ آنسو اسکی تکان کا ثبوت تھے۔کئی سالوں کی ریاضت کے بعد وہ بس تھک گیا تھا۔

حسن چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکی طرف آیا تھا۔وہ زبرج کی دائیں طرف بیٹھ کر اسکا سر اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔زبرج بری طرح رو رہا تھا۔ان چار لوگوں نے آج تک اسے اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔وہ آج تک ایسے ہمت نہیں ہارا تھا۔یا شاید آج تک وہ زبرج شاہنواز کا اصل

جان ہی نہیں سکے تھے۔شادان اسکا ہاتھ تھپک رہا تھا۔زخرف اسکے ساتھ رو رہی تھی۔خاندان ایک دوسرے کے غم میں ساتھ کھڑا تھا۔بغیر کہے،بغیر جتائے۔

"میں نے تم لوگوں کو مشکل میں ڈالا . . . آئی ایم سوری۔میری وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے۔میں کچھ سنبھال نہیں پایا آئی ایم سوری۔"وہ حسن کے سینے سے لگے بلند آواز میں گریہ کر رہا تھا۔بازو اسکے گرد باندھ رکھے تھے۔یہ چار لوگ یہ لوگ اسکی متاع حیات تھے۔وہ انکے چھوٹ جانے کے غم میں رو رہا تھا۔زلطان لب بھینچ گیا تھا۔وہ اسے اس طرح ہارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔وہ آج تک ہارا ہی نہیں تھا۔

"میں نے بہت غلط کیا ہے۔اب اندازہ ہورہا ہے تم سب کے ساتھ کتنا غلط کر چکا ہوں۔مجھے کوئی حق نہیں تھا تم سب کو اس خطرے میں ڈالنا۔"

"چپ ہوجاؤ یار مجھے لڑکوں کو منانے کا تجربہ نہیں ہے۔"حسن بظاہر سنجیدگی سے بولا۔اور اسکی پیٹھ تھپکی۔

"لڑکوں کو منانا نہیں آتا اور لڑکیاں تمھارے پاس رونے آتی نہیں ہیں۔"شادان نے چوٹ کی۔

"کہہ کون رہا ہے،جسے اسکی اپنی لڑکی خون کے آنسو رلا رہی ہے۔"زخرف نے گیلی آواز میں طنز کیا۔حنزلہ نے پہلو بدلا۔دوست رو رہا تھا اور ان مسخروں کو سرکس یاد آ رہا تھا۔

اگلے کئی لمحے وہ یونہی روتا رہا۔دروازے کے باہر ٹیک لگائے کھڑا جبل خان مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا۔وہ ایک بار پھر گیارہ سالہ جبل تھا جو گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں پہ کھڑا اپنے واحد دوست کو الوداع

کہہ رہا تھا۔وہ اسے چھوڑ کر ایک بار پھر غیروں کی صف میں شامل ہو چکا تھا۔وہ گیارہ سال کا نہیں تھا لیکن تکلیف آج بھی ویسی ہی تھی۔وہ اسکے ساتھ نہیں رویا۔اسکے سامنے نہیں ہارا۔وہ شاید کبھی بھی اسکا تھا ہی نہیں۔

کئی منٹ بعد وہ تہہ خانے میں واپس آیا تو وہ پانچوں لوگ ایک دائرے میں بیٹھے تھے۔زبرج البتہ لیٹا ہوا تھا۔سر زلطان کی گود میں اور دونوں پیر شادان کی گود میں رکھے۔اسکا چہرہ سپاٹ تھا۔سرخ ہوتی آنکھیں اس نے چھت سے لگا رکھیں تھیں۔وہ گہری سوچ میں لگتا تھا۔جبل کو زینے اتر کر نیچے آتے دیکھ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ایک موہوم سی امید تھی جبل اسے سنے گا۔اسکے پیچھے تین چار اور لڑکے بندوقیں ہاتھ میں لئے نیچے اتر آئے تھے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے جبل۔"زبرج نے اسے سرخ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔جبل خان جواب دیئے بغیر ایک وائرلیس فون کو کان سے لگا کر سامنے والے کی بات سن رہا تھا۔وہ پشتو بول رہا تھا سوائے زلطان، حنزلہ اور زبرج کے کوئی اور اسکی زبان نہیں سمجھ پایا تھا۔

"زخم گہرا تو نہیں ہے؟ . . . . ہم ٹھیک ہے۔پھر بھی اسے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔"سامنے سے مرید اسے کچھ بتانے لگا تھا۔جبل نے اسکی بات سنی۔پھر دوسرا سوال کیا۔

"تم لوگ چرچ کب تک آ رہے ہو؟ہاں ہم بیسمنٹ میں ہیں۔میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں ۔نہیں تم آجاؤ۔بہرام کو تسلی ہو جائے گی۔وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گا فکر مت کرو۔عیسیٰ کیسا ہے؟"

”بہتر ہے۔ہم نے اسے گھر پہ چھوڑا ہے۔تمھارے پاس آنے کی ضد کر رہا ہے لیکن خیر میں اسے دیکھ لوں گا۔ایجنٹ کیسا ہے؟“مرید کی آواز ہلکی ہوگئی تھی۔جبل نے مڑ کے زبرج یا پھر کسی اور کو ایک بار بھی نہیں دیکھا۔

”زندہ ہے وہ،دو گولیاں پیر پہ لگنے سے کوئی مرتا نہیں ہے۔تم بہرام کو کہیں اور مصروف رکھو میں پندرہ منٹ تک آرہا ہوں۔“اس نے فون بند کیا۔اس کی دائیں طرف کھڑے لوگ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔زبرج جیسے اب تک کسی شاک کے زیر اثر تھا۔جوگی کی اپنی پٹاری کا سانپ اسے کیسے ڈس سکتا تھا؟

”میں کہہ رہا ہوں مجھے تم سے بات کرنی ہے جبل۔تمھیں سمجھ نہیں آ رہی؟“زبرج ذرا بلند آواز میں بولا تھا۔چہرے پہ ناگواری تھی۔

جبل زینوں کی طرف جاتے ہوئے مڑا۔ایک نظر اسے دیکھا۔آنکھوں میں لاتعلقی اور ٹھنڈک تھی۔

”مجھ سے زیادہ جن لوگوں سے بات کرنے میں تم انٹرسٹڈ ہو میرا خیال ہے تمھیں انہی سے بات کرنی چاہیے۔آفٹر آل تمہاری کھوئی ہوئی فیملی واپس آگئی ہے۔“

”تم بچے ہو کیا؟اتنی سی بات پہ کون لڑتا ہے۔“زخرف درمیان میں بولی تھی۔

"میں لڑ نہیں رہا۔میں غصہ نہیں ہو رہا۔جس طرح زور گڑھ جو کچھ کھو چکا ہے وہ واپس لانا ناممکن ہے اسی طرح آپ سب بھی بہت کچھ کھوئیں گے۔اور میں یہ سب دیکھوں گا۔"وہ تنفر سے بولا۔

"ہم ڈیل کر سکتے ہیں۔ہم پلان بنا سکتے ہیں تم ایک بار بات تو کرو۔"حسن کا انداز ناگواری لئے ہوئے تھا۔

"اب تم قبر سے اپنے باپ کو اٹھاؤ اسی کے ساتھ ڈیل کرو اسی کے ساتھ بات کرو۔"اسکا انداز بے لچک تھا۔

"میرے باپ کے بارے میں تمیز سے بات کرو جاہل۔"حسن غرایا۔زلطان نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے دھیرج رکھنے کو کہا۔زبرج بس اس سپہ سالار کو دیکھ رہا تھا۔جو جنگ کے عین درمیان میں اغیار کی سلطنت سے جا ملا تھا۔ہتھیار بے کار تھے۔فوجیں جیسے مفلوج ہو گئی ہوں۔جنگیں حوصلوں کی ہوتی ہیں اور اسکے حوصلے بری طرح پست ہوئے تھے۔

"اگر تمہیں لگتا ہے میں انہیں یہاں سے نکال نہیں سکتا تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔جنہیں تم میری کمزوری سمجھ رہے ہو وہ میری طاقت ہیں۔"زبرج کچھ جتا رہا تھا۔

جبل اختتامی زینے پہ کھڑے ہو کر مسکرایا۔ایک عجیب تلخ سی مسکراہٹ۔

”تم انہیں وہاں سے نکال سکتے تھے جہاں تمھارے پلان لاگو ہوتے تھے۔جہاں hostages کو سہولیات میسر تھیں۔افسوس مگر میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔نکل سکتے ہو تو جاؤ نکل جاؤ۔مگر یہ یاد رکھنا کہ زور گڑھ میں تم پانچ لوگوں کو دیکھتے ہی ہیڈ شاٹ مارنے کا حکم ہے۔“

”اور تمھیں لگتا ہے تمھارے اس بے وقوف بھائی کے حکم کو مانا جائے گا؟“زبرج ہنوز خفا تھا۔بے حد خفا۔

”یہ حکم جبل اجلال خان نے دیا ہے۔اور تمھیں لگتا ہے کوئی اسے ٹال سکتا ہے؟“

لمحے کے ہزارویں حصے میں زبرج کی رنگت فق ہوئی تھی۔وہ جبل خان سے لوگوں کی عقیدت اور جذباتی وابستگی سے واقف تھا۔وہ زور گڑھ کا ہیرو تھا۔زبرج کو یقین سا ہو چلا کہ وہ اپنے دوستوں کو اندھی کھائی میں دھکیل چکا تھا۔اور رسی کے نام پہ اسکے پاس کچھ نہیں تھا۔

”تم نے صرف اپنا سوچا اور اب میں بھی صرف اپنا سوچوں گا۔ونڈر لینڈ مبارک ہو۔“

جبل دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔باہر کھڑے ہو کر وہ شاید واپس اس جگہ کوایسے بند کر رہا تھا جیسے خزانے دفن کئے جاتے ہوں۔کیا جذبات تھے جو اس وقت ان کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے۔اس تہہ خانے کا ہر، ہر اسیر بے حد صبر اور بڑی ہی خاموشی سے اپنی زندگی کو ایک کھیل کھیلتے دیکھ رہے تھے۔ایسا کھیل جس کی ہر بازی انکے لئے مات تھی۔

”گیارہ جنوری۔“

"وقت شام سات بجے"

جبل خان کو گئے ہوئے کافی گھنٹے بیت چکے تھے مگر وہ واپس نہیں آیا۔پہلا گھنٹہ بے چینی میں گزرا،دوسرا خوف،تیسرا فرسٹریشن،چوتھا تکان اور پانچواں قبولیت۔بلاخر انہیں ایک بار پھر قبول کرنا پڑا کہ وہ اس تہہ خانے سے باہر نہیں جا سکتے۔زبرج سخت اضطرابی عالم میں تھا جو کہ باقاعدہ اسکے چہرے سے بھی عیاں تھا۔اسکے پلان میں مات صرف اسے ہوتی تو خیر تھی۔مسئلہ اسکے خاندان کا تھا۔جن پہ کم از کم وہ اپنی وجہ سے کوئی مصیبت آنے نہیں دے سکتا تھا۔اسکے اتنے پرفیکٹ پلان میں کوئی جھول آ بھی سکتا تھا وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔

وہ کئی بار ایسی ایسی بے تکی باتیں کر رہا تھا جس سے کوئی بھی اس سے جھگڑ پڑتا مگر ان لوگوں میں سے سب بس خاموش رہے۔وہ شاید چاہتا تھا اس سے لڑا جائے مگر وہ سب نہیں لڑے۔۔وہ ایک قیامت سے گزر کر آئے تھے اور قیامت سے واپسی یاد رہتی کون اسے لایا یہ اسباب نہیں۔

زبرج کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اٹھ کر اس میدان میں چکر لگانے شروع کر دے۔وہ لگا بھی لیتا اگر اسکے دونوں پیر زخمی نہ ہوتے۔شادان آس پاس سے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں ایک جگہ جمع کر رہا تھا۔اسے دیکھتے ہوئے زخرف بھی اسکا ساتھ دینے کے لئے اٹھی۔صد شکر کہ لکڑیاں خشک تھیں۔مگر دھول اور بے تحاشا مٹی شادان کے لئے کوفت کا باعث بن رہی تھی۔ایک بنچ پہ سر رکھے بے زاری سے آس پاس دیکھتی حنزلہ کی نگاہ اس پہ ٹھہر گئی۔

وہ ایک ہاتھ ناک پہ رکھے دوسرے ہاتھ سے جھک کر لکڑیاں سمیٹ رہا تھا۔وہ جانے کیوں بے اختیار مسکرائی۔کتنا نخرے باز تھا وہ۔اس نے نوٹ کیا تھا کہ شادان کو ذرا سی بھی گندگی نہیں پسند۔وہ اچھے پہناوے اور برانڈڈ اشیاء کا عادی تھا۔اسے دیکھتے ہوئے حنزلہ نے اپنا بیگ کھول کر لائٹر اور ایک دو کاغذ باہر نکالے۔

”ویسے کسی کو یہ یاد ہے کہ ہم یہاں آئے کیوں تھے؟“زلطان اپنی جگہ پہ بیٹھے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

”تصیح کرو ہم یہاں آئے نہیں لائے گئے تھے۔“شادان نے لکڑیاں جمع کر لیں اور اب وہ سامنے سے آتی حنزلہ کو دیکھ رہا تھا۔جس کے ہاتھ میں لائٹر اور کاغذ تھا۔

”میں یہاں آنے کی نہیں کیفے ونگ چارم کی بات کر رہا ہوں۔ہم ایک میٹ اپ کے لئے آئے تھے۔“

”بس ایک میٹ اپ نہیں ہو سکا۔“حسن چمک کر بولا۔”مار کھالی۔ذلیل ہو گئے۔کپڑے پھٹ گئے۔کریکٹر ڈیولپمنٹ ہو گئی۔محبتیں ہو گئیں،دل ٹوٹے۔“اس نے شادان اور حنزلہ کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھا۔”لوگوں کو کھوئی ہوئی محبتیں مل گئیں۔اور جو نہیں ہوا وہ میٹ اپ تھا۔“

”ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں ایک کام کرو زلطان۔“ زبرج اچانک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔”تم تینوں اٹھو اور اس دروازے کو دھکا مارو،بلکہ مجھے اپنے ساتھ اٹھاؤ پیر میں درد ہے بازو ٹھیک ہے

میرا۔ہم اسکو دھکا مار کر توڑ سکتے ہیں یہ بہت پرانے دور کا ہے۔"وہ تیز تیز کہہ رہا تھا۔لہجے میں عجیب سی بے چینی تھی۔یہ خیال کہ وہ یہاں سے نکل نہیں سکتا یہ اسے بے چین کئے ہوئے تھا۔

"کون دھکا مار سکتا ہے زبرج؟حسن کے بازو پہ گولی لگی ہے۔شادان کی حالت دیکھووہ کمزور ہے اور میں؟ میری گردن میں ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔تمھیں لگتا ہے ہم کوئی دروازہ توڑ سکتے ہیں؟"زلطان تحمل سے بولا۔

"تم میرا کام کرنا نہیں چاہتے تو صاف صاف بولو ڈرامے بازیاں کیوں کر رہے ہو؟"وہ برس پڑا۔"میں اکیلا بھی اسے توڑ سکتا ہوں۔میں تمھیں یہاں سے نکال لوں گا۔تم مجھے کمزور مت سمجھو۔"

"اگر نکالنا ہی تھا تو یہاں لائے کیوں ہو؟"شادان لکڑیاں نیچے پھینک کر ترشی سے بولا۔"ہمیں یہاں تم لائے ہو ہر فساد کی جڑ تم ہو۔یہ چیخ چلا کر مظلوم بننے کی کوشش مت کرو تم۔اگر ہم لوگ خاموش ہیں تو تم سر پہ مت چڑھو۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔تم لوگ اس لئے میری مدد نہیں کر رہے کیونکہ تمھیں یہاں میں لایا ہوں؟ایک بات یاد رکھنا میں اکیلا کافی ہوں۔کسی کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔"وہ بلند آواز میں کہتے ہوئے اٹھ نے کی کوشش کرنے لگا۔حسن اور زخرف ناگواری سے اسے دیکھ رہے تھے۔شادان لب بھینچے ہوئے تھا۔واحد انسان جو پر سکون تھا وہ زلطان تھا۔وہ اسے زور آزمائی کرنے دینا چاہتا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر نکال کر دکھاؤ ہمیں۔کیونکہ ہم یہاں تمہاری وجہ سے ہیں۔ہمارے پیرنٹس زور گڑھ کے کچھ نہیں لگتے تھے اور تمہارے فادر یہاں سب کچھ تھے۔“زخرف ناگواری سے کہنے لگی۔”ہم یہاں تمہارے باپ کے کئے ہوئے گناہوں کو کیوں جھیل رہے ہیں؟“

زبرج سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بغیر کچھ کہے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔حسن نے آگے بڑھنا چاہا مگر زلطان اسکا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔وہ ہتھیلی زمین پہ جما کر اٹھا۔پیروں کا زور جیسے ہی فرش پہ پڑا اسکے سارے جسم میں درد کی ایسی ٹیسیں اٹھی تھیں کہ اسے اپنا سارا جسم ٹوٹتا محسوس ہوا۔وہ دھڑام سے منہ کے بل واپس فرش پہ آکر گرا تھا۔توانائی جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں سلب ہوکر رہ گئی ہو۔وہ زمین پہ پڑا کراہ رہا تھا۔اسکے چاروں دوست اسے دیکھتے رہے۔گہری سانس لیتے ہوئے شادان آگے بڑھا۔اسے کندھے سے تھام کر اٹھانا چاہا وہ اسکا ہاتھ جھٹک چکا تھا۔جس کے بدلے میں شادان نے ایک لات اسکی پسلیوں پہ رسید کی۔جواباًزبرج نے اسے ہر وہ گالی دی تھی جس سے کسی کے کان سے دھواں نہیں آتش فشاں باہر نکلے۔

”لالہ پہ ہاتھ مت اٹھانا جاہل انسان۔“حنزلہ کے ترش انداز میں کہنے پہ شاد ان پورا اسکی طرف گھوما۔

”تمہارا لالہ بعد میں میرا دوست پہلے ہے۔اسکی ٹیوننگ کیسے کرنی ہے میں جانتا ہوں۔“

”ہاتھ نہیں لات اٹھائی ہے۔“حسن کا بولنا لازم تھا۔

شادان نے حنزلہ کو دیکھتے ہوئے اسے ایک اور لات ماری۔زبرج اب کے چپ رہا۔اسے درد ہوا تھا بے تحاشا درد۔

"یہ حالت ہے لاٹ صاحب کی اور نکلے ہیں جنگ کرنے۔"سلگ کر کہتے ہوئے وہ پنجوں کے بل اسکے قریب بیٹھا۔ذرا سی ہی جدو جہد کے بعد وہ اسے سیدھا کر کے بٹھا چکا تھا۔حنزلہ اب آگ جلا رہی تھی۔زخرف نے آگے بڑھ کر کاٹھ کباڑ سے کوئی کرسی لا کر اسکی پشت کو سہارا دیا۔زبرج ہنوز گہری سانسیں لے رہا تھا۔ساتھ آنکھیں میچ کر کراہ رہا تھا۔درد کی یہ شدت برداشت کرنا اسکے لئے محال ہو رہا تھا۔اسے اپنے دونوں پیر درد کی شدت سے کٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"جو ہمارا ہے وہ ہمارا رہے گا زبرج۔خود کو تھکاؤ مت۔"زخرف اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھے رسان سے کہہ رہی تھی۔"یہاں آنے کے پورے چاردن ہم نے صرف بھاگنے کی کوشش کی ہے۔ایک بار بھی بیٹھ کر یہ نہیں سوچا کہ لندن کا وہ وقت دوبارہ آگیا ہے۔ہم سب ساتھ ہیں یار۔ہم یہاں سے نکلیں گے۔ہم ایک دوسرے کو نکال لیں گے۔اس وقت جو لمحہ ہے اسکا سوچو۔"وہ اسکے ساتھ بیٹھ گئی۔رفتہ رفتہ سب بیٹھ گئے۔آگ کے گرد ایک جھمگھٹا سالگ گیا۔زلطان نے اپنے بیگ سے پھل نکالے اور ایک ایک کی طرف اچھالتا گیا۔سب نے کیچ کیا۔اور گود میں رکھ لئے۔حسن نے جوس کے پیکٹس انکی طرف بڑھائے۔

ٹھنڈ کی شدت کو آگ کم کئے ہوئے تھی۔ کئی پل خاموشی میں بیت گئے۔ سب اپنے اپنے خیالوں میں گم خاموش رہے۔ واحد آواز وہ تھی جو اس وقت لکڑیوں کے چٹخنے کی تھی۔ یا پھر کسی جھینگرے کے گریہ زاری کی۔ کافی وقت بعد حسن سلطان نے خاموشی کی اس دیوار پہ پہلی ضرب ماری تھی۔

"مجھے تم سے مسائل تھے زبرج۔" مدھم لہجے میں شکایت کی۔ "میرے کزن کی شادی تھی میں نے تم سے آنے کو کہا تھا تم اسلام آباد میں تھے اور شادی بھی لیکن تم نہیں آئے۔ تم نے بعد میں ایک فون بھی نہیں کیا۔ اور تم اسی دن کسی اور دوست کے ساتھ تھے۔ تمہارا نہ آنا مسئلہ نہیں تھا مجھے اگنور کرنا مسئلہ تھا۔

میں نے فہیم خان کیس میں اپنے مقابل کو تاریخی شکست دی تھی۔ وکٹری پارٹی میں تم نہیں آئے۔ نہ کال کیا نہ میسج۔ میں نے تمھیں کال کی تو تم نے کہا تم مصروف ہو۔ تم ان دنوں جاب لیس تھے پھر کیسا کام؟ مجھے گولیاں لگیں تم نہیں آئے۔ اور تم نے جسٹس زبیر کے بیٹے سے کہا کہ میں پریولجڈ ہوں؟ میری اپنی کوئی کامیابی نہیں ہے میں جو ہوں اپنے باپ کے نام کی وجہ سے ہوں؟"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا۔" وہ دھیرے سے بولا۔ آنکھیں حسن کی آنکھوں میں ڈال رکھی تھیں۔ "وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ حسن اس فیلڈ میں آتے ہی چھا گیا ہے۔ اسے وقت ہی کتنا ہوا ہے اور اسکی کامیابیاں ابھی سے سب دیکھ رہے ہیں۔ اس بات پہ میں نے اس سے کہا تھا کہ حسن

نیا نہیں ہے۔اسے گراؤنڈ اب ملا ہے لیکن وہ کھیل پہلے سے جانتا ہے۔چودہ سال کی عمر سے اپنے باپ کے ساتھ کورٹ جاتا رہا ہے۔" اس نے وضاحت دی۔"اور میں تمہاری وکٹری پارٹی میں نہیں آیا کیونکہ میں نے تمہیں یہ کیس لینے سے منع کیا تھا۔اور وہی ہوا انہوں نے تم پہ گولیاں چلائیں۔میں غصے کی وجہ سے تم سے ملنے بھی نہیں آیا۔لیکن . . . . . " اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔الفاظ جوڑے۔"آئی ایم سوری۔جو بھی تھا میرا رویہ غلط تھا۔مجھے کسی تیسرے سے ہماری بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔میں واقعی تمھیں اگنور کررہا تھا کیونکہ مجھے لگا تھا تم بار بار پوچھو گے۔"

حسن نے سر کو خم دیا گہری سانس لی اور ہر شے وقت کی دھول میں بہت پیچھے اڑا دی۔وہ اپنی غلطی مان رہا تھا یہ کافی تھا۔ذرا ذرا سی غلطیوں پہ دوست نہیں چھوڑے جاتے۔

"تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں؟" اس نے تھوڑی دیر بعد دوبارہ زبرج کو مخاطب کر لیا۔

اس نے کندھے اچکائے۔"تھیں لیکن بے حد بچکانہ۔مجھے لگتا تھا تم مجھ پہ اپنے پیسے کا رعب جھاڑتے ہو۔کیونکہ تم مجھے بار بار کسی جاب کا بتا رہے ہوتے تھے۔مسئلہ تم نہیں تھے حسن مسئلہ میں تھا۔میرا گھر ڈسٹرب تھا۔مرد کا گھر ڈسٹرب ہو تو اسکا غصہ باہر کے لوگوں پہ نکلتا ہے۔میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔میں پارٹیز وغیرہ میں نہیں آتا تھا کیونکہ وہاں لوگ تھے اور ان دنوں میں لوگوں کے سوالات کے جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔لیکن مجھے یہ سب تمھیں بتانا چاہیے تھا۔آئی ایم سوری یار۔"

"مجھے خیال رکھنا چاہیے تھا میں ہر دفع کال کر کے تمھیں بس جاب کے بارے میں کہتا رہتا تھا۔مجھے لگتا تھا تم گھر رہ رہ کر عادی ہو جاؤ گے اس زندگی کے۔آئی ایم سوری۔"

بس صرف ایک سوری صرف ایک بار دوبدو بات کرنی ہوتی ہے اور چیزیں وہ نہیں ہوتیں جو ہم نے سمجھ رکھی ہوتی ہیں۔نتائج وہ نہیں ہوتے جو ہم نے اخذ کر رکھے ہوتے ہیں۔لوگ وہ نہیں نکلتے جو ہم نے سوچ رکھے ہوتے ہیں۔

"شادان تمھیں زلطان سے کیا مسائل ہیں؟"حسن نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔"جو بھی اب کہو۔ہم یہاں حل نکالنے کے لئے بیٹھے ہیں۔"شادان جیسے سلگ ہی اٹھا ہو۔کیا مطلب اب اسے ولن بنایا جائے گا؟

"میں بتاتا ہوں مجھے شادان سے کیا مسائل تھے۔"زلطان نے پہل کی۔یہ پہلی بار تھا۔شاید دہر کا یہ باب اس پہ اثر کر چکا تھا۔ورنہ اس نے شکایات کرنا نہیں سیکھا تھا۔

"مجھے شادان کے ساتھ رہ کر "**قفس**"جیسا لگتا تھا۔اول تو شادان کو گوسپ کی عادت ہے۔میں کوئی نیک نہیں ہوں یہ عادت میرے اندر بھی ہے لیکن شادان اس ساری گوسپ کے درمیان اپنا قصور نہیں سن پاتا تھا۔اور اسے لگا میں اس سے بے زار ہوتا جارہا ہوں۔حلانکہ ایسانہیں تھا۔جب وہ دوسروں کے قصور گنوا رہا ہوتا تھا تب اگر میں اسکا کوئی قصور گنوا دیتا تھا تو وہ ناراض ہوجاتا تھا۔"شادان نے گردن جھکا دی۔عجیب سی شرمساری ہوئی تھی۔وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔

"اسے میرے ہر دوست سے مسئلہ تھا۔شادان کو لگتا تھا کہ میں کوئی اور دوست بناؤں گا تو اسکے ساتھ دھوکہ کروں گا۔وہ ہر فون کال ہر میٹنگ پہ مجھ سے لڑنے لگا تھا۔اور میں ان چیزوں سے بہت تنگ پڑ گیا تھا۔اس لئے میں نے فاصلہ پیدا کر لیا۔وہ میری پوری زندگی پہ اثر انداز ہونے لگا تھا۔میری پروفیشنل زندگی میں وہ اپنی ٹانگ اڑاتا تھا۔اور اگر میں کوئی بات نہ مانوں تو لمبے جھگڑے۔"

"میں تمہارے بارے میں پوزیسو تھا۔"وہ سارے وقت میں پہلی بار بولا۔زلطان نے سر ہلا دیا۔

"میں سمجھتا ہوں۔اور مجھے اس بات سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔لیکن ہم بچے نہیں رہے شادان۔تم میرے دوست ہو بھائی ہو۔جو میرے لئے تم ہو وہ کوئی نہیں بن سکتا۔یہ بات یہاں ہر کوئی جانتا ہے۔"

"میں تو بہت اچھے سے جانتا ہوں۔اس کے چکر میں تم مجھے overshadow کر دیتے ہو۔"حسن کے اندر کی روٹھی محبوبہ ایک بار پھر جاگ گئی تھی۔

"زندگی کے ایک حصے پہ آکر سمجھ جانا چاہیے کہ دوست زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔زندگی نہیں۔"زلطان بے حد سنجیدگی سے بولا۔"وہ quotes اور ڈرامے جھوٹ ہیں جو کہتے ہیں دوستوں سب کچھ ہیں۔میں سمجھتا ہوں دوست "**بہت کچھ**" ہے "**سب کچھ**" نہیں۔زندگی میں آپ کو بہت سارے شیئرز دینے ہوتے ہیں۔ان میں سے ایک بڑا حصہ دوست کا ہوتا ہے۔اور میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ میں وہ حصہ پوری ایمانداری سے دوں۔جو خوشی مجھے تمہارے ساتھ ملتی

ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ملتی لیکن میں اپنی آزادی پہ سمجھوتہ نہیں کرسکتا تھا۔" وہ بولتے ہوئے رکا۔ ہر کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔" آئی ایم سوری شادان۔ میں نے فاصلہ بنالیا حالانکہ مجھے تم سے بات کرنی چاہیے تھی۔ تم میری بات سمجھ جاتے تھے۔ آئی ایم سوری۔"

"کوئی بات نہیں یار۔ میرے اندر بھی بہت انا بھر گئی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تم ہمیشہ کالز کرو اور ہر وقت کرو۔ یہ غلط طریقہ تھا۔ اسپیس ہر انسان کا حق ہوتا ہے۔ کم از کم تم جب بات کرتے تھے تب تو بہت اچھے سے کرتے تھے ناں۔ اور آئی ایم سوری میں نے شو میں بیٹھ کر بہت بکواس کردی تھی۔ غصہ تھا میں۔"

"اس شو کی وجہ سے ابا اور سراج بھائی سے ہزار دفع ذلیل ہوا ہوں۔" زلطان نے سر جھٹکا۔

"خیر سراج بھائی نے تو مجھے بھی فون کر کے ٹھیک ٹھاک بے عزت کیا تھا۔ عجیب ہے یار بھائی تمہارا ہے باپ ہمارا بنتا ہے۔" شادان بگڑ کر بولا۔ بے عزتی پھر سے یاد آ گئی تھی۔

"تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو شادان؟" زلطان نے ٹھہر کر پوچھا۔ شادان نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں . . . میں تمھیں اسپیس دوں گا۔ وقت بھی۔ لیکن دوست تم سب سے پہلے میرے تھے اور میرے رہو گے۔ ٹھیک ہے تمھیں اپنے پروفیشن میں میری مداخلت نہیں پسند میں نہیں کروں گا۔ مگر تمھیں سننا ہوگا شاید کوئی ایک بات کام کی ہو۔" انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ زلطان نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا۔

"حاضر سائیں۔"اس نے شادان کا جملہ دہرایا۔شادان ہنس پڑا تھا۔کلفت غائب ہوئی تھی۔دوستوں سے تب تک ناراض رہا جا سکتا ہے جب تک وہ آنکھ سے اوجھل ہوں۔جب وہ سامنے آکر ہاتھ پکڑ کر مسائل پوچھتے ہیں تو انسان نہ چاہتے ہوئے بھی دل کھول کر رکھ دیتا ہے۔

"تم بھی بتاؤ زی۔تمھیں کس سے کیا مسئلہ ہے۔"زلطان نے اسے گفتگو کا حصہ بنایا۔ساتھ اسکے لئے اپنے قریب جگہ بنائی اور اسے اس طرف آنے کا اشارہ کیا۔حنزلہ غش کھاتے کھاتے رہ گئی۔یعنی صرف شادان نے یہ پورا گروپ بے شرم واقع ہوا تھا۔وہ اسکی آفر کو یقیناً نظر انداز کر چکی تھی۔

"مجھے تم سب سے مسئلہ ہے۔اور مسئلہ یہ ہے کہ تم سب مجھے لڑکی سمجھ کر اپنے معملات میں شامل نہیں کرتے۔" اس نے ایک نظر زلطان کو دیکھا۔وہ مکمل سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔"سوائے زلطان کے۔"

زلطان مسکرایا تھا۔پھر اسکی سرمئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے حال اس سے منقطع ہوا۔دہر کے پٹ جدا ہوئے اور اس نے تین سال پیچھے سفر کیا۔لندن کا سفر۔

لندن۔

وہ پانچوں ایک لمبے عرصے بعد دوبارہ لندن آئے تھے۔زبرج کو دانین کی دکان بیچنی تھی کیونکہ دانین کو رقم چاہیے تھی۔اتنا عرصہ اس دکان اور گھر میں دانین کی ایک آنٹی رہتی رہی تھیں مگر

انہوں نے بھی جب یہ گھر اور دکان چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو زبرج کو آنا پڑا۔حسن انکے بلانے پہ آیا تھا۔شادان اور زلطان ایک ساتھ چھٹی پہ۔اور زخرف،زبرج کے ساتھ آئی تھی۔اسکا قیام لندن میں اپنی ایک کزن کے گھر پہ تھا۔لندن جیسے ایک بار پھر آباد ہوا ہو۔لیکن اب مشغلے بدل گئے تھے۔انہیں ہر وقت جاب، کیریئر،شادی اور ڈھیر ساری دوسری دنیاوی چیزوں کی فکر لگ پڑی تھی۔ملاقاتیں مختلف نہج پہ چلی گئی تھیں۔اناؤں کے مینار بننے شروع ہو چکے تھے۔آج کل وہ سب ایک ریس کا حصہ بننے لگے تھے۔

ایک ہی شہر میں ہوتے ہوئے وہ ڈیڑھ ہفتے بعد دانین فلاورز پہ ملے تھے۔وہ پھولوں سے بھری دکان آج بھی ویسی کی ویسی تھی۔ان سب کے لیے لندن ایک خاص درجہ رکھتا تھا۔انہیں اس شہر کی ہواؤں سے عقیدت تھی اور سڑکوں سے شناسائی۔یہاں کی عمارتیں گھر کا درجہ رکھتی تھیں۔
ایک گول میز کے گرد کرسیوں پہ بیٹھے وہ سب کسی گیٹ ٹوگیدر کی بجائے ایک فینسی ڈریس مقابلے کا حصہ لگتے تھے۔برانڈڈ،بورنگ،بے کار۔وہ بانڈ نہ جانے کہاں چھوٹ گیا تھا۔وہ بے تکلفی ہوا ہوگئی تھی۔

"یعنی اس نے بھی تمھیں بھائی زون کر دیا؟"شادان حسن کی بات پہ ہلکا سا ہنسا تھا۔وہ جو اسے اپنی ایک تازہ تازہ ہوئی محبت کی خبر سنا رہا تھا بہت بری طرح بگڑا۔

"یہ میرا قصور نہیں ہے۔میں شکل سے ہی بے حد شریف اور معصوم لگتا ہوں۔اب میں کوئی سید شادان تھوڑی ہوں جو شکل سے خرانٹ لگے۔"

"شکر ہے خرانٹ لگتا ہے تمہاری طرح خر(**گدھا**) نہیں۔" زبرج نے اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔

"تم نے اپنی چونچ لازمی گھسانی ہوتی ہے باگڑ بلے۔" وہ تنک اٹھا۔زبرج کو کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔تعریف ایک کان سے سنی اور دوسرے سے نکال دی۔

وہ لوگ باتیں کرتے رہے کافی پیتے رہے۔کھانے کے دور چلے۔آج کسی نے کسی سے اسکے مسائل نہیں پوچھے تھے۔دوستی اس مقام پہ آگئی تھی جہاں کامیابیوں کے قصے انا کا مسئلہ بن گئے تھے۔لیکن پھر بھی کچھ تھا ان کے درمیان جو بحال تھا۔وہ پانچ لوگ اس وقت یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ انکی آخری خوشگوار ملاقات ہے۔اور یہ بھی کہ یہ انکی ایک ساتھ آخری ملاقات ہے۔کاش دہر کچھ راز انسان پہ وقت سے بہت پہلے کھول دیتا۔تاکہ انسان اپنے بچاؤ کا سامان ہی پیدا کر لے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ دکان سے زلطان کے اپارٹمنٹ آگئے تھے۔یہاں ایک فرد کا اضافہ تھا۔زلطان کی کزن اور شاید اسکی ہونے والی منگیتر بھی۔لاؤنج کے صوفوں پہ آڑھے ٹیڑھے انداز میں لیٹے شادان ایک بار پھر گوسپ موڈ میں تھا۔وہ اپنے باس کے کچے چٹھے کھول رہا تھا جب اس نے آدھی انگریز یعنی زلطان کی کزن کو ایک نظر دیکھا۔وہ اپنے موبائل پہ ٹائپنگ کرنے میں مصروف رہی۔اسکی دوسری نگاہ زخرف پہ پڑی جو بے حد غور سے اسکی باتیں سن رہی تھی۔وہ یکدم اٹھ بیٹھا۔آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھل گئیں۔اور اب وہ زلطان اور حسن سے دھیمی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو ذرا زور سے بولو۔" زخرف کو سننے کی بے چینی ہوئی۔

"تم دور رہو یہ لڑکوں کی بات ہے۔" شادان جلدی سے بولا۔ حسن نے دانتوں کی مکمل نمائش کی۔ زبرج ہلکا سا مسکرایا۔ "ہر بات تمھیں بتانے کی نہیں ہوتی۔ اور ویسے بھی تم پیٹ کی ہلکی ہو۔ ساری عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

یہ کوئی شاؤنزم نہیں تھا۔ شادان اس سے بڑی بڑی باتیں بھی کہہ جاتا تھا اور زخرف تڑخ کر جواب بھی دیتی تھی مگر اس وقت اس لڑکی کی موجودگی اور ہنسی نے اسے بے حد برا محسوس کروایا۔ وہ بغیر کچھ کہے اپنا بیگ اٹھائے کھڑی ہو گئی تھی۔ شادان بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا مگر زلطان اس سے پہلے اٹھ چکا تھا۔ زخرف دروازے تک گئی اور تب زلطان "میں جا کر دیکھتا ہوں۔" کہتے ہوئے اسکے پیچھے گیا تھا۔ پیچھے ہر کوئی اسے حیرت سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"یہ لڑکیوں کی طرح ری ایکٹ کیوں کر رہی ہے؟" شادان بڑبڑایا۔

شام کا سمے تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کے بعد موسم یونہی خوشگوار ہوگیا تھا۔ لندن کے لوگوں کو اس بے موسم برسات کی عادت ہو گئی ہے۔ اب زیادہ تر لوگ کام یا پڑھائی کے لئے نکلتے وقت چھتری ہمیشہ ساتھ ہی کر جاتے ہیں۔ دکانوں کے شیشوں پہ گری تازہ بوندیں آنسوؤں کی بوچھاڑ کی مانند تازہ تھیں۔ زخرف کے پیچھے جاتے ہوئے زلطان نے بھی گھر کے دروازے کے ساتھ لگ کر رکھی چھتری اٹھا لی تھی۔ اسے یقین تھا ضرورت پڑنے والی ہے۔

وہ گلیوں سے مڑ کر اب سڑک کی طرف جا رہی تھی۔ساتھ ساتھ کئی بار اس نے آنسو بھی پونچھے تھے۔زلطان چپ چاپ اسکے پیچھے چلتا رہا۔گلی کے آخری سرے پہ رک کر زخرف اسکی طرف مڑی تھی۔

”میرے پیچھے مت آؤ۔جاؤ تم بھی اپنی سگی کزن اور میل دوستوں کے پاس جاؤ۔مجھے تم لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اوکے۔“وہ بے حد تابعداری سے بولا۔

زخرف پلٹ گئی۔اب وہ مزید تیز تیز قدم لینے لگی تھی۔زلطان اسکی ہیل کی بازگشت ہر شور کے درمیان سن سکتا تھا۔وہ اب بھی سن رہا تھا۔وہ اب ایک مارکیٹ ایریا کی طرف مڑ رہی تھی۔یہاں کافی شاپس،پھولوں کی دکانیں چھوٹی چھوٹی دیسی کھانوں کی دکانیں،بار اور کیفیز تھے۔آس پاس رش تھا۔وہ اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بس چلتی گئی۔جب اسے محسوس ہوا کہ زلطان اسکا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تب وہ ایک بار پھر مڑی تھی۔وہ معصومیت سے اپنی جگہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کہا ہے ناں اپنے دوستوں کے پاس جاؤ۔“

”میں تو اسی کے پیچھے جا رہا ہوں۔“

وہ دونوں ایک دوسرے سے ذرا سے فاصلے پہ کھڑے تھے۔آس پاس سے لوگ گزر رہے تھے۔شام رنگین تھی۔منظر دلفریب۔

”میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔“

"پھر کیا ہو گرل فرینڈ؟ استغفراللہ تم لندن آ کر کتنی آزاد خیال ہو گئی ہو۔" زلطان تاسف سے بولا۔

"میں تمہاری گرلفرینڈ بننے سے مرنا بہتر سمجھوں گی۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"یعنی تم نے میری بیوی بننے کی ٹھان لی ہے؟ اوہ خدایا، میں اتنا عرصہ تمہارے ارادوں سے لاعلم رہا ہوں؟"

"تمہاری بیوی بننے کے لئے قطار میں ویسے بھی بہت لڑکیاں کھڑی ہیں۔"

زخرف سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ دل میں جیسے آگ لگ گئی ہو۔

"تمھیں تو کسی قطار کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سیدھا اسٹیج پہ آنے کا سوچو زی۔" وہ برجستگی سے کہتے ہوئے اسکے پیچھے ہو لیا۔ وہ آگے آگے چلتی رہی پھر کئی موڑ مڑتے ہوئے دس منٹ کی اس غصے والی واک کے بعد وہ لندن برج کے عین سامنے والے ایریا میں آ گئے تھے۔ مضبوط پتھر کی چھوٹی سی گھٹنوں سے ذرا اوپر تک آتی دیوار کے اوپر سیاہ رنگ کی گرلز لگی تھیں۔ جن کے پار نہر تھی۔ اور عقب میں لندن برج۔ یہاں اس وقت کافی رش تھا۔ لوگ تصاویر بنا رہے تھے۔ کافی کے مگ، اور بیئر کے کین ہاتھوں میں لئے شام کا وقت سکون سے گزار رہے تھے۔ ذرا سے فاصلے پہ ایک بینڈ گانا بجا رہا تھا۔ زخرف بھی بلاخر تھک کر گرلز کے ساتھ لگے ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ زلطان ذرا فاصلے پہ بنی ایک کافی شاپ تک گیا۔ دو کپ خریدے اور واپس آیا۔ زخرف وہیں تھی اسے یقین تھا وہ وہیں ہو گی۔

زلطان اسکا سیف زون تھا۔وہ اب اسے پوری بات بتانے والی تھی۔وہ سننے والا تھا۔یہ وہ وقت تھا جب وہ کافی کچھ کہتے اور سنتے تھے۔

"شادان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم ہمارا حصہ نہیں ہو۔"کافی کا کپ زخرف کی طرف بڑھایا تو وہ تھام چکی تھی۔

"تم لوگوں نے یہ پہلی بار نہیں کیا زلطان۔آخر ایسی کونسی باتیں ہیں جن میں تم لوگ مجھے شامل نہیں کر سکتے۔اور اگر نہیں کر سکتے تو میں کیوں ہوں تمھارے ساتھ ؟۔"

"اسد حسن کا اپنی بیوی کی بہن کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔اور اس لڑکی نے اسد پہ زیادتی کا الزام لگایا تھا۔جس پہ مشتعل ہو کر اسد نے واقعی یہی کام کیا۔ہم یہ بات کر رہے تھے تمھیں سننی تھی؟"زخرف وقار کی حقیقی معنوں میں سٹی گم ہوئی تھی۔

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتی دوسروں کی پرائیویٹ بات کرنے میں؟اور شادان تو ہے ہی بے غیرت۔"

"ہم کرتے ہیں ایسی باتیں یہ آج نہیں ہوا اور آج کے بعد ختم بھی نہیں ہو گا۔ایسا وقت کئی بار آئے گا جب ہم تمھیں ایک طرف کریں گے کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی اس دوستی میں ان کمفرٹیبل نہیں ہونا چاہتا۔تم ہونا چاہتی ہو ؟"

"ہرگز نہیں۔بے شک تم سب میرے دوست ہو لیکن میں تمھارے ساتھ یہ سب ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔باؤنڈری ہونی چاہیے۔"

"پھر تم غصہ کیوں ہو گئیں؟" بوندا باندی ایک بار پھر شروع ہو گئی تھی۔ لوگ شٹرز کی تلاش کرنے بھاگے زلطان اسکے لئے چھتری کھول کر کھڑا ہوا۔ کافی کے کپ ہاتھوں میں لئے چھتری تلے کھڑے وہ دونوں اور آس پاس یہاں سے وہاں بھاگتے لوگ۔ وہ کسی فلم کے دلچسپ منظر کا حصہ لگ رہے تھے۔ گانا بجاتے لڑکے گٹار تھامے جلدی سے کسی دکان کے شٹر کے نیچے چلے گئے۔

"وہ "سب" کے سامنے ایسے بول رہا تھا۔ اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو وہ تب بات کرے جب میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتی ہوں۔" زلطان نے مسکراہٹ دبائی۔ وہ "سب" کا تعارف جانتا تھا۔

"میں اسے سمجھاؤں گا دوبارہ وہ ایسی بات نہیں کرے گا۔ خاص طور پہ "سب" کے سامنے۔"

"تم شادی کر رہے ہو اس سے؟" یکدم وہ سیدھی ہوئی۔ بارش اب تیز ہو رہی تھی۔ زلطان آدھا بھیگ رہا تھا، زخرف چھتری تلے تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

"نہیں۔ وہ بس میری کزن ہے اور کچھ نہیں۔"

زخرف نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ زلطان کے نہیں کا مطلب جانتی تھی۔ دل سے بوجھ ہٹ گیا۔

"تم بہت اپ سیٹ ہو زی۔ کچھ ہوا ہے؟" زلطان نے اپنا کافی کا کپ اسکے کپ سے ٹکرایا۔ یہ جیسے یاددہانی ہو کہ اس کپ پہ پیسے لگے ہیں۔

"کچھ نہیں بس ورک اسٹریس ہے۔پڑھائی تو ہوگئی ہے لیکن میں یہیں پریکٹس کرنا چاہ رہی ہوں۔پھر ممی اورڈیڈ کی لڑائیاں۔انکا پریشر تم سب جانتے تو ہو۔"

"یہاں کیا فائدہ؟سارا اسکوپ پاکستان میں ہے۔ڈھیروں ڈھیر کماؤ گی۔طریقے سیکھنا بس۔"وہ معنی خیزی سے بولا۔

"کرپشن کی طریقے رائٹ؟"وہ کافی کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولی۔

"نہیں تبلیغ کہاں سے شروع کرنی ہے وہ طریقے۔"اسکے سنجیدگی سے کہنے پہ زخرف ہنس پڑی۔زلطان اسکی ہنسی کو دیکھے گیا۔پھر یکدم وہ سیدھی ہوئی۔آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

"تم نے نوٹ کیا ہے شادان بہت بجھا بجھا ہے۔مجھے لگتا ہے لڑکی کا کوئی چکر ہے۔"

"ہاں کچھ ایسا ہی ہے سرسری ذکر کیا تھا اس نے۔"وہ اب اسکے سامنے سے ہٹ کر اسکے ساتھ آکر ٹھہر گیا۔جھیل کی طرف انکی پشت تھی۔

"ذکر تو بے حد تفصیلاً ہوا ہوگا۔شادان کی ایک ماں جامشورو میں ہے تو دوسری تم ہو۔وہ الگ بات ہے تم بتانا نہیں چاہتے۔"

"اس نے بتانے سے منع کیا ہے لیکن وہ خود بتا دے گا تمھیں۔"زلطان سہولت سے بولا۔ساتھ مسکرایا۔

زخرف نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور رخ بدل کر کھڑی ہو گئی۔اب ان دونوں کی ایک دوسرے کی طرف پشت تھی۔وہ اب جھیل کو دیکھ رہی تھی اور زلطان سامنے۔ہاتھ بڑھا کر چھتری ہنوز اس پہ تان رکھی تھی۔بارش ہنوز اسے آدھا بھگو رہی تھی۔ان دونوں کے درمیان معاملات ایک بار پھر نارمل سے آگے بڑھ آئے تھے۔زلطان نے اسکی دائیں رخ کو دیکھتے ہوئے سوچ لیا تھا کہ اب وہ پاکستان جائے گا تو زخرف کا رشتہ ضرور طلب کرے گا۔اسے احساس ہوا تھا کہ یہ لڑکی اور اسکی باتیں اسے ساری زندگی سننی چاہیئیں،اسکے شکوے ہر وقت دور کرتے رہنے چاہییں۔یونہی اسکے لئے کافی کے کپ لاتے رہنے چاہییں۔

"چھوٹے بال تم پہ سوٹ کرتے تھے۔"اس نے زخرف کے کندھوں سے ذرا نیچے تک آتے بالوں کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔

کٹوالوں کیا مجھے بھی بہت پسند تھے۔"وہ فورا اشتیاق سے اسکی طرف مڑی تھی۔

"کٹوا لو۔"

"چلو پھر چلتے ہیں۔"

"ابھی اس بارش میں؟"وہ متعجب ہوا۔

"ہاں ابھی اس بارش میں چلو۔"

وہ چھتری تلے نکل کر آگے چلنے لگی۔زلطان سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے اسکے ساتھ چلنے لگا۔وہ اسے بہت کچھ بتا رہی تھی زلطان سن رہا تھا۔اس بات سے بے خبر کہ زخرف وقار پاکستان جانے

کے بعد اسکے خاندان کے خلاف کیس لڑنے والی تھی۔اس بات سے بے خبر کہ ان دونوں کے درمیان معملات بے حد خراب ہونے والے تھے۔اور زلطان صفدر کی امیدیں ایک بار پھر خاک ہونے والی تھیں۔دہر الہام نہیں دیا کرتا ناں۔

"حال۔"

"گیارہ جنوری،وقت شام ساڑھے سات بجے۔"

"اور مجھے شادان سے بھی مسائل تھے۔"چھوٹے کٹے بالوں والی بھرے بھرے جسم والی لڑکی کہہ رہی تھی۔"شادان نے مجھ سے خلیل احمد کیس کی تفصیلات مانگی تھیں۔اور ان دونوں میں صرف کیس لینے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ہاں تفصیل میرے پاس تھی لیکن وہ کلائنٹ پریویلج کے تحت امانت تھی میں اسے بیچ نہیں سکتی تھی۔"

"تم نے خود کیا کیا تھا زی۔؟"شادان نے اسے مخاطب کیا۔"تم نے جبار خٹک کیس میں مجھ سے ٹپس نہیں لی تھیں؟میں نے جبار خٹک کے سگے بھتیجے سے وہ تمام معلومات نکلوائیں جو تمھیں چاہیے تھیں۔میری دوستی خراب ہوئی لیکن میں نے تمھارے کام کیے۔کیا وہ غیر قانونی نہیں تھا؟ "

"تم ناں کہہ سکتے تھے۔میں نے تمھارے ساتھ زبردستی نہیں کی تھی۔تم اس سے پہلے کئی کاموں کے لئے مجھے ناں کہہ چکے ہو اور میں نے کبھی برا نہیں منایا۔" وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔

"میں تمھیں پہلے ہی تین کاموں کے لئے ناں کہہ چکا تھا۔مجھے لگا تم اس بار مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی۔"

"میری ایک بات یاد کر لو شادان۔میں اور تم ایک دوسرے کے لئے خاص ہیں۔تم میرے کرائم پارٹنر ہو لیکن جہاں تمھارے لئے مشکلات ہوں تم خود پہ بوجھ ڈال کر میری مدد مت کرنا۔اور تم مجھ سے وہ کام کرنے کو نہ کہنا جہاں مجھے ضمیر دوکوڑیوں میں بیچنا پڑے۔تم مجھے لاجک پیش کر کے ایک دن میں دس کاموں کے لئے بھی انکار کر سکتے ہو۔"

"اور تم ایک ایک کے پاس جا کر میری شکایت دینا بند کرو۔تمھیں کوئی مسئلہ ہو تم مجھ سے کہو گی۔کوئی شکایت ہو تو مجھ سے کہو گی۔ہم لڑ لیں گے لیکن at the end ہم اس طرح ڈیڑھ ڈیڑھ سال ناراض نہیں رہیں گے۔" وہ تڑخ کر بولا۔

زخرف کا دل ہلکا ہوگیا۔وہ مسکرا کر شادان کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور حنزلہ تو جیسے اس سے نظر ہٹانا بھول گئی تھی۔وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک بے حد مختلف انسان تھا۔اس شادان کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔سچا،سادہ اور بے حد مختلف۔

"آئی ایم سوری زخرف۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"آئی ایم سوری شادان۔"وہ اسی کے انداز میں بولی۔

"تم لوگوں نے صرف اس وجہ سے ایک لمبا عرصہ بات نہیں کی ؟"زلطان تعجب سے بولا۔زخرف کی رنگت پھیکی پڑی تھی۔شادان بے اختیار کراہا۔اور حسن سلطان کے لب شیطانی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔اسے اپنے دوستوں کے بارے میں سب پتہ ہوتا تھا۔

"کیا میں نے کچھ مس کر دیا ہے؟"زلطان باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھنے لگا۔

"گدھے،بے غیرت آدمی میں نے تمہاری وجہ سے زخرف سے جھگڑا کیا تھا۔"شادان بگڑا۔

"میں بتاتا ہوں اصل میں ہوا کیا تھا۔"حسن اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے آیا۔گول آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ لوگوں کے سر میں درد شروع کرنے کا آغاز کر چکا تھا۔

"ہوا کچھ یوں تھا کہ"........

شادی ہال میوزک کے شور سے گونج رہا تھا۔ایک طرف اسٹیج تک جاتی راہداری تھی اور اسکے دونوں اطراف میں مہمانوں کے لئے میزیں لگی تھیں۔ایسی ہی ایک میز پہ اس وقت تین لوگ کرسیاں لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔زخرف،شادان اور حسن۔

زخرف نے سیاہ رنگ کی جھلملاتی ساڑھی پہنے چھوٹے بالوں کو نفیس جوڑے میں باندھے اس نے دو لٹیں رخساروں پہ گرا رکھی تھیں۔گہرے سرخ رنگ کی لپسٹک،ساتھ ڈائمنڈ اسٹڈز کانوں میں ڈالے وہ آج معمول سے ہٹ کر خوبصورت لگ رہی تھی۔

شادان اور حسن نے ایک ڈیزائن کا ہلکے آسمانی رنگ کا کرتا شلوار پہن رکھا تھا۔آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے وہ تینوں اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔دفعتاًزخرف نے ٹھہر کر حسن کو دیکھا۔

"زبرج کیوں نہیں آیا وہ بھی تو آنے والا تھا ناں؟"

"کیسے آئے گا۔میں جو آگیا ہوں۔شرم آ رہی ہوگی سامنا کرتے ہوئے۔"حسن کے انداز میں اگر کچھ تھاتو محض بد گمانی۔ان دنوں انکا جھگڑا ہوا تھا۔

"وہ مصروف ہو گا حسن ورنہ زبرج کم از کم سامنا کرنے سے نہیں ڈرتا۔"شادان نے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا تھا۔دولہا اب دلہن کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ بٹھا رہا تھا۔

"اگر تمہیں اسکی طرفداری کرنی ہے تو صاف صاف کہو۔کیونکہ میں گدھا نہیں ہوں میں نے اسے کال کی تھی معملات سلجھانے کے لئے اور وہ آگے سے مجھے گالیاں دے رہا تھا۔"

"تو سن لیتے،گالیاں دیتے ہوئے اس نے رو دینا تھا۔تم اسکے دوست ہو۔اسکے ویک پائنٹ پہ کم از کم اسکے رویے کاذکر مت لے کر بیٹھو۔"زخرف صلح جو انداز میں کہہ رہی تھی۔

"معذرت مگر میری انا اتنی اونچی ضرور ہے کہ میں کسی کوکالم ڈاؤن کرنے کے لئے گالیاں نہ سن سکوں۔" حسن کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"تمھیں پتہ ہے حسن میں نے تم لوگوں کے بعد ایک دو بار لڑکیوں سے دوستیاں کی تھیں۔لیکن وہ صرف اور صرف چند ماہ چل سکیں۔مجھے لگتا ہے لڑکیوں کے درمیان بانڈ ہوتا ہے۔لیکن دوستی نہیں۔دوستی صرف لڑکے کر سکتے ہیں جانتے ہو کیوں؟"

"کیوں؟" وہ اچھنبے سے پوچھنے لگا۔

"کیونکہ لڑکے شکایت نہیں کرتے۔" زخرف کی بجائے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے شادان نے جواب دیا تھا۔وہ حال میں نہیں تھا۔

"کیونکہ لڑکے بہت پریکٹیکل ہوتے ہیں۔" اب کے زخرف بولی۔"اگر سال میں ایک دوسرے کو ایک بھی کال کریں گے تو شکوے شکایات ثانوی حیثیت رکھتے ہوں گے۔اصل اہمیت اس کال کی ہوگی جو انہیں موصول ہوئی ہے۔وہ یہ نہیں کہیں گے "کال تھی کسی کی" وہ کہتے ہیں۔"دوست کی کال تھی۔" انکا دوست سال میں ایک بار کال کرنے پہ بھی دوست رہتا ہے۔سالگرہ پہ لمبے لمبے پیراگراف نہ لکھ کر بھی دوست رہتا ہے اور درد تکلیف میں موٹیویشن کی بجائے پھٹکار سننے کے بعد بھی دوست رہتا ہے۔آدھی دنیا کے کام لڑکے اس لئے کر دیتے ہیں کیونکہ "بھائی ہے یار۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں تم دونوں مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" وہ جھلا گیا۔

"انسان جب کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہوتا ہے چاہے تعلق کوئی بھی ہو تو اسے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ سکون ہوتا ہے۔مردوں کی دوستی میں بلاوجہ کی چک چک،ناراضگی،باتیں دل میں رکھ لینا نہیں ہوتا۔تم اپنی دوستی کو کیوں ایک معیار سے گرا رہے ہو؟"

زخرف کی بات پہ وہ بلکل چپ سا ہوگیا۔ حلق میں کانٹوں سا کچھ اگ آیا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ وہ دونوں دوبارہ اس سے کچھ نہیں بولے۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں کھانا پلیٹ میں ڈالے ہوئے اپنی میز کی طرف واپس آ رہے تھے جب حسن مدھم آواز میں بولا۔

"میں اسے دوبارہ کال کروں گا۔ پھر مل بھی لوں گا۔"

وہ دونوں اسکی بات پہ محض ہلکا سا مسکرائے۔ واپس میز کے گرد بیٹھتے ہوئے وہ ہلکی ہلکی باتیں کرتے رہے تھے۔ زلطان کا ذکر آیا تو زخرف کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔ وہ ان دنوں اسکے چچا کے خلاف ایک کیس لڑ رہی تھی اور چند دن پہلے زلطان نے اسے کال کی تھی۔ ان دونوں کے درمیان یہ پہلی کال تھی جس میں بے حد تلخ کلامی ہوئی تھی۔ یہ وہ پہلی کال تھی جس میں ایک دوسرے کے خاندان پہ بھی بات کی گئی۔ وہ دونوں بے حد ترشی سے ایک دوسرے کو اپنے خاندان، جاب اور مختلف چیزوں پہ طعنے دیتے رہے۔ اور یہ کال جہاں بند ہوئی اسکے آگے کئی راستے بھی بند ہوئے تھے۔ اسکے بعد ان دونوں نے کوئی کال نہیں کی تھی۔

"تم جانتی تھیں ناں زلطان تمھیں پسند کرتا ہے۔" شادان کے اس یکدم سوال سے زخرف جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ شادان کی آنکھوں میں تپش تھی۔

"تم نے تھوڑی دیر پہلے ٹھیک کہا ہے۔ لڑکیاں دوست نہیں ہو سکتیں۔ تم دوست ہوتیں تو یہ سب نہ کرتیں۔ مجھے چ ڑ ہونے لگی ہے تم سے کیونکہ تم نے زلطان کو تباہ کیا ہے۔" حنزلہ بری

طرح اسکے اعصاب پہ سوار ہوئی تھی اور وہ اسکی بے اعتنائی کو یاد کر کر اتنا تلخ ہو رہا تھا اندازہ بھی نہیں ہوا۔اس کی زندگی میں مسائل تھے تو اس نے زخرف کو بھی نہیں بخشا۔

”اپنی بکواس بند کرو شادان یہ ان دونوں کا ذاتی معملہ ہے۔“حسن نے ناگواری سے ٹوکا۔

”اگر وہ بات نہیں کرتا تھا تو کیاہوا تم کہہ دیتیں۔اب کیا ہوا دونوں ہی بھگتو گے۔بلکہ تم نے تو شایان کے لئے ہاں کہہ دی ہے ناں۔بھگتے گا تو صرف میرا دوست۔“

”میں کون ہوں شادان؟“وہ دکھ سے پوچھ رہی تھی۔

”وہ لڑکی جسے میرا دوست پسند کرتا تھا اور ہے لیکن وہی لڑکی جو بے حد خود غرض اور مغرور ہے۔موقع پرست بھی۔“وہ کہاں کا غصہ کہاں نکال رہا تھا حسن اور زخرف سمجھ ہی نہیں سکے تھے۔اسے بس دکھ ہوا تھا۔بے تحاشا دکھ۔

”دوبارہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا شادان۔“وہ اپنا سلور پرس دبوچ کر کھڑی ہوئی۔”آج سے تم میرے لئے وہ انسان ہو جو بے حد گھٹیا ہے اور جس نے میری حد کراس کی ہے۔“اسکے لہجے سے اسکی تکلیف واضح تھی۔اس کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں سید شادان کو اندازہ ہو چکا تھاوہ کیا کر چکا ہے۔اسے یوں لگا جیسے وہ یکدم خالی ہاتھ ہوگیا ہو۔وہ اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ چلی گئی تھی۔حسن اسکے پیچھے گیا تھا۔مگر اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ زلطان سے بے تحاشا محبت میں کیا نقصان کروا چکا ہے۔

حال میں وہ دونوں سر جھکائے ہوئے تھے۔زلطان متعجب سا ساری داستان سن رہا تھا۔اسی پل شادان اور زخرف نے گردن اٹھائی۔نظریں ملیں اور اگلے چند لمحوں میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ انہیں ہنستے دیکھ باقی سب بھی خوامخواہ ہنسنے لگے تھے۔اگلے کئی لمحے تہہ خانہ مختلف لوگوں کے قہقہوں سے گونجتا رہا۔پھر معذرت طلب کی گئی،اور دونوں طرف سے دل بڑا کیا گیا۔

اگلے کئی منٹ باریاں بدلتی گئیں۔قصے چلتے رہے۔آگ جلتی رہی اور کھانے پینے کے دور چلے۔جگہیں تبدیل ہوئیں۔کوئی کسی کی گود میں لیٹا تھا تو کوئی کسی کے کندھے پہ سر رکھے ہوئے تھا۔ہاں یہ ایک میٹ اپ تھا لیکن اپنی نوعیت کا ایک بے حد عجیب میٹ اپ۔جہاں وہ کڈنیپڈ تھے۔مار کھا چکے تھے۔اور اب شاید دوبارہ بھی کھانے والے تھے۔

ان سب کے دلوں میں ایک خلفشار تھا لیکن ایک عجیب ٹھہراؤ بھی تھا۔زندگی میں مسئلے ہوں تو سنورنے کی امید ہوتی ہے لیکن اگر مسئلے دوست سے ہوں تو امید نہیں رہتی۔یہاں بیٹھے ان پانچ لوگوں کی زندگی ایک بھونچال سے گزر کر آئی تھی اور وہ یہاں بیٹھے ایک دوسرے کو روسٹ کر رہے تھے۔ہنس رہے تھے۔طنز کر رہے تھے اور ایک بار پھر ایک دوسرے کا کھانا چھین تان کر کھا رہے تھے۔ماضی کے قصے اور حال کی کہانیاں سنا رہے تھے۔تہہ خانہ جیسے آباد ہو گیا ہو۔قید جیسے نعمت بن گئی ہو۔دوستوں کی واپسی بے حد اہم اور قیمتی شے ہوتی ہے۔

گیارہ جنوری۔

وقت آٹھ بجے۔

"شادان ادھر آؤ۔"

زبرج کی بے حد سنجیدہ آواز پہ شادان نے اپنی جگہ سے مڑ کر اسے دیکھا۔وہ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ حتی کہ حنزلہ سے بھی۔زبرج کافی دیر سے یہ سب نوٹ کررہا تھا اور اس نے بلاخر شادان کو بلا لیا تھا۔شادان خشک لبوں پہ زبان پھیر کررہ گیا۔

"میں آؤں؟میں وہ" . . . . . اس نے بےاختیار کوئی بہانہ تلاش کرنا چاہا۔

"تم آجاؤ چپ چاپ ورنہ میرے پاس لوگ ہیں،وہ تمھیں اٹھا کر یہاں لا سکتے ہیں۔"وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

شادان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔زلطان اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔حسن نے باقاعدہ تمام دانتوں کی نمائش کی تھی جس کے بدلے میں شادان نے انتہائی معصومیت اور شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسکے پیر پہ پیر چڑھا دیا۔بوٹ کا زور اور فرش کی کنکریاں،اس پہ حسن سلطان کی چیخیں۔ صحیح کہا گیا ہے کچھ لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا زندگی میں ہی مل جاتی ہے۔

جگہیں اب تبدیل ہو گئی تھیں۔دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے زبرج کے ساتھ شادان آ کر بیٹھا تھا۔وہ دونوں اول تو یہاں وہاں کی باتیں کرتے رہے تھے۔جس کی شروعات زبرج کی طرف سے ہوتی تھی۔شادان ہنوز کنفیوزڈ تھا۔اس سردی میں اسے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"بھاگ کیوں رہے ہو مجھ سے؟"تھوڑی دیر بعد اس نے براہ راست سوال کیا تھا۔گہری بھوری آنکھیں شادان کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"وہ تمہاری بہن ہے واللہ مجھے پتہ نہیں تھا۔"

"تو؟میری بہن ہے تو کیا ہوا۔ہر لڑکی کسی نہ کسی مرد کی بیٹی،بہن تو ہوتی ہے۔اور تمھیں کیا لگتا ہے تم اگر اسکے بارے میں کچھ غلط کہتے تو میں تمھیں چھوڑ دیتا؟"وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔"تم اچھے آدمی ہو۔اس لئے اس وقت میرے ساتھ بیٹھے میری بہن کی بات کر رہے ہو تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے دیکھ لیتا۔تمہیں لگتا ہے میں اتنا بے غیرت ہوں کہ پلان کی خاطر تم سے اپنی بہن کو ڈسکس کرتا رہا؟"

شادان لب کاٹتے ہوئے خاموش رہا۔اسکی شرمندگی کچھ کم ہوئی تھی۔۔تھوڑی دیر بعد اسکی مدھم آواز سنائی دی۔

"میں اسکے لئے سیریس ہوں۔وفادار بھی۔بہترین بننے کی کوشش بھی کروں گا۔"

"میں نے اتنے سال اگر تم میں کچھ دیکھا ہے تو وہ رشتوں کو لے کر تمہاری صداقت ہے۔اگر تم واقعی اسکے لئے سیریس ہو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"جبل اور بہرام کا کیا؟انہیں کون منائے گا؟"شادان پھیل کر بیٹھ گیا۔کہاں کی شرم کہاں کی جھجھک سب دور چلا گیا۔"میں یہاں سے جاتے ہی اماں کو بھیجوں کیا خیال ہے؟"

"حنزلہ سے بات کرنے دو، پھر کچھ بتاؤں گا۔جبل اور بہرام کی فکر مت کرو۔"

"حنزلہ تو راضی ہے۔"وہ تیزی سے کہہ بیٹھا۔پھر بے اختیار خجالت سے گردن یہاں سے وہاں گھمائی۔"میرا مطلب ہے ہاں پوچھ لو،اسکی مرضی بھی ضروری ہے۔"

زبرج ہلکا سا مسکرایا کہا کچھ نہیں۔وہ اب آس پاس دیکھنے لگے تھے۔ساتھ کسی چھوٹی چھوٹی بات پہ تبصرہ بھی کرتے تھے۔زبرج اس معاملے میں جتنی بات کرنا چاہتا تھا کر چکا تھا۔

یکدم شادان کو کچھ یاد آیا اور اس کی آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔وہ متجسس سا آگے کو ہوا۔

"دانین نے تمھیں کیوں چھوڑا، تم دونوں کی طلاق ہو گئی ہے کیا؟"اب وہ زبرج سے پوچھ رہا تھا۔اس نے گہری سانس لی۔کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔چہرے پہ کچھ آیا تھا کوئی درد سا۔

"ہماری طلاق نہیں ہوئی۔میرا کام کچھ مصروفیت کا تھا اور اسے لگتا تھا وہ میری ترجیح نہیں۔بہت جھگڑے ہونے لگے تھے۔"وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو تم اسے جتاتے کہ وہ تمہاری ترجیح ہے۔"اس نے حل پیش کیا۔اتنے سکون سے آخری بار وہ کب کس کے سامنے بولے تھے انہیں یاد نہ آیا۔

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔وہ میری ترجیح نہیں تھی۔"

"بھائی تو نے آدھے لندن کے سامنے ٹاور برج کو گواہ بنا کر اسے پروپوز کیا تھا۔اسکے دادا کی وجہ سے تو نے اکیس سال کی عمر میں شادی بھی کر لی۔اور اب شادی کے اتنے سال بعد تجھے پتہ چلا کہ وہ تیری ترجیح نہیں تھی؟"شادان سخت کبیدہ خاطر ہوا۔

"پانچ سال بعد نہیں مجھے پہلے دن سے پتہ تھا وہ میری ترجیح نہیں ہے۔کیونکہ وہ میرا کمفرٹ تھی۔ہے،اور رہے گی۔ہمیشہ۔"شادان لا جواب سا ہو کر اسے تکے گیا۔وہ کم بولتا تھا،مگر جب جب بولتا تھا حیرتوں کے جھٹکے دیتا،خوشگواری کے در کھول ددیتا تھا۔"ہاں میں زور گڑھ کے معاملے میں آبسیسڈ تھا۔لیکن میں اپنی جاب کے بارے میں بھی اسی طرح آبسیسڈ ہوجایا کرتا تھا۔دانین یہ سب شروع سے جانتی تھی۔اس نے جس زبرج سے شادی کی تھی وہ ایسا ہی تھا۔لیکن شادی کے بعد وہ ہمیشہ سے مجھے بدل دینا چاہتی تھی۔اسے کمپرومائز کرنے نہیں آتے تھے۔"

"تم نے بھی تو اسے بدلا ناں۔اسکے پھول،تم نے اسکی زندگی سے اسکے پھول نکال دیئے۔"

"وہ زبرج شاہنواز کی بیوی ہے۔پھول بیچتے ہوئے اچھی لگتی؟اور ویسے بھی حمدان کی پرورش متاثر ہوتی۔" حمدان اسکی ایک اور آبسیشن۔

شادان نے تاسف سے اسے دیکھا۔"وہ زبرج کی بیوی ہونے سے پہلے دانین جعفر تھی۔جو اپنا ملک چھوڑ کر یہاں تمھارے لئے آئی تھی۔جس طرح تمھیں پھول نہیں پسند تھے اسے تمھاری کرپشن نہیں پسند تھی۔اور میرا خیال ہے کہ حمدان پہ تمھاری کرپشن، تمھارے فراڈ اثر ہو سکتے تھے لیکن

وہ معصوم پھول نہیں۔تم نے اسکے ساتھ غلط کیا وہ ورکنگ وومن تھی کام چھڑوا دو گے تو گھر پہ بیٹھ کر فساد ہی ڈالے گی ناں۔"

زبرج گہری سانس بھر کر رہ گیا۔کہتا تو وہ ٹھیک تھا۔

"تم نے اسے منانے کی کوشش کی؟"

"کی تھی یار، لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہیں۔"وہ جیسے اس زکر سے اکتایا ہو۔

"تم اسکے پاس سفید ٹیولپس لے کر گئے تھے؟"زبرج اس سوال پہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم پاگل ہو؟ہم اٹھارہ سال کے نہیں ہیں۔سفید ٹیولپس لے کر جاؤں تو کیا وہ مان جائے گی؟"اسکے چہرے کا ہر ہر زاویہ اسکی ناگواری کا تاثر دیتا تھا۔"بچوں والی باتیں کرتے ہو شادان۔"

شادان بلکل سنجیدہ تھا۔

"وہ پھولوں کو دیکھ کرراضی نہیں ہوگی۔وہ پھولوں کو دیکھ کر تمہاری زندگی میں"اپنی" قدر و قیمت کا اندازہ لگائے گی۔جب بچپن میں ماں باپ ہمیں مارتے تھے یا ہم پہ چیختے چلاتے تھے تب ہمیں مناتے ہوئے وہ ہماری پسندیدہ شے بناتے تھے،یا پھر لے دیتے تھے۔اس سے ہم خوش ہوتے تھے اور ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے پیرنٹس کو ہم سے محبت ہے۔موو آن کرنے میں آسانی ہوتی تھی کیونکہ سامنے والاہم سے محبت کرتا تھا۔کوئی انسان چیزوں کا لالچی نہیں ہوتا۔ہاں ان چیزوں سے جڑے جذبات کا لالچ سب میں ہوتا ہے۔"

"isn't it cringe" زبرج کو کوفت ہوئی۔

"محبت میں مبتلا ہر انسان cringe ہی ہوتا ہے۔محبت بذات خود کرنج ہے۔"اس نے ایک ہاتھ سے زلطان اور زخرف کی طرف اشارہ کیا۔"اسے دیکھو اس سردی میں کونسی ہیلز پہن کر آئی تھی؟وہ جو زلطان کو پسند تھیں۔اور زلطان وہ دس سال پرانے میلے جوتے پہن کر آیا ہے تاکہ وہ یہ تاثر دے سکے کہ وہ زخرف کو بھولا نہیں۔یہ کرنج نہیں ہے؟

مجھے دیکھو۔پانچ دن سے یہاں کتے کی طرح ذلیل ہو رہا ہوں مار کھا رہا ہوں۔لیکن یہاں سے جانے کا خیال میرے دل کو مار دیتا ہے۔کیوں ؟کیونکہ مجھے یہاں وہ لڑکی ملی ہے جس کے لئے میں نے تین سال ریاضت کی ہے۔اسے ساتھ رکھنے کے لئے اس برزخ میں بھی رہ سکتا ہوں کیا یہ کرنج نہیں ہے۔تمھیں زور گڑھ اور اپنے باپ سے محبت ہے اور اسکے لئے تم ہمیں یہاں لے آئے تمھیں لگا ہم تمہارا کام کر دیں گے یہ کرنج نہیں۔؟"

زبرج ٹکر ٹکر اسکا چہرہ دیکھنے۔کونسی تاویلیں کہاں آکر مٹی مٹی ہوئیں۔

"محبت پریکٹیکل لوگوں کے بس کا کام نہیں ہے اور اگر ہے تو محبت اچھے خاصے پریکٹیکل انسان کو کرنج بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔محبت شروع ہی وہاں سے ہوتی ہے جب آپ اس دنیا سے unreal ہوجاتے ہیں۔اگلی بار اسے منانے جاؤ تو دنیاوی معیار سے ہٹ کر محبت کے معیار پہ پورے اترنا۔"

زبرج نے سر ہلادیا۔وہ اتنے عرصے بعد پہلی بار واقعی سوچ میں پڑا تھا۔کیا قصور واقعی اسکا تھا؟اس سے کوئی بات نہ بن پڑی تو چپ رہا۔وہ بے وقوف تھا یا شادان اس وقت اسے یہ اندازہ بھی نہیں ہوا۔

شادان اب اس سے ایک مختلف موضوع پہ بات کر رہا تھا۔زبرج بے دھیانی میں جواب دیتا جا رہا تھا۔دھیان جیسے بھٹک گیا ہو۔دھیان جیسے ٹیولپس میں اٹک کر رہ گیا ہو۔

گیارہ جنوری۔

رات ساڑھے آٹھ بجے۔

زور گڑھ اور اسکے مضافات میں گویا سوگ کا اعلان کر دیا گیا ہو۔جھینگروں کی آوازوں تک نے دم سادھ لیا تھا۔بلب کے سامنے رقص کرتے ہوئے پروانوں کی رفتار سست ہو گئی تھی۔بھیڑیے چپ کا لبادہ اوڑھے گھروں کو پلٹ گئے۔برف باری رک گئی تھی۔دکانیں آج جلدی بند ہوئیں۔گھروں کی بتیاں جانے کیوں گل ہو گئیں۔ہر کوئی جیسے اس حقیقت سے منہ موڑ لینا چاہتا ہو کہ زور گڑھ کو مات ہوئی تھی۔تاریخی مات۔جس میں منحرف اسکے اپنے تھے۔

ہسپتال کے سفید فرش پہ خون کے سرخ دھبے واضح تھے۔اتنے واضح کہ انہیں دیکھ کر کسی کا کلیجہ کٹ سکتا تھا۔انہی نشانات کا تعاقب کرتے نظر اٹھا کر دیکھو تو ایک کمرے میں تین بستر لگے تھے جن میں سے ایک پہ عیسیٰ نیم دراز تھا اور دوسرے پہ بہرام بیٹھا تھا۔اسکی دائیں جانب کھڑا ڈاکٹر

بہرام کی پٹی کر رہا تھا۔ساتھ دو نرس کھڑے تھے۔سفید دیواروں والا یہ وارڈ خاموشی کی دبیز تہوں میں ڈوبا تھا۔جبل خان ایک طرف رکھی کرسی پہ بیٹھا تھا۔اسکا چہرہ پتھر کی طرح سخت تھا۔کوئی تاثر نہیں، کوئی جذبہ نہیں۔وہ خاموشی سے اپنے دونوں بھائیوں کو گولیوں سے گھائل دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر پٹی کر کے چلا گیا تھا۔جبل اپنی جگہ سے اٹھ کر بہرام کے پاس آیا۔اسکے بازو کو دھیرے سے چھوا۔

"تم ٹھیک ہو بہرام؟"

"تمھیں میری پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جبل خان۔جاؤ جا کر ایجنٹ کی غلامی کرو۔"وہ پھنکارا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے اس بازو سے زیادہ کام مت لو،اور میں کہہ رہا ہوں اپنے دماغ سے زیادہ کام مت لو۔" اس نے بہرام کے بال درست کیئے۔اسکا چہرہ تھپتھپایا۔"بڑوں کی باتیں ماننی چاہیے بہرام۔"شفقت اور نرمی میں اسکا کوئی ثانی نہیں تھا۔

"باتیں ماننے اور غلامی کرنے میں فرق ہوتا ہے۔"چبا چبا کر کہا گیا۔

"ٹھیک کہا تم نے۔فرق سیکھ گیا ہوں میں۔"

بہرام طیش کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا مگر جبل اسکے سامنے دیوار بن گیا۔اس نے آگے سے گزر جانا چاہا مگر جبل نے بازو وا کیئے۔پھر خود ہی اسے ہاتھ سے کھینچ کر گلے لگایا۔بہرام جھٹپٹایا مگر جبل اسے سینے سے لگائے کھڑا رہا۔وہ بچپن سے اسے اسی طرح منانے کا عادی رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دو یار۔"

بہرام کی ہر مزاحمت تھم گئی۔

"میں غلط تھا۔"

ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے بازو جبل کے گرد پھیلا دیا۔

"مجھے معاف کرنا بہرام،مجھے معاف کرنا۔"

"میں ہرگز ہرگز ایجنٹ اور اسکے دوستوں کو یہاں سے جانے نہیں دوں گا جبل۔"اسکے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔"میں زبرج کو معاف نہیں کروں گا۔میں ان لوگوں کو یہاں سے جانے نہیں دوں گا مر کر بھی نہیں۔"

"جو تم چاہو گے وہی ہو گا۔جیسا تم کہو گے ویسا ہو گا۔میرے بھائی تم ہو زبرج نہیں۔"وہ دھیرے دھیرے اسے تھپک رہا تھا۔بہرام واقعی پر سکون ہونے لگا تھا۔جبل ساحر تھا،ایک بار پھر اپنا سحر پھونک رہا تھا۔

"تم نے مجھے چھوڑ کر ایجنٹ کا ساتھ دیا۔"وہ جیسے شکوہ کر رہا ہو۔

"تمھیں چھوڑ کر اسکا ساتھ دیا غلط کیا۔"

"میں نے کوئی اتنی بڑی غلطی بھی نہیں کی تھی، تم نے میرے لوگوں کو میرے بھائی کو میرے خلاف کیا۔"

"غلط کیا، بہت غلط کیا۔" جبل خان اعتراف کرتا چلا گیا۔ اسی پل دروازہ کھول کر ایک میل نرس اندر داخل ہوا۔ بہرام کی اسکی طرف پشت تھی اور اسکے ہاتھوں میں ایک انجکشن تھا۔ جبل نے ایک ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلایا۔ عیسیٰ تیزی سے اپنے بستر سے اٹھ بیٹھا۔ وہ جیسے جبل کو اس کام سے باز رکھنا چاہتا ہو مگر وہ سرمئی آنکھوں کا ٹھنڈا تاثر عیسیٰ کو منجمند کر دینے کو کافی تھا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے برف ہوا۔

"تم نے مجھے چھوڑ کر اسے چنا ...... تم نے ..... تم" ....

بہرام کے الفاظ اسکے لبوں میں ہی رہ گئے۔ کوئی نوکیلی شے اسکے کندھے میں پیوست ہوئی تھی۔ یہ درد نہیں تھا یہ بے اعتباری تھی جو آج کل زور گڑھ کی خاک تک میں شامل ہو چکی تھی۔ اسکی زبان کو لگنے والا لقوہ بھائی کی طرف سے ہونے والے وار کی وجہ سے تھا۔ جبل نے دھیرے سے اسے خود سے الگ کیا۔

"میں نے ایجنٹ کا حکم مان کر واقعی غلط کیا، میں بھول گیا تھا تخت میرا ہے۔ اور اس میں کوئی حصے داری نہیں ہوتی۔"

اس نے بہرام کو واپس بستر پہ بٹھایا،اسکے کندھوں پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا۔وہ بستر پہ گر گیا تھا۔اسکی آنکھیں بھاری ہونے لگی تھیں۔اسے جبل خان کی آواز واضح سنائی نہیں دے رہی تھی۔بس ایک بے یقینی تھی جو کوڑے کی مانند جسم پہ برس رہی تھی۔وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم آرام کرو،ایجنٹ قید میں رہے اور زور گڑھ کو جبل سنبھال لے گا۔میری صلاحیتوں پہ یقین رکھنا۔" وہ بہرام کو تسلی دینے لگا تھا۔عیسیٰ ٹکر ٹکر اپنے بڑے بھائی کا ایک الگ روپ دیکھ رہا تھا۔یہ کوئی بے حد مختلف انسان تھا۔

آنکھوں کے غنودگی میں جانے سے قبل بہرام نے جو محسوس کیا وہ دھوکہ تھا۔کوئی اسکے بازو جکڑ کر بستر سے لگا رہا تھا۔اور وہ بے بس تھا۔کوئی اسکے پیروں کو بستر کے ساتھ باندھ رہا تھا۔وہ بے حس و حرکت تھا۔شل سا۔

"بھائی کا خیال رکھنا عیسیٰ۔میں جلدی واپس آجاؤں گا۔"

بستر پہ بے حس وحرکت بیٹھے ہوئے وجود کو ہدایت دی اور وہاں سے چلا گیا۔اسے یقین تھا اسکی ہدایت پہ عمل ہوگا۔اسے یقین تھا اب وہ ہر میدان میں فتح یاب ہوگا۔بلاخر وہ جذبات بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔وہ جذبات جنہوں نے اسے ہمیشہ تکلیف دی تھی۔جنہوں نے ہمیشہ جبل خان کے دل کو اذیت میں مبتلا رکھا۔اب وہ آزاد تھا۔زخمی دل کے ساتھ آزاد۔

"گیارہ جنوری۔"

"وقت رات نو بجے۔"

اس تہہ خانے میں بیٹھے ہوئے انہیں اندازہ ہوا تھا کہ پچھلا قید خانہ ذرا صاف ستھرا تھا جبکہ یہاں ہر آدھے گھنٹے بعد ایک لال بیگ،مکوڑے یا پھر انہی کی برادری کے کسی فرد کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑ رہا تھا۔

افسوس انہیں مارنے کا نہیں تھا پستی کی انتہا تو یہ تھی کہ لال بیگوں کے سفیر کو بھی جوتی سے روند دیا گیا۔مکوڑوں کی لاش کو ریسیو کرنے آنے والے نوجوانوں کو بھی پھانسی دی گئی۔اور اس کارنامے میں پیش پیش دو لوگ تھے۔

حسن معراج سلطان،سید شادان منور شاہ۔

ملک کے دو جری جوان جنہوں نے سرحدوں کا ٹھیکا اپنے ناتواں کندھوں پہ اٹھا رکھا تھا۔اور انکے ہتھیار جوتے تھے۔

حسن سلطان آنکھیں چھوٹی کیئے اپنے حدف کو ڈھونڈ رہا تھا۔زبرج تو اپنے بھائی کے دھوکے کے بعد دماغ میں ہی **"دوست دوست نہ رہا"** گا رہا تھا۔شادان حنزلہ کو دیکھتے ہوئے فرصت سے باقی سب کو نظر انداز کیئے ہوئے تھا۔زلطان تو جیسے رات منہ میں ہینگر ڈال کر سویا تھا زخرف کے ساتھ بیٹھے ہوئے اسکی باچھیں ہی نہیں بند ہوتی تھیں۔حسن سلطان گہری سانس لیتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا۔لال بیگ شاطر نکلا وہ بڑی تیزی سے بھاگ گیا تھا۔بہت بوجھ تھا اسکے کندھوں پہ،اب وہ بولے نہ تو بیچارہ کیا کرے؟

"کیسی ہیں آپ ڈاکٹر صاحبہ؟" وہ حنزلہ کے پاس یوں آ کر بیٹھا جیسے شادان کا سارا نظارہ بلاک کر دیا ہو۔اسکی چوڑی پشت کے آگے اب شادان واقعی کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"ٹھیک تھی میں، لیکن اب آپ آ گئے ہیں تو یقیناً میرا دماغ خراب ہونے والا ہے۔" وہ اپنی پسٹل کے پرزے الگ کر رہی تھی۔

"ارے آپ کو شرمندہ کر رہی ہیں۔یہ تو میرا واحد ٹیلنٹ ہے۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر شرف قبول کیا۔"اول تو یہ بتائیں کہ آپ کا بھائی اور **مستقبل** کا غلام میری اور آپ کی سلام دعا سے ناراض تو نہیں ہوں گے؟" **مستقبل** کا غلام سید شادان تھا۔

حنزلہ مسکراتے ہوئے آگے کو ہوئی۔"آپ کے اس چہرے پہ لکھا ہے "**بھائی**" اسی لئے بے فکر رہیں۔کوئی آپ سے انسکیور نہیں ہو گا۔پورے پاکستان کی لڑکیوں کے بھائی ہیں آپ۔"

"یعنی اب مجھے سوڈان سے بیوی لانی ہوگی؟" اسے تاسف سا ہوا۔

"اب اتنی دور جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" حنزلہ نے میگزین میں بلٹس بھرنی شروع کیں۔

"آس پاس تو ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔میرے نزدیک سے تو بلی، چھپکلی بھی گزرتے ہوئے سلام حسن بھائی کہہ جاتی ہیں۔" اس نے گردن ڈھلکا دی۔"آپ بتائیں آپ کی کوئی کزن وغیرہ ہے؟کوئی بہن،کسی چاچو ماموں کی بیٹی؟بس نبض چلتی ہو باقی خیر ہے۔"

حنزلہ اسکی بات پہ ہنس پڑی تھی۔پھر اسکے چہرے کو دیکھا اور زور سے ہنس پڑی۔اسکا چہرہ ہنستے ہوئے سرخ ہونے لگا تھا۔

”کوئی ایسی جس کی منگنی ٹوٹ گئی ہو؟یا جس کو طلاق ہو گئی ہو؟کوئی تو ہوگی یار۔“حنزلہ ہاتھ اٹھا کر اسے چپ ہوجانے کو کہہ رہی تھی مگر وہ اب گردن زخرف کی طرف پھیر چکا تھا۔

”تم بتاؤ زی۔تمہاری وہ بہن کیسی ہے جس کا بریک اپ ہوگیا تھا؟اسے ایموشنل یا مورل سپورٹ کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔“

”نہیں ایسی کسی حاجت کی شکار نہیں میری بہن۔تم ٹینشن نہ لو۔“

حسن کو مایوسی ہوئی۔

”سچی ڈساں تے میڈی دل آہدی اے ستی تھی ونجاں۔رولا ہی مک ویسی۔تساں کوئی مشورہ ڈیو کیا کراں میں مر ونجاں؟(**سچ بتاؤں تو میرا دل کہتا ہے ستی ہوجاؤں۔مسئلہ ہی ختم ہو جائے گا۔آپ ہی کوئی مشورہ دیں کیا کروں میں مر جاؤں۔**) “

”اسے سرائیکی نہیں آتی صاف صاف اردو بولو۔“شادان سے اب مذید برداشت نہ ہو سکا تو ٹانگ اڑائی۔

حسن پورے کا پورا اسکی طرف گھوم گیا۔”سرکار آپ اپنی چونچ مت اڑائیں اگر انکو نہیں بھی آتی تو میں ٹرانسلیٹ کر دوں گا۔برائے مہربانی ہمیں ڈسٹرب نہ کریں۔“وہ ایک بار پھر حنزلہ کی طرف مڑا۔

”ہاں تو ہم کہاں تھے ڈاکٹر صاحبہ؟“

”آپ مرنے والے تھے حسن بھائی۔“وہ سنجیدگی سے بولی۔شادان کی نظریں اسے جھلسا رہی تھیں۔

”وہ تو دو منٹ پہلے کی بات ہے،اب تو میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔خیر آپ نے یہ فیلڈ کیوں جوائن کی۔اچھی خاصی سنجیدہ اور ذہین عورت ہیں آپ اب اچھا لگتا ہے اس طرح پستول اٹھا کر مردوں کے سر پھاڑتے ہوئے؟“

”تم جیسے بے غیرتوں کا دماغ درست کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا ناں۔“جواب زبرج کی طرف سے آیا تھا۔

حسن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔”پتہ نہیں وہ کونسا دن تھا جب میں نے تم لوگوں سے دوستی کر لی۔جانتے ہو ہم کس خاندان سے ہیں؟ہمارے یہاں کوئی گالی دے تو اسکی زبان کٹ کر گر جائے۔“

”اللہ مجھے وہ دن دکھائے جب تمہاری زبان کٹ کر گرے۔“شادان سلگ کر بولا۔

”لو میری کیوں گرے گی۔میں تو عبدل باری ہوں۔“حسن چمک کر بولا۔”بلکہ عبدل باری بھی کل آیا تھا بڑا پریشان تھا کہہ رہا تھا کہ غلط سنگت میں پڑ گیا ہوں۔حسن بھائی کچھ دن اپنی صحبت بخش دیں۔“

”اور آپ ٹھہرے مصروف آدمی یقیناً منع کر دیا ہو گا۔“

"اور نہیں تو کیا۔میرے پاس اتنا وقت تھوڑی ہے۔"

"عبدل باری سوچتا ہو گا جان بچی لاکھوں پائے۔"زلطان نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔اور اپنا رخ ایک بار پھر زخرف کی طرف موڑ لیا۔باقی ساری دنیا بھاڑ میں جائے۔

حسن برا منائے بغیر ایک بارپھر حنزلہ کی طرف متوجہ ہوا۔"میں آپ کو ایک پتے کی بات بتاتا ہوں۔"وہ رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔"میرے سارے دوست باہر سے جتنے سخت لگتے ہیں ناں اندر سے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ایک بار انکو لڑکی ملنے دو،اور یہ اسکے گھٹنے سے لگ جاتے ہیں۔اب اسے ہی دیکھ لو۔"اس نے زلطان کی طرف اشارہ کیا۔

"کل تک کتنا پھدک رہا تھا یہاں سے جانا ہے جانا ہےاور اب دیکھیں کیسے زخرف کے ساتھ گپے ہانک رہا ہے۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرے دوست پورا پیکج ہیں۔امیر،ڈیسنٹ،اور زن مرید۔آپ پچھتائیں گی نہیں۔"

حنزلہ اسکی باتوں پہ مسکرانا چاہتی تھی مگر اسکی نظریں بس زلطان اور زخرف پہ اٹک کر رہ گئی تھیں۔وہ فرش پہ کہنی کے بل نیم دراز اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔زخرف مسکراتے ہوئے سن رہی تھی۔یہ بے تکلفی نئ نہیں تھی۔یہ محبت یکطرفہ نہیں تھی۔انہیں جدا کرنے کے لئے دہر کو ناممکنات سے گزرنا پڑتا۔یہ ساتھ،یہ مسکراہٹ وقت اس تعلق کو گہنا نہیں سکتا تھا بدگمانیاں اس تعلق میں بے معنی تھیں۔

اسے جبل خان کے لئے دکھ ہوا۔بے تحاشا۔بے حد۔وہ غلط جگہ غلط انسان کی محبت کا اسیر ہوا تھا۔کاش وہ اسکے لئے کچھ کر پاتی۔

رات نو بجے۔

"تم واقعی الیکشن نہیں لڑنا چاہتے؟"وہ مکمل سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔زلطان چند لمحے اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر دھیرے سے نفی میں سرہلایا۔

"سیاست میرے خون میں ہے۔میں اس سے منہ نہیں موڑ سکتا۔کوشش کی تھی لیکن نہیں ہوا مجھ سے۔" اگر اس نے پہلی بار سیاست کے متعلق کسی کو سیدھا جواب دیا تھاتو وہ زخرف تھی۔وہ جسے تفصیل سنانے والا تھا وہ بھی زخرف ہی تھی۔

"ابا نے ہمیشہ میرے ساتھ زبردستی کی۔اپنی مرضی کا پڑھایا۔اپنی مرضی سے لندن بھیجا،پھر امریکا اور پھر پاکستان بلوا لیا۔میں اس وقت واپس نہیں آنا چاہتا تھا لیکن ایک بار پھر سمیع بھائی اور سراج بھائی کی بلیک میلنگ میں آگیا۔میں واپس آگیا لیکن میں نے سوچ لیا تھا سیاست مر کر بھی نہیں کرنی۔"وہ مدھم آواز میں کہتا جا رہا تھا۔"لیکن الیکشن ہوئے تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے کاغذات نامزدگی جمع کروا دیے۔ابا کو جیسے موقع مل گیا ہو۔سمیع کی گرفتاری کے بعد انہوں نے سارا بوجھ مجھ پہ ڈال دیا۔مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔اس بار وہ چاہتے تھے کہ میں دوبارہ الیکشن

لڑوں۔چچا صاحب پارٹی کی طرف سے وزیراعظم کے لئے منتخب ہونے والے تھےاور میں وزیراعلیٰ ۔سب ابا کی مرضی۔" وہ تلخی سے بولا۔

"وہ تمھارے ابا ہیں زلطان،انہوں نے تمہارا بھلا ہی سوچا ہو گا۔" وہ رسان سے بولی۔زلطان طنزیہ مسکرایا۔

"ایک تو یہ اماں ابا کو بڑی چھوٹ ملی ہوتی ہے۔تمھارے ماں باپ ہیں بھلا ہم تمہارا برا چاہیں گے؟ٹھیک ہے آپ برا نہیں چاہیں گے لیکن آپ کے فیصلے اولاد کے لئے برے ہو سکتے ہیں just accept it" وہ جھلا گیا۔

"ابا سے غصہ تھا میں۔ہرٹ بھی تھا۔مجھ پہ حکم تھوپ کیوں رہے تھے؟انکو مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا بیٹا زلطان تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

میں کہتا ابا پینٹنگ۔

وہ کہتے ٹھیک ہے بیٹا لیکن میری خواہش اور ضرورت ہے کہ تم سیاست میں آؤ۔تب میں سوچتا،ابا کی محبت میں پگھل جاتا۔تب میرا سیاست میں آنا ابا سے محبت اور بیٹے کا فرض ہوتا۔لیکن جو سب کچھ وہ کر رہے ہیں وہ دھمکی، بلیک میلنگ اور ناجائز ڈیمانڈز ہیں۔اور زلطان صفدر کٹ کر گرے گا لیکن ان بلیک میلنگز میں نہیں آئے گا۔ابا شاید جانتے نہیں ہیں مجھے۔"

"لیکن مجھے تو لگتا ہے تم بلیک میل ہو چکے ہو۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

ایک لمحے کے اندر اندر زلطان کی آنکھیں مختلف ہو گئیں۔"میں واقعی بلیک میلنگ میں آ چکا ہوں۔"اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

"ابا نے کہا تھا اگر چودہ جنوری سے پہلے پہلے میں نے کاغذات نامزدگی جمع نہیں کروائی تو راہب **(زلطان کے چچا کا بیٹا)** الیکشن لڑے گا۔میں زندگی میں پہلی بار ڈر گیا ہوں۔مجھے یہاں سے نکلنا ہے اپنے تخت کے لئے۔جس سے میں بے انتہا محبت کرتا ہوں اور مجھے اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا۔یہاں مجھے ہر رات صرف اس خوف سے نیند نہیں آتی کہ اگر میں تیرہ جنوری کو واپس نہیں گیا تو کیا ہو گا؟" اسکے چہرے پہ متاع حیات کھو دینے کا خوف تھا۔

"تم دونوں ایک ساتھ بھی الیکشن لڑ سکتے ہو۔اس کے بعد تو پارٹی کے ممبران کا حق ہے جسے چاہے اپنا لیڈر چن لیں۔"

"چچا اور ابا کے درمیان معاہدہ تھا کہ بازو گھر کا ایک ہی مرد بنے گا۔میں اور راہب ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔"

"یعنی تم نے کاغذات نامزدگی اب تک اس لئے نہیں جمع کروائی تا کہ تم راہب کو انتظار کی سولی پہ ٹانگ سکو۔"

زلطان مسکرایا۔عجیب کھوکھلی مسکراہٹ۔وہ جس میں شر بھی تھا۔"اسے تڑپا تڑپا کر مارنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔"

زخرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔کبھی کبھی اسے زلطان سے خوف آیا کرتا تھا۔

"تم بہت بدتمیز ہو۔"وہ خفگی سے بولی۔زلطان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔اب کے آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔

"تم تمیز سکھانا۔"

"تم بہت عجیب ہو۔"

"تمھارے لئے کم عجیب ہو جاؤں گا۔"

"تم اب بہت بولنے لگ گئے ہو۔"

"صرف تمھارے سامنے۔"

"اپنا منہ بند رکھو۔"

"یہ سہولت اب آپ کے لئے غیر ویلڈ ہے۔"

"زلطان تم سدھر جاؤ اب۔"وہ زچ ہوئی۔

"تم کوشش تو کرو میں نہ سدھروں تو کہنا۔"

زخرف نفی میں سرہلاتے ہوئے خاموش ہو گئی۔زلطان اسکے سامنے زمین پہ لیٹ گیا۔وہ خاموش تھی،اور زلطان اسکے کچھ کہنے کا منتظر۔وہ اس دنیا کی واحد انسان تھی جو زلطان صفدر کو کتاب کی طرح پڑھ لیتی تھی۔اور یہی وہ واحد انسان تھی جس پہ زلطان اپنی زندگی کے روشن اور تاریک باب کھول کر رکھ دیتا تھا۔

”انائیں چھوڑ دو زلطان۔“کافی دیر بعد وہ ہلکی آواز میں بولی۔

”یہ کام میں صرف تمھارے لئے کر سکتا ہوں۔باقیوں کے لئے مجبور مت کرو۔“وہ سنجیدہ ہوگیا تھا۔

”وہ تمھارے ابا ہیں اور راہب تمہارا کزن۔بات یہ نہیں ہے کہ وہ تمھارے ساتھ ایک پارٹی میں رہ نہیں سکتا۔بات یہ ہے کہ تمھارے چچا اور ابا جانتے ہیں الیکشن تم جیتو گے۔اور اسکے بعد تم راہب کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرو گے۔وہ لوگ راہب کے لئے ڈرتے ہیں۔خاندان ٹوٹنے سے ڈرتے ہیں۔وہ لوگ تمھارے شر سے ڈرتے ہیں۔“

”تم بہت جان گئی ہو میرے بارے میں۔تم سے شادی کی تو الو کا پٹھا کہلاؤں گا۔“اس نے بازؤں کی قینچی بنا کر سر کے نیچے رکھی۔

”وقت ہے،اب بھی سوچ لو۔ویسے تمھیں کس نے کہا میں تم سے شادی کر رہی ہوں؟میری تین دن بعد شادی ہے۔“

”جانتاہوں تاریخ نہیں بدل سکتی دولہا تو بدل سکتا ہے ناں؟“

”میں نے تمھیں ایسا کوئی تاثر نہیں دیا۔“وہ فورا مکر گئی۔زلطان دل کھول کر ہنسا تھا۔

”میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہاں تم نے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔لیکن میں زلطان ہوں۔ہم دونوں کے درمیان بہت کچھ آ سکتا ہے۔راز نہیں۔“

"اگر میں نے ایسا کچھ کہا بھی ہے تو جاؤ میں مکر گئی۔"

زلطان نے کچھ نہیں کہا۔بس مسکراتا رہا۔زخرف کو یکدم کچھ یاد آگیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ تمھیں اتنے سالوں میں کوئی لڑکی نہیں ملی؟تم نے کسی کو ڈیٹ نہیں کیا؟"وہ متجسس سی آگے کو ہوئی۔

"کیا تھا۔کئی لڑکیاں آئیں اور گئیں۔گو کہ میں نے کوئی اخلاقی حد کراس نہیں کی لیکن کئی ملاقاتیں بھی مجھے اس بات پہ قائل نہیں کر سکیں کہ میری زندگی میں تمھارے سوا کوئی آ سکتا ہے۔"

"اوہ پلیز اب یہ مت کہنا کہ تم نے میری محبت میں ہر لڑکی کو ریجیکٹ کیا۔ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی لڑکی تمھیں ہنستے ہوئے خوبصورت نہ لگی ہو،روتے ہوئے جس پہ ترس نہ آیا ہو۔"

"کئی لڑکیاں ہنستے ہوئے خوبصورت لگی تھیں۔لیکن مجھے ہر دفع تمھارا حلق پھاڑ کر ہنسنا یاد آتا تھا۔روتے ہوئے کئی لڑکیوں پہ ترس آیا ہے لیکن کسی کو روتے دیکھ تکلیف نہیں ہوئی۔اور سب سے اہم بات۔"وہ کروٹ کے بل لیٹ گیا۔نگاہیں زخرف پہ مرکوز کر لیں۔"میں نے کسی روتی ہوئی لڑکی کو اپنی ناک پونچھنے کے لئے اپنا رومال نہیں دیا۔"

"اخ کتنے گندے ہو تم۔"وہ برا منہ بنا کر بے اختیار پیچھے ہوئی۔

"اب اس میں گندہ ہونے والی کونسی بات تھی۔مجھے باقی لڑکیوں سے کراہیت آتی تھی۔جن سے محبت ہو ان سے کراہیت نہیں آتی۔"

زخرف کی آنکھیں صدمے سے پھیل گئیں۔"تمھیں ہماری محبت ناپنے کے لئے یہی criteria ملا تھا؟"

"بلکل۔مجھے تو اس میں کچھ غلط نظر نہیں آ رہا۔"وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

"اب مجھے واقعی لگنے لگا ہے کہ میں تین دن بعد دولہا نہیں بدلنے والی۔"وہ قطعیت سے بولی۔زلطان مسکرایا۔

"ویسے ہمارے بارے میں جان کر اگر کوئی ہم سے زیادہ خوش ہو گا تو وہ سراج ہو گا۔"کافی دیر بعد زلطان یاسیت سے کہہ رہا تھا۔اسکی آنکھیں چھت پہ ٹکی تھیں۔پھر وہ دوبارہ کہنی کے بل دراز ہوا۔ایک جگہ سکون نہیں آتا تھا اسے۔

"ہم سب سے پہلے سراج کو بتائیں گے اوکے؟"وہ اس سے پوچھ رہا تھا یا اپنی خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔

"سراج بھائی کچھ دن پہلے مجھ سے ملے تھے۔"وہ گھٹنے سینے سے لگائے تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی جو اسکے سامنے کہنی کے بل نیم دراز تھا۔زلطان اسکی باتیں سن رہا تھا۔

"کیا کہا انہوں نے؟"

زخرف نے بے اختیار یاد کرنے کی کوشش کی۔وقت کے پنے پلک جھپکتے ہوئے پلٹ گئے۔مصنف نے کتاب کے پچھلے ابواب میں کچھ نیا بھرنے کا سوچا اور کہانی کی ڈور دور کہیں ماضی میں جا اٹکی۔جہاں شاید کچھ خوشگوار لمحات ہمارے منتظر تھے۔شاید۔

موجودہ دن سے چند روز قبل۔

وقت دوپہر تین بجے۔

شہر اسلام آباد۔

عدالت کی راہداریوں میں روز مرہ کی ہلچل اور شور تھا۔سیاہ سفید لباس پہنے یہاں سے وہاں آتے جاتے وکلاء کے چہروں پہ بے زاری بھی تھی۔طمانیت بھی۔اور اکتاہٹ بھی۔ہر کسی کی تاثرات ان کے موجودہ کیس کے حالیہ نتائج سے ملتے جلتے تھے۔احاطے میں پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔آس پاس لوگ فون کان سے لگائے ہوئے تھے تو کوئی اپنے ساتھ کھڑے کسی وکیل سے بحث ومباحثے میں مصروف تھا۔

اپنے چیمبر میں بیٹھی زخرف وقار مختلف فائلز کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک کیس کی سماعت کا حصہ بن کر آئی تھی،اور اب ایک نئے کیس کی فائل اسٹڈی کر رہی تھی۔دفتعاً دروازے پہ آہٹ ہوئی۔اس نے سر اٹھایا۔اور یہی وہ لمحہ تھا جب اسکی آنکھوں سے ساری بے زاری عنقا ہوئی۔

وہ دروازے کی چوکھٹ پہ ایستادہ تھا۔لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔دونوں ہاتھوں میں کافی کے کپ تھے۔جو یقیناً کسی مہنگی شاپ سے لئے گئے تھے۔سیاہ سوٹ میں بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے وہ چند لمحوں کے لئے ہر طرف چھاگیا۔

"بھائی آپ؟ آج یہاں کا راستہ کیسے بھولے ہیں آپ؟" وہ اپنی کرسی سے اٹھی اور بے حد اشتیاق کے عالم میں آگے بڑھ آئی۔ سراج کے قریب آکر وہ رکی تو سراج نے دھیرے سے اسے کندھے سے لگایا۔

"کیسی ہو بیٹا؟"

"بلکل ٹھیک ٹھاک۔ شکر ہے آپ کو میں یاد ہوں۔ ورنہ صفدرز تو ہمارے گھر کا راستہ ہی بھول گئے ہیں۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ زلطان اور زخرف کی فیملیز کے آپس میں اچھے تعلقات تھے۔ مگر وہ بگڑے تب جب زخرف نے اسی خاندان کے خلاف ایک کیس لڑنا شروع کیا۔

"ہم کچھ نہیں بھولے لیکن شاید تم بھول رہی ہو کہ ہمارے تعلقات کئی برس پرانے ہیں۔ یار کوئی جنگل میں رہتے ہوئے بھی راہ رسم نبھا لیتا ہے۔ تم تو دنیا میں ہی اصول بدل گئی ہو۔" وہ زخرف کے ساتھ چلتا ہوا آیا اور اپنے لئے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا لی۔ دونوں کپ میز پہ رکھے۔ شاید اسے یہ گمان تھا کہ یہ آفس اسکے ابا جی کی ملکیت ہے۔ "کافی لایا ہوں۔ کورٹ کی چائے بہت بدمزہ ہوتی ہے۔" اس نے ایک کپ زخرف کے آگے رکھا۔

وہ گہری سانس لیتی اپنی طرف سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ کافی کا کپ اپنی طرف کیا۔

"یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"ایک کیس میں پیشی تھی۔بس اسی سلسلے میں۔"وہ کمال مہارت سے جھوٹ بول رہا تھا۔کم از کم آج کی تاریخ میں اسکی کوئی پیشی نہیں تھی اتنا زخرف جانتی تھی۔

"پہلی بار ایسا آدمی دیکھا ہے جو پیشی پہ آنے کے لئے اتنا تیار ہو کر آیا ہو۔"

"کیونکہ وہ آدمی جانتا ہے کورٹ صرف ایک کھیل تماشا ہے۔آتے ہوئے ٹم ہارٹنز کی کافی پیو،جاتے وقت کسی فائیو سٹار ہوٹل میں کھانا کھاؤ،کورٹ کا کیا ہے جج بکے ہوئے اور وکلاء بکنے کو تیار۔"وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کچھ جتا رہا تھا۔اسکے پرفیوم کی خوشبو کمرے میں چاروں طرف پھیل گئی تھی۔

"لگتا ہے آپ کا پالا کسی درست وکیل سے نہیں پڑا بھائی۔ورنہ آتے ہوئے آپ کو جیل کی چکی یاد آتی اور جاتے ہوئے پولیس ریمانڈ۔"اس نے کافی کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔"ویسے دھیان رکھیے گا،یہ بکے ہوئے وکلاء اور جج صاحبان کل آپ کے مخالفین کے ہاتھوں بھی بک سکتے ہیں۔"

"میں بکاؤ مال نہیں خریدتا،میں ان چیزوں پہ ہاتھ رکھتا ہوں جو rare اور لمیٹڈ ہوں۔"

"شاید ایسا ہی ہو،لیکن کچھ چیزیں ہوتی ہیں جن پہ ناٹ فار سیل کا لیبل لگا ہوا ہوتا ہے۔ان سے فاصلہ کرنا چاہیے۔"وہ لہجے میں اعتماد لئے ہوئے تھی۔سراج صفدر محظوظ انداز میں مسکرایا۔پھر آگے کو ہوا۔آنکھوں میں دور کہیں سرد اور سفاک تاثر تھا۔

"کیس سے ہٹ جاؤ زخرف۔"وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا۔"میرے خاندان پہ آتی دھول کو میں صاف کرنا اور غائب کرنا دونوں جانتا ہوں۔میں چاہتا ہوں تم شادی کرو،گھر بساؤ۔تمھارے

ساتھ کچھ برا ہوا تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔میں بہت برا آدمی ہوں لیکن تمھارے ساتھ اچھا رہنا چاہتا ہوں۔" اپنے تئیں اس نے لمبی بات کر دی تھی۔

زخرف آگے کو ہوئی۔ہاتھوں کو باہم جوڑ کر سراج کی آنکھوں میں دیکھا۔وہاں اٹل فیصلہ تھا۔

"کرپٹ، جھوٹی اور فراڈ ہوں۔لیکن دوغلی اور بزدل نہیں۔"

سراج نے گہری سانس لی۔اور افسوس سے نفی میں سرہلایا۔"نئی نسل کی جذباتیت مجھے خائف کرتی ہے۔"

"مجھے کہہ لینے دیں کہ آپ یہاں یہ مہنگی کافی خرید کر اور اتنا تیار ہو کر کسی پیشی کے لئے نہیں بلکہ مجھے دھمکانے آئے تھے۔" جانے کیوں مگر زخرف کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔سراج نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔اور سینے پہ انگلی رکھی۔

"چچ چچ چچ تم مجھے ایسا سمجھتی ہو؟ مجھے اگر تمھیں دھمکانا ہوتا تو بہت لوگ تھے میرے پاس۔" وہ اسی کے انداز میں میز پہ آگے کو ہوا۔"میں تو یقین دہانی کروانے آیا ہوں کہ باز آجاؤ۔جب شہر کے باقی وکیل ہمارے خلاف نہیں جا رہے تو تم بھی مت جاؤ۔"

"اور یہ عنایت آپ اس لئے کر رہے ہیں کیونکہ میں آپ کی فیورٹ ہوں؟"

"اونہوں . . . . یہ عنایت اس لئے کیونکہ تم میرے بھائی کی فیورٹ ہو۔دس سال سے، یا شاید اس سے بھی لمبے عرصے سے۔"

زخرف کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا۔وہ تاریک پڑا تھا۔دل بے حد تیز رفتار کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔وہ بغیر کچھ کہے اسے دیکھے گئی۔ایک ساتھ یادوں کا ریلا بہہ آیا تھا جس نے اس کے دل کو پکڑ کر دبا دیا تھا۔

”زلطان کی طرف سے تمھیں کئی رعایتیں حاصل ہیں۔اور اسے میری طرف سے۔عجیب لو ٹرائینگل ہو گیا۔“وہ ناگواری سے بولا۔”میں اپنے سے وابستہ عورتوں کو دھمکیاں اور وارننگز نہیں دیتا۔بھائی کے معاملے میں اصول مختلف ہیں خیر . . . .“وہ اٹھا۔گلاسز آنکھوں پہ سیٹ کئے۔اور کافی کے بھرے ہوئے کپ کو دیکھا۔”یار تم نے تو کافی بھی نہیں پی۔“

”مجھے یقین نہیں آتا آپ زلطان کے بھائی ہیں۔“

سراج کا کافی کے مگ کی طرف بڑھتا ہاتھ ایک لمحے کے لئے ساکت ہو تھا۔اس نے نگاہیں اٹھا کر زخرف کو دیکھا۔اسکے لہجے کا وہ دکھ سراج کے دل کو لگا تھا۔

”میں تم سے سمجھداری کی توقع رکھوں گا زخرف۔“یہ بیک وقت تنبیہہ اور التجا دونوں تھے۔زخرف خاموش رہی۔سراج نے اپنا کپ اٹھایا اور ایک بھی نگاہ غلط اس پہ ڈالے بغیر باہر نکل گیا۔

یہ وہ بچی تھی جسے وہ کئی سالوں سے اپنے آس پاس دیکھتا رہا تھا۔اور آج وہ اسی کو دھمکا رہا تھا۔لعنت ہو۔چیمبر سے باہر نکلتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اسکا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا۔

”مجھے یقین تھا وہ تمھارے پاس ضرور آیا ہوگا۔“

فرش پہ لیٹے ہوئے اس نے سرسری سا تبصرہ کیا۔اگر زخرف کو اسکی طرف سے کسی سنجیدہ تبصرے یاپھر کسی دو ٹوک فیصلے کی خواہش تھی تو وہ پوری ہوتی نظر نہ آئی۔اسکا انداز مبہم رہا۔

”خیر میں کہہ رہا تھا کہ ۔ ۔ ۔ “اسکی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔زینوں کے اوپر دروازہ کھلا تھا اور جبل خان نے قدم اندر رکھا۔زبرج یکدم سیدھا ہوا۔اسکے بس میں ہوتا تو وہ اٹھ کھڑا ہوتا۔شادان، حسن اور زلطان اسے دیکھ رہے تھے۔وہ صرف زخرف کو دیکھ رہا تھا۔نگاہیں خالی تھیں۔

”دلہن صاحبہ آپ کے گھر والے آپ کو یاد کررہے ہیں۔سلام دعا کروائی جائے؟“

زبرج جانتا تھا اب زور گڑھ مداری کا وہ کھیل نہیں رہا جس میں سیدھی رسی پہ چلنا تھا۔اب کرتب بدل چکے تھے۔یا شاید کھیل کے اصول؟یا شاید کھلاڑی؟غضب یہ تھا کہ وہ ہر کھیل کے لئے بے کار تھا۔

”سرکس۔“

”گیارہ جنوری“

”وقت رات ساڑھے دس بجے“

تہہ خانے میں بیٹھک بدل گئی تھی۔ماحول کی سنسنی بھی اور سنجیدگی بھی۔جبل خان سرخ صوفے پہ بیٹھا تھا۔وہ سرخ شاہی کرسی اس تہہ خانے کا واحد aesthetic پرزہ تھی۔اسکے سامنے ایک بھدی سی کرسی پہ زخرف بیٹھی تھی۔زلطان اسکی دائیں طرف کھڑا تھا۔کاٹ دار نگاہیں جبل خان پہ مرکوز تھیں۔جبل کے دونوں اطراف میں دو مسلح افراد کھڑے تھے۔

دو لوگ باقی اسیران پہ بندوقیں تانے ہوئے تھے۔اور جبل خان کی بندوق کی نال زخرف وقار کی گردن کو چھو رہی تھی۔ٹھنڈی اور سخت۔

"صرف خیر خیریت، جلد آنے کا وعدہ اور فون کال ختم سمجھیں آپ؟" وہ پستول کا دباؤ اسکی گردن پہ بڑھا رہا تھا۔زخرف نے گردن اثبات میں ہلا دی۔"زیادہ چالاکیاں دکھائیں تو میری صلاحیتوں سے واقف ہیں آپ۔"

"وہ میری بات سننے کے بعد زلطان سے بات کرنا چاہیں گی۔" زخرف نے وارننگ دی۔

"بیرسٹر سے بات کروا دیجیۓ گا۔" جبل نے حل پیش کیا۔زخرف نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔جبل نے ٹیلیفون اسکے سامنے کیا۔بیل جا رہی تھی۔دوسری بیل پہ کال ریسیو ہو گئی تھی۔

"ہیلو؟" کوئی نسوانی آواز تھی۔زخرف کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔وہ جیسے کئی صدیوں بعد اس آواز کو سن رہی تھی۔"ہیلو؟ کون ہے؟"

"ممی اٹس می . . . . زخرف۔" بادقت کہتے ہوئے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو تواتر سے گرتے چلے گئے۔ پستول کی نال ہنوز اسکی گردن پہ تھی۔ آنسو دیکھ جبل نے چہرہ موڑ لیا۔ ایک تو اسکی آنکھیں دیکھنا محال اوپر سے وہ رو کر رہی سہی ہمت بھی توڑ دیتی تھی۔

"کیا بچکانہ رویہ ہے یہ زخرف؟ تین دن بلکہ دو دن رہ گئے ہیں تمھارے نکاح میں اور تم غائب ہو۔ تمھیں اندازہ ہے مجھے کیا کیا جواب دینے پڑ رہے ہیں؟ اوپر سے جب بھی تم سے بات کرو تمھارے نخرے ہی الگ ہوتے ہیں۔" وہ برس پڑی تھیں۔ چار روز سے وہ مسلسل اسے فون کرتی رہیں تھیں اور بات کرنے والی ان کی بیٹی نہیں تھی یہ وہ جان نہ سکیں۔ اللہ غارت کرے اس ٹیکنالوجی کو۔

"آئی ایم سوری ممی . . . . میں جلدی آجاؤں گی۔"

"زلطان تمہارے ساتھ ہے ناں؟ فون دو اسے۔ میں اب تمھارے ڈرامے نہیں سن سکتی۔ اس سے بات کرواؤ۔"

"ممی . . زلطان یہاں نہیں ہے۔" وہ اب سنبھل گئی تھی۔

"حسن . . زبرج . شادان کوئی تو ہو گا؟ بات کرواؤ میری۔ وہ ایک آل بوائز ٹرپ تھا ہنی۔ تم انکے ساتھ کیا کر رہی ہو۔ شایان کو برا لگ سکتا ہے۔؟"

زخرف کو مذید رونا آنے لگا۔ کاش یہ کوئی ٹرپ ہوتا۔ کاش کاش۔ کاش۔

"ممی آپ حسن سے بات کریں۔"

اس نے فون جبل کی طرف بڑھایا جسے زلطان برق رفتاری سے چھین کر کان سے لگا گیا تھا۔"ہیلو آنٹی کیسی ہیں آپ؟"

جبل کی سخت نظروں کی پرواہ کئے بغیر وہ ہشاش بشاش انداز میں بولا۔"یہ مجھ سے ناراض ہے بس اسی لئے کہہ رہی تھی میں یہاں نہیں ہوں۔"اس نے سامنے سے ان کی کوئی بات سنی۔

"آنٹی آپ بلکل فکر نہ کریں ہم کل آجائیں گے۔جی جی وہ شادی سے بلکل راضی ہے۔اسے بھلا اب کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"وہ کن اکھیوں سے زخرف کو ہی تک رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے آنٹی۔اس نے ہم سے ایسا کچھ نہیں کہا ہے۔بہت خوش ہےوہ بلکہ خود بھی جلدی آنا چاہتی ہے۔آئی ایم سو سوری ہماری وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔"

ایک دو باتیں مذید سننے کے بعد اس نے فون رکھ دیا تھا۔جبل کی طرف موبائل بڑھاتے ہوئے اسکے تاثرات واپس سرد ہو چکے تھے۔ذرا سا جھک کر اس نے جبل کی پستول زخرف کی گردن سے ہٹائی اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔

"مرد بنو جبل خان۔کب تک پستول کے دم پہ ہی ڈراتے دھمکاتے رہو گے۔"

"مجھے میری اماں سے بات کرنی ہے۔وہ مجھے یاد کر رہی ہوں گی۔"جبل کے جواب دینے سے پہلے شادان بول اٹھا تھا۔

"تمھارے باپ نے یہاں پی سی او نہیں کھولا۔"بندوق پکڑے ایک لڑکا پھنکارا۔

"پلیز میں صرف دو منٹ بات کروں گا۔صرف دو منٹ میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔جس طرح تم ہر دفع شادی سے انکار کر دیتے تھے اس بار بھی انہیں وہی پیغام ملا ہے۔"

"لیکن اب تو میں راضی ہوں۔پلیز میری ماں کو بتاؤ۔میری ایک بار بات کرواؤ۔"

"دو منٹ بات کروا دینے سے کیا ہوجائے گا لالہ؟"یہ آواز حنزلہ کی تھی۔جبل خان کو باقاعدہ مڑ کر اپنی بہن کو دیکھنا پڑا۔"بات کروا دیں اسکی۔اپنی ماں کو کلئیرٹی دے دے گا تو کیا ہو جائے گا؟"وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ شادان صاحب کا یہ سمجھنا بہتر ہو گا کہ ان کی شادی اب انکی مرضی سے نہیں ہونے والی۔"وہ ٹھنڈے انداز میں کچھ جتا رہا تھا۔

"جبل مجھے پانچ منٹ تم سے بات کرنی ہے۔"زبرج نے اسے پکارا تھا۔عجیب بے بسی تھی کہ وہ اٹھ کر اسکا کالر نہیں دبوچ سکتا تھا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

"چیزیں تمہارے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔میرا یقین کرو اگر میں نہیں تو تم بھی نہیں۔پلان بھی نہیں اور بقا بھی نہیں۔"وہ درست کہہ رہا تھا۔ہر دفع کہانیوں میں ایک ماسٹر مائنڈ نہیں ہوا کرتا کئی بار دو لوگ ملتے ہیں تب جا کر ایک ماسٹر مائنڈ بنتا ہے۔ایک ناقابل تسخیر پلان،بے جھول بیک سٹوری اور مہرے ایسی ترتیب سے کہ چال چلنا بے حد مزہ دینے لگے۔اب اس سرکس میں صرف

کھیل رہ گیا تھا۔اصول اور کارندے بدل چکے تھے۔المیہ یہ تھا کہ کارندے اپنا کھیل بھی بھول چکے تھے۔

"مجھے ایک موقع دو میں تمھیں سب سمجھاتا ہوں۔صرف ایک بار مجھے بات کرنے دو۔ہم ساتھ ہیں تو دنیا فتح کر سکتے ہیں الگ ہوئے تو شکست ہواؤں میں بس جائے گی۔"اس نے جیسے اناؤں پہ پیر رکھا۔"صرف پانچ منٹ جبل۔تم مجھے پانچ منٹ نہیں دے سکتے؟"

"میں تمھیں اب اپنی زندگی کا ایک منٹ بھی نہیں دے سکتا ایجنٹ۔ہر دفع تم "لینا" ہی کیوں چاہتے ہو؟چند گھنٹے پہلے تم نے اپنے خاندان کی باحفاظت ونڈر لینڈ میں آمد مانگی تھی،میں نے دے دی۔اس سے زیادہ تمھارے لئے کچھ اور نہیں کر سکتا میں۔"

اس نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔یہ جانے کا اشارہ تھا۔زبرج اسے دیکھتا رہا۔

"تم کنٹرول کھو دو گے جبل۔تم میرے بغیر اور میں تمھارے بغیر کچھ نہیں۔"

"کھونے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ اب اگر کچھ مل جائے تو حیرت ہوگی۔"وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا اور بغیر اسکی طرف دیکھے وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر جانے لگا۔ابھی وہ دروازہ پار کرتا کہ زلطان صفدر نے اسکے قدموں میں زنجیریں ڈال دی تھیں۔

"تمھیں میرے گھر سے کسی کی کال موصول نہیں ہوئی؟"جبل تھم گیا۔تاثرات برف رہے البتہ آنکھوں میں بے چینی ابھری تھی۔"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم صفدر خاندان کے ایک اہم انسان کو قید کر کے رکھو،جعلی کالز سناتے رہو اور میرے گھر والوں کو علم بھی نہ ہو سکے؟"

جبل مڑا نہیں مگر وہ جانتا تھا اس سردی میں بھی کچھ تھا جو اسے آگ کی طرح جلا رہا تھا۔ پیچھے مڑ کر اگر دیکھو تو زبرج شاہنواز کے رنگت تاریک پڑ گئی تھی۔

"سکیپر کون ہے جبل خان؟" یہ لہجے کا اعتماد یہ ٹھہری ہوئی پر سکون سی بازگشت۔ زور گڑھ کے دونوں ماسٹر مائنڈز کو اپنا خون خشک ہوتے محسوس ہوا۔ آس پاس دم گھونٹنے والی زہریلی ہوائیں بھر گئیں۔

"اسکیپر کون ہے جبل؟"

"تمہارا باپ . . . . اب جا کر اس سے ہاں یا ناں کی تصدیق کرواتے رہنا۔" جبل سخت انداز میں کہتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ جاتے ہوئے اسکی آنکھوں میں بے چینی تھی۔

زلطان صفدر چبھتی نظروں سے اسکی پشت کو دیکھتا رہا۔ کچھ تھا جو اسے کھٹکا تھا۔ کچھ تھا جو اسکے پچھلے کئی دنوں کے شک کی تصدیق کر رہا تھا۔

"بارہ جنوری۔"

"وقت رات کے بارہ بج کر تیس منٹ۔"

کئی گھنٹے مسلسل بیٹھے رہنے کے بعد انکے اندر اب ایک بار پھر فرسٹریشن سر اٹھانے لگی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کے آگے متاع حیات کا لٹنا سرکس کا کوئی کرتب نہ تھا جسے وہ دیکھتے اور تالیاں پیٹ دیتے۔ اصل زندگی تالیاں پیٹنے مواقع بہت کم دیتی ہے۔ اصل زندگی میں" **اینڈز**

"نہیں" **ڈیڈ اینڈز** "ہوتے ہیں۔اور اس تہہ خانے کے تمام اسیر ان کو اپنا dead end بے حد قریب نظر آ رہا تھا۔

آگ کے گرد دائرے کی صورت بیٹھے وہ خاموش تھے۔جبل خان کسی صورت ایجنٹ سے مذاکرات کے لئے تیار نہیں تھا۔اور اگر وہ ایجنٹ کو رد کر سکتا تھا تو باقی لوگ اسکے لئے خاک بھی نہیں تھے۔پریشانی اب واقعی بڑھ گئی تھی۔

"اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہونے والا ہے۔"زبرج انکے مایوس چہرے دیکھتے ہوئے ناگواری سے بولا۔"زلطان . . . ہم یہاں سے بھاگ سکتے ہیں تمھیں سمجھ کیوں نہیں آ رہا؟"

"ہیڈ شاٹ سے بہتر ہے کہ ہوں یہاں ایک دوسرے کے ہیڈ دیکھتے رہیں۔"حسن بڑبڑایا۔

"مجھے یقین ہے اس نے ایسا کوئی آرڈر نہیں دیا۔جبل پستی کی اس حد کو کبھی نہیں چھو سکتا ہے۔"وہ مصر تھا۔

"تم اسکے بارے میں پلیز اندازے نہ ہی لگاؤ تو بہتر ہے۔"زخرف کچھ چڑ کر بولی۔"تمھیں یہ بھی اندازہ تھا ناں کہ وہ ہمیں یہاں سے نکال لے گا۔دیکھ لو نکال لیا اس نے۔"

شادان پورا کا پورا زبرج کی طرف گھوما۔"کونسا کیڑا تھا بھئی؟جس کے کاٹنے پہ تم ہمیں یہاں لے آئے؟مار لیتا پیٹ لیتا،گالیاں دے لیتا۔یہاں لا کر قطرہ قطرہ موت دینے کی کیا ضرورت تھی؟"وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔

"میرے بھائی سے تمیز سے بات کرو تم۔" حنزلہ نے اسے ٹوکا۔

"ایک تو تم بہن بھائی بھی کرن ارجن کا سیکوئیل ہو۔ساری تمیز سارا سلیقہ ہمارے لئے ہی رہ گیا ہے۔تم بہن بھائی تو اب بوجھ سے بری الذمہ ہو۔"

"ایسی کیا بدتمیزی کر دی ہے ہم نے؟کونسا قہر ٹوٹ گیا تم پہ؟" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

شادان نے طنزا مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔"نہیں نہیں بدتمیزی کہاں۔تم لوگوں نے تو ہمارے لئے خون کے ریڈ کارپٹ بچھائے۔بکنگھم پیلس جیسے تہہ خانے میں رکھا۔ملکہ انگلستان کے صوفے سے زیادہ نرم گدا دیا۔پہننے کے لئے شاہی مخمل دیا۔اور کھانے میں تو تازہ ہرن کا گوشت ملتا ہے۔بس یہ ہر دو تین گھنٹے بعد ہونے والی مار کٹائی کا مطلب سمجھ نہیں آیا۔کہیں یہ جبل خان کی شفقت پدری تو نہیں؟"

سید شادان کلستے ہوئے کہہ رہا تھا۔بس نہیں چلتا تھا کہ اپنا سر دیوار میں دے مارے۔

"خاندانی پاگل۔" حنزلہ بڑبڑائی۔

"امی کہتی ہیں جو کہتا ہے وہ خود ہوتا ہے۔" حسن نے بیچ میں اپنی ٹانگ اڑاتے ہوئے اسکی جنرل نالج میں اضافہ کیا۔

"اچھے خاصے ہنستے کھیلتے ہوئے جا رہے تھے ہم لیکن آگیا یہ جبل بیچ میں۔فلاپ ولن والی انٹری ماری اور "پاخیر راغلے ٹو مائے ونڈر لینڈ۔" شادان باقاعدہ اسکی نقل اتارتے ہوئے اکتاہٹ سے کہہ

رہا تھا۔"بھائی نہیں چاہیے تیرا ونڈر لینڈ میں اسلام آباد میں جھونپڑی لگا کر رہ لوں گا تم بس یہاں سے جانے دو۔اللہ کا نام ہے جانے دو ہمیں۔"دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے ہانک لگائی۔

"ہاتھ ہلکا رکھو۔رشتے کے لئے ہاں یا ناں کا فیصلہ اسکے ہاتھ میں ہے۔"زبرج اسکے کان کے پاس جھکا۔شادان کے چودہ طبق روشن ہوئے۔وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"میں تو کہہ رہا تھا **"جبل بھائی"** اتنا غصہ صحت کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔"

زلطان نے اسے دیکھ کر تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔جیسے کہہ رہا ہو اب کس منہ سے دوستوں میں پھنے خان کہلواؤ گے؟

"زبرج کوئی تو طریقہ ہوگا تمھارے اس cutie کزن کو اسکے بل سے باہر لانے کا؟"حسن اب بے زار ہوگیا تھا۔

"تم دونوں تو اتنے سالوں سے دوست ہو کوئی طریقہ ڈھونڈو جس سے اسکا غصہ ختم ہو۔مفاہمت کی کوئی راہ نکالنی ہوگی۔"سنجیدگی سے کہتے ہوئے حسن نے زلطان کو دیکھا۔پھر زخرف کو۔پھر شادان اور زبرج کو۔

"میرے پاس ایک پلان ہے۔"وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"بھائی ہم اسے درس دینے نہیں جا رہے۔تم رہنے دو۔"زخرف اسکے بولنے سے قبل کہہ اٹھی۔

"جبل خان کو عشاء کی رکعتوں کا پتہ ہے حسن اسے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"زلطان نے طنز کیا۔

حسن گردن جھکا کر سادگی سے مسکرایا۔کئی لمحے بعد جب اس نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا تو اسکی آنکھیں مختلف تھیں۔وہ شادان کو دیکھ رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اس گروپ میں کیوٹنس نہیں کمینگی کی بنا پہ داخلہ ملتا ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے دس سال اس کوالٹی کے بغیر تم لوگوں کے ساتھ گزارہ کیا ہے؟"وہ ایک بار پھر ہنسا تھا۔"میرے پاس واقعی پلان ہے۔"

"اور وہ پلان کیا ہے؟"شادان پر تجسس سا آگے کو ہوا۔

"ہمارا آخری غلط کام۔"

وہ سرگوشی نما انداز میں بولا۔پرفکر سوچیں غائب ہوئیں۔چہرے پہ بشاشیت لوٹ آئی۔وہ چاروں آنکھوں سے مسکرانے لگے۔کم از کم شیطانی کاموں میں شیطان بھی انکا ثانی نہیں تھا۔

"بارہ جنوری۔"

"رات ساڑھے بارہ بجے۔"

"کیاپلان ہے تمھارے پاس؟" زلطان اسکے آگے بیٹھا سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔حسن نے وہاں بیٹھے ان تمام لوگوں کو دیکھا۔گلا کھنکھارا اور اب وہ بولنے کے لئے تیار تھا۔

"دیکھو قاضی کے خاندان سے لڑنا ہمارے لئے یا پھر پورے زور گڑھ کے لئے آسان نہیں ہے۔اگر یہ صرف ایک علاقہ ہوتا تو بات بن جاتی۔پیسہ کہیں سے بھی لا کر زور گڑھ کو دے دیا جاتا۔لیکن اگر ہم یہاں زور گڑھ کی بات کریں گے تو ایسے ایک سو ایک زور گڑھ کھڑے ہو جائیں گے جنہوں نے اس اسکیم میں پیسہ دیا تھا اور پیسہ ڈوب گیا۔اس وقت ہمیں ان سب لوگوں سے ہمدردی ہے لیکن ہمارے سروائیول کے لئے بے حد ضروری ہے کہ ہم اس وقت اپنا فوکس صرف زور گڑھ پہ رکھیں۔تم لوگوں کے پاس کوئی آئیڈیا ہے۔یعنی تمہاری نظر میں ہم کیا کریں کہ زور گڑھ کو انکا حق واپس مل جائے؟"حسن باری باری ان سب کے چہرے دیکھنے لگا۔سب سے پہلے زخرف نے ہاتھ اٹھایا تھا۔

"ہم سب اپنی ریپوٹیشن کی وجہ سے خاموش ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میں جیسے ہی زور گڑھ کا کیس لینا چاہوں گی قاضی صاحب **(قاضی وہی سیاست دان ہے جس کے بہنوئی نے اسکیم کا پیسہ لیا اور غصب کر کی ملک سے بھاگ گیا۔)** کے بہنوئی فوراً مجھے میرے ارادے سے باز رکھنا چاہیں گے۔اس لئے میں ان سے مصلحت کی راہ نکالنے کی بات کروں گی۔میرے بہت سارے کنٹیکٹس ہیں انکے زریعے میں اپنی بات قاضی صاحب تک پہنچا دوں گی اور پوری رقم نہ سہی اسکا کچھ حصہ وہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔میں نے پچھلے تین چار کیسز میں یہی کیا ہے۔گنہگار کورٹ ٹرائل سے بچنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہا سکتا ہے۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔"شادان نے اعتراض پیش کیا۔"قاضی اس وقت الیکشنز کے لئے کھڑے ہو رہا ہے۔ پچھلے پانچ سال کی کارکردگی کے باعث اس سال انکو ووٹ نہیں ملیں گے۔ ہر کوئی جانتا ہے اس دفع اقتدار صفدر خاندان کا آئے گ۔ جب اسے معلوم ہے اس نے حکومت میں نہیں رہنا پھر وہ کس لئے اتنی بڑی رقم دے گا؟ مان لیا وہ رقم دینے کو تیار ہو بھی گیا۔ تو یہ الیکشنز کا وقت ہے۔ وہ اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکے گا۔ اور الیکشنز کے بعد تو اس سے کوئی بھی امید رکھنا بے وقوفی ہوگی۔"شادان نے ایک لمحے کا توقف کیا۔"اگر تمہارے پاس ایک وکیل ہوتے ہوئے اتنے کنٹیکٹس ہیں تو اسکے پاس تم سے کئی زیادہ ہوں گے۔"اسکی رسان سے کہی بات پہ زخرف سمیت باقی تینوں بھی متفق تھے۔

"میرے پاس ایک حل ہے۔"اب کے زلطان بولا۔"اگر اس معاملے کو نمٹانا ہی ہے تو ہم سب کے پاس اچھا خاصا پیسہ ہے۔ اگر ہم سب مل کر شیئرز دیں تو آدھے سے زیادہ پیسے ہم ہی دے سکتے ہیں۔ لیکن ایک مسئلہ ہے۔"وہ اپنی ہی بات سے خود ہی بد مزہ ہوا۔

"ہمارا پیسہ سفید نہیں ہے۔ جس دن نکل کر باہر آیا اسی دن ہمارے سیاہ اعمال نامے باہر آئیں گے لیکن لیکن لیکن . . . اسکا بھی ایک حل ہے۔"اسکی آنکھیں چمکیں۔"ہم وہ پیسہ دے سکتے ہیں جو آفیشل ہے۔ ہماری پراپرٹیز بیچ کر ڈونیشن کے زریعے۔ . . . "

"دنیا اندھی نہیں ہے زلطان۔"زبرج نے بے اختیار اسے ٹوکا۔"اول تو ہم سب کے گھر والے ہی ہمارے اس قدم کے بے حد خلاف جائیں گے اور دوئم کیا کہیں گے لوگوں کو کہ یونہی اچانک

بیٹھے بٹھائے ہمیں زور گڑھ کے لوگوں کی خدمات کرنے کا موقع مل گیا اور اسی طرح ہم نے اپنی ملکیت بیچتے ہوئے انکی مدد کرنی ہے۔لوگ اندھے نہیں ہیں زلطان۔"اس نے زور دیا۔

"اس وقت ہم پانچوں اتنے ہی بے بس ہیں جتنا زور گڑھ۔"حسن نے بولنا شروع کیا۔"ہم سب کو ایک کام باخوبی آتا ہے اور وہ ہے ہر طرح کا غلط کام۔یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے لیکن جو ہے سو ہے۔بابا کہتے تھے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے دنیا مومن کے لئے قیدخانہ ہے۔جس وقت ہم سب سیاہی میں دفن تھے تب تک کبھی بیٹھ کر سوچنا نہیں پڑا تھا فلاں کام کیسے ہوگا۔اور اب جب مومن بن کر کچھ کرنے کا سوچا ہے تو قید ہمیں جکڑے گی یہ طے ہے۔"وہ بے حد روانی سے کہہ رہا تھا۔اسکے الفاظ کا ربط خوبصورت تھا۔

"ہمارے ساتھ جو جو لوگ ہیں وہ سب غلط کاموں میں ملوث ہیں اور اگر ہم ان سے مدد لینا چاہیں گے تو بدلے میں انکے لئے دس اور غلط کام کرنے ہوں گے۔میرا پلان بہت صاف اور واضح ہے۔ہمارے لئے آسان بھی۔لیکن اس کام میں ایک لذت ہے۔اسکے بعد واپسی نہیں ہے۔اس لئے مجھے صاف صاف بتاؤ کیا تم لوگ واقعی دنیا کی قید سے نکلنا چاہتے ہو یا پھر یہ ایک وقتی تبدیلی ہے؟"

"کم از کم میں اپنے بارے میں شیور ہوں۔میں یہاں سے نکل کر پیسوں کی خاطر جھوٹ نہیں بولوں گا۔کرسی کی عزت کروں گا۔اور مقام کو کسی خاطر میں لاؤں گا۔"شادان شاہ بغیر تامل کے بولا۔

زلطان نے گہری سانس بھری۔آنکھوں میں چنگاریاں تھیں مگر دل کے ایک گوشے کو گویا سکون حاصل ہوا تھا۔"میں کسی مفاد یا لالچ کے لئے اپنی سیٹ استعمال نہیں کروں گا۔میرا بھائی جیل میں ہے۔اگر وہ بے قصور ہے تو میں اسے باہر لاؤں گا۔ورنہ خاندان سے پہلے میرے لئے میرا حلف ہو گا۔"

حسن کا رخ اب زخرف کی طرف تھا۔اس نے گردن جھکا رکھی تھی۔

"میں نے پیسےاور لوگوں میں نام بنانے کے لئے مظلوم کو ظالم ثابت نہیں کروں گی۔لوگوں کے چھوڑ دینے کے خوف سے کسی کے ساتھ غلط نہیں کروں گی اور آج کے بعد سے میں کبھی نیوٹرل نہیں رہوں گی۔"

زبرج کی طرف سے چند لمحے خاموشی رہی۔وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے تذبذب کے عالم میں رہا پھر دھیرے سے گردن اٹھا کر اپنے دوستوں کو دیکھا۔

"لوگ حق کہنے کو بے وقوف کہیں گے تو میں بے وقوفی پہ ڈٹا رہوں گا۔لوگ سچے اور احتساب مانگنے والے کو پاگل کہیں گے تو میں پاگل ہوں۔میں دنیا کو اپنے مورلز پہ فوقیت نہیں دوں گا۔"

وہ خاموش ہوا تو سارے تہہ خانے میں خاموشی ہی چھاگئی۔ان پانچ دنوں نے انہیں ایک بے حد مختلف انسان بنادیا تھا۔ایک لمحہ ہوتا ہے اور دل پلٹ جاتے ہیں۔انکے دل پلٹے جا چکے تھے۔مادی اشیاء انکے لئے وقعت کھو چکی تھیں۔دنیا کی چمک دھمک کے پار کا سیاہ تاریک اندھیرا انہوں نے آنکھوں سے نہیں دل سے دیکھا تھا۔دنیا کی اوقات انکے لئے دو کوڑی کی ہو گئی تھی۔ہر مومن کو

اسکی زندگی میں کوئی ایک ایسا واقعہ دکھادیا جاتا ہے جو اسکی دین کی طرف واپسی ہو زور گڑھ کی قید انکے لئے وہی واقعہ تھا۔

"میرا پلان بقا ہے۔اور ہمارا آخری حل بھی۔"حسن ایک بار پھر بولا۔

"تمہارا پلان کیا ہے؟"زلطان نے پوچھا۔

حسن آگے ہوا۔وہ چاروں بھی آگے ہوئے۔ایک دوسرے کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے چہرے جھکائے،وہ حسن کے بولنے کے منتظر تھے۔انکے عقب میں بیٹھی حنزلہ بات سننے کے لئے بے چین ہوئی مگر اٹھ کر انکے قریب آنے کے لئے اسے اپنی انا پہ جو ہائی ہیل رکھنی پڑتی وہ رکھ نہیں سکتی تھی۔ویسے بھی شادان کے سامنے دو آنسو بہا کر اسے سب پتہ چل جانا تھا۔

یوں سر جوڑے ہوئے، حسن سلطان دھیرے دھیرے کچھ بولا تھا۔کچھ ایسا جس نے ان چار لوگوں کو ایک لمحے کے لئے ساکت کیا،پھر متعجب،پھر شاکی،اور لمحے کے ہزارویں حصے میں ہاتھ کندھوں سے ہٹ گئے۔جڑے ہوئے سر جداہوئے اور وہ چاروں نفی میں سر ہلانے لگے تھے۔چہرے پہ ایک بہت بڑا "ناں" تھا۔

"ہم کرمنلز نہیں ہیں۔"

"مر کر بھی نہیں؟"

"تمھیں تھیراپی کی ضرورت ہے حسن سلطان۔"

"شکر ہے تمھارے ابا تمہاری اس غلاظت کو سنے بغیر اس دنیا سے چلے گئے۔"

چار مختلف لوگ، مگر فیصلہ متفقہ تھا۔

"اسکا بہنوئی پاکستان کاسابق وزیراعظم رہ چکا ہے۔وہ کینیڈا کے سب سے امیر لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔اسکی بیٹی انڈسٹری کی سب سے بڑی ہیروئن ہے۔"زلطان نے جیسے حسن کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔"وہ جوہزار زور گڑھ کھا گیا اور کوئی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکا تمھیں لگتا ہے اسکی گردن پکڑنا اتنا آسان ہے؟"

حسن نے کندھے اچکائے۔اسکی آنکھوں میں سارے جہاں کی بے فکری تھی۔چہرے پہ سادگی۔

"ہمارے سروائیول کا یہ واحد راستہ ہے۔تبدیلی صرف اسی راستے سے آئے گی۔ہم میں سے کوئی بھی کہانی کا ہیرو نہیں ہے جو درست کام کر کے سب ٹھیک کر دے گا۔ہم ولنز ہیں کام درست ہو گا لیکن طریقہ غلط ہی رہیں گے۔"وہ بولتے ہوئے ایک لمحے کو رکا۔زبرج بے چینی سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمھارے پاس آدھا گھنٹہ ہے چاہو تو یہ پلان لے کر میرے ساتھ جبل کے پاس چلو۔ورنہ میں اس پلان کو اپنے لئے استعمال کروں گا۔میری بقا اور میرا سروائیول۔لیکن فکر نہ کرو۔تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔تم سب ساتھ جاؤ گے۔"

"ہاں بلکل جبل تو تمہارا سگا تایا ہے جو سب کو ساتھ جانے دے گا۔"شادان کلس کر بولا۔

"میرا اچھا نہ سہی۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا اور اسکے کان کے پاس جھکا۔ "تمھارے بچوں کا ماموں تو ہو گا ناں؟"

شاد ان نے ہنستے ہوئے اسے دھکا دے کر خود سے دور کر دیا۔ہاں دل باغ باغ ضرور ہوا تھا۔صرف زبرج تھا جو خاموش تھا اور مضطرب بھی۔

اگلے کئی منٹ انکے درمیان بحث ہوئی۔زلطان کی طرف سے اعتراض ہوئے حسن نے رد کئے۔شادان نے تحفظات پیش کئے بدلے میں دلائل ملے۔زبرج نے باز رکھنا چاہا مگر دل اسکا بھی اس عمل پہ راضی تھا۔زخرف وقار بحث سنتی رہی۔اعتراضات نوٹ کرتی رہی۔آدھا گھنٹہ ختم ہونے میں کتنے منٹ تھے اسے نہیں معلوم تھا مگر وہ راضی تھی۔اسے معلوم تھا وہ سیدھے کام نہیں کر سکتی۔وہاں اس تہہ خانے میں سب سے پہلے اپنے اصل کو قبول کرنے والی وہی تھی۔اگلے چند لمحوں میں وہ چاروں بھی رضا مندی دے چکے تھے۔

"میں جبل سے بات کروں گی۔"

"ہرگز نہیں۔" زلطان فورا بولا۔ "جو بات کرنی ہے وہ میں خود کروں گا۔"

"اس وقت اگر تم یا زبرج اسکے پاس بھی گئے تو گولی مار دے گا۔"

"پھولوں کے ہار وہ تمھیں بھی نہیں پہنائے گا۔" شادان بھی سخت معترض تھا۔

"ان پانچ دنوں میں اگر اس نے کسی کو یہاں نقصان نہیں پہنچایا تو وہ میں ہوں۔عورت کارڈ یو نو۔" وہ مسکرا کر بولی تھی مگر اس مسکراہٹ کے بدلے میں زبرج اور زلطان نہیں مسکرا سکے۔دور

کہیں انہیں علم تھا جبل کے ہاتھوں پہ بندھی ہتھکڑی کی نوعیت کیا تھا۔اور اسکی مہربانیوں کی اصل وجہ کیا تھی۔"مجھے اس سے بات کرنے دو۔معاہدہ کرنے تم ہی جاؤ گے۔"

"تم بے وقوفی کر رہی ہو۔کوئی بھی آدمی اعتبار کے لائق نہیں ہوتا۔"

"میں اسی آدمی کے ساتھ تین گھنٹے رہی تھی زلطان۔تب جب میں تمھارے اعتبار پہ تھی۔"وہ گلا نہیں تھا مگر حقیقت تھی۔زلطان لب بھینچ گیا۔وہ ان تین گھنٹوں کو کیسے بھول سکتا تھا؟"ان تین گھنٹوں میں میں نے سروائیول سیکھا ہے۔میں اپنی بقا کے لئے جا رہی ہوں۔"

"تم اسے ہمارا پلان بتاؤ گی؟"حسن نے آگے آ کر پوچھا۔اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"میں کوشش کروں گی وہ کسی طرح مصالحت کے لئے راضی ہو جائے۔اسے ہماری طرف کی کہانی بھی سنی ہوگی۔ایسے یکطرفہ فیصلے نہیں کر سکتا وہ۔نہ میں پلان سنا سکتی ہوں نہ اسے اس پہ قائل کر سکتی ہوں یہ کام صرف زلطان کر سکتا ہے۔"اسکا انداز دو ٹوک تھا۔زلطان راضی نہیں تھا۔شادان متذبذب تھا۔اور زبرج شاہنواز گلٹ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا۔

کچھ بھی ویسے نہیں ہو رہا تھا جیسے اس نے چاہا تھا۔مداری کے ہاتھ سے کھیل نکل چکا تھا۔

بارہ جنوری۔

وقت رات کے ایک بجے۔

وہ آخری زینے پہ کھڑی لکڑی کا وہ بھاری دروازہ بجا رہی تھی۔اسے یقین تھا جبل خان اس دروازے کے پار موجود ہے۔اسے یہ بھی یقین تھا کہ دروازہ کھل جائے گا۔جبل خان مفاہمت پسند آدمی تھا۔وہ راضی ہو جائے گا اسے پورا یقین تھا۔وہ دروازے پہ کھڑی دروازہ بجاتی رہی۔دوسری طرف یقیناً آواز جا رہی تھی اور اسے نظر انداز کیا جا رہا تھا۔زلطان صفدر کو تاسف سا ہوا۔کوئی بھلا زخرف کو نظر انداز کیسے کر سکتا تھا۔؟

وہ اسے پکار رہی تھی اوردروازے کے اس پار سر مئی آنکھوں والے مرد نے آنکھیں بند کر کے اس پکار کو محسوس کیا۔وہ دروازہ کھٹکھٹارہی تھی،اسکا نام لے رہی تھی،منت کر رہی تھی۔مرد کا دل اسکے ہر ہر لفظ پہ موم ہوا تھا۔آنکھیں کھولیں تو ہر اور بے بسی محسوس ہوئی۔اسکے اپنےاعضاء تک اس عورت کے تابع تھے۔بے اختیار اسکے قدم دروازے کی اور بڑھے۔دروازہ کھلا،اور وہ نظر آئی۔وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔اسکے قریب۔مگرکئی صدیاں تھیں جو درمیان میں حائل تھیں۔وہ دشمن تھی۔پھر اس سے نفرت کیوں نہیں تھی؟اور اگر نفرت نہیں تھی پھر کمبخت محبت کیوں تھی؟بے بسی،بے کلی اور رنج ایسا تھا کہ اسکا دل لمحوں کے اندر جل کر خاکستر ہوا۔

"کیوں میری اچھائی کا فائدہ اٹھاتی ہیں خاتون۔"وہ ایک رنج سے بولا تھا۔

"تم اچھے ہومگر ہمارے لئے برے کیوں بن رہے ہو؟"وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔جبل نے نگاہیں چرائیں اور دروازے سے ہٹ گیا۔کھلے دروازے سےاس نے اندر قدم رکھا۔یہ چرچ کا مرکزی حصہ تھا۔دیواروں میں نصب جلتی قندیلیں اپنی دھاک بٹھائے ہوئے

تھیں۔قدم آدم کھڑکیوں سے جہاں دن میں اجالا اندر قدم دھرتا ہو گا وہاں سے ملگجی سی روشنی میں برف گرتی نظر آ رہی تھی۔کھڑکی کے ساتھ جو سیمنٹ کی جگہ تھی وہاں کیتلی اور کپ رکھے تھے۔جبل خان اسکی طرف دیکھے بغیر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔تاثرات میں سختی گھلی تھی۔مگر آنکھوں میں کچھ مختلف تھا کوئی کرب سا۔یا شاید ملال سا۔اور غور سے دیکھو تو نرمی بھی۔

"مجھ پہ آپ کے لیکچرز اثر نہیں کریں گے خاتون۔بہتر ہے آپ اپنا وقت ضائع نہ کریں۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں بولا۔

"پانچ دن کی اس قید اور سزا کے بعد میرے پاس لیکچر دینے کو کچھ ہے بھی نہیں۔سچ کہوں تو پہلی بار کسی بھی اسپیچ کی تیاری کے بغیر آئی ہوں۔" وہ دو قدم آگے آئی اور کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔"لگتا ہے ہار جاؤں گی۔"

جبل خاموش رہا۔بولا کچھ نہیں۔اسے نظر انداز کئے یوں پیٹھ دے کر کھڑے رہنا مشکل تھا۔اور بہت مشکل سے ہی یہ کام کر رہا تھا۔

"ہمیں جانے دو جبل۔پلیز۔" وہ ملتجی ہوئی۔"میرے دوستوں کی زندگی کے بے حد اہم مواقع ہیں۔وہ اگر تمہاری وجہ سے خراب ہوئے تو میں ان پانچ دنوں میں اگر کسی کو برا یاد رکھوں گی تو وہ تم ہو گے۔"

"مجھے اچھا بننے کا کوئی شوق ہے بھی نہیں۔"

"تم ہمیں سزا دے رہے ہو؟لیکن یہ تمہارا کام نہیں ہے۔"

”میں بہت عظیم آدمی ہوں۔کچھ کام یونہی بیٹھے بٹھائے کر دیتا ہوں۔“وہ بے نیاز رہا۔جلتی قندیلوں نے اسے تاسف سے تکا تھا۔

”تم ہمیں ہماری غلطیوں کی سزا دو،زبرج شاہنواز کا غصہ ہم پہ مت اتارو۔“

”کولیٹرول ڈیمج۔“اس نے دو لفظی تبصرہ کیا۔

”میں تمہارا کولیٹرول ڈیمج نہیں بن سکتی۔“دو ٹوک انداز۔

”ٹھیک ہے پھر جو دل میں آئے وہ کریں۔میں اور آپ ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے یوں بھی بہت خوب واقف ہیں۔“

”تم کتنے ڈھیٹ ہو جبل۔“

”میری مرحومہ نانی اماں بھی یہی کہا کرتی تھیں۔بہت شوق تھا انکو مجھے سدھارنے کا۔“اس نے گہری سانس لی۔”اللہ جنت نصیب کرے۔“بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”تمھارے خاندان سے ہیں انکے لئے ایسی دعائیں کثرت سے ہونی چاہییں۔“

جبل نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔”آپ کے خاندان والوں کی نیکی کا یہ عالم تھا کہ قضا سجدوں میں آیا کرتی تھی۔ہے ناں؟“

”میں یہاں کامیڈی کرنے نہیں آئی۔“وہ خائف ہوئی۔

"ارادہ تو میرا ابھی ایسا نہیں ہے لیکن اگر آپ چاہتی ہیں تو سو بسم اللہ۔" وہ ترکی با ترکی جواب دیتے ہوئے زخرف کو سخت زہر لگ رہا تھا۔

"تم بہت بولتے ہو بلکہ فضول بولتے ہو۔"

"پہلے ایسا نہیں تھا آپ کی صحبت کا اثر ہے۔" وہ اپنی پوری زندگی میں سب سے زیادہ آج بولا تھا۔

اب کے زخرف نے بغیر اس سے کچھ بھی کہے کھڑکی پہ رکھی کیتلی سے چائے دو پیالیوں میں ڈالی۔ ایک جبل کی طرف بڑھائی اور دوسری پیالی اپنے ہاتھ میں لی۔ جبل کو بے اختیار وہ آتش دان والے کمرے کی پہلی ملاقات یاد آگئی۔ وقت جیسے پر لگا کر اڑا ہو۔ وہ بہت جلد یہاں سے چلی جاتی۔ وہ اگر آئی تھی تو کم از کم چند صدیوں کے لئے تو آتی۔ اسے قلق ہوا۔

وہ چائے کی پیالی لئے نیچے بیٹھ گئی۔ جبل خان گہری سانس بھرتا اسکی سیدھ میں ایک مناسب فاصلے پہ بیٹھ گیا۔ نظاروں میں اب گرتی برف نہیں رہی تھی۔ اپنی دائیں طرف بیٹھی لڑکی کو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ کبھی کبھی زندگی آپ سے وہ قرض بھی وصول کرتی ہے جو آپ نے لئے نہیں ہوتے۔ وہ بھی سود سمیت۔ اور اگر اسکا موڈ ہو تو چار الٹے ہاتھ کی رکھ بھی دیتی ہے۔ ایسا جبل خان کو لگتا تھا۔

"ہمارے پاس ایک پلان ہے۔ تم وہ سن لو۔ ہمیں یہاں رکھ کر تمھیں کچھ حاصل نہیں ہو گا لیکن ہمیں یہاں سے جانے دے کر شاید تم دل کے بوجھ سے آزاد ہو جاؤ۔"

"آپ سب یہیں ہے، جبل خان کسی کو کہیں جانے نہیں دے رہا۔" عجیب ضدی انداز تھا اسکا۔

"کیا بلکل اسی طرح جس طرح کئی سال پہلے زبرج کو نہیں جانے دیا؟"

جبل کے دل پہ کوئی سل آ کر لگی تھی۔وہ گردن پھیر کر اسے دیکھے گیا۔یہ اسکا راز تھا۔اور یہ حنزلہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔کیا اس نے بتا دیا؟وہ کب، کہاں، کس کس سے دھوکہ کھائے گا؟

"گیارہ سالہ جبل خان ہو تم۔جس سے اسکا واحد دوست چھن گیا تھا۔اور اس نے دوبارہ دوست نہیں بنائے۔"

"میرے ذاتی معملات میں دخل نہ دیں خاتون۔" اس نے ترش انداز میں ٹوکا۔

"تمھیں لگتا ہے یہاں کچھ بھی ذاتی ہے۔میری شادی ٹوٹ رہی ہے میرے دوستوں کا کیریئر ڈوب رہا ہے۔پانچ دنوں سے کتنے سارے مردوں کے درمیان رہ رہی ہوں میں۔اور تمھیں لگتا ہے اب بھی کچھ ذاتی ہے؟یہاں اب ہر کسی کے قصے محفل کا حصہ ہیں جبل اجلال خان۔"

اس نے تنفر سے گردن پھیری۔گردن کی نسیں، بازو کی نسیں غصے سے پھڑکنے لگی تھیں۔وہ بہت مشکل سے خود پہ بند بٹھائے ہوئے تھا۔

"جانتے ہو گھر ہر انسان کا سیف زون ہوتا ہے۔گھر دوست ہوتا ہے جہاں آپ ایک لمبے چوڑے تھکا دینے والے دن کے بعد بھی آ سکتے ہو، ایک بریک اپ کے بعد بھی اور فیل، پاس ہو کر

بھی۔وہ رونے کو جگہ دیتا ہے۔ہنسنے کو مقام،اور راز رکھتا ہے۔گھر سے بڑا دوست کوئی نہیں ہوتا ہے ناں؟"اس نے کسی خیال کے تحت جبل کو دیکھا۔وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اگر گھر کو دیکھو تو اسکا ہر حصہ ضروری ہے۔تم ساری عمر ایک کمرے میں نہیں رہ سکتے۔تمھیں کچن،باتھروم،چھت،لاؤنج،صحن،برامدہ،سیڑھیاں ہر شے کی ضرورت پڑے گی۔دوست بھی اسی طرح ہوتے ہیں جبل خان۔ساری عمر کے لئے ایک کے ساتھ نہیں رہا جا سکتا۔ساری عمر ایک ہی دوست کام نہیں آتا اور ساری ضرورتیں ایک ہی دوست پوری نہیں کرتا۔ایک دوست ساری خوشیاں نہیں دے دیتا۔ڈھیر سارے نہ سہی چند ایک دوست ہونا اچھی بات ہے لیکن تم نے خود کو ایک کمرے میں بند کر لیا ہے۔تمہیں چھت پہ جا کر ٹہلنا چاہیے،تمھیں صحن میں بیٹھ کر ستارے گننے چاہئیں۔تم نے یہ سب کیوں نہیں کیا؟"

وہ اسے تکتا رہا بس تکتا رہا۔وہ جو اندھیرے کا عادی ڈرا سہا،ناراض بچا تھا وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اجالے میں لے آئی تھی۔وہ اسکی سرمئی آنکھوں کا ایک بار پھر قرض دار ہوا۔

"اگر گھر کے ایک کونے میں سکون مل جائے تو ہر جگہ جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔وفادار انسان کو ایک کا ہو کر رہنا چاہیے۔آپ ہجوم میں رہی ہیں۔اکیلے رہ جانے والوں کا دکھ آپ نہیں سمجھ سکتیں۔"

"پھر تو دنیا میں سب سے زیادہ بے وفا ماں باپ ہوئے۔وہ اپنے چار پانچ چھ سات بچوں سے پیار کیوں کرتے ہیں؟بس ایک بچے سے پیار کرو باقی جہنم میں جائیں۔"

”آپ بات کو غلط رخ پہ لے کر جا رہی ہیں۔“

”تم درست سمت کو اگنور کر رہے ہو جبل۔“

”میرے معاملے میں مت آئیں خاتون۔میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔“

”تم ہمیں اس معاملے میں لائے ہو جبل۔“وہ اسی سنجیدگی اور متانت سے بولی۔”زبرج نے ہمیشہ تمھیں چھوڑ کر ہمیں منتخب کیااور اب تم وہی غصہ ہم پہ نکال رہے ہو۔اور اگر نکال رہے تو مرد بنو اور قبول کرو۔قائد وہ ہوتا ہے جو اپنی عوام کا سوچے تمھیں اگر واقعی لگتا ہے کہ تم نے ہم سب کو یہاں زور گڑھ کی تباہی کے لئے قید کیا ہے تو تم غلط ہو۔تم ہم پہ اپنا غصہ نکال رہے ہو۔ایک لیڈر نہیں اس وقت تم صرف جبل اجلال خان ہو۔یہ aggression یہ دوغلہ پن تمھیں زیب نہیں دیتا۔“

جبل کے منہ پہ جیسے پے در پے تھپڑ لگ رہے تھے۔اور اب وہ مذید برداشت نہ کرتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔جھک کر اسکی کلائی پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھڑا کیا۔زخرف نے مزاحمت نہیں کی۔

”ہمیں برباد کردو گے تب بھی ہمارے پاس آباد ہونے کے recourses بہت ہیں۔اپنے جذبات کو ایک طرف رکھ کر زور گڑھ کی بھلائی کا سوچو۔“وہ اسکے بازو سے پکڑے تہہ خانے کے دروازے تک لے کر جا رہا تھا۔وہ اسکی بکواس نہیں سننا چاہتا تھا۔

"خدا کے بعد اگر کوئی زور گڑھ کو بچا سکتا ہے تو وہ ہم ہیں۔ہمارا پلان سنو جبل۔غصہ چھوڑ کر ہماری بات سنو۔"

"آپ میری نرمی اور مہربانی کا ناجائز فائدہ اٹھاچکی ہیں اب جائیں۔"

اس نے کھلے دروازے سے اسے اندر کیا۔اور دروازہ کھینچ کر بند کیا۔دروازے بند ہوتے ہی لمحے کے اندر اسکا چہرہ بے حد مختلف ہوگیا تھا۔تاریک،بے رونق اور مردہ سا۔جو کچھ اس نے سنا تھا وہ اسے اس زندگی میں ان سنا نہیں کر سکتا تھا۔

کیا وہ واقعی زور گڑھ سے دغا کر رہا تھا،جذبات کیا واقعی اس پہ حاوی ہو چکے تھے؟کیا وہ قائد نہیں رہا تھا؟دروازے سے ٹیک لگائے ہوئے اسے اپنا آپ کمزور لگا۔

بارہ جنوری۔

وقت رات کے ڈیڑھ بجے۔

دائرے میں جلتی ہوئی نارنجی آگ نے تہہ خانے کو سردی سے منجمند ہونے سے بچا لیا تھا۔کئی راتوں کی تھکاوٹ تھی کہ زخموں میں اٹھتا درد زبرج دوائیوں کے زیر اثر سو گیا تھا۔اسکا سر زلطان کی گود میں رکھا تھا اور شادان،حسن،زلطان ان تینوں کی شالیں تہہ کر کے اسکے اوپر ڈالی گئی تھیں۔رشک ایک بے حد چھوٹا لفظ تھا جو اس وقت زلطان کو اس پہ آیا تھا۔وہ اس آفت میں بھی سو رہا تھا۔نیند اس پہ مہربان تھی۔

"پتہ نہیں کیا ٹائم ہو رہا ہے۔بارہ تاریخ شروع ہو گئی ہو گی ہے ناں؟"زلطان کے قریب بیٹھا حسن مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ہو گئی ہے۔یہاں آنے کے بعد سے گھنٹوں کا ہی حساب کر رہا ہوں میں۔"

حسن ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔آنکھوں کی چمک ماند ہو چکی تھی۔اسکی دوسری طرف بیٹھی زخرف کنکھیوں سے شادان کو دیکھ رہی تھی۔جو زبرج کو سوتے ہوئے دیکھ بڑی ہی ڈھٹائی سے حنزلہ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا تھا۔وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔پھر گردن پھیر کر حسن کو دیکھا۔

"ایک بات بتاؤ حسن۔اتنے عرصے سے تم سنگل ہو۔ابھی تک کوئی لڑکی واقعی نہیں ملی؟محبت نہیں ہوئی کبھی؟"وہ بے حد دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔حسن بھی ہلکا سا مسکرایا۔

"خیر میں دو لڑکیوں سے ملا تھا۔سیریئسلی،یہاں تک کہ شادی کی بات ہونے لگی تھی۔لیکن پھر اچانک ان دونوں کو یاد آگیا کہ یار میں تو کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔اب حسن سلطان چاہے گرین فلیگ ہے لیکن جانا تو مجھے اسی خناس آدمی کے پاس ہے۔پھر کیا تھا دونوں نے اسی ایک وجہ سے چھوڑ دیا۔"

"اور محبت؟"اب کے زلطان نے پوچھا۔

حسن نے نفی میں سرہلایا۔"کسی عورت کو دیکھ کر آج تک اسے اپنے جوتے اتار کر دینے کا خیال نہیں آیا مجھے۔

کسی نے اگر میرے منہ پہ دھوکے کا جوتا مارا ہوتا تو میں یقیناًاسے بد دعائیں دیتا نہ کہ اسے یاد کر کے تین سال مجنوں بنا رہتا۔

اور واللہ میں کسی عورت کے آنسوؤں سے آج تک بلیک میل نہیں ہوا۔زن مریدی کے ریکارڈ آج بھی میرے تینوں دوستوں کے نام ہیں۔"

"بے غیرت آدمی مجھے بیچ میں مت لاؤ۔"زبرج بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

"یہ افریکن ممی جاگ رہا تھا؟"حسن کو حیرت ہوئی۔

"اتنی ٹینشن میں تو کوئی مر بھی نہیں سکتا۔بلکہ مرا ہوا قبر سے اٹھ کر واپس آنا چاہے گا۔"وہ آنکھیں بند کئے جل کر بولا۔

"قبر بھی وہ جو تم نے خود کھودی تھی۔"زلطان نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

"اور اب تم لوگ کب تک اس بات کا طعنہ مجھے دیتے رہو گے؟"

"طعنہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے بھائی صاحب۔تمھیں یہاں سے ذرا باہر آؤ بوٹی بوٹی نوچیں گے تمہاری۔"زخرف ماتھے پہ بل لئے بولی۔"بات کر سکتے تھے ہم۔ہمارا کڈنیپ فریم کر سکتے تھے تم لیکن نہیں بھائی صاحب ہمیں اٹھا کر لے آئے۔اب خود بھی ذلیل ہوتے رہو اور ہمیں بھی کرواؤ۔"

"میں تو محبت بھی نہیں کر سکا۔اگر مر گیا تو کیا ہو گا۔کس منہ سے قبر میں جاؤں گا جب کسی دوشیزہ نے میرے لئے رونا ہی نہیں۔"حسن کو نیا غم لگا۔

"محبت نہیں کر سکے تو کیا ہوا۔ٹھرک تو تم نے بھی خوب کی ہے۔"زبرج ترکی بہ ترکی بولا۔

وہ آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے اس لئے انکی آواز کافی فاصلے پہ بیٹھے شادان اور حنزلہ تک نہیں گئی۔انکو چھوڑ کر،وقت کی ندی میں چند منٹ قبل کے چپو گھما کر تہہ خانے کی دوسری طرف آؤ توشادان دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھی حنزلہ کے ساتھ بیٹھ رہا تھا۔وہ قصداً اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

"تم نے جبل اور زبرج کے بارے میں جو کچھ زخرف کو بتایا ہے اس سے جبل ناراض تو نہیں ہو گا؟"

"ہو جائے۔مجھے فرق نہیں پڑتا۔جو ہے سو ہے۔"وہ بے نیازی سے بولی۔"اور تم اب کیوں آئے ہو ادھر؟جاؤ جا کر اپنے cuties کے ساتھ بیٹھو۔"

شادان ہنس پڑا۔"تم میرے دوستوں سے جیلس ہو رہی ہو؟"

"جیلس ہنہہ،میری جوتی کو بھی پرواہ نہیں۔"

"جوتی کو نہیں ہو گی تمھیں تو ہے۔"وہ اسی انداز میں بولا۔

"میرا دماغ مت چاٹو۔"

”اوکے،ویسے بھی یہ ٹیلنٹ تو تمہارا ہے۔“شادان نے سہولت سے ہتھیار ڈال دیئے۔

”تم کیوں چاہتے ہو میں تمہارا سر پھاڑ دوں؟“

”کیونکہ یہاں اس تہہ خانے میں تم میرا نیٹ فلکس،ایمزون،ٹنڈر سب کچھ ہو۔“

حنزلہ جو کچھ سخت سست کہنے لگی تھی،یکدم رک سی گئی۔دل کو ایک نادیدہ خوف نے جکڑ لیا۔کیا یہ کہانی اس تہہ خانے تک محدود تھی؟

”اور اس تہہ خانے کے باہر؟“وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھی۔”وہاں میں تمھارے لئے کیا ہوں؟“

شادان چند لمحے اسے تکتا رہا۔وہ کیمرے کے سامنے آتے ہی کہانیاں،افسانے،قصے،حقائق سب کہہ دیتا تھا۔بس ایک اس عورت کے سامنے اسے الفاظ گھاٹے میں جاتے دکھائی دیتے تھے۔

”اس تہہ خانے کے باہر میں کون ہوں شادان؟“اس نے سوال دہرایا۔

" mon tresor(میرا خزانہ) "اسکے لبوں سے دو لفظ آزاد ہوئے۔”باب دہر کے کھلنے پہ مجھے تم ملی ہو۔میری زندگی کا سب سے قیمتی خزانہ۔کیا یہ کافی نہیں ہے؟“

حنزلہ کے دل میں طمانیت اتری۔اسکا دل مسکرانے کو کیا،مگر اس نے بے حد مشکل سے مسکراہٹ روکی۔وہ چہرہ پھیر گئی۔

"یہ بتاؤ اس تہہ خانے میں، میں تمہارا کیا ہوں؟" وہ رخ موڑ کر پوری طرح اسکی طرف متوجہ ہوا۔سیاہ آنکھوں میں بے پناہ روشنیاں تھیں۔

"کیا ہو؟مرے بھائیوں کا فیورٹ پنچنگ بیگ۔میرا سب سے برا مریض اور . . . اور میرا ٹائم پاس۔اور کیا ہو؟" وہ مسکراہٹ دبائے ہوئے تھی۔شادان کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"اور اس تہہ خانے کے باہر؟"

"میرے الفا ریڈر۔اور کیا؟کچھ اور ہونا تھا کیا؟" وہ سارے جہان کی معصومیت اپنے چہرے پہ سجائے ہوئی تھی۔شادان مسکرا دیا۔سر کو نفی میں ہلایا۔

"نہیں،یہی کافی ہے۔شناسائی کا کوئی نہ کوئی تعلق نکلتا رہے یہ کافی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔کافی دیر تک وہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔پھراس کو مخاطب کیا۔

"ایک بات بتاؤ حانی تم نےاس کتاب کا پارٹ ٹو کیوں نہیں لکھا؟"

اپنے بیگ میں خوامخواہ چیزوں کی جگہ بدلتی حنزلہ کے ہاتھوں کی حرکت ایک لمحے کے لئے تھم گئی۔

"مجھ سے لکھا ہی نہیں گیا۔"کافی دیر بعد وہ بہت ہلکی آواز میں بولی۔

"اب لکھ کر دیکھو،مجھے یقین ہے تم کچھ نہ کچھ ضرور لکھ لو گی۔"

شادان جوش سے بولا۔ساتھ اپنا بیگ ٹٹولنے لگا۔وہ شاید کاغذ قلم نکال رہا تھا۔

”شادان میں لکھنا بھول گئی ہوں۔“

”لکھاری لکھنا نہیں بھولتا جانی۔بس motivation کھو جاتی ہے۔مجھے لگتا ہے اب تم لکھ سکتی ہو،اگر تمھیں بھی ایسا لگنے لگے تو تم واقعی لکھ سکتی ہو۔“اس نے چند کاغذ اور ایک پین نکال کر اسے تھمایا۔حنزلہ نے ان کاغذوں کو نہیں تھاما۔اسکی آنکھوں میں نمی امڈ آئی تھی۔

”مجھے لکھنے سے ڈر لگتا ہے۔“وہ بے بسی سے بولی۔کسی بھی لکھاری کے لئے ایک عرصہ اپنے محبوب شوق سے دور رہنا مشکل تھا۔وہ رہی تھی اور جس مشکل سے رہی تھی یہ صرف اسے معلوم تھا۔اب ایک لمبے عرصے بعد وہ اس خوف کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

”میں کیا لکھوں گی؟میرا دماغ خالی ہے۔الفاظ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔“

”خدا کا خوف کرو،تم چاروں بہن بھائیوں کے دماغ میں ابلیس کا گھر ہے یہ خالی کیسے ہو سکتا ہے۔“

”تمھیں میرے بھائیوں سے آخر کیا تکلیف ہے؟“وہ تنک کر بولی۔

”تکلیف؟صرف تکلیف نہیں ہے خار ہے،جلن ہے،میرا بس چلے ایک ایک کی گردن مروڑ دوں۔بھائی نہیں سر کا درد ہیں۔اکلوتی نہیں ہو سکتی تھیں تم؟“وہ بری طرح خفا ہوا۔

”اگر تمہارا یہی حال رہا،تو مرے بھائیوں سے پہلے میں خود تمھارے ساتھ ایک ایک ہاتھ کر لوں گی۔“

شادان نے وارفتگی سے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جیسے شرف قبول کیا۔"قرب سائیں، قرب۔"

وہ ناراضی سے گردن موڑ کر بیٹھ گئی۔چہرے کے تاثرات میں سرخی گھل گئی۔شادان نے گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

"اچھا ابھی مت لکھو،لیکن جب بھی لکھو سب سے پہلے مجھے بھیجنا۔میں تمھارے الفاظ سب سے پہلے پڑھوں گا۔"

"میں لکھوں گی کیا؟"

"یہ لکھاری کو پتہ ہوتا ہے جانی۔اور اگر اسے نہیں پتہ تو اسے نہیں لکھنا چاہیے۔"

وہ جواباً خاموش رہی۔شادان کچھ اور کہتا کہ حسن نے ہانک لگائی۔"واپس آجا بھائی،زبرج کی غیرت کا مذید امتحان مت لے۔"

"بکومت وہ سو رہا ہے۔"شادان نے اسے گھرکا۔

"سو نہیں رہا،بے غیرتی کے بوجھ سے آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔بلکہ اب تو میری غیرت جاگ رہی ہے،بھابی بعد میں دوست کی بہن وہ پہلے ہے۔"

زبرج نے مندی مندی آنکھیں کھول کر اسکی طرف دیکھا۔شادان کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔چہرے پہ خجالت صاف ظاہر تھی۔وہ ایک بار پھر خود کو ڈپٹ کر رہ گیا۔

"میرے بازو میں درد تھا دوائی لینے گیا تھا۔"وہ واپس انکی طرف آتے ہوئے بولا۔

"تم بازو کہہ رہے ہو مجھے دل کا درد سنائی دے رہا ہے۔" زلطان نے چوٹ کی۔ زبرج بس اسے دیکھتا رہا۔ شادان نے گردن جھکا دی۔ اور ہنس پڑا۔ ڈھٹائی اس پہ ختم تھی۔

"جبل کیا کرے گا اب؟" زخرف نے انکی توجہ ایک طرف دلائی۔

"جبل نہیں، جبل cutie خان کہو۔ اور اب وہ جو کرے گا وہ ہم سے دیکھا نہیں جائے گا۔"

حسن یاسیت سے کہتے شادان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ "محبت بھی نہیں کی، شادی بھی نہیں کی، کرپشن بھی نہیں کی۔ پھر بھی پکڑا گیا۔ اللہ سائیں میکوں چا۔ **(اللہ سائیں مجھے اٹھا لے)**۔"

حسن سلطان کا غم بہت بڑا تھا۔

بارہ جنوری۔

وقت صبح کے سات دو بجے۔

چرچ کے ہال میں دیواروں میں لگی قندیلوں کی زرد سی روشنی ایک پر سرار اور پر سوز سا تاثر پیش کرتی تھیں۔ برف باری کا زور تھم گیا تھا۔ ٹھنڈ تھی کہ ہڈیوں میں گھستی چلی جاتی تھی۔ لکڑی کی بنچوں سے ٹیک لگائے ہوئے جبل نے اپنی آدھی شال حنزلہ کے اوپر ڈال رکھی تھی۔ بازو اسکے گرد پھیلائے وہ اسے اپنے کندھے سے لگائے ہوئے تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی جبل کے پاس آئی تھی۔ وہ اکلوتی تھی۔ کچھ نہیں بہت ساری رعایات اسے اپنے بھائیوں کی طرف سے ملی ہوئی تھیں

جبل کی طرف سے تو کچھ زیادہ ہی۔زخرف کو کچھ بھی بتانے پہ جبل نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔وہ آئی،اسے آنے دیا اور بات ختم۔

زبرج کے ساتھ رکنے کی مرضی اسکی اپنی تھی اور جبل نے زور نہیں دیا۔اب وہ اگر جبل کے پاس واپس آ رہی تھی جبل کو اعتراض کوئی نہیں تھا۔

"ایک بات بتائیں لالہ۔"

"میری ناکام محبت کے ذکر نہ چھیڑ دینا۔"وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

"آپ نے زخرف کو کیوں چھوڑا؟کوشش تو کرنی چاہیے تھی اسکے لئے۔"اسے رہ رہ کر تہہ خانے کے منظر یاد آ رہے تھے۔

"مجبوری تھی۔زور گڑھ اور خاتون میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔"

"اور آپ نے محبت چھوڑ دی؟"

"میں نے محبت چن لی۔"وہ تصیح کر گیا۔"انسان کو زندگی میں کئی محبتیں ہوتی ہیں۔پہلی ماں باپ سے،اور اس محبت کی خاطر اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو چھوڑنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔گھر سے بھاگ جانا محبت نہیں آبسیشن ہے۔

پھر کیریئر سے محبت۔پڑھائی سے محبت۔اب ان محبتوں کے لئے کمفرٹ سے محبت چھوڑنی پڑتی ہے۔عیاشیوں اور وقت کی بربادی سے جو محبت ہے اسے بھی چھوڑنا ہوتا ہے۔انسان محبت چھوڑ سکتا ہے۔آبسیشن چھوڑنا مشکل ہے۔"

"اب آپ غلط بات کر رہے ہیں لالہ۔"وہ بے حد خفا ہوئی۔"اپنی محبت چھوڑنا کیریئر وغیرہ کی محبت سے بہت اوپر کی بات ہے اور یہ کام مشکل ہوتا ہے۔"

"بلکل ہوتا ہے۔بلکہ ہر قسم کی محبت کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے مگر کسی لڑکے یا لڑکی سے ہونے والی محبت کو چھوڑنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔لیکن چھوڑ دینا چاہیے۔جب محبت کی تک نہ بنتی ہو۔جب ایک محبت چھوڑ دینے پہ کئی زندگیاں بن جاتی ہوں۔محبت امن،سکون اور بقا ہے۔ہم نے اسے سر چڑھا لیا ہے۔"

"اگر آپ کو زمینیں اور زخرف میں سے کچھ چننے کو کہاجائے تو آپ کیا چنیں گے؟"

"زمینیں۔۔"

"آپ زخرف سے محبت نہیں کرتے لالہ۔"وہ بے حد مایوس ہوئی۔

جبل مسکرایا۔دنیا اسکی اصطلاح کیوں نہیں سمجھ رہی تھی؟

"میں خاتون سے بھی محبت کرتا ہوں اور زمینوں سے بھی۔لیکن زمینیں ضروری ہیں کیونکہ ان زمینوں سے کئی محبتیں جڑی ہیں۔یہاں میں نے محبت میں بقا اور امن کو چنا۔خاتون کی محبت میرے دل کو زخمی کر سکتی ہے۔کچھ محبتیں بے جوڑ اور بے سر پیر کی ہوتی ہیں۔زخرف وقار سے

جبل خان کی محبت بھی بے جوڑ ہے۔نہ وہ میرے لئے تھی،نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔"اس نے شال کا پلو حنزلہ کے اوپر درست کیا۔وہ اسکی کپکپاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔

"اب میری ناکام محبت کے قصے بھول جاؤ،خوامخواہ دکھ ہی ہونے لگا ہے۔"وہ ہنس کر بولا۔اسکی ہنسی میں ٹوٹے دل کی کرچیاں تھیں۔حنزلہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

کئی لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔جبل خان کے گلے میں جانے کیوں گلٹی ابھر کر معدوم ہوتی تھی۔کہہ دینا آسان تھا۔دستبرداری مشکل تھی۔اور وہ ہمیشہ مشکل رہتی۔

"انہیں جانے دیں لالہ۔"

"انہیں یا صرف" **اسے**" جانے دوں؟"حنزلہ اسکا اشارہ سمجھ کر جھینپ گئی تھی۔جبل نے کم از کم ان معاملات پہ بے جھجھک بات کرنے پہ اسے چھوٹ دے رکھی تھی۔

"وہ اپنے ساتھیوں کے بغیر نہیں جائے گا اس لئے "**انہیں**""

"لوگوں کے لئے اتنا مت کرو حانی۔لوگ اس قابل نہیں ہوتے۔"

"لوگ نہیں ہوتے ہوں گے۔سید شادان اس قابل ہے لالہ۔"وہ بے دھڑک انداز میں بولی۔"وہ اس قابل ہے کہ اسکے "**لئے**"اور "**اسکی**"بات کی جائے۔"

"سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔"وہ اسکا سر تھپکنے لگا۔

"لالہ . . پلیز انہیں جانے دیں۔لیڈر بنیں۔خود غرض نہیں۔"

"میں سو رہا ہوں آواز نہ آئے اب۔" وہ بنچ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا۔

"لالہ زبرج لالہ نے آپ کے ساتھ کبھی کچھ غلط نہیں کیا پلیز۔"

"کیا معلوم کیا بھی ہو؟" وہ دھیرے سے بولا۔بند آنکھوں کے پار وہ منظر ایک بار پھر ابھر آیا جسے جبل خان چاہتے ہوئے بھی جھٹک نہیں پاتا تھا۔اسے وہ منظر،وہ دن وہ تاریخ سب بھولنا تھا۔مگر یہ اسکے بس میں نہیں رہا تھا۔وقت اسے ایک بار پھر پیچھے لے گیا۔بہت پیچھے۔وہ نہیں جاناچاہتا تھا بلکل نہیں۔

بہار کے دن تھے۔بسنت نامی بلا پہ پابندی ہونے کے باوجود گاؤں کے لڑکے ایک بڑے سے میدان میں جمع ہو کر پتنگ اڑایا کرتے تھے۔دنبے زبح ہوتے تھے۔خوشی سے ہوائی فائرنگ ہوتی تھی۔اور ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر موسیقی کی محفل لگتی تھی۔جبل خان کی حویلی کے عقبی حصے میں آج بسنت منانے کے بعد موسیقی کی محفل سجی تھی۔رونق سی رونق تھی۔

اسٹیج پہ بیٹھا گاؤں سے ہی تعلق رکھنے والا ایک گلوکار،اپنے ساتھوں کو کوئی ہدایت دے رہا تھا۔پورے چاند کی رات میں،جب محبت نے دل پہ ڈیرے جما رکھے ہوں ایسی محفلیں پھر سیدھا دل پہ آ کر لگتی ہیں۔حویلی کے عقبی حصے میں جہاں بہرام،عیسیٰ اور گاؤں کے باقی لڑکے موسیقی سے محظوظ ہو رہے تھے وہیں اگر حویلی کی چھت پہ آؤ تو جبل خان نے چھت پہ پہلا قدم دھرا تھا۔

وہاں ایک طرف لکڑی کے تخت پہ زبرج کے سامان رکھے تھے۔لیپ ٹاپ، آئی پیڈز، موبائل اور کئی کاغذات۔دوسری طرف وہ ایک ٹانگ موڑے دوسری لٹکائے موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔

"ڈارلنگ تم میری بات تو سمجھو ناں۔.....یار میں آجاؤں گا رات تک۔" وہ دانین کو رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔گلوکار اب پورے سوز میں گانا شروع کر چکا تھا۔

"دا ژوند می ستا دا پارہ

دا مینا ستادا پارہ"

"سویٹ ہارٹ پلیز میں آجاؤں گا یار۔..یار اب پلیز رونا مت شروع کر دینا۔دانین میری جان میری بات تو سمجھو۔" وہ اسکی سنے بغیر فون کاٹ چکی تھی۔جبل مسکراہٹ دبائے ہوئے آیا اور تخت پہ ایک طرف نیم دراز ہوگیا۔زبرج نے سر کو ہاتھوں میں گرا لیا۔

"یہ بیویاں اتنا ناراض کیوں ہوتی ہیں یار؟اور پھر مانتی بھی نہیں۔" وہ بے اختیار کراہا۔منانے کے معاملے میں بہت بے کار تھا وہ۔جبل ہنس پڑا۔

"داستا محبتونہ می کیسہ زندگی دہ،داستا محبتونہ می کیسہ زندگی دہ"

"یہ ڈارلنگ،سویٹ،جان منانے کے لئے اور اسے اپنی محبت دکھانے کے لئے یہ بھی بھلا کوئی اصطلاح ہے؟" وہ پورے چاند کو دیکھتے ہوئے،گلوکار کی آواز سنتے ہوئے ایک الگ ہی انداز میں بولا۔آج کل وہ سیارہ محبت کا باسی تھا۔آج کل اسکے قدموں سے کشش ثقل ختم تھی،ہوائیں آس پاس رقص کرتی تھیں۔

"پھر کیا بلاؤں اسے؟ بلکہ تم بتاؤ تم اپنی بیوی کو کیا کہہ کر بلاؤ گے"

"جانان، جانان۔" گلوکار کی آواز میں سوز بھر گیا۔

"جانان . . . ." وہ بے ساختہ بولا۔ "اس سے زیادہ خوبصورت لفظ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"جانان چی پکی اوسی خومرہ بنکلی دنیا کی دہ

جانان، جانان، جانان، جانان"

زبرج نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ وہ موسیقار کے ساتھ دھیما دھیما، گنگنا بھی رہا تھا۔ وہ اشتیاق سے چاند بھی دیکھ رہاتھا۔ اسکی آنکھیں اس چاندنی سے زیادہ روشن تھیں۔ اسکے لہجے میں بے فکری تھی اور لبوں پہ تبسم۔ زبرج شاہنواز خود محبت کر چکا تھا اور جنہیں محبتیں ہو چکی ہوں وہ اپنی برادری کے لوگوں کی شناخت کر ہی لیتے ہیں۔

"تم کن چکروں میں ہو جبل؟" وہ سنجیدگی سے آگے کو

ہوا۔ جبل ہنوز آنکھیں موندے گنگنا رہا تھا۔

"چکروں میں نہیں ہوں، میں تو سیریئس ہوں۔"

"کس کے لئے؟"

"وہی جس کی آنکھیں سرمئی ہیں۔" وہ بے دھڑک بولا۔ ایک لمحے کے لئے زبرج سانس نہیں لے سکا۔ "میں ان سے شادی کرنا چاہتاہوں۔"

اسے یاد آیا کہ دو سال پہلے بھی جبل خان نے ہوبہو یہی لفظ کہے تھے اور آج وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔یعنی وہ اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہوا؟یا پھر وہ اسے موقف سمجھنے کی غلطی کر چکا تھا اور یہ محبت تھی۔نری محبت۔زبرج چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

وہ دو سال پہلے کے اس منظر کو بھول ہی گیا تھا مگر جبل کو سب یاد تھا۔"تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟"زبرج کو پنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

جبل خان نے اب کے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔گہری سانس لی اور اس منظر کو یاد کیا تو وہ چند سال پیچھے آگیا تھا۔نئی نگاہوں سے اپنے اطراف میں دیکھتے اس نے ان الفاظ کی بازگشت کو آس پاس سنا۔پھر آنکھیں سکوڑیں،ذہن بیدار ہوا،آس پاس منظر بدل گئے اور اب وہ وہاں تھا جہاں اس نے پہلی بار اس سے ملتے جلتے الفاظ سنے تھے۔جہاں پہلی بار وہ ان سرمئی آنکھوں سے متعارف ہوا تھا۔

وہ ہاتھوں میں ٹرے لئے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اوپری منزل میں بنے کچن سے نیچے کی اور جارہا تھا جب اس نے زبرج کے کمرے کے باہر کھڑی کسی لڑکی کو زور زور سے دروازہ بجاتے ہوئے دیکھا وہ آگے بڑھ جانا چاہتا تھا مگروہ ٹھہر گیا۔

سرمئی رنگ کے لباس میں ہم رنگ دوپٹہ سرپہ لئےوہ جبل کے نیم رخ پہ کھڑی تھی۔اس نے ٹرے ایک میز پہ رکھی اور اسکی طرف بڑھا۔ورنہ وہ شاید دروازہ توڑنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"زبرج دروازہ کھولو ورنہ میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں،اور تم جانتے ہو میں یہ کر سکتی ہوں۔" وہ چند پل رکی۔اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔"میں تمھیں بتا رہی ہوں میں دوسری چابیاں لے آؤں گی۔فار گاڈسیک دروازہ کھولو یار۔" اب کے اس نے دروازے پہ ٹھوکر ماری۔دوپٹہ ڈھلک کر گرا اور اسکے کندھے کو چھوتے بال نظر آئے۔سامنے سے آتی دانین نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"وہ دروازہ نہیں کھولے گا زی۔" آواز پہ زخرف مڑی۔اب کے جبل اسے دیکھ سکتا تھا۔وہ بھرا بھرا چہرہ،وہ صحت مند لڑکی مگر اس نے صرف وہ سرمئی آنکھیں دیکھیں۔اور بس دیکھ کر رہ گیا۔"تمھیں پتہ تو ہے کتنا اٹیچ رہا ہے وہ انکل سے۔وہ مجھ سے بھی بات نہیں کر پا رہا۔اسے وقت دو۔"

"میں جب تک اسے دیکھ نہیں لوں گی مجھے سکون نہیں آئے گا۔"اس نے سکون سے اپنا مدعا بتایا۔"وہ ناراض ہو گا کیونکہ باقی سب نہیں آ سکے۔میں اس سے بات کئے بغیر یہاں سے نہیں ہٹوں گی۔"جبل یہاں کیوں آیا تھا وہ بھول گیا۔ہاں وہ خاندانی مسائل ختم کرنے آیا تھا مگر یہ کونسا مسئلہ تھا جو اسے اس وقت سب سے اہم لگا۔اور کیوں لگا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر کوشش کرتی رہو۔" دانین کندھے اچکاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔جبل خاموشی سے دوسرے کمرے میں گیا اور وہاں سے چابیوں کا ایک گچھا لے کر آیا۔زخرف اب بھی دروازہ بجا رہی تھی۔اسے آواز دے رہی تھی۔جب جبل نے اسے پکارا۔

"خاتون۔" وہ مڑی، جبل نے چابیوں کا گچھا سامنے کیا۔ جس کے پار اسے وہ آدمی نظر نہیں آیا شاید وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر وہ آدمی وہ اتنے قریب سے ان آنکھوں کو دیکھ کر ایک الگ کیفیت کا شکار ہوا۔ "یہ ٹرائے کریں۔ دروازہ نہیں کھلے گا۔"

"شکریہ۔" اس نے چابیاں ایک ایک کر کے تالے میں گھسانی شروع کیں۔ "تم کیا لگتے ہو زبرج کے؟" وہ اسکی طرف پشت کیئے کھڑی تھی۔ جبل اسکے ہاتھوں کی جدوجہد دیکھ رہا تھا۔ تالا مختلف ڈیزائن کا تھا وہ چابی مختلف لگا رہی تھی۔

"میرا کزن ہے وہ۔"

"پھر تم نے کمرہ کھولنے کی کوشش نہیں کی؟" کوئی چابی لگ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

"ضرورت ہی نہیں پڑی۔ میں جب بھی جاتا وہ میرے لئے دروازہ کھول دیتا۔" کیا کمال کا اعتماد تھا۔ زخرف نے مڑ کر دیکھا مگر وہ اسکے ہاتھ سے چابی لیتے ہوئے آگے آیا۔ اب وہ زخرف کی طرف پشت کیئے ہوئے تھا۔ وہ اسکا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکی بس ایک جھلک دیکھی تھی جسے وہ بہت جلد بھولنے والی تھی۔

"جب تمھیں یقین تھا وہ تمھارے لئے دروازہ کھول دے گا تو تم نے کھلوایا کیوں نہیں؟" وہ سنجیدہ تھی۔ جبل نے ایک ہی چابی تالے میں گھسائی۔ لاک کھل گیا۔

"مجھے لوگوں کو اسپیس دینے کی عادت ہے۔ اچھا لگتا ہے جب وہ رو کر، چیخ کر غم ہلکا کرلیں تاکہ دل کا بوجھ ہٹ جائے۔"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے لوگوں کی پرائیوسی کی کوئی پرواہ نہیں؟"

"ماشاءاللہ سے آپ بہت سمجھدار نکلیں۔" وہ اس آدمی کو کوئی جواب دیتی کہ دروازہ کھول کر زبرج سامنے آیا۔اسکی سرخ آنکھیں،اسکا ملال میں ڈوبا وجود اور اسکے چہرے پہ رقم وہ حزن ۔زخرف کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"یہ کیا حالت بنا کر رکھی ہے یار۔" وہ اندر داخل ہوئی۔جبل پیچھے رہ گیا۔آنے والے وقتوں میں وہ کئی بار پیچھے رہ جانے والا تھا یہ اس وقت اسے اندازہ نہیں تھا۔"مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی۔کوئی ایسے کرتا ہے بھلا؟" وہ اب اسے بہت کچھ کہہ رہی تھی زبرج چپ چاپ سنتا رہا۔دروازے پہ کھڑے جبل خان نے کئی منٹ بعد جو آواز سنی تھی وہ زبرج کے رونے کی تھی۔وہ رو رہا تھا بہت بری طرح رو رہا تھا۔وہ لڑکی اسے تسلی کے چند الفاظ کہہ رہی تھی وہ روتے ہوئے گلا کرتے ہوئے سن رہا تھا یا نہیں اندازہ مشکل تھا۔اس روز جبل خان ایک نئے جذبے سے متعارف ہوا تھا۔اسے لگا تھا بات صرف اس لڑکی کی ایک چھوٹی سی مشکل حل کرنے کی ہے مگر بات بڑی تھی وہ اسکا دل مشکل میں ڈال گئی تھی۔

اگلے ایک دو دن وہ وہاں آتی رہی جبل اسے دور دور سے دیکھتا رہا۔اس روز کے بعد اس کے قریب جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔اس روز کے بعد وہ اسکی کوئی مشکل آسان نہیں کر سکا تھا مگر اس روز کے کئی ہفتے بعد بلاخر اسے جو سمجھ آیا تھا وہ یہ تھا کہ جبل خان کو زخرف وقار کے لئے آسانیاں پیدا کرتے رہنا چاہیے۔یونہی بے مقصد کسی راہداری میں کھڑے اس سے بات کرنی

چاہیے۔جس طرح اسے پہلی بار دیکھا تھا اسی طرح،اتنے قریب سے اسے دیکھنے کا ایک حق ملنا چاہیے۔وہ کتنا خوبصورت بولتی تھی اسے سننے کے کئی مواقع ملنے چاہیے اور اسکی آنکھیں،وہ کئی ہفتے ان آنکھوں کے سحر میں رہا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ اگلے کئی برس،قیامت تلک یونہی رہ سکتا ہے۔اسیر،زخرف وقار کی سرمئی آنکھوں کا اسیر۔

شاہنواز درانی کے انتقال کے دو ماہ بعد کا ذکر ہے۔حویلی کی چھت سے کمر جوڑے ہوئے کھڑے زبرج نے مڑ کر تخت پہ بیٹھے جبل خان کو دیکھا۔وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔یک ٹک،بے پرواہ۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"وہ بے دھڑک انداز میں زبرج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"میں آخری اطلاات تک تمہاری ماں نہیں ہوں پھر مجھے کیوں بتا رہے ہو؟"اس نے ہمیشہ کی طرح مذاق سمجھا۔

"مجھے واقعی شادی کرنی ہے اور اسی لڑکی سے کرنی ہے۔"

"کون لڑکی؟"وہ الجھا۔

جبل نے گہری سانس لی۔"وہ جس کی آنکھیں سرمئی ہیں۔"

اول تو زبرج کو کچھ سمجھ نہیں آیا اور پھر یکدم اسکے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔وہ پچھلے دو ماہ سے زخرف کے متعلق بہت کچھ پوچھتا رہا تھا۔زبرج بے اختیار ہنس پڑا۔

"تمھیں زخرف اچھی لگتی ہے؟"

"بہت اچھی لگتی ہے۔"

"عمر دیکھی ہے اپنی، تم سے بڑی ہے وہ۔"زبرج ایک بار پھر ہنسا تھا۔اسے یہ واقعی مذاق لگا تھا۔

"تو کیا ہوا؟دانین بھی تم سے بڑی تھی۔اور شادی کے وقت آپ اکیس کے تھے۔"

"یعنی ہمارے خاندان کا ہر لڑکا میرے نقش قدم پہ چلے گا؟"وہ محظوظ سا بولا۔"مجھے اس سے بہت محبت تھی یار۔"

"اب نہیں ہے؟"

"اب وہ میرے لئے محبت سے بھی بڑھ کر ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر میری بھی شادی کرواؤ،چند سال بعد میں بھی یہی کہوں گا۔"جبل گویا فیصلہ کر چکا تھا۔

"ابھی تمہاری عمر کم ہے بڑے ہو جاؤ پھر بات کریں گے۔"اس وقت اس سمے اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ بات ختم ہوئی ہے دل سے نہیں نکلی۔

"تم . . تم زخرف کو پسند کرتے ہو؟"آج اسکے سامنے کھڑے وہ جیسے یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"بتایا تو تھا وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔"

"تم نے تو . . . صرف یہ کہا تھا کہ . . کہ وہ اچھی لگتی ہے۔...اس طرح تو میرے دوستوں کو ہر دوسرے دن ہر تیسری لڑکی اچھی لگتی ہے۔"

اب کے جبل خان نے آنکھیں کھولیں۔زبرج کو اسکی آنکھوں میں واضح ناگواری دکھی۔

"ہمارے یہاں اچھی لگتی ہے کا مطلب ہوتا ہے مستقبل کی بیوی لگتی ہے۔ہمارے یہاں مطلب بڑے سادہ ہوتے ہیں۔"وہ جتاتے ہیو بولا۔

زبرج سفید پڑتے چہرے کے ساتھ بے حد غیر یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔اسکی زندگی کے دو اہم لوگ ایک چیز کی جستجو میں تھے۔وہ دونوں اسے ایک جتنے عزیز تھے۔یہ ایسا تھا جیسے ایک ماں کے دونوں بیٹوں کوایک کھلونا پسند آجائے۔اور ستم یہ کہ وہ دنیا کا واحد کھلونا ہو۔کئی لمحے وہ کچھ بول نہیں سکا۔

"جبل یہ ممکن نہیں ہے۔"بلاخر کھلونے کی ملکیت کا فیصلہ ہوگیا تھا۔"زلطان اسکول کے زمانے سے زخرف کو پسند کرتا ہے اور وہی اس سے شادی کرے گا۔"

"کیوں؟کیا وہ زلطان کی ملکیت ہے؟پسند کرنے سے وہ اسکی نہیں ہوجائے گی۔"

"زخرف بھی اسی کو پسند کرتی ہے۔وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں انکے درمیان کچھ مسائل ہیں لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے ہیں۔تم اسکا خیال دل سے نکال دو۔"اس نے سہولت سے حل فراہم کیا۔

"وہ خیال نہیں ہے، حقیقت ہے۔اسے دل میں جگہ دینے پہ میرا اختیار نہیں تھا اور باہر نکالنے پہ بھی نہیں ہے۔وہ آپ کی دوست ہے آپ میرے لئے اس سے بات کریں۔میں اماں کو اسکے گھر بھیجوں گا۔"

"وہ تمھیں جانتی تک نہیں ہے اور تمھیں لگتا ہے وہ تم سے شادی کر لے گی۔؟"

"ارینج میرجز exist کرتی ہیں۔"بے لاگ تبصرہ۔

"تم اور زخرف بہت مختلف ہو۔"وہ مصر ہوا۔

"یہ کہاں لکھا ہے کہ جس سے شادی کرو وہ بلکل ہمارے جیسا ہو؟"

"جبل میرا دماغ مت خراب کرو۔"زبرج سختی سے بولا۔

"آپ میرا دل خراب مت کریں۔میں اپنے موقف سے نہیں ہٹ رہا۔وہ اچھی لگتی ہے،اور لگے گی۔آپ کسی کے دل سے کچھ نکال نہیں سکتے۔جبل کے دل سے تو ہرگز نہیں۔"وہ دو ٹوک انداز میں بولا۔زبرج کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ وقت گزر گیا ہے جب وہ اسے روک سکتا تھا۔محبت مرض کی طرح جسم کے ہر ہر حصے میں سرایت کر گئی تھی۔وہ اگر صرف اسکے دوست کی محبت ہوتی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔لیکن وہ دشمن کی بیٹی بھی تھی اور بہت جلد بننے والی انکی اسیر بھی۔اس نے جبل اجلال خان کی آنکھوں میں آج تک ایسی بے خوفی اور خلوص نہیں دیکھا تھا۔آج اسے بیک وقت محبت سے خوف اور نفرت دونوں محسوس ہوئے۔

"جذبات دیمک ہیں۔ تخت کھا جاتے ہیں۔" اس نے آج تک اپنے آپ کو اتنا سیاہ نہیں پایا تھا۔ "تمھیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ زور گڑھ اور محبت میں کسی ایک کو چننا ہوگا۔" وہ تخت چھوڑ کر اٹھا۔ جبل بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ گلوکار کا نغمہ نوحے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

"میں اس پلان کو چھوڑ رہا ہوں۔ جس دن تم اسکی محبت چھوڑو گے، اس دن میں واپس آجاؤں گا۔ تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اسکے خواب دیکھو گے مگر اسکے حصول کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"آپ بہت غلط کر رہے ہیں۔ میں اسکے بغیر رہ نہیں سکوں گا۔"

"میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔"

"آپ یہ سب زلطان کے لئے کر رہے ہیں؟ آپ کے لئے بس وہ اہم ہے؟ جبل کا دل کچھ بھی نہیں۔" اسکی آنکھوں میں رنج تھا۔

"اسکی آرزو ترک کر دو تو میرے پاس واپس آجانا۔"

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتا آپ جانتے ہیں۔"

زبرج کہہ کر رکا نہیں تھا۔ جبل خان بے بسی بھری اذیت سے اسے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اگلے تین ماہ وہ بڑی ڈھٹائی سے محبت پہ اڑا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ حالات، واقعات نے کچھ یوں پلٹا کھایا کہ زور گڑھ کے اس سادہ سے لڑکے کو دل مارنا پڑا۔ گھریلو مجبوریاں، عوام کے مسائل ان سب میں دل کہیں پیچھے رہ گیا۔ کئی بار محبتیں حالات کی نظر ہو جاتی ہیں جبل خان کی محبت کو بھی

گھر کے حالات اور خاندانی مسائل نگل گئے۔وہ گھر کا بڑا بیٹا محبت کو بہت چھوٹا کر کے کسی کونے میں ڈال گیا۔

تین ماہ بعد محبت کو تھپک کر سلایا گیا۔آرزوؤں پہ مٹی ڈالی گئی۔دل کو تاویلیں،لالچ اور دلاسے دیئے گئے۔اس نے مانی یا چیخا چلایا کسی کو کیا فرق پڑا؟دل کے نخرے نہیں اٹھائے جانے چاہیئے بندہ ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔یہ بات جبل خان نے سیکھ لی تھی۔زور گڑھ کے بڑھتے ہوئے مسائل اسے ایک بار پھر زبرج شاہنواز کے پاس لے آئے تھے۔اس بار وہ بہت کچھ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔آنکھیں چمک کھو چکی تھیں۔دل "**دنیاوی**"ہو چکا تھا۔تخت نے جبل خان کی قربانی کو بڑے ہی کروفر کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔

حال میں وہ یونہی آنکھیں بند کیئے ہوئے تھا۔حنزلہ ملال سے اسے دیکھتی رہی۔بند آنکھوں کے پار جبل خان کی آنکھوں میں جلن تھی۔سینے میں چبھن۔اسکے اندر تبدیلی آ رہی تھی مگر وہ قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بارہ جنوری۔

صبح ساڑھے سات بجے۔

جس وقت جبل خان اپنی ناکام محبت کے قصے رو رہا تھا۔اسی وقت نیم اندھیرے میں جلتی بجھتی ٹارچ کی روشنی میں زلطان صفدر گردن جھکا کر بیٹھا زبرج کی پنڈلی سے اوپر لگے زخم کو صاف کر

رہا تھا۔یہ ہنٹر کا زخم تھا جسے شاید وہ نوٹس نہیں کر سکا تھا مگر رات کے اس پہراس میں اٹھنے والا درد اسکی روح کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھا۔

”جل رہا ہے بھائی آہستہ ہاتھ چلاؤ۔“زبرج دبادبا غرایا۔

”ڈرامے بازی بند کرو۔ایم بی بی ایس ڈاکٹر نہیں ہوں میں۔“زلطان نے روئی رکھ کر اسکے زخم پہ دباؤ بڑھایا۔زبرج نے لب بھینچ لئے۔”اپنے کارنامے بھگت رہے ہو۔تم صرف شکر کرو کہ اس وقت ہم قید ہیں ورنہ جو تمھارے ساتھ ہونی تھی وہ آدھی دنیا یاد رکھتی۔“

زبرج نے اسکی جھکی گردن کو دیکھ کر مسکرانے کی سعی کی۔مگر درد اجازت نہیں دیتا تھا۔انکھوں میں پانی بھر آیا۔

”گالیاں دے دینا۔مار لینا یا پھر جو دل کرے۔چاہو تو چھوڑ بھی دینا۔لیکن مجھے معاف کر دینا۔یہ گلٹ کہ میں نے تم سب کی زندگی برباد کی۔یہ مجھے نہیں سکون دے گا۔“

”تمھیں جبل سے معافی مانگنی چاہئے۔“زلطان نے گندی روئی ایک طرف رکھنی شروع کر دی۔خون صاف کرتے کرتے زخم واضح ہونے لگا تھا۔زخم گہرا تھا۔

”کس بات کی معافی؟“

”ہر دفع اسے چھوڑنے کی معافی۔“وہ آرام سے بولا۔”وہ آج بھی وہیں stuck ہے۔گیارہ سال کا وہ بچہ جسے اسکا دوست چھوڑ کر چلا گیا تھا۔اس نے دوست نہیں بنائے۔اسے رشتے نہیں ملے اچھا بچپن نہیں ملا۔تمھارے فادر نے اسکی زندگی برباد کر دی۔“

"میرے باپ کے بارے میں ایسا مت کہو۔"

"سچ کو ماننا سیکھو زبرج۔"

"مرے بابا ہیرو تھے۔"

"اور ہیرو ہونے سے پہلے وہ ایک انسان تھے۔کسی بھی انسان کو اپنا منٹور مانتے وقت یاد رکھنا چاہیے کہ وہ انسان ہے خطا کا پتلا۔اسکے اندر flaws ہو سکتے ہیں۔ہمارے لئے نہیں تو کسی اور کے لئے۔ہر ہیرو کسی نہ کسی کی کہانی کا ولن ضرور ہوتا ہے۔تمھارے بابا زور گڑھ کے ہر بچے کے لئے ولن تھے۔"وہ زخم کے گرد سفید پٹی باندھنے لگا۔اس نے زبرج کے تاریک پڑتے چہرے کو نہیں دیکھا تھا۔

"کچھ لوگ ہمارے لئے بے حد اچھے ہوتے ہیں۔اللہ نے انکو مقام،عزت رتبہ دے رکھا ہوتا ہے۔اور انھی لوگوں میں کئی بار خامیاں ہوتی ہیں لیکن چونکہ وہ ہمارے پسندیدہ انسان ہیں تو ہم مر کر بھی اپنے آئیڈیل پہ کوئی بات سننا نہیں چاہتے۔ایک حقیقت بتاؤں زبرج؟"وہ اسکا پائنچہ درست کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔زبرج نے اسے بولنے کے لئے نہیں کہا لیکن ۔۔"

"جس دن انسان اپنے آئیڈیل کو قریب سے جان لیتا ہے،اس دن وہ آئیڈیل نہیں رہتا۔تم اپنے باپ کو قریب سے نہیں جان سکے۔وہ تمھارا آئیڈیل آدمی اپنے اندر خامیاں رکھتا تھا تم انہیں دنیا کی نظروں سے چھپا نہیں سکتے۔انکا مداوا کر سکتے ہو۔اپنے آئیڈیل کے لئے اتنا کرنا بنتا ہے۔"

اس نے زبرج کو دیکھا۔گہری بھوری آنکھیں ہرٹ لگتی تھیں۔وہ لب بھینچے ہوئے تھا۔

"جبل خان تم سے ناراض ہے۔اسے مناؤ۔دوستوں کو منائے جانے کا مان ہوتا ہے۔تم کیوں اسکا مان توڑ رہے ہو۔؟"

زبرج ڈھٹائی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

"اس نے بس اپنے دل میں میرے لئے زہر بھر کر رکھا ہے۔ہم بارہ تیرہ سال کے تو نہیں تھے۔اگر اسے کوئی مسئلہ تھا تو مجھ سے کبھی کچھ کہا کیوں نہیں؟"

زلطان نے بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ کسے کیا بتاتا ؟تم نے مجھے بتایا کہ جبل خان نے تمھیں اپنے گاؤں بلایا تھا۔اس نے ایک دوست اور بھائی کو دعوت دی تھی تم نے وہاں جا کر گڑے مردے اکھاڑنے شروع کر دیئے۔پھر وہ کیا کہتا؟

مجھے جبل خان سے اتنی نفرت ہے کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے مار دوں اور مجھے افسوس تک نہ ہو لیکن وہ سچا ،کھرا اور خود دار آدمی تھا۔دوسری بار تمہاری اسکے پاس واپسی ایجنٹ بن کر ہوئی۔وہ اس آدمی سے کیا شکایت کرتا جسے محض اپنے باپ کا نام صاف کرنا تھا۔

اور تیسری بار تم اسکے پاس اپنے خاندان کی سلامتی مانگنے گئے۔اس نے ہر بار تمھارے آگے سر تسلیم خم کیا ہے۔لیکن وہ ایک انسان ہے۔اگر تم نے اپنا خاندان چنا تھا تو تمھیں جبل کو چھوڑنا نہیں چاہیے تھا۔دوستیاں ایسے نہیں چلتیں زبرج۔ایک کا ہاتھ پکڑ لو اور دوسرے کو دھکا دے دو کیونکہ ہاتھ پکڑنے والے کو تمہاری ضرورت تھی۔گرنے والا اگر کہتا نہیں ہے تو کیا اسے دکھ نہیں

ہوتا؟" یہ ایک بے حد لمبی تقریر تھی جسے زلطان نے ایک لمبے عرصے بعد کیا تھا۔ دنیا کو آگ لگ رہی ہوتی تو وہ اپنے لفظوں سے نہ بجھاتا مگر دوست کی طرف چنگاری بھی آئے گی تو زلطان صفدر پھونک سے اڑائے گا۔

"اسکے پاس ایک بار دوست بن کر جاؤ زبرج۔ پھر وہ شکایت بھی کرے گا۔ ساتھ گلا کرے گا۔ روئے گا بھی اور معاف بھی کرے گا۔"

"وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔" زبرج ہونٹ کاٹنے لگا۔

"کیوں؟"

"وہ زخرف کو پسند کرتا تھا۔" اسکے براہ راست کہہ دینے پہ زلطان ایک لمحے کے لئے تھم گیا۔ باقی دوستوں کی نسبت ان دونوں کو تمہیدوں کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر آج اسے تمہید بندھنی چاہیے تھی۔ ایسا زلطان کو لگا۔

"کرتا ہے۔" کافی دیر بعد کہہ کر زلطان نے تصیح کی۔ زبرج حیران نہیں ہوا۔ وہ زلطان کی لوگوں کے چہرے پڑھنے کی صلاحیتوں سے واقف تھا۔

"میں نے پلان سیون پہ کام کرنے سے پہلے اس سے ایک شرط رکھوائی تھی۔ کہ وہ زخرف کے پیچھے نہیں جائے گا۔"

"اور تمھیں لگتا ہے اس نے تمہاری بات مان لی؟" زلطان نے جیسے اسکا مذاق اڑایا ہو۔

"وہ مجھے الزام دیتا ہے۔" زبرج کے احساس جرم میں اضافہ ہوا۔

"ظاہر ہے وہ دے گا۔ محبت چھوڑنا آسان نہیں ہوتا مگر مرد محبت کو کسی تیسرے کی وجہ سے نہیں چھوڑتا۔ جبل خان نے بھی زخرف کو تمہاری وجہ سے نہیں چھوڑا۔ لیکن دل ملامت کرے گا تو کسی کو الزام تو دینا پڑے گا ناں؟

حالات، ذات، برادری کچھ بھی۔ اسے الزام دینے کو زبرج شاہنواز مل گیا ہے تو ٹھیک ہے وہ اپنی جگہ درست ہے۔"

زبرج نے تکان سے اسے دیکھا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔ زلطان بھی ساتھ مسکرایا تھا۔ شادان کو لگتا تھا وہ زلطان کا سب سے بہترین دوست ہے۔ حسن کو لگتا تھا وہ زلطان کے سب سے قریب ہے۔ شاید وہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست بھی ہوں۔ مگر زلطان صفدر اور زبرج شاہنواز کے درمیان لفاظی کی گنجائش نہیں تھی۔ انکے درمیان ان کہی کے مسائل نہیں تھے۔ وہ دونوں وقت کی قید، سازشوں کے سحر سے آزاد تھے۔ وہ دونوں حقیقی دوست تھے۔ ایسا دوست جو پاس بیٹھے تو سکون ملے۔ مسکرائے تو دل خوش ہو۔ وہ دونوں خاموش رہ کر بھی ایک دوسرے سے سب کہہ سکتے تھے۔

"تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے ہو خبیث؟"

"سیاست۔" وہ اسی کے انداز میں بولا۔ "آف کورس میں اتنا عظیم نہیں ہوں کہ اس تہہ خانے میں بیٹھ کر تمہاری کاؤنسلنگ کروں۔"

”تم نے کبھی بیٹھ کر سوچا ہے تم کتنے ذلیل اور خود غرض ہو؟“ زبرج نے اسے شرم دلانی چاہی۔

”نہیں . . . تم چاروں ہو ناں مجھے وقتاً فوقتاً یہ احساس دلانے کے لئے۔“

زبرج نے افسوس سے نفی میں سرہلایا۔ اور دونوں ہاتھ اسکی طرف بڑھائے، جیسے کہنا چاہتا ہو "اٹھاؤ مجھے"۔ زلطان نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر شرف قبول کیا تھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسکے دونوں ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا وہ جونہی کھڑا ہوا، زلطان نے اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے سہارا دیا۔ ان دونوں نے ایک نظر اپنے باقی ساتھیوں پہ ڈالی وہ تینوں ذرا ذرا سے فاصلے پہ دنیا جہاں سے بے خبر نیند کے مزے لے رہے تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ گردن واپس موڑ لی۔

وہ اسے ساتھ لئے چھوٹے چھوٹے قدم لئے آگے جا رہا تھا۔ زبرج ظاہر نہیں کر رہا تھا مگر اسے درد بے تحاشا ہو رہا تھا۔ دروازے پہ کھڑے ہو کر وہ دروازہ بجا رہا تھا۔ دوسری طرف آواز گئی۔ جبل کی نیند میں خلل پڑا۔ دیوار سے ٹیک لگائے، حنزلہ کو اپنے کندھے سے لگائے اس نے آنکھیں کھولیں۔ دروازے پہ کھڑے مسلح افراد اسکی اجازت کے منتظر تھے۔

”جبل . . . . دروازہ کھولو۔“ زبرج کی آواز دھیمی تھی۔ جبل کا رواں رواں سماعت بن گیا۔

”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ مجھے . . میرے . . دوست . . سے بات کرنی ہے۔“

جبل ساکت رہ گیا۔ اسکی آنکھوں میں بے اختیار ڈھیر سارا کرب آ کر جمع ہو گیا۔

”جبل پلیز دروازہ کھولو۔میں کسی تیسرے کے لئے یہاں نہیں آیا۔میں ہماری بات کرنا چاہتاہوں۔“

آوازوں کی بازگشت سے حنزلہ بیدار ہوئی،دروازے پہ کھڑے افراد اسکے حکم کے منتظر رہے۔جبل نے دھیرے سے حنزلہ کو ایک طرف کیا۔فرش پہ پڑی پستول اٹھائی۔اور قدم دروازے کی طرف بڑھائے۔ساتھ ان دو لوگوں کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔انہوں نے پستول سیدھی کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔

جبل خان دروازے کی طرف جاتے ہوئے رک گیاتھا۔وہ دروازے پہ ایستادہ تھا۔جبل کی طرف دیکھتے ہوئے۔زلطان نے اسے تھام رکھا تھا۔جبل چاہ کر بھی اسکے زخمی پیروں کی طرف نہیں دیکھ سکا۔اسی پل زلطان نے اسے چھوڑا۔

جبل نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔یہ خیال کہ وہ زمین بوس ہو جائے یہ خیال بھی اپنے ذہن میں وہ لانا نہیں چاہتا تھا۔

”مجھے تم سے بات نہیں کرنی زبرج۔تم واپس جاؤ۔“وہ اسے سہارا دیئے سختی سے بولا۔زبرج نے زلطان کو جانے کا اشارہ کیا۔ایک ہاتھ سے دروازہ کھینچ کر بند کیا۔پھر جبل کو دیکھا۔

”میں کھڑے نہیں رہ سکتا۔مجھے بٹھاؤ۔“

”شاہنواز درانی نے مجھے تمہارا ملازم نہیں رکھا۔“جبل ہنوز سختی سے کہہ رہا تھا۔

"شاہنواز کے بیٹے زبرج درانی نے تمھیں دوست تو رکھا ہے ناں؟" وہ اسی کے انداز میں بولا۔ "بتاؤ مجھے۔"

جبل گہری سانس بھر کر رہ گیا۔لب بھینچتے وہ اسے لئے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا۔قندیلوں نے اپنی روشنی بڑھا لی۔ سردی اپنا زور کم کرنے لگی۔چرچ کی قدیم دیواروں نے بےاختیار سکھ کا سانس لیا۔

بارہ جنوری۔

وقت، صبح آٹھ بجے۔

"کیا میں تم سے معذرت کروں؟"

چرچ کے ہال میں چھائی گہری خاموشی کو زبرج کی گمبھیر آواز نے توڑا تھا۔وہ بنچ پہ بیٹھا تھا۔جبل اسکے ساتھ بیٹھا تھا۔خاموش سا۔پھر اس نے اپنی پستول میز پہ رکھی اور اسے گھمانے لگا۔

"تمہیں کیا برا لگا جبل؟ آج تک میرے رویے میں تمہیں سب سے زیادہ برا کیا لگا؟"

جبل خان جواب دیے بغیر اپنی پستول کو بنچ پہ گھماتا رہا۔ایسی خاموشی میں یہ ذرا سی آواز پہ اعصاب پہ ہتھوڑے کی طرح لگتی تھی۔

"جبل مجھے بتاؤ میں کہاں کہاں غلط تھا؟" زبرج کچھ جھنجھلایا۔اس نے جبل کے ہاتھ سے پستول لے لی۔ "میں تمھارے پاس دوست بن کر آیا ہوں ایجنٹ بن کر نہیں۔کیا تم اب بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں کرو گے؟"

"تم زلطان کے کہنے پہ آئے ہو؟" جبل نے بے تاثر انداز میں پوچھا۔

"میں انتیس سال کا ہوں جبل۔ تمھیں لگتا ہے کوئی دوست مجھے کسی بھی کام کے لئے مجبور کر سکتا ہے؟زلطان نے مجھ سے دس ہزار باتیں اور بھی کہی ہیں کیا میں نے سب کی سب مان لیں؟میں یہاں صرف اور صرف اس لئے ہوں کیونکہ تم . . . ." وہ بولتے بولتے رکا۔جبل کی آنکھوں میں دیکھا۔سارا بچپن ایک منٹ میں آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔"تم دوست ہو میرے۔بھائی بھی۔ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں آ سکتا جبل۔"

"تیسرا آیا تھا زبرج۔ہمارے درمیان تیسرا ہمیشہ تم لائے تھے۔"کئی سال بعد اس نے اپنے دوست سے پہلا شکوہ کیا تھا۔

"رکو مت کہتے رہو میں سننا چاہتاہوں۔"زبرج سنجیدگی سے بولا۔

"تم نے جب زور گڑھ چھوڑا تب ہاں میں نے تم سے بہت کچھ چھپایالیکن کیا تم اندھے تھے؟تمہیں لوگوں کی نظروں میں حقارت اور نفرت نہیں دکھتی تھی۔ تمھیں نکالے جانے کا مطلب نہیں پتہ تھا؟صرف اس لئے تم اندھے بن گئے کیونکہ سامنے والا تمھارا باپ تھا۔اور میں اس لئے چپ رہا کیونکہ تمھیں ان سے اندھا عشق اور اعتبار تھا۔"

"تم اس لئے چپ رہے کیونکہ تمھیں ہماری دوستی پہ اعتبار نہیں تھا۔ تمھیں لگا تم مجھے کچھ بتاؤ گے اور میں تمہارا یقین نہیں کروں گا۔ کہہ دو یہ جھوٹ ہے جبل۔" وہ جو شکایات کا پلندہ لئے بیٹھا تھا اسے پہلی ہی بات میں اپنی باقی ساری شکایات بھولنے لگ گئیں۔ "میں اس لئے ناراض نہیں تھا کہ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں میں اس لئے ناراض تھا کہ تم مجھے دوست کیوں نہیں سمجھتے؟ ہمارے درمیان سے وہ کلاس کا فرق کبھی گیا ہی نہیں تھا۔ خیر اس وقت ہم بچے تھے اور بچے گدھے ہوتے ہیں۔ ہم دونوں کی غلطی تھی میری ستر فیصد اور تمہاری تیس فیصد اس لئے آگے بڑھو اور میرے باقی قصور گنواؤ۔" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے اسلام آباد میں دوست بنائے۔ پھر لندن چلے گئے۔ اگر تمھیں ایک بار بھی میرا خیال آتا تو تم یہ سب نہ کرتے۔ تمھیں دوست نہیں بنانے چاہیے تھے۔ تمہیں صرف میرا دوست رہنا چاہیے تھا۔"

زبرج نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ واقعی گیارہ سال کا بچہ لگ رہا تھا۔ وہ تو واقعی آگے نہیں بڑھ سکا۔

"یعنی تم کہہ رہے ہو کہ میں ایک ابنارمل انسان رہتا؟"

"میں نے تمھارے بعد دوست نہیں بنائے کیا میں ابنارمل ہوں؟" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"بلکل ہو۔" وہ صفائی سے بولا۔ "دوست زندگی کا حصہ ہوتے ہیں پوری زندگی نہیں۔ یہ بات ہمیں قبول کرنی ہوگی۔ کئی بار کچھ دوست ہم سے دور چلے جاتے ہیں۔ کسی کو پڑھائی کے لئے جانا

ہوتا ہے کسی کو شادی کے لئے۔کسی کی مجبوری اور کچھ قسمت لے جاتی ہے۔انہیں ری پلیس کرتے رہنا چاہیے۔جو چلا گیا وہ چلا گیا۔ماں باپ جب اپنے بچوں کو کھو دیتے ہیں تو کیا وہ دوبارہ بچے پیدا نہیں کرتے؟

کیا وہ اپنے موجودہ بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔یا پھر انکا خیال رکھنا چھوڑ دیتے ہیں؟زندگی میں کئی لاس loss ایسے ہوتے ہیں جو جینا سکھا دیتے ہیں۔دوست چھوڑ جائیں،روٹھ جائیں یا بچھڑ جائیں تو سوچنا چاہیے وجہ کیا تھی؟اگر خامی ان میں تھی تو ان جیسے لوگوں سے دوبارہ ملنے سے اجتناب کرو اور اگر تم میں تھی تو خامی دور کرو۔جو رہ گئے ہیں وہ مال غنیمت اور انعام ہیں۔انکا خیال کرنا چاہیے ناں؟"اس نے جبل کے گرد بازو پھیلایا۔جسے وہ جھٹک چکا تھا۔

"بیوی نہیں ہوں تمہاری دور رہو۔"

"رہ جانے والوں میں ہم خود بھی ہوتے ہیں۔اپنا خیال بھی رکھنا چاہیے۔تم نے کیوں نہیں رکھا؟"اس نے بات وہیں سے شروع کی۔

"تم اتنے سال بعد آکر مجھے اس طرح الزام نہیں دے سکتے۔یعنی میں جو کہوں وہ ردی۔؟"وہ بپھر گیا۔

زبرج نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔

"تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا،تو اسے اس وقت صحیح غلط نہ بتا رہا ہوتا۔انرجی نہیں ہے یار مجھ میں۔دونوں پیروں میں گولیاں لگی ہیں پورا جسم زخمی ہے اور پلان ڈوب چکا ہے۔اس وقت میں

پائنٹ زیرو پہ ہوں پھر بھی یہاں بیٹھ کر تمھیں یہ سب سمجھا رہا ہوں کیونکہ تم دوست ہو میرے۔" وہ بولتے بولتے رکا۔لمبا گہرا سانس لیا۔

"دنیا نے دوستی کے بڑے غلط معیار بنا کر رکھے ہیں۔ان معیاروں سے آگے نکل کر دیکھو تو دوستی سکون ہے۔دوست کے پاس واپسی دل سے ہوتی ہے۔اسکے پاس دکھ درد سنانے دل سے آیا جاتا ہے۔گدھے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں دوست سے کیسا پردہ دوست سے کیسی باؤنڈری غلط کہتے ہیں۔

کچھ چیزیں انسان دوست کو بھی نہیں بتاتا اور اس پہ ناراض نہیں ہونا چاہیے۔کچھ حدود دوستوں کے ساتھ بھی ہوتی ہیں اور انہیں پار نہیں ہونا چاہیے۔میں ایک پریکٹیکل آدمی ہوں۔شروع سے تھا۔اگر میں نے زبان سے یہ نہیں کہا کہ تم میرے لئے ضروری ہو تو عمل سے ہر بار کہا ہے۔"

"مجھے تمھارے عمل کی ضرورت نہیں تھی۔سچ یہ ہے کہ تم نے مجھے چھوڑ کر ہر دفع اپنے خاندان کو فوقیت دی۔تم اس وقت بھی انہیں یہاں سے جانے دے رہے تھے۔تم نے میرے چار سال کے پلان کو خاک کرتے ہوئے کچھ نہیں سوچا۔تم ایک بار پھر مجھے چھوڑ کر ان کے ساتھ جا رہے تھے۔" وہ چیخ رہا تھا۔ایک زہر جو اسکے اندر کئی سالوں سے بھرا تھا وہ نکل رہا تھا۔

"میں ہر دفع انتظار کرتا رہا کہ تم کبھی میرے دوست بن کر آؤ۔تم نہیں آئے۔تم کبھی ایک گلٹی بیٹے کی صورت واپس آئے تھے تو کبھی اپنی وجہ سے تم میرے لئے کبھی نہیں آئے۔تم میرے لئے کبھی نہیں رکتے۔اور پھر تم کہتے ہو میں تمہارا دوست ہوں؟"

اسکا تنفس پھول گیا تھا۔چہرہ سرخ اور گردن کی نسیں پھول گئی تھیں۔آنکھیں انگارے کی مانند دہک رہی تھیں۔ان میں ہلکی سی نمی بھی تھی۔

"میرے باپ نے ایسے کئی زور گڑھ تباہ کئے ہیں۔تمھیں لگتا ہے کہ زبرج شاہنواز ایسا مسیحا ہے کہ وہ زور گڑھ کی خدمت کرنے نکلا ہے؟"

ایک لمحے کو اسکی زبان کو لقوہ سا لگا ہو جیسے۔جن لوگوں کو جتانے کی عادت نہ ہو ان سے اظہار بے حد مشکل ہوتا ہے۔

"ہاں میں اپنے باپ کے لئے آیا تھا لیکن زور گڑھ آیا کیونکہ یہ میرے دوست کا گاؤں تھا۔میں تمہاری مشکلات کم کرنا چاہتا تھا۔میں نے کہا نہیں لیکن میں تمھارے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔مجھے لگا مجھے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں اس حویلی کو اپنی حویلی سمجھتا تھا۔بچپن کے سارے وعدے نبھانے میں آیا تھا جبل۔لیکن اس کہنے اور نہ کہنے نے بڑی مشکلات پیدا کر دیں۔"اس نے جبل کو دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ اسکے سامنے جوڑے۔

"مجھے معاف کر دو،اور دوستوں پہ اعتبار کرنا سیکھو۔میں ہر دفع کہہ نہیں پاؤں گا لیکن یہ یقین رکھنا سیکھو کہ میں تمہارا دوست ہوں۔سڑا ہوا آدمی،کم کہنے والا۔لیکن تمھارے لئے ہمیشہ یہیں ہوں۔"

جبل نے دھیرے سے اسکے جڑے ہوئے ہاتھ جدا کئے۔وہ یہ تو نہیں چاہتا تھا۔ہرگز نہیں۔کئی لمحے انکے درمیان خاموشی رہی۔دھندلا ماضی تھا جو چھٹ کر صاف ہوگیا تھا۔مگر وہ ابھی یہ ماننے والا تو نہیں تھا۔

"تم یہ سب اب کیوں کلئیر کر رہے ہو؟تاکہ میں انہیں جانے دوں؟"

زبرج اب مسکرایا تھا۔

"نہیں جبل نہیں . . . . . چاہے تمہیں لگتا ہو چاہے کسی اور کو لیکن تم میرے بغیر اور میں تمھارے بغیر صرف انسان ہیں ماسٹر مائنڈ نہیں۔تمھیں لگا تھامیں تمھارے پلان کے ٹیڑھے نہ ہونے پہ شک بھی نہیں کروں گا۔مجھے اندازہ تھا کہ تمہارا پلان ونڈرلینڈ لانے کے بعد کچھ اور ہو سکتا ہے اس لئے میں نے اپنے خاندان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی۔"

جبل حیران نہیں ہوا بس سنتا رہا۔

"آج صبح اسکیپرانہیں لینے آجائے گا۔یہاں آنے سے پہلے میں اسے پیغام بھیج کر آیا تھا۔"

"یعنی تم نے شروع سے انکے معاملے میں مجھ پہ اعتبار نہیں کیا تھا؟"

"دوستوں کے معاملے میں،کسی تیسرے پہ اعتبار نہیں کیا جاتا۔میں اپنے معاملے میں تم پہ اعتبار کر سکتا ہوں انکے معاملے میں صرف خود پہ۔"زبرج کہہ کر خاموش ہوامگر جبل ہنوز اسے دیکھتا رہا۔کچھ تھا جو وہ کھوج رہا تھا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟بیوی ہوں کیا تمہاری؟" وہ چڑ گیا۔

"تم کیا چھپا رہے ہو؟تم نے مجھے یہ تاثر دیا کہ میں تمہیں یہاں قید کر کے بیٹھا ہوں لیکن تم ایک دوسری گیم کھیل رہے تھے۔تم ٹائم لے رہے تھے تاکہ تم اپنے دوستوں کو یہ تاثر دے سکو وہ مکمل طور پہ ٹریپ ہو چکے ہیں۔اور اب تم یہاں ہو۔صرف اس لیے نہیں کہ مجھ سے معملات طے کر سکو۔اب کونسا ٹوئسٹ باقی ہے۔"

زبرج گردن جھکا کر ہنس پڑا۔ محظوظ انداز میں۔بے حد خوشی سے۔اسکا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"سرکس میں ہر ایک کو لگتا ہے کھلاڑی تو وہی ہیں۔رسی پہ چلنے والے کو لگتا ہے عوام سکی وجہ سے آتی ہے۔رقص کرنے والے کو لگتا ہے یہ رونق اسی کی ہے۔شیر،ہاتھی کے سامنے کرتب کرنے والوں کو لگتا ہے سرکس انکے دم سے زندہ ہے۔لیکن سرکس کا بادشاہ جانتے ہو کون ہوتا ہے؟"

"کون؟"

"سرکس کا مالک۔" زبرج چمکتی آنکھوں سے کہہ رہا تھا۔"وہ جس نے ایک الگ ہی دنیا بنائی۔جس نے ہر ایک کو ایک کہانی سنائی۔امید دی،اسے بتایا کہ سرکس تمہاری وجہ سے ہے۔بظاہر سرکس کا مالک پردوں کے پیچھے ہوتا ہے یہ اسکی قیمت ہوتی ہے جو اس نے تخت کے لئے چکائی ہوتی ہے۔" وہ انہیں بتا رہا تھا کہ اس سرکس میں وہ تمام لوگ اسکی کٹھ پتلیاں تھے۔اسکے کرتب

کرنے والے، اسکے فنکار اسکے اداکار۔اور وہ حکم کا اکا۔ماسٹر مائنڈ۔جو ان سب کے دماغوں پہ حکومت کرتا تھا۔وہ حکومت کر سکتا تھا۔کیونکہ یہ فن اسے آتا تھا۔

"تمھارے اس سرکس میں میں کون ہوں؟"سرمئی آنکھیں گہری بھوری آنکھوں میں گاڑ کر سوال ہوا۔

"جادو گر۔"

"جادوگر۔؟"

وہ دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کیونکہ جادو الوژن ہے۔"

"کیونکہ جادو کہانی ہے۔؟"جبل طلسمی لمحے کے زیر اثر بولا۔

"جادو لوگوں کو باندھ کر رکھتا ہے۔سحر زدہ کر دیتا ہے۔جادو بذات خود کہانی ہے۔قصہ ہے۔جادو بقا ہے۔تم میرے جادوگر ہو جبل میں تمھارے بغیر کچھ نہیں ہوں۔"

"تم ایک بار پھر مجھے بوتل میں اتار رہے ہو۔"جبل ہنس کر بولا۔

"تم باہر نکلنے کا فن بھی تو جانتے ہو۔"

جبل گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔اپنا ہاتھ زبرج کی طرف بڑھایا۔کثافتیں دھل چکی تھیں۔جو پیچھے تھا وہ صاف تھا۔

"چلو تمھیں تمھارے خاندان کے پاس چھوڑ کر آؤں۔"

"طعنے دینا نہیں چھوڑو گے تم؟"اس نے ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیا۔جبل نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔

"ساتھ میں ایسے نمونے رکھو گے تو میں طعنے ہی دے سکتا ہوں۔"وہ اسے لئے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

"ہمارے خاندان میں اضافے کی ضرورت ہے تم شامل ہونا چاہو گے؟"

"میں پیر میں رسی باندھ کر خودکشی کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

"تم کتنا جلتے ہو میرے خاندان سے۔"دروازے کے پاس رک کر وہ تاسف سے بولا۔

"شکر کرو صرف جلتا ہوں۔ورنہ یہ سب لوگ اس قابل ہیں کہ انہیں زندہ جلایا جائے۔"وہ دروازہ کھول رہا تھا۔

"کوئی تو ہو گا جس کے لئے تمہارا دل نرم پڑتا ہو گا؟"

دروازہ کھل گیا۔معاً اسکی نظر زینوں کے اختتام پہ ایک ساتھ بیٹھے زلطان اور زخرف پہ پڑی۔وہ ایک ساتھ ہنس رہے تھے۔ایک لمحے کے اندر اسکی نگاہیں بدل گئیں ان میں کچھ در آیا۔پھر جبل نے نظریں پھیر لیں۔چہرے کی بشاشیت روٹھ گئی تھی۔

"اب اسکے لئے بھی دل سخت کرنا سیکھ لیا ہے۔"وہ دھیرے سے بولا۔

زبرج کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اسے یکدم کچھ یاد آیا تھا۔بہت کچھ۔ایک ساتھ۔شادان اپنی جگہ سے اٹھ کر اوپر کی طرف آنے لگا۔اسے زبرج کو واپس نیچے لانا تھا۔

"مجھے تمہارا پلان سننا ہے زلطان صفدر۔"

جبل اجلال خان اپنی جگہ کھڑے بولا تھا۔تہہ خانے کی دیواروں سے اسکی آواز گونج کر ایک ارتعاش سا پیدا کر گئی۔سرکس کا مالک اب مداری کے کندھوں پہ ہاتھ پھیلائے جا رہا تھا۔چہرے پہ وہی عامیانہ تاثر تھے۔

جادوگر کا کھیل اب شروع ہوا چاہتا تھا۔

بارہ جنوری۔

رات ساڑھے دس بجے۔

چرچ کے عقبی حصے میں دیو قامت درخت تھے اور ان درختوں کے نیچے بنچز رکھے تھے۔جو کہ اس وقت برف سے اٹے پڑے تھے۔بنچز پہ برف کی دبیز تہیں جمع تھیں۔ایسی ہی ایک بنچ پہ اس وقت زلطان صفدر اور جبل اجلال خان بیٹھے تھے۔آس پاس کچھ اور مرد بھی کھڑے تھے۔جو گاؤں کے معزز ترین گھرانوں کے سربراہ تھے،اور جبل خان ان کی موجودگی میں ہی کوئی فیصلہ لینا چاہتا تھا۔وہ صبح کے وقت پلان سننے پہ اپنی رضا مندی دے کر گیا تھا اور اسکی واپسی اس وقت ہو

رہی تھی۔ جان بوجھ کر یا پھر کسی مسئلے کے تحت مگر وہ انہیں زچ کر رہا تھا اور بہت زیادہ کر رہا تھا۔ مگر وہ بھی بے بس تھے اور وہی رہے۔

بنچ پہ اسکے سامنے بیٹھے ہوئے زلطان کافی دیر تک بولتا رہا۔ جبل اور باقی تمام لوگ اسے سن رہے تھے۔ بلاشبہ وہ بولنے اور سحر زدہ کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ وہاں کھڑے ان تمام افراد کے دل میں اسکے لئے جو نفرت اور بدگمانیاں تھیں وہ گو کہ ختم نہ ہوئیں تھیں مگر انکے آگے ایک سوالیہ نشان ضرور لگ گیا تھا۔ حسن سلطان نے اسے پلان کی جگہ پہ ایک رائے دی تھی جسے اب وہ کہانی بنا کر پیش کر رہا تھا۔

"تمھیں نہیں لگتا یہ پلان ردی ہے؟" زلطان کہہ کر خاموش ہوا تو جبل نے ایک بے لاگ سا تبصرہ کیا۔ "تم اور تمھارے دوستوں میں سے کوئی بھی کرمنل نہیں ہے۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ ایک بہت بڑی بات ہے۔"

"تم کرمنل پیدا ہوئے تھے؟ زبرج ہیکر پیدا ہوا تھا؟ یا پھر ہم سب اتنے اچھے تھے جو اس وقت یہاں بیٹھ کر تمھارے چھوٹے سے گاؤں کی بات کرتے۔ اسکی ترقی کی خواہش کرتے۔ وقت کا کاسہ ایک بار پلٹ جائے تو کون کیا تھا یہ یاد نہیں رہتا جبل۔" وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

"جو کچھ ہم نے یہاں جھیلا ہے وہ ہماری برداشت سے بہت زیادہ تھا۔ ہم یہاں آتے وقت مختلف تھے اور یہاں سے جاتے وقت بہت مختلف ہیں۔ تمھیں لگتا ہے تم ہمیں آزاد کر رہے ہو جبکہ اس

دنیا سے باہر نکل کر ہم قید ہونے والے ہیں۔ہم سب کوشش کر رہے ہیں۔ تمھیں نہیں لگتا کہ میں اور میرے دوست یہاں چھ دن نہیں چھ صدیاں گزار کر جا رہے ہیں ؟"

"میں تمہاری کریکٹر development میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔"میں صرف اور صرف اپنے فائدے میں انٹرسٹڈ ہوں۔تم یہاں واپس آؤ گے میں کیوں اور کیسے یہ بات مان لوں ؟"

"ہم تمھیں ایک ویڈیو پیغام ریکارڈ کر کے دے دیتے ہیں۔اگر ہم یہاں سے باہر نکل کر مکر گئے تو تم انہیں لیک کر دینا۔"

"فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔لوگ امیروں کی غلطیاں بھول جاتے ہیں۔" ایک اور پیشکش رد۔

زلطان صفدر نے گہری سانس لی۔وہ واقعی ایک خرمغز سے ٹکر گیا تھا۔یا شاید اس انسان سے جو اسکے جتنا ہی ذہین تھا۔اور ذہین لوگوں کی ناک بہت اونچی ہوتی ہے۔وہ اپنے سامنے اپنے عکس کو نہیں دیکھ پاتے۔

"تم کیا چاہتے ہو جبل؟میں اس وقت یہاں تمہاری قید میں بیٹھ کر سوائے وعدوں کے اگر کچھ دے سکتا ہوں تو بتاؤ مجھے۔"

جبل نے سوچنے کی اداکاری کی۔پھر اپنا موبائل جیب سے نکالا اور اسکے آگے کیا۔زلطان نے ایک نظر اس موبائل کو دیکھا پھر اسے۔

"اب تمھیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہماری ساری باتیں وہاں . . . . "اس نے اپنی پشت پہ لگے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا جہاں ننھا سا کیمرہ جگمگا رہا تھا۔"ریکارڈ ہو چکی ہیں۔اگر یہاں سے جانے کے بعد تم اپنی بات سے مکر گئے تو میں اسے لیک کر دوں گا۔اسکے علاوہ بھی میرے پاس تمھارے لئے بہت کچھ ہے۔"اس نے کناکھیوں سے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔زلطان نے نا چاہتے ہوئے بھی موبائل اسکے ہاتھ سے لے لیا۔جہاں ایک ویڈیو تھی۔ویڈیو پہ پلے کا بٹن دبایا جیسے جیسے ویڈیو آگے بڑھتی گئی اسکی رنگت سرخ ہوتی گئی۔ہاتھ کی مٹھی بھینچتی چلی گئی۔

یہ انکی تہہ خانے میں بیٹھ کر اپنی اپنی کرپشن، فراڈ، دھوکہ دہی اور مختلف قسم کی غیر قانونی کاموں کے بارے میں بات چیت کی ویڈیو تھی۔پھٹے پرانے کپڑوں اور چہرے پہ لگے زخم انہیں وکٹم بنا سکتے تھے لیکن انکے منہ سے نکلتا زہر انہیں بے وقت موت دے سکتا تھا۔وہ مٹھیاں بھینچ کر ہی رہ گیا۔

"تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو؟"زلطان نے اسے ملامت کرنی چاہی۔"میں اور میرے دوست اپنا کیریئر ایک طرف کر کے تمھاری مدد کر رہے ہیں اور تم ہمارے ساتھ یہ کر رہے ہو؟"

"ہاں کر رہا ہوں کیونکہ تم اور تمھارے دوست یہاں سے باہر نکلتے ہی دنیا کا جو چہرہ دیکھو گے مجھے پورا یقین ہے کہ تم اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرنا چاہو گے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ میں تم جیسے گھٹیا آدمی کے ساتھ کام کروں گا۔"

جبل مسکرایا۔"صرف کام نہیں تم میرے انڈر کام کرو گے۔کیونکہ تمہارا باس میں ہوں گا۔"وہ کھڑا ہوا۔پشتو میں اپنے ساتھ دائیں بائیں کھڑے لوگوں سے اس فیصلے کے متعلق رائے مانگی۔وہ متفق تھے۔

ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے وہ زلطان کے ساتھ چرچ کی اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا۔

زور گڑھ سے بلاخر نفرت کے بادل چھٹ رہے تھے۔

"تیرہ جنوری۔"

"وقت،رات کے ساڑھے بارہ بجے۔"

آسمان پہ چھائے سیاہ بادل ایک ہو کا عالم پیدا کئے ہوئے تھے۔پورے چاند کی رات تھی روشنی نے زور گڑھ کا کونا کونا منور کر رکھا تھا۔زلطان اس تہہ خانے میں کھڑا اپنے ساتھیوں کو جانے کی خوشخبری سنا رہا تھا۔اور بلاخر ان سب کی آنکھیں واقعی خوش تھیں۔بلاخر وہ آزاد ہونے والے تھے ۔وہ پانچوں لوگ اپنی زندگی کے پچاس سالوں تک ان چند دنوں کو نہیں بھول سکتے تھے یہ طے تھا۔حنزلہ جبل خان کے ساتھ کھڑی تھی۔شادان نے اسے دیکھا۔پھر چند لمحے دیکھتا ہی رہا۔

یہاں رہنا اگر موت تھی تو یہاں سے جانا بھی حیات نہیں تھا۔اسکی آنکھوں میں اڈتی نمی کو دیکھ حنزلہ نے اسکی ہتھیلی کی طرف اشارہ کیا تھا۔شادان نے بلا ارادہ اپنا ہاتھ دیکھا اور پھر بے یقینی

سے نظریں اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو بہ مشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کئے کھڑی تھی۔شادان کی کلائی پہ ایک ای میل ایڈریس لکھا تھا۔یہ یقیناً حنزلہ کا کام تھا۔لیکن جس چیز نے اسے حیرت میں مبتلا کیا تھا وہ صرف دو لفظ تھے۔صرف دو لفظ۔شادان نے ایک نظر حنزلہ کو دیکھا۔بے چارگی سے۔خفت سے۔آہ اسے پشتو نہیں آتی تھی۔پھر اس نے زبرج کو دیکھا۔ہاں اسے تو آتی تھی لیکن شادان کو تھوڑی غیرت بھی آتی تھی۔اپنے سالے سے اسی کی بہن کا لکھا ہوا اظہار پڑھوانا تھوڑا زیادہ ماڈرن ہوجاتا اور شادان فلحال اتنا ماڈرن ہوا نہیں تھا۔اسکی دوسری امید زلطان صفدر تھا۔

زلطان جو زخرف کا بیگ اسے پہنا رہا تھا۔شادان نے اسے کہنی سے کھینچ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔اپنی ہتھیلی اسکے آگے کھول دی۔زلطان نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"اوہ مائی گاڈ اظہار محبت؟"

"آہستہ بول . . . اسکے بھائی سن لیں گے۔"اس نے زلطان کے پیر کے اوپر بوٹ رکھا۔زلطان نے اوکے اوکے کہتے ہوئے آواز دھیمی کر لی۔پھر غور سے اسکی ہتھیلی پہ لکھے لفظ پڑھنے کی کوشش کی۔لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"سمجھ نہیں آرہا ناں؟آئے گا بھی کیسے مستقبل کی ڈاکٹر جو ہے۔"

"وہ اگر ڈاکٹر ہے تو میں بھی اسکا نرس ہوں۔لکھا ہے۔"وہ اسکے کان کے پاس جھکا۔"میری جان آئی ایم سوری۔پھپھو نے سوتے ہوئے انگوٹھی پہنا دی۔"

"بھائی مذاق مت کر،ادھر جان پہ بنی ہے۔میرا موبائل بھی نہیں ورنہ گوگل پہ ٹرانسلیٹ کر دیتا۔"

"اچھا دکھاؤ اب ذرا غور سے پڑھتا ہوں۔"وہ اب کے دوبارہ غور سے اسکی ہتھیلی دیکھنے لگا۔

"لکھا ہے جان آئی ایم سوری، کھیل کھیل میں کزن کے ساتھ قبول ہے قبول ہے کر دیا۔جان میرا جسم اگر وہاں ہو گا تو روح تمھارے پاس ہو گی۔"

"یار مت کرو یار۔"شادان بری طرح خائف ہوا۔"صحیح پڑھ کر دے کیا لکھا ہے۔"

"لکھا ہے میرا فیورٹ ٹائم پاس۔"شادان کی باچھیں کھل گئیں۔اسکا بس نہیں چلتا تھا دل پہ ہاتھ رکھ کر فرش نشین ہو جائے۔حنزلہ کا بھی بس نہ چلتا تھا کہ اسکا گلا دبا دے۔وہ دنیا کا پہلا مرد تھا جو اپنی محبت کا اظہار محبت اپنے دوست سے پڑھوا رہا تھا۔

شرمندگی سی شرمندگی تھی۔

کندھے پہ بیگ ٹانگے زخرف نے خود سے ذرا فاصلے پہ کھڑے جبل خان کو دیکھا۔وہ زبرج سے کچھ کہہ رہا تھا۔دونوں تیز تیز بات کر رہے تھے۔وہ انکی زبان نہیں سمجھ سکی۔اس نے ایک نظر زلطان کو دیکھا اور مسکرائی۔وہ بھی اسکے ساتھ مسکرایا تھا۔

"اپنی شکل دیکھو زلطان۔شادی پوسٹ پون کرنی پڑے گی۔"

"خیال میرا بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔اس چہرے کے ساتھ فوٹو شوٹ کیسے ہو گا؟۔"

زخرف نے گہری سانس لی۔ "مجھے جبل سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"حالانکہ وہ اس لائق نہیں ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ میرے ساتھ اچھا رہا ہے۔"

"میرے جیلس ہونے کا خدشہ ہے۔" اسکی برجستگی سے وہ محظوظ ہوئی۔

"مجھے پھر بھی اس سے بات کرنی ہے۔"

"صاف صاف کہو، سنتی تو میں نے کسی کے باپ کی بھی نہیں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ پھر سامنے سے ہٹ کر اسکے لئے بازو پھیلایا۔ "جایئے میڈم آپ کو زلطان کی طرف سے یوں بھی بہت سی رعایات حاصل ہیں۔ ایک اور سہی۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ زخرف بھی اسکے ساتھ مسکرائی۔

اب وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے پاس آ کر رکی۔ اس نے کسی خیال، الہام کے تحت مڑ کر دیکھا۔ وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔ اسکے دل میں ایک ٹیس اٹھی مگر ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے۔

"یہاں آتے وقت تم مجھے سب سے زیادہ برے لگے تھے اور یہاں سے جاتے وقت تم سب سے زیادہ اچھے لگے۔ نائس ٹو میٹ یو جبل اجلال خان۔" وہ مسکراتے ہوئے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ جبل نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا۔

”ظاہر ہے میں نے آپ کے تھپڑ اور مکے برداشت کئے ہیں۔“

زخرف ہنس پڑی، جبل بھی ہنسا تھا۔

”تمہارا فیورٹ ہاسٹیج کون تھا جبل؟“

”کم از کم آپ نہیں تھیں۔ باخدا مجھے سب سے زیادہ تنگ آپ نے کیا اور اس ڈیڑھ شانڑے نے۔“اس نے باقاعدہ انگلی اٹھا کر زلطان صفدر کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ اتنا برا بھی نہیں ہے۔“

”برے لوگوں سے زیادہ اچھے لوگوں سے ڈرنا چاہیے۔ خیر چھوڑیں آپ جانے سے پہلے قہوہ پینا چاہیں گی؟"

”نہیں . . ویسے مجھے تمہارا قہوہ یاد آئے گا۔“

”آجایئے گا زور گڑھ۔“فراخ دلی سے کہا۔

”تاکہ تم مجھے دوبارہ کڈنیپ کر سکو؟“

”لاحول ولا . . . “اس نے ہنستے کانوں کو ہاتھ لگایا۔”میں کوئی پیشہ ور مجرم تھوڑی ہوں۔“

”شوقیہ تو ہو؟ کیا معلوم اس دن تمہارا شوق پھر جاگ جائے۔“

جبل اب بھی ہنس رہا تھا۔ وہ آخری بار اتنا کھل کر کب ہنسا تھا اسے یاد نہیں تھا۔ اسکی ہنسی واقعی بڑی دلفریب تھی۔

”میں قسم کھاتا ہوں دوبارہ آپ کو کڈنیپ نہیں کروں گا۔نہ آپ کے سر پہ گن رکھوں گا۔نہ بہرام کو آپ کا ہاتھ جلانے دوں گا۔اور نہ آپ کو مینوپلیٹ کروں گا۔اب بتائیں اب آئیں گی آپ؟“سینے پہ ہاتھ باندھ کر اسکی آنکھوں میں جھانک کر سوال کیا۔وہ چاہتا تھا وہ آئے۔

”ہرگز نہیں۔زور گڑھ میں" **مس فٹ**" ہوں میں۔تم اسلام آباد آنا۔اور اگر کوئی کیس وغیرہ کرنا ہو تو مجھے بتانا۔میں تمہارا کیس لڑوں گی۔“

جبل کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔”آپ میرا کیس نہیں لڑ سکیں گی۔“

”میں شہر کے بہترین وکیلوں میں شمار ہوتی ہوں۔“

”کچھ مقدمے ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی گواہ ،مدعی،مقتول نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو اسے معافی دے دی جاتی ہے۔میرا کیس بھی کچھ ایسا ہی ہے۔“

زخرف چند پل اسے دیکھتی رہی۔وہ اس برے وقت کو بھول نہیں سکتی تھی لیکن وہ جبل خان کا احسان بھی نہیں بھول سکتی تھی۔اگر وہ نہ آتا تو وہ گولی اسے ختم کر چکی ہوتی۔

”میری جان بچانے کے لئے شکریہ۔“وہ ممنون تھی۔

”کیا کہوں؟یہ تو میرا فرض تھا؟“وہ مسکراتے ہوئے بولا تو زخرف بھی ہنس دی۔”میری وجہ سے آپ نے جو تکالیف دیکھیں میں ان سب چیزوں کے لئے بے حد شرمندہ ہوں۔“

”حالانکہ تم نہیں ہو۔“

"فارمیلٹی بھی کوئی چیز ہوتی ہے خاتون۔" وہ خفگی سے بولا۔

"اب اگر تمہارا فرض، فارمیلٹی، قرض سب ہو گیا ہو تو ہمیں چھوڑ کر آجاؤ۔" حسن سلطان نے بلاخر مداخلت کو اپنا قانونی فرض سمجھا۔ وہ انکے دائیں طرف آ کر کھڑا ہوا تھا۔ بیگ کندھے پہ۔ چہرہ دھلا دھلایا۔ یوں جیسے نانی کے گھر جانے کو کوئی بچہ تیار ہوتا ہو۔ ہاں بس اسکی ماں نے مارتے وقت ہاتھ ہلکا نہیں رکھا تھا۔

"میرا فیورٹ ہاسٹیج حسن سلطان تھا۔" جبل اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

حسن نے ایک بے نیازی بھری نگاہ اس پہ ڈالی، زخرف کا ہاتھ پکڑا اور "وہ بات بتاؤ جو مجھے معلوم نہ ہو۔" کیا شان بے نیازی تھی۔ کیا غرور تھا۔ جبل خان تو اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "جہاں جاؤ وہاں فینز، تنگ آگیا میں تو۔"

اور کچھ دیر بعد وہ تمام لوگ کندھے پہ بیگ لئے۔ لڑکھڑاتے قدموں، دکھتے پیروں، زخمی جسم کی اٹھتی ٹیسوں کو سہتے ہوئے تہہ خانے کے زینے چڑھ رہے تھے۔ یہاں آتے وقت وہ خوف لائے تھے یہاں سے جاتے وقت کندھے ہلکے تھے اور بیک وقت شاید بھاری بھی۔ باب دہر کئی بار بھلائیوں کے لئے کھلتے ہیں۔ تسکین کے لئے بھی اور ہدایت کے لئے بھی۔

دہر کے اس باب نے انکی زندگی تین سو ساٹھ ڈگری پہ بدل کر رکھ دی تھی۔ بہت کچھ کھو کر وہ بہت کچھ پا چکے تھے۔

جیپ میں بیٹھے ہوئے وہ خاموش نظروں سے آس پاس دیکھ رہے تھے۔لوگوں کی آنکھوں میں حقارت کم ہو چکی تھی۔وہ نفرت امید میں بدل چکی تھی۔گلیوں سے گزرتے ہوئے وہ بے خوف تھے۔انکے آگے پیچھے کئی جیپس تھیں۔لوگ انہیں چھوڑنے جا رہے تھے۔ان پانچ لوگوں کو زندگی میں بے تحاشا ستائش، رتبہ، مقام، عزت ملا تھا۔لیکن آج جو کچھ مل رہا تھا وہ انہوں نے **"کمایا"** تھا۔اور اس کمائے ہوئے پہ انہیں فخر تھا۔

میدان پھر سے وہی تھا اور اسکے پار ایک پُل۔یکے بعد دیگرے وہ سب جیپ سے اتر آئے۔برف باری تھم چکی تھی مگر آسمان کی سیاہی، اور چمکتا چانداس وقت اماوس کی کسی سیاہ رات کا سا تاثر رکھتی تھی۔لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو ایک طرف کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔دوسری طرف زلطان، زخرف، حسن، شادان اور زبرج تھے۔جبل زبرج کے ساتھ کھڑا تھا۔یہ ایک الوداع تھا۔یہ واقعی الوداع تھا۔

دفتعاً ہر اور شور سا مچ گیا۔پل کی دوسری طرف سے بیسیوں کی تعداد میں گاڑیاں اس طرف آ رہی تھیں۔گاڑیوں میں مسلح افراد سوار تھے۔ساتھ پولیس کی دو گاڑیاں بھی تھیں جن کے سائرن بج رہے تھ۔مجمعے میں بے چینی سی پھیل گئی لوگ یہاں سے وہاں بھاگنے لگے۔وہ چار لوگ کبھی لوگوں کو دیکھتے تھے اور کبھی دوسری طرف گاڑیوں کو، پولیس کو اور گاڑیوں سے اتر کر انکی طرف آتے افراد کو۔بس ایک زلطان صفدر تھا جو یک ٹک پلک جھپکے بغیر سامنے کھڑی سفید رنگ کی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔جس کے حرکت کرتے ٹائر ابھی پوری طرح رکے نہیں تھے مگر کوئی تھا جو چلتی گاڑی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

زلطان صفدر جہاں تھا وہاں تھم گیا۔ اندازے الگ تھے حقیقت سہہ جانا نری اذیت تھی۔ گاڑی سے اترنے والا مرد سراج صفدر تھا۔ اسکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں اسکی نظریں دیوانہ وار کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آس پاس لوگ بکھر گئے تھے۔ پولیس افسران نے چاروں طرف سے علاقے کو گھیرنا شروع کر دیا تھا۔ سراج صفدر کی متلاشی نگاہوں کو بلاخر وہ منظر دکھا جس کے لئے وہ دیوانہ وار، ہر کشتی جلا کر یہاں تک آیا تھا۔ اس رش، شور، انتشار اور ہنگاموں کے درمیان بھی اپنے بھائی کو دیکھ کر اسے بے تحاشا سکون ملا۔

زلطان صفدر . . . . اسکا بھائی۔ وہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔ زندہ، سلامت۔ ایجنٹ نے اسے جھوٹ بول کر بلایا تھا؟ کیا اسکے بھائی کی زندگی واقعی خطرے میں تھی؟ جو بھی تھا وہ اس انسان کے لئے آ سکتا تھا۔ باب دہر کے اس پار بھی۔

زلطان کی نظریں ایک لمحے کے لئے بھی اس سے ہٹ نہیں سکی تھیں۔ سراج نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنے تاثرات کمپوز کر لئے۔ وہ اب آگے آ رہا تھا۔ ہر ہر قدم موت جیسا تھا۔ ہر قدم حیات جیسا تھا۔ اسکی آنکھوں کے آگے کئی ٹوٹے بکھرے منظر تھے۔

"تم چاہتے ہو کہ تم میرے بھائی کو ایک قید خانے میں رکھو اور میں تمھیں سپورٹ کرتا رہوں؟ دماغ خراب ہے میرا؟" سراج صفدر عرف اسکیپر اپنے سامنے صوفے پہ بیٹھے زبرج پہ غرا رہا تھا۔

"یہ آپ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ میں باقی تین لوگوں کے خاندان کو جھیل سکتا ہوں۔ لیکن اس پورے پلان میں، میں "آپ" کو ڈبل کراس نہیں کر سکتا۔"

"میرے بھائی کو اگر ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہارا خاندان تباہ کر دوں گا زبرج۔ بھولو مت تم جو ہو میری وجہ سے ہو۔" اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ آواز اب غراہٹ میں تبدیل ہو رہی تھی۔

"میں اپنے خاندان کی حفاظت کرنا جانتا ہوں اسکیپر سو اپنی دھمکیاں آپ کسی مظلوم کے لئے سنبھال کر رکھیں۔" وہ بے لچک انداز میں بولا۔ "اسے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ جیسے ہی ہمارا کام ہو جائے گا میں اسے صحیح سلامت آپ کے پاس لے آؤں گا۔"

"صحیح سلامت مائے فٹ۔ میرا بھائی مر گیا تو کیا لعنت بھیجوں گا تمھارے پلان پہ؟"

"موت کو آپ اور میں نہیں ٹال سکتے۔ لیکن اگر آپ واقعی اس پلان میں میری مدد نہیں کر سکتے تو اٹس اوکے آج کے بعد آپ ایجنٹ کو نہیں جانتے۔"

"تم مجھے دھمکا رہے ہو؟ مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ تم آج جو بھی ہو میری وجہ سے ہو۔" وہ رعونت سے بولا۔

"اور آپ جو بھی ہیں میری وجہ سے ہیں۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔ "میں نے آپ کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اب اپنے لئے کوئی اور ایجنٹ ڈھونڈ لیجیے۔"

"میرے پاس لوگوں کی کمی نہیں ہے ایجنٹ۔"

"اور میرے پاس ذہانت کی کوئی کمی نہیں۔ لوگ بک جاتے ہیں ذہانت نہیں بکتی۔"

وہ کہہ کر چلا گیا تھا مگر سراج صفدر کی دنیا تہہ و بالا ہو چکی تھی۔اسے اپنے دو عزیز ترین لوگوں میں کسی ایک کو چننا تھا۔وہ خون چنے؟یا خوبیاں؟

وہ لکڑی کی اس پل کو پار کرتے ہوئے عین اسکے سامنے آکر رکا۔زلطان نے ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نظریں نہیں ہٹائیں تھیں۔

"میں نے تمہارا فون ٹریک کیا،میں نے بہت کالز کی تھیں مجھے عجیب جواب ملتے رہے۔میں بہت پریشان ہو گیا تھا زلطان۔"وہ اسے یہ نہیں بتا سکا کہ ایجنٹ نے جب سے اسے زلطان کی جان خطرے میں ہونے کا بتایا تھا وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"زلطان اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ اسکا فون زور گڑھ میں نہیں ہے۔اسکا فون نہ جانے کس وادی کے چکر کاٹ رہا ہے۔وہ کس طرح لوکیشن ٹریک کر آیا تھا؟

"میں نے پولیس سے رابطہ کیا،میں سب کچھ لے آیا ہوں یہاں۔تم ٹھیک ہو ناں؟"وہ اسے یہ نہیں بتا سکا کہ وہ اسے بچانے کے لئے لشکر لے آیا تھا۔وہ اسے نہیں بتا سکا کہ اسے کھو دینے کے خوف نے سراج کے دل کے ساتھ کیا کیا تھا۔

"گھر چلتے ہیں۔"وہ تین لفظ کہہ کر آگے بڑھا۔اپنے سے ذرا سے فاصلے پہ کھڑی زخرف کا ہاتھ پکڑا۔سراج اسے دیکھ کر رہ گیا۔ذہن میں اڈتی یادیں غیر ترتیب تھیں۔

"زلطان کی وجہ سے پریشان ہونا چھوڑ دیں ڈیڈ،مجھے یقین ہے سیاست کے علاوہ وہ کہیں نہیں جائے گا۔"وہ اپنے موبائل پہ بٹن دباتے ہوئے بولا۔

نیم اندھیرے لاؤنج میں سر کو ہاتھوں میں گرائے صفدر حسین کو انکا بڑا بیٹا بے حد لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے ایک بیٹا کھو دیا ہے۔میں دوسرے کو نہیں کھونا چاہتا۔سیاست اسکا اصل ہے وہ اس سے بھاگ نہیں سکتا۔"

"وہ واپس آجائے گا یار،اور اگر نہیں بھی آیا تو سیاست کوئی آخری کام نہیں دنیا کا۔پھر زلطان ہمارے خاندان کا آخری مرد نہیں۔ابھی شادی کر لیتا ہوں چار سال میں چار بیٹے پیدا کر کے دیتا ہوں آپ کو پھر تو کوئی شکایت نہیں ہو گی ناں؟"وہ ہنوز بے فکر تھا۔

صفدر حسین نے سر کو صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔انکی آنکھوں میں جلن بے تحاشا بڑھ گئی تھی۔وہ عمر سے کافی زیادہ بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔

"سمیع کو کھو چکا ہوں میں۔قید سے باہر آ کر وہ نارمل نہیں رہے گا۔تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خوشی میں نے ختم کر دی۔سنان جانے کہاں دربدر ہو رہا ہے۔اس گھر میں اگر کوئی نارمل تھا تو وہ زلطان تھا۔"وہ بہ دقت بول پا رہے تھے۔

"مجھے اب یہ خوف نہیں ہے کہ وہ سیاست میں نہیں آئے گا۔یہ ڈر ہے کہ وہ آجائے گا اور خود کو تباہ کر دے گا۔وہ جھوٹ کی سیاست کرتا ہے۔فراڈ اسکا حصہ ہے۔کرپشن جیسے اسکا جنون بن گئی ہے۔اور اقتدار اس کے لئے انتقام کا زریعہ ہے۔میں اسے لیڈر بنانا چاہتا تھا،وہ غاصب بن گیا ہے۔"

سراج کی موبائل پہ چلتی انگلیاں ساکت ہوئیں۔اس نے نظریں اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا۔جوانی کا وہ رعب و طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔انکی آخری اولاد نے انکی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔وہ جس کروفر سے اپنی باقی تین اولادوں کے فیصلے کرتے رہے تھے زلطان صفدر اسی کروفر کے ساتھ انکے حکم رد کرتا تھا۔انہیں اس طرح دیکھ۔سراج اپنی جگہ سے اٹھا اور گھٹنوں کے بل انکے پیروں کے پاس آ کر بیٹھا۔آنکھیں متفکر تھیں۔

"آپ کیا چاہتے ہیں ڈیڈ؟" یہ سوال اس نے بائیس سال کی عمر میں پوچھا تھا اور صفدر نے اسے اپنی محبت سے دستبردار ہونے کو کہا تھا۔وہ آج ایک بار پھر اس سے کچھ مانگتے اور سراج انہیں منع نہیں کر سکتا تھا۔

"مجھے میرا بیٹا لیڈر بنا کر دو۔تم کر سکتے ہو صرف تم ہی کر سکتے ہو۔"

وہ انکا ہاتھ تھام گیا تھا۔بغیر کچھ کہے بھی صفدر جانتے تھے اب زلطان کے اندر بہت جلد وہ تبدیلی دیکھیں گے۔خود غرضی تھی تو وہی سہی مگر اپنے بوجھ اس اولاد پہ ڈال کر انہیں ہمیشہ ہلکا ہی محسوس ہوا تھا۔

لاؤنج کے دروازے سے باہر جاتے ہوئے سراج صفدر ایجنٹ کا نمبر ملا رہا تھا۔اسے اپنے بھائی کو بھوک،قید، موت،نا انصافی دکھانی تھی تا کہ وہ واپس آئے تو لیڈر بن کر آئے۔شاید وہ واپس آتے ہوئے اسکا بھائی بن کر نہ آئے۔خیر ہے۔اپنی محبتوں پہ دستبرداریاں دینا اسے بائیس سال کی عمر سے آتا تھا۔

پولیس نے چند افراد کو گرفتار کرنا چاہا مگر زلطان ہاتھ اٹھا کر سختی سے منع کر چکا تھا۔

"میں اور میرے دوست پکنک منانے آئے تھے۔ہمارا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور گاؤں والوں نے ہماری مدد کی ہے۔انکا کوئی قصور نہیں ہے۔یہ لوگ مدد گار تھے۔"باقی چاروں کا بیان بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

لکڑی کی اس پل پہ پہلا قدم سراج صفدر نے رکھا تھا۔دوسرا حسن سلطان نے،اسکے پیچھے زلطان اور شادان تھے۔جنھوں نے زبرج کو سہارا دے رکھا تھا۔وہ انکے کندھوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔لوگ انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔چند فخر سے۔چند اطمینان سے۔چند امید سے اور چند ڈھل چکی بدگمانی سے۔وہ اسیر تھے مگر واپسی پہ انہیں اپنا اسیر کیئے جا رہے تھے۔

زور گڑھ کے اسیر اپنی سزا کاٹ چکے تھے۔وہ اب آزاد تھے۔مگر . . . . کوئی آواز تھی جو زور گڑھ کے مضافات میں گونجی تھی۔وہ پستول سے نکلنے والے لوہے کی آواز تھی۔یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے۔زبرج کے جسم نے جھٹکا کھایا۔گولیاں اسکے جسم کو چیرتے ہوئے نکلی تھیں۔اپنے دوستوں کے کندھوں پہ جمے اسکے ہاتھ بے دھم ہوئے۔وہ گھٹنوں کے بل لکڑی کی اس پل پہ گر پڑا تھا۔لمحوں کا کھیل تھا۔لمحوں میں ختم ہوا۔کیا،کب، کیسے،کیوں ہوا کسی کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

ہر شے سلو موشن میں ہو رہی تھی۔پولیس مجمعے میں اس شخص کو تلاش کر رہی تھی جس نے گولی چلائی تھی۔کوئی تھا جو انہیں معاف نہیں کر سکا تھا۔کوئی تھا جس نے اسیروں کی آزادی پہ سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔

زبرج نے اپنے جسم میں بے تحاشا جلن محسوس کی۔پھر درد اور پھر بے تحاشا درد۔یہاں تک کی وہ کراہنے لگا۔درد شدت اختیار کر رہا تھا۔زلطان اسکے اوپر جھکا ہوا تھا۔شادان چیخ رہا تھا اور حسن . . . اس نے حسن کو بے اختیار سہارا لیتے ہوئے دیکھا۔اسکے جسم سے وافر مقدار میں کچھ خارج ہو رہا تھا وہ خون تھا۔سرخ خون۔اسے صرف درد محسوس ہو رہا تھا صرف درد۔

سماعتیں اب سن ہو رہی تھیں۔جبل خان اس تک آنا چاہتا تھا اور پولیس والے اسے ہٹا رہے تھے جانے کیوں؟وہ چیخ رہا تھا وہ شاید رو بھی رہا تھا جانے کیوں؟پولیس افسر اسکے سینے پہ ہاتھ رکھے اسے دور کر رہا تھاکیونکہ وہ اس گاؤں کا سردار تھالیکن وہ دوست بھی تو تھا؟۔

پھراس نے زخرف کو اپنے قریب بیٹھتے دیکھا۔وہ اسکی آنکھوں سے گرتے آنسو اپنے ہاتھوں پہ محسوس کر سکتا تھا۔وہ درد میں مسکرا دیتا تھا تو وہ چاروں بھی مسکراتے تھے۔انہیں روتے دیکھ اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر اسے محسوس ہوا یہ دنیا کا سب سے تکلیف دہ کام تھا۔درد . . . . اس درد نے اسکی آنکھوں کے گوشے بھگو دیئے۔لوہے کے وہ زرے اسے ایک جگہ دھنستے محسوس ہوئے۔

اسکی آنکھوں کے آگے منظر دھندلے ہوئے حلانکہ وہ ان چاروں کو مذید دیکھنا چاہتا تھا۔اسکے ہاتھ مفلوج تھے حلانکہ وہ ہاتھ بڑھا کر انکے آنسو پونچھ لینا چاہتا تھا۔ان دھندلے مناظر کے پار اسے شدت سے ایک چہرے کی کمی محسوس ہوئی۔وہ کمی دانین جعفر کی تھی۔ایک لمس غیر موجود تھا وہ اسے محسوس کرنا چاہتا تھا وہ اسکی بیوی کا لمس تھا۔ایک خوشبو جس سے آس پاس کثافتیں دھل

جاتی تھیں وہ اسکے بیٹے کی خوشبو تھی۔اندھیرے میں جاتے اسکے ذہن میں ایک ایک کر کے یادیں بنتی گئیں۔

زور گڑھ ک بچھڑا دوست،لندن کے ساتھی،سفید ٹیولپس جیسی اسکی شفاف محبت۔.... . سن ہوتی سماعتوں میں آخری آواز اسکے بیٹے کی تھی۔اندھیرے میں جاتی آنکھوں نے دانین جعفر کا چہرہ دیکھا،اسکی کمی کو محسوس کیا اسے اگر زندگی مہلت دیتی تو اسکے لئے سفید ٹیولپس ضرور لے جاتا۔

روتی آنکھیں،چیختے چلاتے دوست،روٹھی محبت اور وجود کے کھوئے ہوئے حصے کو اس جہاں میں چھوڑ کراس نے آنکھیں بند کر لیں۔دماغ تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔وہ اب کچھ بھی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

درد ختم۔محرومیاں غائب۔آرزوئیں خاک ہوئیں۔باب دہر کسی کے لئے مکمل طور پہ بند ہو چکا تھا۔ہمیشہ کے لئے۔ہک ہاہ۔

آٹھ ماہ بعد۔

سفید اور ہلکے گلابی رنگ کے ڈیکور پہ سجے صفدر مینشن کے لان میں مہمانوں کی تعداد مختصر تھی۔میزوں کے ساتھ لگے چھتری نما اسٹینڈز پہ برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔گھاس کی تراش خراش اور رنگ برنگی پھولوں نے لان کو الگ رونق بخش رکھی تھی۔دروازے پہ ایک بورڈ رکھا تھا۔جہاں

سنہری حروف میں زلطان صفدر اور زخرف وقار کے نکاح کی تقریب کا حصہ بننے پہ خوش آمدید کہا جارہا تھا۔

سجاوٹ بے حد عام تھی۔ مہمان مختصر تھے۔پیسہ پانی کی طرح بہانے کی بجائے بچایا گیا تھا۔ ڈھولکی،مایوں، مہندی،اور اس طرح کے کئی چونچلوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے میوزک کے بے ہنگم شور سے دور نئی زندگی کی شروعات اپنوں کے درمیان،دعاؤں اور سادگی میں ہونے والی تھی۔آٹھ ماہ قبل انکی زندگی میں آنے والے طوفان نے انہیں بدل کر رکھ دیا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا۔آٹھ ماہ قبل یہ شادی ایک فینسی ڈریس شو ہوتا آج وہ ایک نکاح کی تقریب تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"زخرف کے ساتھ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے حسن سلطان نے اسے بتایا تھا۔وہ سفید رنگ کے کرتا شلوار میں ملبوس تھا۔پیروں میں ہمیشہ کی طرح لاکھوں کی مالیت کے جوتے نہیں تھے۔آج اس نے عام نہ سہی لیکن زیادہ مہنگے جوتے نہیں پہنے تھے۔مادی اشیاء وقعت کھو چکی تھیں۔

"واقعی اچھی لگ رہی ہوں یا ہمیشہ کی طرح ڈرامہ کر رہے ہو؟"وہ دوپٹہ سر پہ جماتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

حسن نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔زمرد رنگ کے انگرکھا جس کے دامن،بازوؤں،اور گلے پہ سنہری رنگ کا بے حد خوبصورت کام ہوا تھا۔کانوں میں سنہری آویزے،گلے میں چوکر اور ماتھے پہ ٹیکا۔وہ صرف اچھی نہیں لگ رہی تھی۔وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔چھوٹے بالوں میں کرل ڈال

رکھے تھے جن میں سے چند لٹیں چہرے پہ جھول رہی تھیں۔یہ بال یقیناًاس نے زلطان کی پسند پہ بنائے ہوں گے۔سرمئی آنکھیں آج بے حد روشن تھیں۔حسن گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"میری تعریف تو اب فضول لگے گی ویسے اس میسنے نے تعریف نہیں کی کیا؟"

"ابھی اس سے کہاں ملی ہوں۔"

حسن نے نفی میں سرہلایا۔"مانا کہ آج تک کوئی چکر نہیں چلایا میں نے لیکن وہ جو محبت کے چونچلے ہیں ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔جیسے کہ وہ برائیڈل روم میں تمہیں دیکھنے آیا ہی نہیں ہو گا۔"

"با خدا وہ برائیڈل روم میں مجھے دیکھنے نہیں آیا۔"وہ دھیمی آواز میں سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔حسن کو اپنی جنرل نالج پہ شک سا ہوا۔زخرف کو اسکی اور زلطان کی آخری ملاقات یاد آئی۔

وہ اپنے گھر کے پورچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔بیگ میں سے کچھ نکالتے ہوئے وہ آس پاس دیکھے بغیر چل رہی تھی۔ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔آج وہ کافی مصروف لگتی تھی۔

"کتنی بار کہا تھا تم سے جلدی کر لو دیر ہو جائے گی لیکن تم . . . ."گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے مسلسل بولتے ہوئے وہ یکدم رک گئی۔

"غلطی ہو گئی میڈم،اصل میں آپ کے ہونے والے شوہر کا کام تھوڑا مصروفیت کا ہے۔"وہ اسٹیئرنگ پہ سر ٹکائے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔بھوری آنکھوں میں چمک تھی۔ماتھے پہ بکھرے بال اسے دیکھنے پہ مجبور کرتے تھے۔

"میرا ہونے والا شوہر ہمارے نکاح والے دن اس وقت یہاں کر کیا رہا ہے؟" وہ دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پہ آ کر بیٹھی۔موڈ اچانک خوشگوار ہو گیا تھا۔

"کچھ نہیں بس ایک پرانی دوست تھی اس سے فلرٹ کرنے آیا تھا۔" وہ گاڑی کو سڑک پہ لاتے ہوئے بولا۔"میری وہ دوست کافی خوبصورت تھی ویسے۔"

"میرا بھی ایک دوست تھا،سوچ رہی ہوں اس سے فلرٹ کرنا شروع کر دوں۔شادی سے پہلے کچھ تو ایڈوینچر ہونا چاہیے ہے ناں۔؟"

"اگر وہ دوست میرے علاوہ کوئی ہے تو تمھارے ایڈوینچر میں اسکی جان چلی جائے گی۔لیکن خیر ہے تم شوق پورے کرو۔" زلطان صفدر نے کھلے دل سے آفر دی۔کتنا اچھا تھا ناں وہ؟

"اور تم جو اپنی ماضی کی دوست سے فلرٹ کرنے کا سوچ رہے ہو کیا میں اسکی جان لینے کا سوچ سکتی ہوں؟"

"تم خودکشی کرو گی کیا؟" زخرف کو لگا وہ مسکرایا ہے۔"تمھارے علاوہ کسی کو میرے خیالوں تک بھی دسترس نہیں ہے۔" موڑ کاٹتے بے حد سہولت سے،عام انداز میں کہا جانے والا اسکا جملہ اسکے ساتھ بیٹھی لڑکی کے لئے عام ہرگز نہیں تھا۔وہ مسکرائی اور طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔آٹھ ماہ پہلے اس نے ایک اظہار کیا تھا اور آٹھ ماہ بعد آج دوبارہ کیا تھا۔ہاں وہ شخص کہنے میں کنجوس تھا مگر آج کل زخرف کی طرف سے بھی اسے رعایات ملنے لگی تھیں۔زلطان صفدر اسکی زندگی کا سب سے خوبصورت دور تھا۔خوشی یہ تھی کہ وہ ہے، اور رہے گا۔

"تم خوش ہو زی؟"

"سب ٹھیک ہے، سب اچھا ہے۔ لیکن میں زبرج کی کمی محسوس کر رہی ہوں۔ کاش وہ بھی ہوتا۔" وہ بند آنکھوں سے بڑبڑائی۔

"کئی بار زندگی کے پلانز ہمارے مطابق نہیں ہوتے۔ کچھ پلان اوپر بنتے ہیں۔ اور انہیں یہاں بس فالو کرنے بھیجا جاتا ہے۔ ہمیں بھی کرنا چاہیے۔ ہمارے چاہ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

وہ خاموش رہی۔ جواباً کچھ نہیں کہا۔

حال میں وہ اسٹیج پہ کھڑا اس اور دیکھ رہا تھا جہاں سے زخرف آ رہی تھی۔ اسکے ایک طرف حسن سلطان اور دوسری طرف شادان تھا۔ اور عقب میں باقی دوست، اور بہنیں۔ زلطان اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ بھی مسکرائی تھی۔ آنکھوں کی چمک، اور لبوں پہ ٹھہرا تبسم اس اعزاز کو وہی سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے محبت کی ہو۔

اسٹیج پہ زلطان کی دائیں طرف حنزلہ کھڑی تھی۔ وہ بھلا اپنے فیورٹ نرس کی شادی کیسے مس کر سکتی تھی؟ انگرکھے والی دلہن کو اسٹیج پہ رکھے صوفے پہ بٹھایا گیا۔ دوسری طرف صوفے پہ دولہا صاحب تھے۔ درمیان میں پھولوں کی لڑیاں تھیں۔ مولوی صاحب نکاح کے کلمات پڑھا رہے تھے۔ زلطان صفدر کے لئے یہ لمحات حیات تھے مگر وہ اس جہنم کو نہیں بھول سکتا تھا جو اس نے آٹھ ماہ پہلے دیکھی تھی۔ قیامت آ کر گزر جاتی ہے آثار چھوڑ جاتی ہے۔ اسے بھی وہ آثار بھولے نہیں تھے۔

رونق، خوشیاں، قہقہے، خوشبوئیں سب ایک طرف ہوئیں۔ وہ ماضی کی بھول بھلیاں میں ایک بار پھر غرق ہو چکا تھا۔

آٹھ ماہ پہلے۔

آئی سی یو کے باہر کھڑے ان تمام افراد کے لئے کہانی پلٹ کر رہ گئی تھی۔ فرش پہ بیٹھے جبل خان کی نگاہیں ایک نکتے پہ ساکت تھیں۔ آج اس سے کھڑا نہ ہوا گیا۔ اسے لگا تھا یہ دنیا کا بہت مشکل کام ہے۔ نظریں اٹھا کر دیکھو تو دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے حسن، زلطان اور شادان کے سینے، سوئیٹر اور شال پہ خون کے دھبے تھے۔ ایسا ہی خون انکے دلوں سے بھی رس رہا تھا۔ ہر شے، ہر زاویے ایسے بدل جائے گا یہ انکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

انکی آنکھیں خشک ہوتیں پھر برستیں۔ یہ عمل پچھلے چار گھنٹوں سے جاری تھا۔ ڈاکٹر کا عملہ یہاں سے وہاں افراتفری کے عالم میں کبھی خون ارینج کرتا، کبھی دوائیاں لاتے، کبھی بغیر کوئی تسلی دیے بس سامنے سے گزر کر چلے جاتے۔ زلطان نے نگاہیں جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ان پہ جما خون خشک ہوگیا تھا۔ وہ چپچپاہٹ اب خشک ہو کر جلد کو کھینچ رہی تھی۔ کیا ہے انسان؟ کیا اسکی زندگی؟ کیا اوقات اور کیا اسکی رضا؟

ایک وقت میں خون کالو تھڑہ اور اگلے ہی پل مٹی کا ٹھیکرہ۔اسکی نگاہیں ہاتھوں سے پھسل کر اس فرش پہ بیٹھے جبل خان تک گئیں۔،اور غصے کی ایک لہر اسکے اندر دوڑ گئی۔اس نے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا۔وہ کھڑا ہو گیا۔

"کس نے گولی ماری؟تمھارے کہنے پہ ماری تھی ناں؟تم نے کیا ہے یہ۔تم نے کیا ہے۔"وہ چلاتا رہا۔اسکا گریبان جھنجھوڑتا رہا۔یہ خیال کہ زبرج مر بھی سکتا ہے صرف یہ خیال اسکے دل کو جما کر برف کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

"اگر اسے کچھ بھی ہوا تو میں تمھیں تمھارے زور گڑھ سمیت اگ لگا دوں گا۔تم نے ابھی صرف میرا ضبط دیکھا ہے۔تم میرے قہر سے واقف نہیں ہو۔میں تمھارے آدھے گاؤں کو تھانے میں سڑتے رہنے کے لئے چھوڑ سکتا ہوں تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔"اس نے جبل کو دیوار سے لگایا اور دونوں ہاتھ اسکی گردن پہ رکھے۔وہ اب بھی مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔بس بے حس و حرکت کھڑا رہا۔لوگ مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔یہ تماشا مزید جاری رہتا اگر زلطان سامنے سے آتی حواس باختہ دانین کو نہ دیکھا لیتا۔وہ دیوانہ وار بھاگتے ہوئے اسی طرف آ رہی تھی۔حمدان اسکے پیچھے تھا۔وہ اپنی ماں کی یہ حالت دیکھ کر رو رہا تھا۔زلطان نے دھیرے سے جبل خان کی گردن چھوڑ دی۔اپنے خون آلود ہاتھ پشت پہ باندھ لئے۔اور چہرے کے تاثرات پہ قابو پایا۔

شادان نے راہداریوں میں آتے بچے کو دیکھا تو اسکی طرف لپکا۔

"زبرج کہاں ہے؟ کیا ہوا ہے اسے؟" دانین نے جبل کے سامنے رک کر پوچھا۔ لیکن وہ شاید کوئی پتھر کا بت تھا۔ زخرف نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ بس دانین تھی جس کی سسکیاں ہر طرف گونج رہی تھیں۔

"زبرج کو کیا ہوا؟" وہ یہی ایک سوال دہراتی اور روتی جاتی۔ شادان کے ساتھ کھڑا حمدان مختلف سوال کر رہا تھا اور وہ ضبط کئے جواب دے رہا تھا۔

زلطان کا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بینچ پہ بیٹھتا چلا گیا۔ سر کو ہاتھوں میں گرا لیا۔ حنزلہ جو ایک طرف خاموش کھڑی تھی چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے قریب آ کر بیٹھی۔ پیر اوپر کر لئے۔ ٹھوڑی گھٹنوں پہ ٹکا دی۔ اسکی آنکھیں سرخ پڑ چکی تھیں، وہ روئی تھی لیکن سب کے سامنے نہیں۔ کئی لمحے آس پاس کا شور سنتے وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔

"میں نے زخم دیکھے تھے۔ گہرے ہیں جان لیوا نہیں۔" کافی دیر بعد وہ بولی تھی۔

"تم کوئی سرجن نہیں ہو، چپ رہو۔" وہ درشتی سے بولا۔

"میں زخم کی نوعیت پہچان سکتی ہوں۔ اس کام کے لئے مجھے سرجن ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ تسلیاں جا کر تم اپنے قاتل بھائی کو دو تو بہتر ہوگا۔" اسکے انداز میں کاٹ تھی۔

"وہ نہیں مرے گا۔ ریڑھ کی ہڈی کو نقصان ہو سکتا ہے لیکن وہ زندہ بچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔ اس لئے آپ میرے بھائی کو قاتل کہنا بند کر دیں۔"

"اسے کل فلائی کرنا تھا۔اسکی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا۔یو این کا وہ اجلاس . . . .

"وہ اتنے مدھم انداز میں کہہ رہا تھا کہ بامشکل خود سن سکے۔اسکے چہرے پہ ایسا کرب تھا کہ شاید کبھی آیا ہو۔

"اسے گولیاں لگتے وقت،وہاں سے یہاں آتے وقت اور یہاں سے آپریشن کامیاب ہونے تک میں نے ایک بار کے لئے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ مر جائے گا۔کیونکہ وہ نہیں مر سکتا۔"اس نے زور زور سے سر نفی میں ہلایا۔

وہ تکلیف سے بول رہا تھا اور حنزلہ اسے سنتی رہی۔دونوں کی تکلیف یکساں تھی۔دونوں دور کہیں بلکل ایک جیسے تھے۔

"اسکی زندگی کا سب سے بڑا خواب ٹوٹ جائے گا اور میں کچھ نہیں کر پاؤں گا۔وہ مر جائے گا۔اسکے خواب مر گئے تو وہ بھی مر جائے گا۔وہ موو آن نہیں کرتا میں جانتا ہوں اسے۔"اس نے چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔اسکی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہہ نکلے تھے۔وہ ان سات دنوں میں آج پہلی بار رویا تھا۔ان خوابوں میں اسکا بھی حصہ تھا انہیں ردی ہوتے دیکھنا نری اذیت تھی۔آنکھوں سے گرتے پانی نے ہر منظر دھندلا دیا تھا۔

"میں نے اتنا عرصہ اپنے دوستوں سے رابطہ نہیں رکھا۔میں نے بہت غلط کیا۔مجھے کیا ہوگیا تھا؟ "

"لالہ زخرف کے بعد سب سے زیادہ بات آپ کی کیا کرتے تھے۔" حنزلہ نے اسکے چہرے سے نظر ہٹا لی۔ وہ اب سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ کہتے تھے زلطان ہمارا لیڈر ہے۔ جب ہم سب گر جاتے تھے تب وہ کھڑا ہوتا تھا۔ جب ہمارے درمیان مسائل ہوتے تھے وہ حل کرتا تھا۔"

وہ ان باتوں کو سیاق و سباق جانتا تھا مگر وہ تھک چکا تھا۔ اب وہ واقعی تھک چکا تھا۔ گردن اٹھانا اب بس کی بات نہیں تھی۔

"وہ کہتے تھے ہم میں سب سے زیادہ کام والا بندہ زلطان ہے۔ جذبات اس پہ اثرانداز نہیں ہوتے۔ آپ اس وقت جذبات سے کام لے رہے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب آپ کو کاغذات نامزدگی جمع کروانی ہے۔ شادان کو اسکے آفس میں ہونا ہے اور حسن سلطان کو چند گھنٹوں کے اندر کورٹ میں۔"

"یہ خودغرضی ہے۔ اسکے خواب ختم ہو گئے اور ہم اس طرح خوشی مناتے رہیں؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آواز بھاری اور گیلی تھی۔

"انہوں نے اپنے دوستوں کو دھوکہ دیا، اس لئے بدلے میں انہیں اپنی ٹیم سے دھوکہ ملا۔ انہوں نے ایک آبسیشن کے پیچھے گھر خراب کیا اب اسی آبسیشن نے ان سے انکی زندگی کا سب سے بڑا خواب چھین لیا۔ ہر غلط کام کی سزا ہوتی ہے۔ وہ اپنی بھگت رہے ہیں۔ آپ اپنی بھگتیں گے۔"

زلطان نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ اسکی آنکھیں گیلی تھیں۔

"ہم اسے معاف کر چکے ہیں۔ اسکی آبسیشن غلط تھی لیکن کام درست تھا۔"

”قدرت کے کچھ rules and regulations ہوتے ہیں۔انسان معاف کر دیتے ہیں لیکن انہیں توڑنے والوں کو قدرت معاف نہیں کرتی۔“

”تم کتنی ظالم ہو۔وہ تمہارا بھائی ہے۔“زلطان اسکی تھیوری سے لرز گیا تھا۔

حنزلہ نے کندھے اچکائے۔”لالہ کہتے تھے انکی زندگی کادوسرا پریکٹکل انسان میں ہوں۔“

”مجھے کیا کرنا چاہیے؟“کافی دیر بعد وہ بوجھل انداز میں پوچھ رہا تھا۔

”اول تو زخرف کا رشتہ ختم کروائیں۔دوئم کاغذات نامزدگی جمع کروائیں۔ورنہ آپ کو بے روزگاری کی وجہ سے لڑکی نہیں ملے گی۔سوئم حسن صاحب کو کورٹ بھیجیں۔“

”اور چہارم تمھارے الفا ریڈر کو اسکے کام پہ بھیجوں کیونکہ یہ اسکی زندگی کا بہت بڑا دن ہے؟“

”ظاہر ہے۔اور اگر یہ چوتھاکام پہلے نمبر پہ آجائے تو مجھے اور زیادہ اچھا لگے گا۔“اسکی موجودگی میں سخت سست سنانا الگ تھا،اور اسکی غیر موجودگی میں اسکے لئے بات کرنا الگ۔

زلطان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ایک نظر حمدان کو گود میں لئے بینچ پہ بیٹھے شادان پہ ڈالی پھر حنزلہ کو دیکھا۔

“shadan won”وہ بے اختیار بولا تھا۔حنزلہ خاموش رہی۔

اس نے اپنے قدم ان لوگوں کی طرف بڑھائے، جنہیں وہ زندگی میں کامیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ غم کو، جذباتیت کو زندگی پہ اثر انداز ہونے دینا چاہیے حاوی نہیں۔ اسے ہر دفع کھڑے ہونا ہوتا تھا۔ کچھ لوگوں کے لئے یہ فرض ہوتا ہے۔

اس نے اپنی زندگی میں کچھ بے حد درست فیصلے لے لئے تھے اس لئے وہ اس وقت ایجاب و قبول کے جو مراحل طے کر رہا تھا وہ اسے خوشی اور طمانیت بخش رہے تھے۔ یہ اسکی زندگی کا سب سے درست فیصلہ تھا۔

"زلطان صفدر، ولد صفدر حسین آپ کا نکاح زخرف وقار ولد وقار احمد کے ساتھ، مبلغ دس لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت پڑھایا جاتا ہے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔"

قاضی نے الفاظ دہرائے۔

"قبول ہے۔" زلطان صفدر جواب دہراتا رہا۔

"کیا آپ کو قبول ہے؟"

"قبول ہے۔" اس نے تیسری دفع بھی سرشاری کے عالم میں قبول ہے کہا تھا۔ زخرف وقار کا ساتھ تصور سے حقیقت بن گیا تھا۔ قاضی اسی طرح کے کچھ کلمات اب دلہن کے سامنے دہرا رہا تھا۔ حسن اسکے کان کے پاس جھکا۔

"اب بھی وقت ہے،اس مینٹل سے شادی مت کرو۔میں ہوں ناں تمھارے لئے ایسا امیر لڑکا ڈھونڈ کر لاؤں گا کہ یاد رکھو گی۔"

"قبول ہے۔"وہ اسکی بات پہ غور کیے بغیر بولی تھی۔

"گئی بھینس پانی میں۔"وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔کیا فائدہ اس فنکشن کا جہاں اسکے اندر کے شیطان کی ایک بات بھی نہ سنی گئی ہو؟

ایجاب و قبول کے بعد دعائیں اور سلامتی بھیجی گئی۔زلطان صفدر اب شادان سے گلے مل رہا تھا۔اس نے دباؤ بڑھایا۔

"بیٹا خیال رکھنا ورنہ میں اسے بیوہ کرنے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔انسان کا بچہ بن کر رہنا بس۔"

زلطان نے اس جونک کو کھینچ کر دور ہٹایا۔اور دوسری طرف سے گھوم کر آنے والے حسن سلطان سے گلے ملا۔

"کوئی چکر وغیرہ چلایا تو،دوبارہ چلنے جیسا نہیں چھوڑوں گا۔شریف آدمی بن کر رہنا۔"کندھا تھپک کر وہ الگ ہوا۔زلطان اگر اس وقت دولہا نہ ہوتا تو باقاعدہ زبان کے جوہر دکھاتا مگر اس وقت خاموشی ہی اچھی تھی۔اور اگر اس وقت زبرج ہوتا تو زخرف کی سیکورٹی کے لئے ان سے زیادہ سخت بات کرتا مگر وہ نہیں تھا۔اب نہیں تھا بس۔

پھولوں کی لڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر وہ زخرف کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ جھک کر دونوں ہاتھ اسکے چہرے پہ رکھتے ہوئے پہلے اسکا ماتھا چوما۔ عقیدت سے، اعزاز اور سرشاری سے۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر کھڑا کیا۔ بڑی نرمی اور سرشاری سے وہ اب اسے گلے لگا رہا تھا۔ ٹھوڑی اسکے کندھے پہ رکھے آنکھیں موندے، اس نے سکون کو مجسم محسوس کیا۔ اعزاز کو اپنے ساتھ کھڑے ہوئے پایا۔ زخرف نے اسکے دل کی غیر معمولی دھڑکن محسوس کی۔ بلا شبہ وہ دل، اور یہ مرد آج اسکے نام ہوا۔ زندگی سے شکایات ختم اور شکریے کا ایک خط جاری۔

”نکاح مبارک ہو مسز زلطان صفدر۔“

”کیا کہا، میں نے سنا نہیں؟“ زلطان اس سے الگ ہوا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ زلطان نے ایک بار پھر جھک کر اسکا ماتھا چوما۔

”نکاح مبارک ہو مسز زلطان۔“ اس نے دہرایا۔ اور ایک بار پھر اسے آہستگی سے خود سے لگایا۔

محبت آج سے امر ہوئی تھی۔

آٹھ ماہ قبل۔

”زندگی نے کسی کے لئے رکنا نہیں سیکھا۔ وقت کا کام گزرنا ہوتا ہے اور وہ گزرتا ہے۔ ایسے میں انسان کئی دفع جذبات کے زیر اثر رک جاتا ہے۔ جذبہ کبھی رنج ہوتا ہے۔ کبھی غصہ، کبھی نفرت، کبھی ہتک۔“

ہسپتال کی راہداریوں سے سٹوڈیو تک کا سفر کٹھن تھا یا نہیں شادان کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔وہ بے حس ہو گیا تھا۔بدلاؤ آئے تھے اندر لیکن اب شکایت تھی۔ایسی شکایت جنہیں وہ کہہ نہیں سکتا تھا۔

گاڑی صفدر مینشن کے سامنے آ کر رکی تو اسے ہوش آیا تھا۔اس نے عقبی سیٹ پہ بیٹھے زلطان، حسن اور زخرف کو دیکھا۔وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل رہے تھے۔

"کپڑے تبدیل کرو،اس حالت میں تم کہیں جانے جیسے نہیں ہو۔"شادان نے ایک نظر اپنے کپڑوں کو دیکھا۔سفید سوئیٹر کے اوپر بڑے بڑے سرخ دھبے تھے۔اسے قلق ہونے لگا۔وہ اپنے دوست کو چھوڑ کر کامیابیوں کی طرف جا رہا تھا؟کیوں جا رہا تھا۔آج تک اس زندگی نے اسے دیا ہی کیا تھا۔؟ان لوگوں نے اسکے لئے کیا کیا تھا؟

"میں نہیں کر پاؤں گا۔"اس نے سر ڈیش بورڈ پہ جھکا دیا۔دل میں درد کی ایک لہر اٹھی۔جسم کے درد ایک طرف۔"میرے پاس کوئی الفاظ نہیں کوئی تیاری نہیں۔میرا دوست مر رہا ہے۔میں جینے نکل جاؤں؟"

"اگر وہ مر رہا ہے تو وہ مرے گا اور تم اسے بچا نہیں سکو گے۔جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر سوچو۔تمہارا دوست اپنی زندگی سے بہت کچھ کھو چکا ہے تم بھی کھونا چاہو گے؟"سراج رسان سے کہہ رہا تھا۔

"ہم نے انکی مدد کا وعدہ کیا تھا انہوں نے پھر بھی میرے دوست کو مارا۔" وہ رو پڑا۔ گردن جھکائے۔ بے اختیار، بے بس سا۔

"ہم برے ہی اچھے تھے۔ کیا ملا اچھا بن کر؟ ان لوگوں نے ہماری اچھائی کی قدر نہیں کی۔ انہوں نے میرے دوست کو مارا۔ ہم یہ ڈیزرو نہیں کرتے تھے۔ جب انسان اچھائی کی طرف آئے پھر بھی اسکے ساتھ برا کیوں ہوتا ہے؟۔" وہ باقاعدہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

وہ اگلے کئی لمحے اسٹیئرنگ پہ گردن جھکائے بس روتا گیا۔ وہ زور گڑھ کے لوگوں کو کوس رہا تھا۔ وہ ناراض تھا اور دکھی بھی۔ وہ جبل خان، بہرام کا قصور نکالے بیٹھا تھا۔ وہ خود کو الزام دے رہا تھا۔ اسکے الفاظ بے ربطگی کا شکار تھے۔ کافی دیر بعد سراج نے اسکے کندھے پہ ہاتھ کر اسے تسلی دینی چاہی۔ وہ کسی تسلی کے موڈ میں نہیں لگتا تھا۔ اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

"بعض دفع بعض واقعات پہ ہمارا اختیار نہیں ہوتا شادان۔ یہ دنیا اب بھی تمھیں ہزار دفعہ یہ بتائے گی کہ تم مس فٹ ہو۔ یہاں تمہاری جگہ نہیں ہے۔ چکاچوند چھوڑ کر آنے والوں کے لئے اندھیرا گہرا ہوتا ہے۔" شادان نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ سراج اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

"ٹریفک سگنلز توڑنے والوں کو جرمانے بھرنے ہوتے ہیں۔ دنیا کے rules and regulations خراب کرنے والوں کو حرجانے۔ ہسپتال میں لیٹا وہ آدمی اپنے اعمال کے نتائج بھگت رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی قیامت اسی دنیا میں دیکھے گا۔ تمہیں بھی دیکھنی ہے۔ لوگوں سے

کس بات کی امید رکھ رہے ہو؟وہ ماریں گے بھی۔جلائیں گے بھی اور سازش بھی کریں گے۔لوگ آج تک کسی کے نہیں ہوئے تمھارے کیسے ہوں گے؟"

"دنیا بہت مشکل ہے۔"شادان نے زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔اسے اس وقت اپنی ماں یاد آئی۔وہ بس انکی گود میں سر رکھ کر ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا۔

"اسی لئے دنیا قید خانہ ہے۔ہم تو جنت میں پارٹی کریں گے۔"وہ مسکرا کر بولا۔شادان گیلی آنکھوں کے ساتھ ہنس دیا۔

"میں نہیں کر پاؤں گا۔مجھ سے ہو گا ہی نہیں۔"

"تمھارے علاوہ کوئی نہیں کر سکتااس یقین کے ساتھ جاؤ گے تو ہو جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ اندر جا کر زلطان کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑے پہنے۔فریش ہوا۔اور زلطان ہی کی گاڑی میں آفس آیا۔اور اب وہ آفس کی راہداریوں میں قدم اٹھا رہا تھا۔ڈیسکس کے پار بیٹھے کئی ورکرز نے گردن پھیر کر اسے دیکھا تھا۔اسکے ماتھے پہ پٹی تھی۔گال پہ اورآنکھ کے نیچے گہرازخم۔ہاتھ جتنے جیکٹ سے باہر نظر آتے تھے وہاں خراشیں تھیں۔ہونٹ پھٹا ہوا اور گردن پہ بھی زخم تھے۔وہ پکنک کے لئے گیا تھا اسکی واپسی ایسی ہوگی یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔باس کی ہزار کالز کے جواب میں جب وہ انہیں ٹالتا رہاتو مجبوراً انہیں کسی اور اینکر کو انٹرویو کے لئے تیار کرنا پڑا۔آج شام سات بجے اسے ایک گاڑی لینے کے لئے آنے والی تھی۔شادان نے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ نظر ڈالی دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ابھی وقت تھا۔ابھی بہت وقت تھا۔

راحیلہ عباس کے آفس میں بیٹھے ہوئے پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اسکی زبان کو لقوہ لگ چکا ہے۔وہ بول نہیں پایا تھا۔ٹھنڈک نے جیسے اسکے اعضاء کو جامد کر دیا ہو۔

”تمھیں کیا لگا تھا شادان ایک ہفتہ بغیر کسی چھٹی کے تم غائب رہو گے اور یہاں تمہاری جگہ ویسی کی ویسی رہے گی؟اس انٹرویو کے لئے میں نے اور چینل نے کیا کیا نہیں کیا۔تمھیں اندازہ بھی نہیں ہے تم نے کتنی لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ہے۔“راحیلہ بولتے بولتے ہانپ گئی تھیں۔شادان خاموشی سے میز کی دائیں طرف رکھی کرسی پہ بیٹھے عامر لودھی کو دیکھ رہا تھا۔وہ آدمی جسے شادان کی جگہ بھیجا جانے والا تھا۔کوئی اور لمحہ ہوتا تو اسکی نظروں میں حقارت ہوتی آج نہیں تھی۔

" just look at your faceایسا لگ رہا ہے جیسے کسی سے پٹ کر آئے ہو۔اس شکل کے ساتھ انٹرویو کرنے جاؤ گے؟“

وہ بولتی رہی اور شادان کو بس اسکے لب ہلتے محسوس ہو رہے تھے۔اتنے دن بعد یہ صاف ستھرے کپڑے اسے کوفت میں مبتلا کر رہے تھے۔یہ نرم صوفہ یہ اسے چبھ رہا تھا۔کافی کا وہ بھاپ اڑاتا ہوا مگ جیسے کسی نے اسکے جسم پہ اچھال دیا ہو۔اس نے کافی بار اسے ٹوک کر کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ بہت مشکل کام تھا۔وہ واقعی الفاظ بھول گیا تھا۔

”اب تم کچھ بولو گے بھی یا صرف مجھے دیکھتے رہو گے۔؟“وہ میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے غرائی۔

شادان نے تھوک نگلا۔دل پہ ہاتھ رکھ کر دھڑکنوں کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔اس نے راحیلہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔وہ اسے کم سے کم کیا دے سکتی تھی پیسہ؟زیادہ سے زیادہ ایک شو؟شادان نے سر جھٹکا۔دنیا کچھ نہیں دے سکتی،دنیا کچھ لے نہیں سکتی۔

"آپ کو میرے ایک ہفتہ غائب رہنے سے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔وہ بھی تب جب میں ساری فارمیلٹیز مکمل کر کے گیا تھا۔یہ زخم یہ آپ کی ٹی آر پی بڑھائیں گے۔ایک اہم اور ضروری بات یہ جس جگہ آپ اور میں اس وقت ہیں اسے میں نے کمایا ہے۔لہٰذا آپ مجھے یہ مت بتائیں مجھے کیا کرنا ہے۔ابھی پانچ گھنٹے باقی ہیں اور میں ان پانچ گھنٹوں میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔سید شادان کو انڈر اریسٹیمیٹ مت کریں۔"

راحیلہ کے اوپر جیسے اوس پڑ گئی ہو۔وہ اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ہاں وہ اسکی باس تھی لیکن یہ آدمی اسکے باس کا فیورٹ تھا۔اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کاغذ اکھٹے کئے اور انہیں شادان کے سامنے لا کر رکھا۔چہرے کی سختی غائب ہو چکی تھی۔

"انہیں پڑھ لو،یہ سوال ہم نے چار دنوں میں بنائے ہیں۔اس کے علاوہ کوشش کرنا کی انکی بیک سٹوریز جاننے کی کوشش کرواور انہیں کچھ اس انداز سے پیش کیا جائے تاکہ وہ لوگ اسٹیٹ کے ستائے ہوئے لوگ معلوم ہوں۔"

"لیکن وہ لوگ دہشت گرد ہیں۔لاکھوں لوگوں کے قاتل۔چینل انہیں معصوم کیوں دکھانا چاہتا ہے۔"

"ٹی آر پی سید شادان شاہ ٹی آر پی۔" وہ اپنے لفظوں پہ زور دیتے ہوئے بولی۔شادان نے ایک سرسری نگاہ ان کاغذات پہ ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔وہ سات دن پہلے والا سید شادان ہوتا تو ان کاغذات کو چوم کر اپنی جیب میں رکھتا۔آج وہ ان پہ لعنت بھیجنا چاہتا تھا۔کچھ بھی کہے بغیر وہ اس کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

کاغذات ردی تھے۔سید شادان وہ کہے گا جو اسکا دل کہتا تھا۔اب وہ واقعی وہ کہے گا جو اسکا دل کہتا تھا۔وہ دل جو شفاف ہو کر آیا تھا۔

دنیا ردی تھی،دنیاواقعی ردی تھی۔

"کچھ لوگوں کی ذہانت انکے لئے کڑا امتحان ہوتی ہے۔اور کچھ لوگوں کے رشتے انکے لئے گردن میں اٹکا طوق جسے نکالنے پہ وہ قادر نہیں رہتے اور وہ گردن میں پڑا رہے تو دم گھونٹنے لگتا ہے۔"

گاڑی کی اگلی نشست پہ۔شوفر تھا۔اور پچھلی نشست پہ زلطان صفدر۔وہ سپاٹ تاثرات لئے سڑک پہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ساتھ بار بار ٹیکسٹ کرتے ہوئے،کبھی کال کرتے ہوئے حنزلہ سے ایک ایک منٹ کی رپورٹ مانگ رہا تھا۔زور گڑھ آنے والی پولیس **"چائے پانی"** لے کر چلتی بنی تھی اور میڈیا کو اچھے خاصے پیسے دے کر سراج صفدر نے وہ بلوایا جو راز بھی رکھے اور وقار بھی۔زلطان کی گود میں کچھ کاغذات دھرے تھے۔گاہے بگاہے جن پہ وہ نظر ڈال لیتا تھا۔

لباس اور چہرہ اب صاف تھا۔البتہ زخم کے نشان اب نکھر کر نظر آنے لگے تھے۔آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں۔گردن پہ لگے ٹانکے بے حد سرخ ہو رہے تھے شاید کوئی الرجی تھی۔سراج چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اسکی طرف سے بات شروع کئے جانے کا منتظر رہا۔گاڑی ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد جس عمارت کے باہر آکر رکی اسکے ماتھے پہ "**الیکشن کمیشن آف پاکستان۔**" درج تھا۔زلطان کھڑکی سے باہر خالی خالی نظروں سے اس عمارت کو دیکھے گیا۔وہ یہاں کئی بار اپنے اسی بھائی کے ساتھ آچکا تھا۔ہر بار وہ بھائی ہوتا تھا آج بیٹھے بیٹھے وہ غیر ہوگیا تھا۔راستے میں وہ کئی بار اس سے لڑتا تھا آج نہیں لڑا۔خاموشی جیسے اس سے جونک کی طرح چمٹ کر رہ گئی ہو۔

کئی لمحے وہ خاموش رہا۔سراج اسکے نیم رخ کو دیکھتا رہا۔خاموشی کادورانیہ طویل ہونے لگا جب اس نے زلطان کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کیوں کیا؟"اسکی آواز مدھم تھی۔نظریں ہنوز باہر۔"ایسی کیا وجہ تھی جس نے آپ کو اپنے ہی بھائی کو ایک قید خانے میں رکھنے پہ مجبور کر دیا۔میں مر بھی سکتا تھا۔"

"ڈیڈ چاہتے تھے تم لیڈر بنو۔"اس نے ہلکی آواز میں اعتراف کیا۔

زلطان نے بے یقینی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔حیرت ایسی تھی کہ وہ پلک بھی نہ جھپک سکا۔

"میں سوچ سوچ کر پاگل ہو گیا تھا کہ آخر ایسی کیا وجہ تھی جس نے آپ کو اس مقام پہ لا کر کھڑا کر دیا اور آپ کہہ رہے ہیں ڈیڈ چاہتے تھے؟ صرف ڈیڈ کے چاہنے کے لئے آپ نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔"

"میں ڈیڈ کے حکم ماننے کا عادی ہوں۔" اسکی آنکھوں کے آگے یہ شبیہہ لہرائی۔ وہ آنکھیں، وہ چہرہ۔ سراج نے سر جھٹکا۔ "تم جس کام پہ نکل چکے تھے وہ غلط تھا۔ جو میں نے کیا وہ غلط سے بھی زیادہ غلط۔ بچپن میں ہم کوئی غلطی کریں تو ماں باپ مارتے ہیں۔ کمرے اور باتھروم میں بند کر دیتے ہیں۔ وہاں صرف خوف نہیں ہوتا۔ وہاں ہم اینالائز کرتے ہیں۔ ہم جان جاتے ہیں یہ کام غلط تھا اور یہاں سے نکل کر ہمیں یہ کام نہیں کرنا ہے۔ بڑے ہونے کے بعد زندگی مصروف ہوتی جاتی ہے۔ وہ اینالائزنگ کا کمرہ کھو جاتا ہے۔ پھر درست ہو یا غلط ہم ایک ہی سمت میں دوڑتے ہی رہتے ہیں۔ میں تمہیں ایک جگہ دکھانا چاہتا تھا جہاں بھوک، پیاس، موت، سب تھا۔ جہاں سے تمہیں لیڈر بن کر نکلنا تھا یا پھر بزدل۔ میں تمھیں اینالائزنگ سکھا رہا تھا۔"

اس نے گھٹنے سے ہاتھ ہٹا کر زلطان کے کندھے پہ رکھا۔ "میں جانتا ہوں میں نے بہت غلط کیا ہے تمھارے ساتھ لیکن۔۔"

"میرے ساتھ نہیں آپ نے اپنے ساتھ غلط کیا ہے۔ میں اب آپ پہ اعتبار نہیں کروں گا۔" وہ سختی سے بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"میں اب آپ سے کبھی مشورہ نہیں کروں گا۔"

"معلوم ہے۔"

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔" یہ ضد نہیں بے بسی تھی زلطان صفدر خود سے واقف تھا۔

"میں آپ سے انتقام لوں گا۔"

"اندازہ تھا۔" وہ ہنس پڑا۔

"میں آپ کو چھوڑ دوں گا بھائی۔"

زلطان کے کندھے پہ رکھا سراج صفدر کا ہاتھ ساکت ہو گیا۔اسکی مسکراہٹ سمٹ گئی اور آنکھوں میں کچھ تھا۔کوئی تکلیف جیسا۔کوئی ملال سا۔

"آپ نے اپنے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔"

"تمھیں میری ضرورت ہے۔" کئی لمحے بعد وہ بے حد آہستگی سے بولا۔دل کٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔کیا وہ اسے چھوڑ سکتا ہے؟

"ضرورت ایک دن ختم ہو جاتی ہے۔"

"میں نے جو کچھ کیا تمھارے لئے کیا۔" وہ جانے کیوں تاویلیں دینے لگا تھا۔

"میں بھی جو کچھ کروں گا اپنے لئے کروں گا۔"اس نے گود میں دھرے کاغذات یکجا کیئے۔اسکے ایک اشارے پہ شوفر نے دروازہ کھولا۔زلطان صفدر نے قدم باہر نکالا۔سراج گہری سانس لیتے ہوئے اپنی طرف سے اتر آیا۔اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔چہرہ سخت۔ہاں اسکی رنگت نچڑ چکی تھی۔ہاتھ کپکپارہے تھے۔اور ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔

وہ قید کی فرسٹریشن اپنے بڑے بھائی پہ نکال رہا تھا اور بس۔ہاں بس اتنا ہی۔یہ تاویلیں وہ آج کے بعد کئی بار خود کو دینے والا تھا۔

"فیصلہ چاہے درست ہو چاہے غلط اسے لیتے وقت انسان کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔جو لوگ لمبا عرصہ ایک غلط مدار پہ گھومتے رہے ہوں جب وہ صحیح مدار میں چلنے لگیں تو انکی ساری زندگی چکرانے لگتی ہے۔پیروں کی زمین اور سر کا آسمان اپنی جگہ کھونے لگتے ہیں۔ایسے میں فیصلے مشکل ہوتے ہیں بے حد مشکل۔"

زلطان صفدر کے مینشن سے نکلنے والی وہ تیسری گاڑی تھی۔جسکی عقبی نشست پہ حسن سلطان اور زخرف وقار موجود تھے۔حسن نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔اور سامنے والے کی بات بہت غور سے سن رہا تھا۔

"سماعت شروع ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔میں دس منٹ میں کورٹ پہنچ رہا ہوں۔لیڈی کو بٹھا کر رکھیں آپ۔"سامنے سے ایک بار پھر کچھ کہا گیا۔حسن نے ہاتھ اٹھا کر جیسے زخرف سے

معذرت کی ہو پھر تین چار موٹی موٹی گالیاں دے کر دوسری طرف اپنی بات سمجھائی۔"اب اگر دس منٹ سے پہلے کوئی کال آئی تو بہت برا ہو گا۔"

کال کاٹ کر وہ زخرف کی طرف متوجہ ہوا۔اسکی کلائی پہ جلے کا داغ اور زخم بہت واضح تھا۔چہرے پہ البتہ کوئی زخم نہیں تھے مگر چند خراشیں اور معمولی چوٹیں تھیں جو شاید کئی بار گرنے کی وجہ سے لگی تھیں۔حسن کو اس وقت جو بات تشویش میں مبتلا کر رہی تھی وہ زخرف کی خاموشی تھی۔وہ روتی تب بھی سب ٹھیک ہی ہوتا۔

"کیا پریشانی ہے زی؟"

"مجھے نہیں سمجھ آ رہا کیا کرنا ہے۔زبرج مر رہا ہے اور ہم اس وقت اپنے اپنے کاموں پہ لگ گئے ہیں؟کیا دنیا ہمارے لئے اتنی ضروری ہو گئی ہے؟"

"اول تو مجھے امید اور دعا ہے اسے کچھ نہیں ہو گا۔دوئم ہمارے وہاں کھڑے رہنے سے وہ زندہ نہیں بچ جائے گا۔دوستیاں کمفرٹ ہوتی ہیں انہیں بوجھ سمجھیں گے تو زندگی عذاب ہو جائے گی۔"

"اس وقت اسکے پاس رہنا ہمارا فرض تھا۔"

"بلکل تھا۔اگر حالات نارمل ہوتے تو بلکل فرض تھا۔میری بات ہوئی ہے شادان کو شام سات بجے نکلنا تھا وہ اس وقت ہسپتال میں ہے۔اگلے ایک گھنٹے میں زلطان بھی وہیں ہو گا۔اگر ہم سب وہاں بیٹھے رہتے تو کچھ حاصل نہیں ہونا تھا زی۔"

اس نے سر کو ہاتھوں میں گرا دیا۔گیلے بال چہرے کے اطراف میں بکھر گئے۔حسن دکھ سے اسے دیکھتا رہا۔وہ جانتا تھا زبرج ان تین لوگوں کے لئے دوست تھا مگر زخرف کے لئے وہ کچھ زیادہ تھا۔خاندان کا پہلا فرد۔

"مجھے نہیں سمجھ آ رہا میں ممی کو کیا بتاؤں گی۔سات دن میں میں اپنی زندگی کے اگلے ستر سال زلطان صفدر کے ساتھ پلان کر آئی ہوں؟"

"تمہیں زلطان کے ساتھ نہیں رہنا؟"

"ایسا نہیں ہے۔وہ اتنے سال بعد آیا ہے اور مجھے ایسا لگتا ہے جیسے درمیان میں کوئی وقت آیا ہی نہیں۔زلطان آج بھی میرا سیف زون ہے۔وہ میری زندگی کی کوئی تبدیلی نہیں ہے۔وہ بس ایک پزل ہے جو ایک وقت بعد آکر صحیح جگہ جڑ گیا ہے۔محبت کی عجیب منطق ہوتی ہے۔محبت کرنے والوں کو سمجھ آجاتی ہے باقی دنیا کو کیسے سمجھائیں؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"ظاہر ہے زلطان۔"اس نے گردن اٹھا کر حسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔"لیکن میں کیا کروں کس طرح جا کر منع کروں۔مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"مروت وقتی ہوتی ہے اور محبت لازوال۔جسے وقت،حالات،مصائب گہنا نہیں سکتے۔اب تمہیں چننا ہوگا زی۔زندگی بہت مختصر ہے اسے مروت میں ضائع مت کرو۔"وہ اپنے تئیں سمجھداری سے کہہ رہا تھا۔

زخرف نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ کہا کچھ نہیں۔ حسن گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ زخرف اور زبرج کی وابستگی سے واقف تھا۔

"میں جانتا ہوں تم اس وقت زبرج کے لئے بہت پریشان ہو ہم سب ہیں۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو اس وقت وہ موٹیویشن بھی ہے۔ ہر کام نمٹا کر ہمیں واپس اسکے پاس جانا ہے۔ جانتی ہو وہ یہاں ہوتا تو تمہارا مسئلہ کیسے حل کرتا؟" حسن مسکرایا، زخرف بھی اسکے ساتھ مسکرائی۔ یہ عام مسکراہٹ نہیں تھی۔

"وہ میرا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا اور میری ممی اور بہنوں کے سامنے جا کر کہتا۔ **'اسکو زلطان پسند ہے اور زلطان کو یہ۔ شادی میں آپ سب انوائیٹڈ ہیں۔ آگے آپ کی مرضی'۔**" وہ زبرج کے انداز کی نقل کرتے ہوئے ہنس ہنس کر بتا رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں نمی بھی تھی۔ وہ تکلیف جو اس وقت ہسپتال کے بیڈ پہ لیٹے ہوئے زبرج شاہنواز کو محسوس ہو رہی تھی اس سے کہیں زیادہ تکلیف اس وقت ان چار لوگوں کو ہو رہی تھی۔ یہ ہمارے قریبی خود تو جا کر نرم بیڈ پہ لیٹ جاتے ہیں پیچھے ہمیں کیوں کانٹوں پہ چھوڑ دیتے ہیں؟

زخرف کو اسکے گھر چھوڑنے کے بعد ڈرائیور نے حسن سلطان کو کورٹ آ کر چھوڑا تھا۔ سر پہ پٹی، بازو پہ نیا پلستر چہرے اور ہاتھوں پہ زخم وہ تازہ تازہ "**پٹ**" کر آیا ہوا لگتا تھا۔ کئی لوگوں نے اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔ کئی نے حقارت اور کئی ہنس کر چل دیئے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اپنے چیمبر میں تھا۔ اسکے سامنے اسکا ساتھی وکیل تھا جو اس کیس میں اسکا اسسٹنٹ تھا۔ دس منٹ

بعد انہیں اندر بلایا جاتا۔ایک آخری گواہی لی جاتی اور کیس حسن سلطان جیت جاتا۔اس وقت ملک کا سب سے ہائی پروفائل کیس۔میڈیا اور سوشل میڈیا نے جس کے فیصلے اور حقائق کے لئے ایک طوفان مچا رکھا تھا۔

”وہ گواہی نہیں دینا چاہتیں حسن۔“آفس میں یہاں سے وہاں چکر کاٹتے ہوئے صمد ٹھہر کر بولا۔”دیکھو تم جانتے ہو وہاں کیا ہوا تھا میں جانتا ہوں وہاں کیا ہوا تھا۔ہمارے خلاف جو وکیل کیس لڑ رہا ہے وہ بھی جانتا تھا موقع واردات پہ کیا ہوا تھا۔یہ کیس صرف چند ثبوت اور ایک مضبوط گواہی پہ ٹکا ہے۔اب اگر وہ لڑکی گواہی دیتی ہے تو کیس ہمارے نام۔لیکن اگر وہ لڑکی کہہ رہی ہے کہ اس روز وہ خود بھی نشے میں تھی تب بھی کیس ہمارے نام۔“

حسن چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔اس کیس میں ایک امریکن ولاگر کے قتل کا معمہ تھا۔جو ڈیڑھ سال پہلے پاکستان آئی تھی۔اور چند ہی دن میں میں اسے کسی پاکستانی لڑکے سے محبت ہو گئی اور وہ اسکے ساتھ رہنے لگی۔وہ لڑکا جسٹس کامران کا بیٹا تھا۔اور لڑکی کی واپسی کے عین دو دن پہلے اس نے لڑکی کے ساتھ زیادتی کی اور پھر اسے قتل کر دیا۔عالمی سطح پہ اس معاملے کو جب اچھالا گیا تو لڑکے کی طرف سے عدالت میں نکاح نامہ اور کچھ ایسے ثبوت پیش کئے گئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ لڑکی اپنی مرضی کے ساتھ اس تعلق میں رہی تھی۔ زیادتی کو ازدواجی تعلق کا نام دیا گیا اور اسکی موت کی وجہ ڈپریشن کا اعلیٰ درجہ جس میں اس نے گلے میں پھندہ ڈال کر خودخود کشی کر لی۔حسن نے روز اول سے اس کیس میں جان توڑ محنت کی تھی۔دن رات جاگ کر ثبوت اکھٹے کئے اور بلاخر اسے ایک چشم دید گواہ ملا تھا۔جو کیس کے ہر ہر زاویے سے واقف تھی۔وہ اس

گھر میں کچھ دن رہنے کے لئے آنے والی ملزم کے باپ کے دوست کی بیٹی تھی۔ سات دن قبل وہ گواہی دینے کے لئے تیار تھی اور اب سات دن بعد وہ مخالفین کے ساتھ "سیٹلمنٹ" کے لئے تیار تھی یا پھر اسے مجبور کیا جا رہا تھا حسن کچھ کہہ نہیں سکا۔

"لڑکی کیا کہتی ہے۔ اسے بھیجو میرے پاس؟"

"بھیجنا کیا ہے میں بتا رہا ہوں ناں۔ اسے دوسری طرف سے ڈیڑھ کروڑ کی رقم مل رہی ہے۔ اسکی زندگی بدل جائے گی۔" صمد زور دیتے ہوئے بولا۔

"تمھیں کتنے کروڑ ملے اور میرے لئے کتنے سائیڈ کئے؟" بازو سینے پہ باندھے سنجیدگی سے پوچھنے پہ صمد کے منہ پہ جیسے کسی نے تھوک دیا ہو۔ مگر وہ ہاتھ سے اسے پونچھ گیا۔ سیاہی میں غرق لوگوں پہ ذلت اثر انداز نہیں ہوتی۔

"وہ ایک اچھا اماؤنٹ دینا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں بتایا کہ تم اوپر کی کمائی نہیں کرتے۔" وہ سنبھل کر بولا۔

"اور یقینا میری ایمانداری کا سن کر انہوں نے میری رقم بھی تمھارے اکاؤنٹ میں ڈال دی ہوگی۔ اور تم نے بغیر کسی حیل و حجت کے تھام بھی لی ہوگی؟" زخمی چہرہ زخمی لہجے میں وہ اپنے سامنے کھڑے انصاف کے رکھوالے کو دیکھ رہا تھا جس کے آگے نوٹوں کی جتنی بڑی گڈی پھینکو غلامی اتنی لمبی۔

”یہ پہلی بار تو نہیں ہے حسن۔تم اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کر رہے ہو ؟تم نے ہر دفع سچائی چن لی اور میں نے میری راہ۔ہم ایک دوسرے کے راستے میں نہیں آئے پھر آج کیوں؟“حسن سلطان کی رنگت فق ہو گئی۔کیا وہ واقعی ایسا کرتا رہا تھا؟کتنا عرصہ اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔

”خیر وہ سب چھوڑو اب میری بات سنو۔“سر جھٹک کر کہتے ہوئے صمد آگے آیا۔”تم یہاں بھی سچے اور ایماندار رہے۔کوئی جھوٹا گواہ نہیں پیش کیا کوئی جھوٹا ثبوت نہیں لائے۔رشوت نہیں لی اور خود کو بیچا بھی نہیں۔لیکن اب جو جیسے ہو رہا ہے اسے ویسے ہونے دو۔دو گولیاں بازو میں کھا کر اب تمھیں سدھر جانا چاہیے۔“

وہ کرسی پہ آ کر بیٹھا اور ہاتھ میز پہ رکھ لیے۔”تم نے اپنا کیس مکمل ایمانداری سے لڑا ہے۔تم گواہ کو بھی لے کر جا رہے ہو اور اب اگر وہ وہاں جا کر اپنا بیان تبدیل کر رہی ہے تو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔تم ایک بار پھر non guilty ثابت ہو چکے ہو۔باقی دنیا جو کرتی ہے اس سے تم نے کبھی کام نہیں رکھا اور نہ اب رکھنا چاہیے۔کیس کا فیصلہ آج انکے حق میں آئے گا لیکن کوئی بات نہیں ہم نے بھی کمایا ہے۔اور سوشل میڈیا پہ ٹرینڈ تو کر ہی رہے ہیں۔یہ بہت ہے۔“اس نے سنجیدگی سے حسن کے پرسوچ چہرے کو دیکھا اور اضافہ کیا۔

”یہ بہت ہے حسن۔تم غلط نہیں کر رہے۔باقی جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دو۔“

حسن سلطان آزردگی سے مسکرایا۔"اگر تم یہ بات سات دن پہلے کہتے تو مان لیتا۔اب نہیں مان سکتا۔غلط کر نہیں رہا تو غلط ہونے بھی نہیں دوں گا۔وہ گواہ اگر سچ نہیں بولے گی تو میں اسے کورٹ میں جھوٹا ثابت کروں گا۔اور یہ کام تو مجھے گھٹی میں ملا تھا۔"

صمد اسے بے یقینی سے دیکھتا رہا۔

"آخر تمھیں تکلیف کیا ہے؟تم کچھ وقت کے لئے یہ کیوں نہیں پریٹنڈ کر سکتے کہ تم اندھیرے میں ہو؟"

"میں وہیں تھا ابھی ہی روشنی میں آیا ہوں۔اور اب ایک لمبا عرصہ یہیں رہنے کا موڈ ہے۔"وہ خوشگواریت سے کہتے ہوئے اٹھا۔"ایک تو جج بھی ان بڈھوں کو بنا دیتے ہیں۔سنتا تو ہے نہیں بس ہتھوڑی مارتا رہتا ہے۔"فائلز اٹھا کر وہ دروازے کی جانب بڑھا۔ایک اچٹتی سی نگاہ اس پہ ڈالی۔"اگلی دفع میں وہ کیس لوں گا جس میں جج کوئی خوبصورت لڑکی ہو۔میں اسے یور آنر نہیں مائے آنر کہوں گا۔"

"تم پچھتاؤ گے حسن۔دنیا بہت بدل چکی ہے یہاں تم جیسوں کی جگہ نہیں رہی۔"یہ کوئی دھمکی نہیں تھی۔یہ تنبیہہ تھی جس پہ وہ کان دھرے بغیر باہر نکل گیا تھا۔کورٹ روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں۔ذہن پہ ایک مہربان چہرے والا آدمی تھا۔اسکا باپ۔جو آج بہت دنوں بعد اسکے تصور میں یوں مسکرایا تھا۔حسن کے دل سے بوجھ اتر گیا۔

وہ اب دنیا سے ایک لمبی جنگ کے لئے تیار تھا۔

حال۔

نکاح کی تقریب میں واپس آؤ تو کھانا لگ چکا تھا۔سورج غروب ہونے میں بس کچھ ہی وقت باقی تھا۔اسٹیج پہ دولہا اور دلہن کا فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔جس میں زلطان شوٹ کم کروا رہا تھا زخرف سے خود کو شوٹ کرنے کے مواقع زیادہ دے رہا تھا۔وہ اس آدمی کے نخروں سے بے زار ہونے لگی تھی۔

سرمئی کامدار لباس کے ساتھ ہلکے گلابی رنگ کا دوپٹہ لئے نفیس جیولری اور میک اپ میں ملبوس حنزلہ اپنے موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔سورج کی نارنجی کرنیں اسکے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔وہ بار بار نظریں گھما کر کسی کی موجودگی چیک کر رہی تھی۔بلا مقصد موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے گیلری کھول لی۔

تصاویر نہیں یادوں کا ایک ریلا تھا جو بہہ کر چلا آیا۔یہ شادان کی ایک تصویر تھی جس میں وہ چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھ رہا تھا ابھی وہ اس تصویر کے ماضی کو کھنگالتی کہ۔بلاخر اس شخص نے منظر عام پہ آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سفید رنگ کے قمیض شلوار کے ساتھ گہرے بھورے رنگ کا کوٹ پہنے بالوں کو سلیقے سے سیٹ کئے وہ اچھا لگ رہا تھا۔کافی دن کی بڑھی ہوئی شیو نے اسکی وجاہت میں اضافہ کر دیا تھا۔وہ حنزلہ کو دیکھتے ہوئے اسکی سیدھ میں چلتا ہوا آ رہا تھا جب حسن نے درمیان میں ہی اسکا بازو پکڑ لیا۔

"آرام سے بھائی دیکھ کر چلو۔یہیں نکاح پڑھوا دوں؟" وہ جل کر کہہ رہا تھا۔"آس پاس کی کوئی خبر ہے نہیں پہلے دور میں لوگ اپنی بیویوں کو بھی ایسے نہیں دیکھتے تھے جیسے تم اپنی منگیتر کو دیکھ رہے ہو۔"

"پہلے دور میں لڑکے اتنی بار ریجیکٹ بھی نہیں ہوتے تھے جتنی بار تم ہوئے ہو۔اور اگر ہوتے تھے تو ایک رسی،ایک پنکھا اللہ اللہ خیر صلی۔" اپنا بازو چھڑواتے ہوئے وہ اکتاتے ہوئے بولا۔اور ایک بار پھر اسے دیکھتے ہوئے چلنے لگا۔حسن کی انا پہ بوٹ رکھ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

"میں یہاں بیٹھ جاؤں ملکہ؟" اسکی میز کے قریب رک کر دلکشی سی پوچھا۔اس نے رکھائی سے منہ موڑ لیا۔

"نہیں تم یہاں کیوں بیٹھو گے؟تم تو جاؤ لوگوں سے ملو کھانے کھاؤ میں تو تمھیں آخر میں یاد آتی ہوں۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔شادان سر کو نفی میں جھٹکتے ہوئے اسکے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"آج کل کیا لکھ رہی ہو؟" ایک لکھاری سے شروعات اسی سوال سے ہوئی جس سے اکثر ہوا کرتی ہے۔

"جیسے کہ تمھیں نہیں پتہ۔ناول لکھ رہی ہوں بھیجا تھا ناں پہلا ڈرافٹ۔"کوئی لکھاری اگر اپنی رائٹنگ کے متعلق کوئی بات بتائے تو اسے یاد رکھ لینا چاہیے ورنہ وہ برا مان جاتے ہیں۔

"تمہارا ناول کب مکمل ہو گا۔"

حنزلہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا م۔وہ غصے میں نہیں تھی۔ تھکی ہوئی تھی۔

"کسی رائیٹر سے یہ نہ پوچھا کرو کہ اسکی کتاب کب مکمل ہو گی کیونکہ اسکے اپنے فرشتوں کو نہیں پتہ ہوتا۔"

"تم لوگوں کو اپنی کہانی کا کیسے نہیں پتہ؟" وہ ہر بار کی طرح حیران ہوا۔

"جیسے تم سب کو یہ نہیں پتہ کہ تم کب مروگے۔تم کب کتنا کھاؤ گے۔کب سوو گے۔کب باہر پڑھنے جاؤ گے۔اس سب کا ایک rough sketch تمھارے پاس ہوتا ہے۔اسے نیٹ کرنے اور اسے وجود میں لانے کے لئے وقت اور دماغ لگتا ہے۔کب کتنا لگے گا یہ کسی کو علم نہیں ہوتا۔لکھاری بھی عام انسان ہے اپنے کرداروں کی دنیا کو وہ کتنا آگے لے جائے گا یہ اسے پتہ ہوتا ہے لیکن کب انہیں ایک اختتام دے گا یہ اسے علم نہیں ہوتا۔"

"تم رائیٹر کسی اور سیارے پہ کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے؟ آرام سکون سے رہنا۔"

"مجبوری ہے ہماری دس نمونوں میں چار ہمارے اچھے ریڈرز ہوتے ہیں۔بس انہی کی خاطر ہم اس سیارے پہ آباد ہیں۔ورنہ یہ دنیا ہمیں ڈیزرو نہیں کرتی۔" وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی۔

"یار تم مجھ پہ بھی ایک کردار لکھو ناں۔" اس نے اب ایک نئی فرمائش کر دی۔ہر لکھاری سے ہونے والی فرمائش۔

"کردار اپنا آپ خود لکھواتے ہیں۔گندی اولاد کی طرح ڈھیٹ ہوتے ہیں وہ ہماری نہیں چلتی ان پہ۔"

وہ مزید بھی کچھ کہہ رہی تھی اور شادان اسے سن رہا تھا۔رائٹنگ حنزلہ کا عشق تھا اور شادان کے لئے یہ مقدم تھا۔وہ لکھائی کی وجہ سے ملے تھے۔قریب ہوئے تھے۔جڑے تھے اور رائٹنگ انکے درمیان ان کہے کو کہنے کا زریعہ تھی۔اسے دیکھتے ہوئے اسے سنتے ہوئے وہ غائب دماغ ہونے لگا۔ماضی ذہن پہ سوار ہونے لگامناظر بدلنے لگے۔

۔ایک منظر تھا جو اسکی آنکھوں کے آگے بار بار آ رہا تھا۔چھ ماہ قبل کا کوئی قصہ۔

کمرے میں اے سی کی کولنگ تھی۔وہ چند دن قبل ہی اپنے آبائی شہر جامشورو آیا تھا۔اور جامشورو مارچ اپریل میں بھی گرمی کے جوہر دکھاتا ہے۔بستر میں بے خبر سوتے ہوئے اسے کوئی آواز ہتھوڑے کی طرح سر پہ برستی ہوئی محسوس ہوئی۔نیند میں ہی وہ یہاں سے وہاں ہاتھ مارتے ہوئے اپنا موبائل تلاش کرنے لگا۔

ذرا سی جدوجہد کے بعد موبائل اسکے ہاتھ میں آگیا تھا۔کسی غیر شناسا نمبر سے کال تھی۔اس نے اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔آنکھیں بند تھیں۔

”ہیلو . . . مجھے سید شادان سے بات کرنی ہے۔“نسوانی آواز تھی۔

”سید شادان ہی بول رہا ہوں فرمائیں محترمہ۔“وہ نیند سے بوجھل آواز میں کہہ رہا تھا۔تھوڑی دیر تک دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔شادان پہ نیند کا غلبہ دوبارہ طاری ہونے لگا۔

”بولیں بی بی۔یا میں فون رکھ دوں؟“

”تھوڑی دیر بولتے رہو،تمہاری آواز آج اچھی لگ رہی ہے۔“

وہ اپنے بستر میں پڑے پڑے ساکت ہو گیا۔کوئی اگر اسکا دل اس انداز میں روکنے کی صلاحیت رکھتی تھی تو وہ صرف اورصرف حنزلہ احمد زئی تھی۔کوئی اگر اسے ساکت کر سکتی تھی،اسکے دل کو ضرور سے زیادہ رفتار سے دھڑکا سکتی تھی تو وہ بھی حنزلہ احمدزئی ہی تھی۔

"حانی یہ تم ہو؟"وہ دھیرے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔آنکھوں میں کچی نیند کا خماز تھا۔بال بکھرے ہوئے۔

"اور کس کس کو اپنی آواز کی تعریف کرنے کا حق دیا ہے؟"۔شادان یاسیت سے مسکرایا۔

"میں نے تمھیں بہت یاد کیا۔مجھے لگا اب تم مجھے کبھی کال نہیں کرو گی۔"

"یہ دو ماہ بہت مشکل تھےشادان۔تم جانتے ہو ہم نے کیا کیا دیکھا ہے۔"اسکی آواز بھاری تھی۔شادان چند لمحے خاموش رہا۔نقصان دونوں کا ایک جتنا ہی ہوا تھا۔

"میں نے کچھ لکھا ہے۔"وہ بہت دیر بعد بولی۔

"کیا لکھا ہے؟کہانی کیا ہے؟"وہ تکیہ گود میں رکھے بیڈ کی پشت سو ٹیک لگاگیا۔لبوں پہ آنے والی مسکراہٹ غیر ارادی تھی۔سماعتیں بے اختیار لمبی باتیں سننے کو تیار ہوئیں۔

"باب دہر کا قصہ۔"

"کہیں میں تمہاری کہانی کاہیرو تو نہیں؟"

حنزلہ ہنسی تھی۔شادان نے نوٹ کیا وہ خوش تھی۔"نہیں تم اگر ہیرو ہوتے تو لڑکیاں تم پہ simp کرنے لگ جاتیں۔"

"اور تم چاہتی ہو کہ صرف تم مجھ پہ simp کرو۔؟"

"میں کروں یا نہ کروں تمہارا فوکس لوز نہیں ہونا چاہیے۔"

"تین سال سے نہیں ہوا اب کیا خاک ہو گا۔"اس نے پیر بستر سے نیچے اتارے۔سلیپر پیروں میں اڑسے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔یہاں گرمی تھی۔لیکن زیادہ نہیں۔وہ یونہی چلتے ہوئے کچن کی جانب جانے لگا۔

"تم نے کیا لکھا ہے حانی۔"

"پہلے یہ بتاؤ تم کہاں ہو؟کر کیا رہے ہو؟"

شادان نے اپنے ہاتھ میں کافی کا جار دیکھا۔ساتھ مسکرایا۔

"کافی بنا رہا ہوں۔کیونکہ میں نے ایک لکھاری سے پوچھ لیا ہے کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔سننے کے لئے انرجی چاہیے ہو گی ناں۔"

"تم مجھے کتنے اچھے سے جان گئے ہو۔اچھا تو اب سنو.....“ وہ بولنا شروع ہوئی تو بولتی چلی گئی۔شروعات میں وہ ایک دو بار بولتے بولتے رکی تھی۔الفاظ بے ربط ہوئے مگر جب شادان بغیر ٹوکے اسے سنتا رہا تو اسکے لفظوں میں روانی آگئی۔وہ ہر دو منٹ بعد بولتی تھی۔"یہ نہیں بتاؤں گی

اسپوائلر ہو گا" اور پھر گھما پھرا کر وہی اسپائلر بتا دیتی تھی۔وہ ان تین گھنٹوں میں محض مسکراتا رہا تھا۔وہ اٹک جاتی تو اسکے لفظوں کو روانگی دیتا۔کہیں تسلسل غائب ہوتا تو وہ کوئی سوال کر دیتا۔تین گھنٹے بعد جب وہ خاموش ہوئی تب شادان نے اگلے پانچ منٹ میں اسے بتا دیا کہ کہاں جھول تھے۔کہاں ریسرچ چاہیے اور کہاں اسے محنت کی ضرورت ہے۔محبت ایک طرف الفاریڈنگ ایک طرف۔اپنے کام میں وہ کافی پروفیشنل تھا۔

"تم میرے الفاریڈر بنو گے؟"گھر کی چھت پہ صاف آسمان کو دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"میں الفاریڈر بن بن کر تھک گیا ہوں اب مجھے ترقی چاہیے۔"

"اچھا پھر بتاؤ کیا بننا ہے؟"

"زور گڑھ کا داماد۔"

حنزلہ نے ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔"تمھیں مجھ سے شادی کیوں کرنی ہے آخر؟"

"تم مجھے چھوڑ کر گئی تھیں ناں اب شادی کر کے بدلا لوں گا۔"

"ٹھیک ہے پھر کر لیتے ہیں۔تم بدلا لینا۔میں ریویوز لیا کروں گی۔خوب بنے گی جب مل بیٹھیں گے خبطی دو۔"

"ٹھیک ہے پھر بتاؤ اماں کو کب بھیجوں؟"

"تم سے شادی کر کے کیا فائدہ؟پیر مریدی، تعویذ دم یہ سب کام مجھ سے تو نہیں ہوتا۔"

"تمھارے لئے رعایت ہے۔ تمہارا مرید ایک ہی ہو گا۔ تعویذوں پہ اسے یقین نہیں، دم درود وہ خود کر لیتا ہے۔ یہ مرید بس مرشد کے دیدار سے خوش ہو جاتا ہے۔"

حنزلہ نے مسکراہٹ دبائی۔ "تمہاری طرف گرمی بہت ہے۔ مجھے اتنی گرمی کی عادت نہیں ہے۔"

"میری ماں تمھارے لئے سارے گھر میں اے سی لگوا دوں گا۔" وہ کراہا۔

"تم تو غصہ بھی کرتے ہو۔"

"صاف صاف کہو تمہاری نیت ہی نہیں ہے۔" وہ جل کر بولا تھا۔ دوسری طرف وہ کھکھلا کر ہنس رہی تھی۔

یہ انکے درمیان ایک پہلی فون کال ضرور تھی مگر آخری نہیں۔ وہ اپنی مصروف سی زندگی میں سید شادان کے نام کا وقت نکال لیا کرتی تھی۔ اور وہ جاب لیس آدمی **(اس انٹرویو کے بعد شادان جاب سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا)** نئی نوکری ڈھونڈتے ہوئے اسے اپنے دن کے معمولات کے متعلق بتاتا رہتا۔ اب کالز میں کوئی تیسرا بھی شامل ہو گیا تھا۔ شادان کی اماں۔ جو اس سے موبائل لے کر حنزلہ سے لمبی چوڑی گفتگو کیا کرتیں۔ اسکے واٹس ایپ پہ مختلف ڈریسز اور جیولری کی تصاویر بھیج کر اسکی پسند ناپسند کے مطابق شاپنگ کرتی رہتیں۔ انکے حساب سے لڑکا لڑکی راضی تھے تو بھلا اعتراض کسے ہونا تھا؟ انکو یہ نہیں معلوم تھا کہ لڑکی کے گھر والے انکے بیٹے کے اغواکار تھے۔ شامل تو لڑکی خود بھی تھی خیر۔

وہ ایک بار پھر زور گڑھ گیا تھا۔اس بار انداز مختلف تھے۔اسکے ساتھ کئی لوگ تھے۔اسکے اماں، ابا، چچا اور پھپھو۔وہ لوگ پہلے بھی آ چکے تھے۔آج شادان کو آنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔گاڑی جبل خان کے گھر کے باہر آ کر رکی تو شادان باہر آیا۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھتی حنزلہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔وہ ایک اجنبی سے شناسا، پھر اسکا پسندیدہ قاری، اسکا ہاسٹیج ،وہ اسکا پسندیدہ مرد آج اسکی زندگی کا حصہ بننے والا تھا۔

اندر کی طرف جاتے ہوئے شادان لمحے بھر کو رکا۔کسی احساس کے تحت اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ اسے کھڑکی کی اوٹ میں وہ نظر آئی۔نگاہیں ملیں۔چہروں پہ مسکراہٹ در آئی۔اور پھر وہ کھڑکی کی اوٹ میں ہو گئی۔شادان مسکرا کر سر جھٹکتے ہوئے اندر کی اور بڑھ گیا۔مہمان خانے میں رکھے صوفوں پہ بیٹھے ہوئے اسے آج دوبارہ سے وہ تہہ خانہ یاد آگیا تھا۔

اسکی دائیں اور بائیں طرف جبل اور بہرام بیٹھے تھے۔عین سامنے والے صوفے پہ عیسٰی جو اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔بہرام اسے کھانے کی اشیاء یوں پیش کر رہا تھا جیسے شادان نے نہ کھایا تو اسی بات کو توجیہہ بنا کر رشتہ توڑ دے گا۔آج یہاں آ کر شادان کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر زبرج شاہنواز نے جبل کو مجبور نہ کیا ہوتا تو آج اسکا رشتہ یہاں نہ ہو رہا ہوتا۔وہ ہر بات کے جواب میں ہوں، ہاں جی، اچھا جی کہہ رہا تھا۔گردن جھکا رکھی تھی۔جب جبل اسکے کان کے پاس جھکا۔

”ہمیں تمہاری شرافت کا یقین آگیا ہے۔گردن اٹھا لو ٹوٹ جائے گی۔“

شادان نے گردن اٹھائی۔اسے زندگی میں پہلی بار "شرم" بھی آئی تھی۔یہ کافی آکورڈ صورت حال تھی۔موبائل پہ بجنے والی ٹیون پہ اس نے موبائل جیب سے نکالا۔بہرام موبائل کے اندر گھس کر دیکھ لینا چاہتا تھا کہ میسج کرنے والا کون ہے۔صد شکر کہ شادان نے رخ ترچھا کر لیا۔سکرین پہ treasureنامی کانٹیکٹ کا میسج تھا۔

"سفید رنگ میں تم کافی اچھے لگتے ہو۔"شادان نے چونک کر آس پاس دیکھا۔مہمان خانے میں ایک کھڑکی تھی مگر وہ بھی بند تھی۔پھر وہ اسے کہاں سے دیکھ رہی تھی؟

"تم کہاں سے مجھے دیکھ رہی ہو؟"

"کیوں بتاؤں؟"

"مجھے بھی دیکھنا ہے۔"

"تم فلحال میرے بھائیوں کو دیکھو۔اور میں تمھیں دیکھوں گی۔تم اتنے اچھے دکھتے ہو مجھے پہلے کیوں پتہ نہیں چلا؟۔"

"باز آجاؤ حانی،مجھے ہنسی آ رہی ہے۔"اسے واقعی ہنسی آ رہی تھی۔

"تم تو شرماتے بھی ہو۔ایسے زیادہ اچھے لگتے ہو۔"

شادان نے موبائل سے نگاہ ہٹائی۔بے بسی سے عیسیٰ،بہرام اور جبل خان کو دیکھا۔پھر موبائل کو۔اور ڈھیلے کندھوں سے ایک پیغام لکھا۔

"تمھارے بھائیوں کو میری شرافت پہ شبہ ہے۔یہاں انکی اپنی بہن مجھے ہراس کر رہی ہے۔"

اس روز بلاخران دونوں کی بات پکی ہو گئی تھی۔جس میں ایک بڑا عمل دخل جبل خان کا تھا۔اور اس سے یہ عمل کروانے والا کوئی بے حد عزیز تھا۔ماضی کی بھول بھلیوں سے وہ حال میں واپس آیاتو حنزلہ اسے کچھ بتا رہی تھی۔شادان کی نظریں اب کے اسٹیج کی طرف اٹھیں۔

"ہماری باری کب آئے گی؟"وہ اسٹیج پہ زلطان اور زخرف کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی نہیں۔ابھی تو میں میڈیکل کر رہی ہوں۔پھر ہاؤس جاب کروں گی پھر اسپلائنزیشن اور پھر تین چار سال بعد سوچیں گے۔"

"آسان لفظوں میں اسے ناں کہتے ہیں بی بی۔"

"کتنے ذہین ہو تم؟آہ میں تمہاری اسی ذہانت کو adore کرتی ہوں۔"

شادان نے کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر ایک طرف سے آتے بہرام کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک تو میرے سالوں کو سکون نہیں آتا۔اللّٰہ جانے انکو کیسے پتہ لگ جاتا ہے کہ میں انکی بہن کے ساتھ ہوں۔"

"انہوں نے تمھیں روکا تو نہیں؟"اس نے بامشکل مسکراہٹ دبائی۔

"محترمہ میں زور گڑھ کا تہہ خانہ نہیں بھولا۔ابھی صرف بات پکی ہوئی ہے تمھارے ساتھ بیٹھنے پہ یہ لوگ مجھے کچا چبا جائیں گے۔اللہ نے میرے لئے ہی ایسے سالے بھیجنے تھے؟"وہ جلے کٹے انداز میں کہتے ہوئے میز چھوڑنے لگا تھا۔

"تم میرے بھائیوں سے جلتے ہو۔"

"بلکل میں اپنے اس موقف پہ اب بھی قائم ہوں کہ کاش تم اکلوتی ہوتی۔"بڑبڑاتے ہوئے وہ چلا گیا۔

حنزلہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

۔شادان اسکی زندگی کا سب سے خوبصورت باب تھا۔کمفرٹ کرداراور حنزلہ کے نام کے ساتھ اسکا نام سب سے خوبصورت لکھائی۔

زور گڑھ کی فضائیں آج کل امن و سکون کے پیغام لکھ رہی تھیں۔ستمبر کے اوائلی دن تھے۔دن میں سردی کا زور کم ہوتا لیکن راتیں یخ بستہ تھیں۔پچھلے آٹھ ماہ بے حد مشکل رہے تھے۔اول تو لوگ برادری مشتعل رہی کہ جبل خان نے ان لوگوں کو آزاد کیا ہی کیوں۔اسکے بعد گولی چلانے والے لڑکے کے والدین کوئی ہزار ہا دفع اسکے گھر کے چکر لگا چکے تھے مگر نہ وہ انکا پتہ بتانے کو تیار تھا اور نہ کوئی معافی۔زبرج شاہنواز کے معاملے میں اسکے اصول مختلف تھے۔

چند دن قبل ہی علاقے میں نئے اسکول کی تعمیر شروع ہو گئی تھی۔خستہ حال ہسپتال کی عمارت کی مرمت بھی جاری تھی۔اپنے کمرے میں پلنگ پہ بیٹھے ہوئے وہ مختلف کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھ رہاتھا۔جب لاٹھی کے سہارے مورے چلتی ہوئی آئیں۔ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا۔جبل برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھا انکے قریب گیا اور دودھ کا گلاس لے لیا۔وہ اپنے فربہی وجود کو بامشکل اسکے کمرے تک لائی تھیں اور اب تھک گئی تھیں۔

"کیا کرتی ہیں مورے۔میں بچہ نہیں ہوں خود لے سکتا ہوں۔" وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔پھر انکاہاتھ پکڑ کر انہیں پلنگ پہ لا کر بٹھا دیا۔کاغذات سمیٹ کر رکھے۔اور دوسری طرف سے انکی گود میں آ کر لیٹ گیا۔آنکھیں موند لیں۔سکون سا سکون تھا جو ہر اور پھیل گیا۔

"حنزلہ کو اکیلے کیوں جانے دیا تم نے؟اب اچھا نہیں لگتا۔وہاں اسکا منگیتر بھی ہو گا۔" وہ اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا ہوئیں۔"تمہیں خود جانا چاہیے تھا۔"

"اماں میرا صرف نام جبل ہے۔ایسا پہاڑوں والا حوصلہ نہیں ہے کہ اسکی شادی میں مہمان بن کرجاؤں جہاں دولہا بن کر شرکت کرنی تھی۔" وہ بظاہر مسکرا رہا تھا۔مگر اسکا دل جانتا تھا مسکرانے کی یہ قیمت کتنی مہنگی ہے۔آنکھوں سے ہر قسم کی چمک رخصت ہو چکی تھی۔

"اکیلی کہاں ہے اماں؟بہرام گیا تو ہے ساتھ۔"

"بہرام سے اچھا تھا تو اکیلی ہی جاتی۔ تمھیں پتہ تو ہے کتنا لڑتا ہے وہ شادان سے۔" وہ ایک لمحے کو رکیں۔ "اسے کچھ عقل دو جبل بہنوئی سے ایسے نہیں لڑتے۔کل کلاں کو تمہاری بہن کو ہی مسئلہ ہو گا۔"

"میری بہن کو کوئی مسئلہ ہوا تو شادان مجھے جانتا ہے۔خیر مسئلہ نہیں ہو گا۔زبرج نے تسلی دلوائی تھی۔" زبرج کے ذکر پہ اماں کو بہت کچھ یاد آیا۔بے اختیار ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے انہوں نے پلنگ سے ٹیک لگا لی۔چہرے پہ آزردگی رقم تھی۔

"اب تم اپنے بارے میں بھی کچھ سوچو بچے۔"

"مجھے فلحال علاقے کا سوچنے دیں مورے۔"

"تمہاری شادی دیکھنے کا بہت ارمان ہے مجھے۔" وہ مصر ہوئیں۔

"دو سال دے دیں مورے،دو سال بعد بات کریں گے۔" اس نے ماں کا دوپٹہ چہرے پہ ڈال دیا۔اسکے چہرے کے رنگ بدل رہے تھے۔وہ ماں سے چھپانا چاہتا تھا۔

"دو سال میں کیا ہو جائے گا؟"

"میں اسے بھول جاؤں گا۔" وہ سہولت سے بولا۔

"تمھیں یقین ہے دو سال بعد بھول جاؤ گے اسے؟" وہ فکر مند ہوئیں۔چادر کے حالے میں جبل کا چہرہ کچھ مختلف تھا۔کوئی کرب سا تھا جو اسکی آنکھوں میں واضح تھا۔

"میں اسے اس زندگی میں نہیں بھول سکتا۔ہاں دو سال بعد خود کو تسلی اور ڈپٹ دے دوں گا کہ اب تو دو سال ہو گئے۔دو سال لمبا عرصہ ہوتا ہے۔اب انسان کے بچے بنو جبل۔"

مورے خاموش ہو گئیں۔جبل ایک لمبے عرصے بعد پہلے جیسا ہو رہا تھا۔ورنہ آٹھ ماہ پہلے وہ محفل کی سبکی وہ دوست کا غم وہ بلکل ڈھے گیا تھا۔آج کل وہ دوبارہ بات کرنے لگا تھا۔

"فلحال علاقہ سنبھالنے دیں مورے۔وقت آنے پہ شادی بھی کر لوں گا۔"وہ انکا جھریوں زدہ ہاتھ آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہنے لگا۔

"علاقے کا کیا ہے۔تم شادی کے بعد بھی سنبھال سکتے ہو۔"وہ بھی جبل کی ہی ماں تھیں۔لاجواب کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

"نہیں شادی کے بعد میں کام نہیں کروں گا۔اپنی بیوی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھوں گا۔پورے زور گڑھ میں کوئی جبل اجلال خان جیسا زن مرید نہیں ہو گا۔"

مورے ہنس پڑیں۔پھر محبت سے اسکے بال سہلائے۔"ایسا آدمی گنوا دیا اس لڑکی نے۔اپنا ہی نقصان کیا۔"

"صحیح کہتی ہیں۔ایسا زن مرید آدمی تو چراغ ڈھونڈ کر بھی نہیں ملنا تھا۔خیر اب کیا ہو سکتا ہے جھیلے اس سیاستدان کو۔"

مورے اب کے محض مسکرائیں کہا کچھ نہیں۔جبل خان انکی اولاد میں سب سے زیادہ خوددار،ذمہ دار اور محبت کرنے والا تھا۔وہ جتاتا نہیں تھا مگر حساس تھا۔اسکے زخم گہرے تھے بھرنے میں بہت

وقت لگنے والا تھا وہ جانتی تھیں۔ مگر زخم بھرنے بعد بھی وہ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ زمینیں بچاتے بچاتے وہ دل ہار بیٹھا تھا۔

"میں تمھارے لئے دعا کروں گی بچے۔" کافی دیر بعد وہ بہ دقت بولیں۔

"بس اب دعاؤں کا ہی آسرا ہے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ نرمی سے اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ اسکے لئے فکرمند تھیں۔ جبل کو بہرام کی بے وقوفیوں پہ غصہ آیا۔ "زندگی میں انسان کو بہت ساری محبتیں ہوتی ہیں مورے۔ کئی بار کئی محبتوں سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ بچپن جوانی ہر دور میں ایسے حالات آتے ہیں۔ میں علاقے اور تخت سے زیادہ محبت کسی دوسری شے سے نہیں کرتا۔ اس محبت میں فائدہ بھی ہے وہ محبت تو محض گھاٹا تھی۔ بچپن سے بڑھاپے تک انسان بہت ساری محبتیں چھوڑ دیتا ہے اس لئے نہیں کیونکہ وہ بزدل ہے یا برا ہے۔ کئی بار اس لئے کیونکہ مصلحت ہے۔ ایک محبت پہ ،ایک اور دستبرداری سہی۔"

"انسان کی محبت سے دستبرداری مشکل ہے بچے۔"

"مشکل، مشکل رہتی ہے مورے وقت بدل جاتا ہے۔ حالات بدل جاتے ہیں اور سہنے کی سکت بڑھ جاتی ہے۔ کچی کلاس کا سبق پہاڑ جیسا لگتا تھا کیونکہ عمر کم تھی۔ اب دسویں کلاس کا سبق مشکل لگتا ہے۔" اسکی تقریر کے جواب میں مورے کچھ نہ بولیں بس دکھ سے رونے لگیں۔ جبل کے دل پہ گھونسہ لگا تھا۔ مرد کے لئے اپنی ماں کی تکلیف شکست کا مقام ہوتی ہے۔

"مورے اب روئیں تو مت۔ آپ کو تو داجی مل گئے تھے آپ کو کونسا غم ہے ؟"

"زبرج چاہتا تو تمہارا رشتہ کروا سکتا تھا۔اس نے بس اپنے شہر والے دوست سے نبھائی۔"وہ مزید رونے لگی تھیں۔جبل خان کے الفاظ مرہم نہیں بن سکتے تھے ماؤں کو اولاد کے دل کے حال معلوم ہو جاتے ہیں۔

"ایسی بات نہیں ہے۔اسے مجھ سے زیادہ عزیز کوئی اور دوست ہو سکتا ہے لیکن وہ دوستوں میں ناانصافی نہیں کرتا۔انسان کو بعض دفع بے تکی محبتیں ہو جاتی ہیں۔جہاں نہ جوڑ ہو نہ کوئی آس امید۔میری محبت بھی ایسی تھی۔وہ بہت مختلف لڑکی تھی ہماری ساتھ نہیں چل سکتی تھی۔"

"رہنے دو تم۔محبت میں لوگ جانے کیا کیا کر جاتے ہیں۔رہنے والی عورتیں رہ جاتی ہیں۔"

جبل مسکرایا تھا۔"میری مورے یہی تو بات ہے۔محبت میں انسان بڑی بڑی قربانیاں دیتا ہے اس نے جس انسان کے لئے قربانی دینی تھی وہ سیاستدان تھا۔یہاں اسکے لئے مجھے قربانیاں دینی تھیں اور میں کم از کم یہ سب چھوڑ چھاڑ کر لڑکی کے عشق میں نہیں نکل سکتا۔"

"کوئی اور تدبیر بھی بن سکتی تھی۔"وہ اب بھی مصر تھیں۔جبل دوبارہ انکی گود میں لیٹ گیا۔یہ وہ سوال تھا جو وہ خود سے کرتا تھا۔تاویلیں وہ تھیں جو وہ گڑھتا رہتا تھا۔خود کو یقین دلانا اگر مشکل تھا تو کسی اور کو یقین دلانا نا ممکن۔

"اگر داجی زندہ ہوتے تو ہاں تدبیر نکل سکتی تھی۔جن بیٹوں کے باپ نہ ہوں انہیں کبھی بار زندگی کے چماٹ سہنے پڑتے ہیں۔میں بھی وہی کر رہا ہوں۔"

مورے کچھ بولنے لگیں جب جبل نے انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔"اب دفع کریں میری ناکام محبت کے قصے۔یہ بتائیں زرمینہ خالہ کی لڑکی کا کیا بنا؟شوہر سے صلح ہوئی کہ نہیں؟"

مورے اول تو مسکرائیں پھر اسے بتانے لگیں۔جبل نہیں سن رہا تھا۔اسکے سینے میں جھکڑ چل رہے تھے۔غیر ارادی طور پہ وہ تقریب میں ہونے والے واقعات کا سوچ رہا تھا۔اب شاید کھانا لگا ہو۔یا نکاح ہو رہا ہوگا۔یا شاید وہ اسکی سنگت میں تصاویر بنوا رہی ہوگی؟

شاید اب وہ میز کے گرد ایک ساتھ کھانا کھا رہے ہوں۔یا شاید زلطان اسکی کوئی طرف کر رہا ہو؟محبت تازہ تازہ ناکام ہوئی تھی۔سوگ بنتا تھا۔ایک لمبا عرصہ وہ زور گڑھ کی ہواؤں میں بھی اسکی موجودگی محسوس کرنے والا تھا۔

لان میں اب مہمان رخصت ہو چکے تھے۔موٹے قالینوں کے اوپر گاؤ تکیوں پہ ٹیک لگائے ہوئے اس وقت وہاں بس وہ دوست ہی موجود تھے۔حنزلہ تھوڑی دیر قبل بہرام کے ساتھ نکل گئی تھی۔ایک بڑے تکیے پہ ٹیک لگائے شادان اور حسن بیٹھے تھے۔انکے ساتھ زلطان اور زخرف تھے۔زلطان اب سفید کرتے میں تھا اور زخرف بھاری دوپٹہ ایک طرف رکھے پلیٹ ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی۔ابھی محفل عروج پہ تھی۔چائے اور کافی کے مگ بھرے ہوئے رکھے تھے۔

یکدم مینشن کا داخلی دروازہ کھلا تھا۔بے اختیار کسی شناسا احساس کے تحت انہوں نے گردن پھیر کر دیکھا۔سفید رنگ کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔چوکیدار دروازہ بند کر رہا تھا مگر ان چار لوگوں کے

لئے آنکھیں جھپکنا مشکل ہو گیا۔گاڑی کا دروازہ کھلا سیاہ چمکدار بوٹ زمین پہ دھرا گیا بوٹ کے ساتھ ایک چھڑی باہر آئی تھی۔ حسن اور زلطان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔شادان یک ٹک سامنے دیکھ رہا تھا اور زخرف کی بھوک یکدم غائب ہو گئی تھی۔انکی منتظر نگاہیں کسی پسندیدہ منظر کو دیکھنے والی تھیں۔

چھڑی کے ساتھ دوسرا بوٹ زمین پہ رکھتے وہ اب گاڑی سے نکل رہا تھا۔سفید سیاہ رنگ کے کرتا شلوار کے ساتھ کیمل رنگ کی شال اوڑھے،لبوں پہ مسکراہٹ سجائے وہ ان چار نمونوں کو دیکھ رہا تھا جنکو لگا تھا اسکی فلائٹ واقعی لیٹ ہو گئی ہے۔دوسری طرف سے دانین اور حمدان نکل کر آئے اور اسکے ساتھ آکر کھڑے ہوئے۔وہ دونوں بھی کسی تقریب کی مناسبت سے تیار لگتے تھے۔

"بے غیرت جب آنا ہی تھا تو ڈرامہ کیوں کیا؟ہم فنکشن دو تین گھنٹے آگے کر دیتے۔"زلطان نے ایک ہاتھ سے اسکی اسٹک لے لی۔پہلے اسے گلے لگایا۔اسے محسوس کیا۔اور پھر اس سے الگ ہوتے ہوئے اپنا کندھا پیش کیا۔

"فنکشن تو ابھی شروع ہوا ہے۔پہلے تو تمہاری بربادی کا قصہ چل رہا تھا۔با خدا اپنی شادی کے بعد کسی اور کی شادی دیکھی نہیں جاتی۔"اس نے بازو زلطان کے کندھے پہ پھیلایا۔کوئی جھجھک کوئی عار نہیں تھی۔

"ہاں بھائی تم تو چھ سات سال ہو گئے ہمارے تو ابھی چھ گھنٹے بھی نہیں ہوئے۔"وہ اسے لئے آگے چلنے لگا۔حسن نے اسکا دوسرا بازو اپنے کندھے پہ پھیلا دیا تھا۔

"اور ہماری اگلے چھ سات سال میں بھی ہوتی نظر نہیں آ رہی۔"حسن یاسیت سے بولا۔

"اللہ کا شکر ہے تمہاری ہونے والی یہ چند سال سکون کے گزارے گی۔"اپنی جگہ بیٹھے ہوئے شادان نے لقمہ دینا اپنا فرض سمجھا۔زبرج اب زلطان سے کچھ کہتے ہوئے اسکے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔سات ماہ بعد ان سب کو دیکھنا راحت دے رہا تھا۔سات ماہ بعد یوں لگا تھا جیسے کسی آوارہ پرندے کو آشیانہ واپس نصیب ہوا تھا۔

گولیاں لگنے کے باعث اسکی ریڑھ کی ہڈی کچھ متاثر ہوئی تھی مگر بروقت علاج کی وجہ سے وہ چھڑی کے سہارے چلنے لگا تھا۔چند ماہ تک اس چھڑی سے بھی جان چھوٹ جانے والی تھی۔وہ سات ماہ لندن میں زیر علاج رہا تھا۔چند روز قبل اسے زلطان اور زخرف کے نکاح کے لئے آنا تھا وہ آخری وقت تک اپنے آنے کی تسلیاں دیتا رہا تھا مگر عین شادی سے ایک دن پہلے وہ ڈاج دے گیا تھا۔اور اب وہ بغیر بتائے نمودار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب نیچے قالین پہ بیٹھے تھے۔زبرج دانین کے ساتھ تھا اور حمدان شادان کے سینے پہ سر رکھے ہوئے سو گیا تھا۔دانین آس پاس سجاوٹ دیکھ رہی تھی۔

"ڈیکور اچھا ہے لیکن اگر"

"دانین یہاں وائٹ ٹیولپس نہیں لگ سکتے تھے۔"زبرج اسکی بات کاٹ کر بولا۔

"میں نے کب کہا ہے لگانے کو میں تو ویسے ہی کہہ رہی ہوں۔"وہ خائف ہوئی۔

"مجھے پتہ ہے تمہارے بس میں ہو آدھی دنیا میں سفید ٹیولپس کی فصل اگا دو۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے تمھیں خوامخواہ بولنے کی عادت ہو گئی ہے۔"وہ خفا ہوئی۔

"ہاں میں ایسا ہی ہوں بچپن میں بل ڈوگ نے کاٹ لیا تھا اب پاگل پن کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔"

"آثار دیر سے نظر آئے ہیں،پہلے آجاتے تو اس وقت تم میرے ساتھ نہ ہوتے۔"

"تب میں چھپا کر رکھتا تھا، تمھیں اپنے جال میں جو پھنسانا تھا۔"

دانین نے کچھ سخت کہنے کو منہ کھولا پھر چپ کر گئی۔یقینا اسکے شوہر کے پاس ایک پھر جواب تیار ہو گا۔وہ اسے زچ کرنے کے ایک سو ایک طریقوں سے واقف تھا۔وہ اب اسے چھوڑ کر زخرف سے بات کرنے لگی تھی۔ زبرج کے کانوں کو سکون نصیب ہوا۔

حسن سلطان ٹھوڑی ہتھیلی تلے سجائے اب کسی کا ضبط آزمانے کو تیار نظر آ رہا تھا۔اسکی سب سے پہلی نظر زبرج پہ پڑی۔وہ گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کر چکا تھا۔

"تمھیں پتہ ہے زبرج جب تم ہسپتال میں تھے زلطان اور شادان تمھارے لئے رو رہے تھے۔"

"میں اس کے لئے نہیں رویا مجھے اپنا مسئلہ یاد تھا۔اس کے علاوہ اس جبل اور بہرام کو میرے رشتے کے لئے کس نے منانا تھا؟"شادان فورا بولا۔

"اور میں اس لئے پریشان تھا کیونکہ زخرف پریشان تھی۔ورنہ اس بھائی صاحب کی کسے پرواہ تھی؟"

"اوہ یعنی زبرج کا سب سے اچھا دوست تو پھر جبل خان ہوا؟ویسے مجھے بھی کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ ہسپتال میں کیا ہوا تھا۔"دانین کے کہنے پہ انہیں جیسے خفت ہوئی ہو۔زخرف کو لاشعوری طور پہ وہ منظر یاد آگیا تھا۔

وہ تینوں شام ہونے سے پہلے ہی واپس آگئے تھے۔شادان البتہ اب تک نہیں آ سکا تھا۔سب کچھ ویسا تھا۔ہسپتال کا انتظار بھی۔روتی ہوئی دانین بھی اور اگر کچھ بدلا تھاتو وہ جبل خان کے تاثرات تھے۔وہ اب نارمل ہو چکا تھا۔سب کے الزام اس نے سہے، پھٹکار اس پہ برسی اسے فرق نہیں پڑتا۔یہاں اسکا صرف ایک تھا وہ جو اندر تھا۔بس وہی،ہمیشہ رہا تھا اور ہمیشہ رہنے والا تھا۔

وہ خاموشی سے ڈاکٹرز اور نرسز کا ہر حکم بجا لاتا۔پھر چپ چاپ بنچ کے ایک کونے پہ آکر بیٹھ جاتا۔دو گھنٹے بعد بلاخر ڈاکٹر نے انہیں اپنے کیبن میں بلایا تھا۔زلطان اور جبل اس وقت کرسی پہ ڈاکٹر کے سامنے بیٹھے تھے۔جبل انکے عقب میں کھڑا ہوا تھا۔

"دیکھیں آپ کے دوست کو تین گولیاں لگی ہیں۔پہلی دو گولیاں نکالنا تھوڑا آسان تھا لیکن تیسری گولی نے انکی ریڑھ کی ہڈی کو تھوڑا بہت متاثر تو کیا ہے۔وہ چند ماہ چل نہیں سکیں گے۔ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں سکیں گے۔"حسن نے دھیرے سے کرسی کی پشت چھوڑ دی۔اسکے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔کوئی ان ڈاکٹرز کو ذرا ڈھکے چھپے الفاظ میں بات کہنا سکھائے۔

"اسکے علاوہ انکا علاج یہاں ممکن نہیں ہے۔آپ انہیں باہر لے کر جائیں گے تو پیسہ پانی کی طرح بہے گا۔مجھے سراج صاحب نے کہا ہے کہ میں آپ سے دو ٹوک بات کروں۔"زلطان کے

سخت ہوتے تاثرات دیکھ وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔حسن نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بولتے رہنے کا اشارہ کیا۔

"اس سارے وقت میں چونکہ وہ چل پھر نہیں سکتے تو بے حد چڑچڑے اور بے زار ہوجائیں گے۔اس وقت انہیں کئی چیزوں کی ضرورت ہے۔ایموشنل سپورٹ،کوئی انکی حالت سمجھنے والا پارٹنر یا پیرنٹ۔اور انہیں قید نہیں رکھنا۔سوائے چل پھر نہ سکنے کے انہیں باقی سب نارمل لگنا چاہیے۔مریض کے وہاوارثین اگر پیسوں کا انتظام کر لیں تو میں آپ کے لئے جلد از جلد ملک سے باہر کسی اچھے ڈاکٹر کے لئے بات کر سکتا ہوں۔"

"اسکےوارث اس وقت کئی ہیں۔"دروازے کی چوکھٹ پہ شادان کھڑا نظر آیا۔"آپ بات کریں اور خرچہ بتائیں سب ہو جائے گا۔"

ڈاکٹر اثبات میں سرہلاتے ہوئے اب انہیں مزید تفصیلات بتا رہا تھا۔لیکن اس وقت وہاں کھڑے ہوئے ان پانچ لوگوں کو صرف ایک ہی خیال آیا تھا۔اگر کسی کے وارثین میں سید شادان،زلطان،زخرف یا پھر حسن نہ ہوا تو کیا ہوتا ہو گا؟

یہ سوچ ہی انکے قدموں سے زمین کھسکا دینے کے لئے کافی تھی۔اس سوچ نے ایک نئ تحریک کو جنم دینا تھا۔اور دور کہیں ان کے دماغوں میں وہ جنم ہو چکا تھا۔دوسری سوچ اس آدمی کی تھی کو مانگ کر پانی بھی نہ پیتا تھاوہ کسی کا پیسہ لے کرکیسے جینے والا تھا یہ وہاں کھڑے وہ سب لوگ جانتے تھے۔

دہر مشکلات کے باب کھولنے والا تھا۔

"میرے لئے تم سب پریشان ہوئے ہو گے۔لیکن میں نے جس کو سب سے زیادہ پریشان کیا ہےوہ دانین ہے۔"اپنے پہلو میں بیٹھی عورت کے چہرے پہ نظریں جمائے،وہ کتنے عرصے بعد اسے محفل میں بھی سراہ رہا تھا۔اپنا برا رویہ وہ بلآخر بدل چکا تھا۔"اس نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔میں چاہ کر بھی اسکی خدمت کا قرض نہیں اتار سکتا۔میری بیوی نہ ہوتی تو زبرج یہاں نہ ہوتا۔"

"اگر تمھیں لگتا ہے تمہاری اس تعریف سے میں یہ بھول جاؤں گی کہ ہمیں ایک ہفتہ بعد دوبارہ تمھارے چیک اپ کے لئے جانا ہے تو تم بہت غلط ہو۔"وہ اسے چڑانے کے انداز میں کہتے ہوئے انکی طرف مڑی۔جانتی تھی وہ ہسپتالوں سے کتنا بھاگتا ہے۔

"تم لوگوں کو پتہ بھی ہے اس نے مجھے کتنا تنگ کیاہوا ہوتا ہے؟نہ دوائی،نہ ایکسرسائز،نہ خوراک۔اسکو انسان بنالو زلطان۔ورنہ باخدا ابھی صرف وقتی طور پہ چلنے سے محروم ہوا ہے میں نےاسے واقعی معذور کردینا ہے۔"

زلطان اسے کوئی تسلی دے رہا تھا۔اور دانین اسکی شکایات کر رہی تھی۔اسے دیکھتے ہوئے زبرج کاذہن حال سے منقطع ہونے لگا۔وہ اس عورت کا اسیر یونہی نہیں ہوا تھا۔یہ محبت نہیں تھی جس

نے انہیں اتنے سال جوڑے رکھا۔یہ شفقت اور نرمی بھی تھی۔وہ زندگی میں دوبارہ کبھی کسی دانین جعفر سے نہیں ملنے والا تھا یہ اسے یقین تھا۔

یہ لندن میں انکے قیام کا تیسرا مہینہ تھا۔زبرج کے علاج پہ پیسہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔وہ جو معمولی سی کامپلیکشن بتائی گئی تھیں دراصل معمولی نہیں تھیں۔اسکی ریڑھ کی ہڈی اچھی خاصی متاثر ہوئی تھی۔فلوقت اکاؤنٹس زلطان سنبھال رہا تھا۔وہ دوست تھا لیکن یہ زبرج کی غیرت اور انا پہ ایک کاری وار تھا جو اسے ہر روز گھائل کرتا تھا۔اول تو وہ کسی قسم کے علاج کے لئے تیار نہیں تھا مگر شادان نے اسے تسلی دی کہ یہ رقم وہ ادھار سمجھ کر رکھ لے۔اسکے علاوہ دانین کی ضد کے آگے اسے ہار ماننی ہی پڑی۔مگر صرف لفظی ہار۔اپنے عمل سے آج بھی وہ ضد پہ اڑا ہوا تھا۔

گلاس وال کے سامنے وہیل چیئر پہ بیٹھے ہوئے وہ لندن کی روشنیاں دیکھ رہا تھا۔عمارتیں روشن تھیں۔شور زندگی کی مانند تھا۔اس شہر سے اسکی بہت ساری یادیں جڑی تھیں۔سب اچھی اور خوبصورت یادیں۔لیکن ان تین ماہ میں کچھ بھی خوبصورت نہیں ہوا تھا۔

وہ بے رونق آنکھیں باہر نظر آتی عمارتوں پہ جمائے ہوئے تھا۔معاً اسکی نظر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آتی دانین پہ پڑی۔اسکے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں کانچ کا باؤل رکھا تھا۔حمدان اسکی قمیص کا دامن کھینچتے ہوئے روئے ہی جا رہا تھا۔اسکے ہاتھ میں کلرنگ بک تھی۔شاید وہ ماں کو اسی طرف متوجہ کرنا چاہ رہا تھا۔اسکے رونے کی آواز سن زبرج کی آنکھوں میں یکدم ڈھیر سارا اشتعال

ابھرا۔ دانین نے حمدان کو نظر انداز کرتے ہوئے باؤل اٹھا کر زبرج کو تھمایا مگر وہ حمدان کے ہر وقت کے اس رونے سے اتنا بے زار تھا کہ اس نے باؤل پوری قوت سے فرش پہ دے مارا۔

گرم گرم سوپ کے کچھ چھینٹے اسکے پیروں پہ گرے۔ حمدان رونا بھول کر سہم کر اسے دیکھنے لگا۔ دانین تو جیسے منجمند ہو گئی تھی۔ وہ دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے زبرج کو دیکھ رہے تھے۔

"اسکو لے کر دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اب اگر یہ رویا یا پھر تم میرے سامنے آئیں تو بہت برا ہو گا۔" وہ حلق کے بل چیخا۔ اسے بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ بے قابو ہو جانے والا غصہ۔ اسکے دماغ کی نسیں پھٹ پڑنے کے قریب تھیں۔ "میرا دماغ خراب کرنا بند کرو تم دونوں۔ جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

بغیر کچھ کہے اس نے ساکت ہوئے حمدان کا ہاتھ پکڑا۔ اسے اپنے بیٹے کا ہاتھ کپکپاتا ہوا محسوس ہوا۔ اپنے باپ کا یہ چہرہ وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"پاپا کو درد ہو رہا ہے ہم انہیں آرام کرنے دیں گے اوکے؟"

"ڈاکٹر کو بلائیں؟ پوچھیں ان سے۔" وہ بے حد آہستگی سے ماں کے کان کے پاس جھک کر بولا۔ دانین کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ حمدان ایک ایکسٹروورٹ اور کانفیڈینٹ بچہ تھا۔ خاص طور پہ باپ کے سامنے۔ مگر زبرج کے اس رویے سے وہ اچھا خاصا متاثر ہو رہا تھا۔ وہ اب زبرج کے سامنے جانے سے کتراتا تھا۔ کوئی بھی چیز ماں سے مانگتے وقت باپ کے غصے کی وجہ سے جھجھکتا تھا۔ دانین اسے باہر لے گئی۔ دوسرے کمرے میں بٹھا کر اسے حسن چاچو کو فون ملا کر دیا۔ وہ پہلے جھجھکتا رہا

پھر کھل کر بات کرنے لگا۔وہ واپس کمرے میں آئی تو زبرج کی آنکھیں اور چہرہ اب تک سرخ تھا۔

"یہ میرا باپ آکر اٹھائے گا؟یا میری ماں ؟یا تم مجھے میری معذوری کا طعنہ دینا چاہتی ہو؟"وہ جھگڑنا چاہتا تھا۔

دانین نے آگے بڑھ کر ریموٹ اٹھایاٹی وی آن کیا۔آواز تیز کی۔یہاں تک کہ کمرہ اب ٹی وی کی آواز سے گونج رہا تھا۔اوراسی لمحے اس نے آگے بڑھ کر شیشے کی ٹرے اٹھا کر فرش پہ دے ماری۔

"اگلی بار چیزیں توڑتے وقت یاد رکھنا کہ میں بھی تمہاری بیوی ہوں۔اور وہ جسے تم میرا بیٹا کہہ رہے ہو اسے جہیز میں اٹھا کر نہیں لائی ہوں میں۔"دانین دھیمی آواز میں غرائی۔اسکی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔"پچھلے تین مہینے سے تمہارا یہ رویہ دیکھ دیکھ کر میرا دماغ خراب ہوگیا ہے اور **ہمارے بیٹے** کا بھی۔"اس نے **ہمارے** پہ زور دیا۔زبرج کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔حمدان اسکا ویک پائنٹ تھا۔وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

"تم نے اپنے دوستوں کو ٹریپ کیا۔تمہاری ٹیم سے غلطیاں ہوئیں۔تمھیں گولی لگی کیونکہ تم اوور کانفیڈنٹ تھے۔تمھارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا اور میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں ہے۔اور تمہاری اتنی جرات بلکل نہیں ہونی چاہیے کہ تم ہم پہ چیزیں توڑو،چیخو یا پھر ہم پہ اپنی فرسٹریشن اتارو۔میں تمہاری بیوی ہوں تمھاری ملازمہ نہیں۔اگر تمہیں یہاں چھوڑ کر چلی گئی تو کوئی تمہاری لاش لینے بھی نہیں آئے گا۔۔"

"چھوڑ کیوں نہیں دیتیں تم مجھے؟اگر اتنا ہی برا لگتا ہوں میں۔لے جاؤ اپنے بیٹے کو بھی۔مجھ پہ رحم مت کھاؤ۔"دانین ساکت رہ گئی۔وہ بے یقینی سے زبرج کو دیکھ رہی تھی۔یہ غصہ،یہ فرسٹریشن یہ سب اس لئے کیونکہ اسے لگتا تھا وہ اس پہ رحم کھاتی رہی ہے۔؟

"چلی جاؤ تم۔میرے ساتھ رہ کر اپنی زندگی برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔حمدان کو بھی لے جاؤ۔میرے پاس تم دونوں کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"وہ ہمیشہ سے صاف گو رہا تھا مگر آج دانین کو اسکے الفاظ برچھی کی طرح چبھ گئے تھے۔

وہ جیسے تھم سی گئی ہو۔خاموشی سے کمرے کے ایک کونے میں رکھا ڈسٹبن اور جھاڑو لے آئی۔شیشے احتیاط سے اٹھا کر ڈسٹبن میں ڈالے۔پھر گیلے وپس لا کر اسکے پیروں کے قریب بیٹھ گئی۔زبرج نے وہیل چیئر کا بٹن دبا کر آگے بڑھ جانا چاہا مگر وہ اسکے پیروں پہ دباؤ بڑھا کر اسے روک چکی تھی۔اسکے دونوں پیروں پہ گولی کے داغ اب بھی تھے۔وہ دھیرے دھیرے اسکے دونوں پیروں پہ گرے سوپ کے قطروں کو صاف کرتی رہی۔وہ اس آدمی کے ایسے کام کرتی رہی تھی جس سے کوئی نرس بھی منع کر دے۔کیا صرف ہمدردی میں؟وہ وفا،خدمت ہر شے بالائے طاق کیسے رکھ گیا؟اس نے یونہی نگاہیں اٹھا کر زبرج کو دیکھا۔وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"رحم کھانے کو اس شہر اور پوری دنیا میں بہت لوگ ہیں زبرج۔میں تمھارے لئے جو بھی کرتی ہوں محبت میں کرتی ہوں۔تم آج بھی میرے دل پہ وہی اثر رکھتے ہو۔"محض اتنا کہہ کر وہ اٹھ کر

باہر چلی گئی تھی۔زبرج پشیمانیوں میں گھرا رہ گیا۔ان دونوں کے درمیان اس کے بعد کوئی بات نہیں ہوئی۔

اگلی صبح اسکی آنکھ کھلی تو اس نے زبرج کو صوفے پہ بیٹھے ہوئے دیکھا۔وہ مندی مندی آنکھیں مسلتی اسکی طرف چلی آئی۔صوفہ اسکی کمر میں درد دے دیتا تھا۔

"تمھیں کچھ چاہیے تھا؟مجھے بلایا کیوں نہیں؟"رات والی تلخ کلامی کا شائبہ تک نہیں تھا۔وہ واقعی اچھی بیوی تھی۔

زبرج خاموش رہا۔دانین نے گہری سانس لی۔اور اسکے قریب آکر بیٹھ گئی۔اب وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔اسکی سفید رنگت گندمی ہو گئی تھی۔آنکھوں کے نیچے حلقے،وزن گر گیا تھا۔سفید شرٹ اور سفید رنگ کے سلیکس میں ملبوس یہ وہ آدمی نہیں تھا جس سے دانین ملی تھی۔لیکن یہ وہ آدمی تھا جس سے اسے محبت تھی۔جو اسکا شوہر اور اسکے بیٹے کا باپ تھا۔اس مرد سے اسکے کئی رشتے نکلتے تھے۔وہ ضدی تھا اور دانین اسکے لئے انائیں چھوڑ دیتی تھی۔کئی لمحے خاموشی سے اسکے پاس بیٹھی رہی پھر اسکا بازو اٹھا کر اپنے کندھے پہ رکھا اور خود اسکے سینے سے سر لگا لیا۔آنکھیں موندے وہ اس سکون کو محسوس کرنے لگی جو ایک لمبے عرصے سے غائب تھا۔زبرج نے بے اختیار بازو اسکے گرد پھیلا لیا۔اور حصار تنگ کیا۔

"میرے سب دوستوں کو وہ سب مل گیا جس کے لئے وہ اتنے سالوں سے محنت کر رہے تھے۔اور میں ایک بار پھر پیچھے رہ گیا ہوں۔"وہ اسکے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔لہجہ

دھیما تھا۔"مجھے غصہ آتا ہے بہت زیادہ غصہ۔مجھے لگتا ہے میں معذور اور بے بس ہو گیا ہوں۔میں نے سب سیونگز ختم کر دی ہیں۔تم جس طرح مجھے،حمدان اور گھر کو دیکھ رہی ہو مجھے شرم آتی ہے۔"

"اگر تمھیں واقعی شرم آتی ہے تو پلیز just get back to life "وہ اسکے سینے سے سر نکال کر اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم اس طرح خود پہ،حمدان اور مجھ پہ گواپ نہیں کر سکتے ہو۔تم معذور نہیں ہو۔یہ وقتی ہے۔اور جو پیسے تمھارے دوست تم پہ خرچ کر رہے ہیں وہ قرضہ ہے۔تمھیں اسکو اتارنا ہے۔اس قابل بنو کہ اس قرضے کو اتار سکو۔"

زبرج خاموش رہا۔دانین کے بالوں میں چلتا اسکا ہاتھ رک گیا۔اب وہ اسکا گود میں دھرا ہاتھ پکڑ چکی تھی۔

"میں آٹھ ماہ کی پریگنینٹ تھی زبرج۔چودہ سیڑھیوں سے گر گئی۔"بے حد مدھم لہجے میں کہی ہوئی اسکی بات زبرج کے دل پہ گھونسے کی طرح آ کر لگی تھی۔"وہ تکلیف،میں اسے سوچ کر بھی مرنے لگ جاتی ہوں۔ تمہارا بیٹا تم پہ گیا ہے۔نیند اسے دنیا سے بے خبر کر دیتی ہے۔وہ سو رہا تھا اور اگلے دن صبح بارہ بجے اٹھا۔لیکن تب تک دیر ہو چکی تھی۔میں نے میرا بچہ اور صحت کھو دیئے۔مجھے بس غصہ آتا تھا۔بہت زیادہ غصہ۔"

"جس کا مظاہرہ تم مجھ پہ کرتی رہیں۔"

"ہاں کیا۔کیونکہ مجھے لگا تھا تم وہاں ہوتے تو یہ سب نہ ہوتا۔لیکن دو ماہ پہلے مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں غلط تھی۔ تمھیں گولیاں تب لگیں جب تمھارے دائیں بائیں تمھارے دوست تھے۔وہ دوست جو تمھارے لئے مر اور مار سکتے ہیں۔میں نے ان کو ہسپتال میں دیکھا۔وہ رو رہے تھے زبرج۔میں جو تمہیں لاپرواہ سمجھتی آئی تھی اس روز مجھے سمجھ آگئی۔انسان کے حصے میں جو تکلیف آنی ہوتی ہے وہ آ کر رہتی ہے یہ میں اس روز سمجھ گئی تھی کہ بیماری انسان کو اکیلا کر دیتی ہے۔اندر سے۔اور پھر وہ باہر بھی سب لوگوں کو خود سے دور کرتا جاتا ہے۔

میں نے ڈیڑھ سال تمہیں سزا دی۔خود کو ہمارے بیٹے کو سزا دی حاصل کیا ہوا کچھ نہیں۔میں نے ہماری زندگی کو ڈیڑھ سال برباد کئے رکھا ہے اور اب اگر تم اگلے تیس سال کے لئے یہی پلان کر رہے ہو تو پلیز مت کرو۔"وہ بول رہی تھی اور زبرج نے تھک کر پیر سمیٹتے ہوئے سر کو اسکی گود میں رکھ لیا۔اسکی آنکھوں سے نمکین پانی بہہ رہا تھا۔وہ تھک گیا تھا۔شکست خوردگی کے عالم میں اسے پناہ مل گئی تھی۔اس عورت کے پاس جس سے اسکے کئی رشتے نکلتے تھے۔

"غصہ آ رہا ہے تو کنٹرول کرنے کی کوشش کرو۔سب اگر ختم ہوتے ہوئے نظر آ رہا ہے تو دوبارہ بنانے کی کوشش کرو۔تم ہمیشہ سے flexible رہے ہو۔پھر اب کیوں اس طرح خود کو ضائع کر رہے ہو؟ تمھارے دوست دن میں دس دس دفع تمھارے لئے کالز کر رہے ہیں۔جبل تمھیں دیکھنے آنے کے لئے ویزہ کے چکروں میں خوار ہو رہا ہے۔اور تم ہمارے ساتھ یہ کر رہے ہو؟ہم یہ سب ڈیزرو نہیں کرتے۔"

”میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا موقع کھو دیا ہے۔میرے خسارے ان گنت ہیں۔“اسکی آواز گیلی اور بھاری تھی۔دانین نے محبت سے جھک کر اسکا کندھا چوما۔پھر اسکا سر چوما۔وہ رونے لگا تھا۔

”جب تک زندگی ہے خسارے ری پلیس ہو سکتے ہیں۔حمدان کو دیکھا ہے؟وہ بچہ سہم کر رہ گیا ہے۔تم سے ڈرنے لگا ہے وہ۔کئی فیصلے اپنے لئے نہیں خاندان کے لئے لینے پڑتے ہیں تم اپنے خاندان کے لئے بھی واپس نہیں آ سکتے؟“

”میری جاب جا چکی ہے۔واپسی کب ہو پتہ نہیں۔میرے پاس اب لمبی چوڑی سیونگز نہیں ہیں۔تمہیں میرے ساتھ بہت اسٹرگل کرنی ہوگی۔“

”میں کئی سالوں سے کر رہی ہوں۔تم اکیس سال کے تھے جب ہماری شادی ہوئی تھی۔“

”بچے کو اپنی اداؤں کے جال میں پھنسا لیا تم نے۔“وہ روتے روتے ہنس پڑا۔

”جاب لیس آدمی اوپر سے شادی کے پہلے سال ہماری اولاد۔“وہ اسکی بات سنے بغیر بول رہی تھی۔”ہم نے اچھا برا وقت ساتھ دیکھا ہے لیکن کم از کم تمہارا رویہ اچھا تھا۔اگر اب بھی انسان کے بچے بن کر رہو تو میں تمھارے ساتھ ہر محاذ کے لئے تیار ہوں۔“

دانین مزید بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی جب زبرج نے دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑے حمدان کو دیکھا۔وہ نیند سے اٹھ کر آیا تھا۔آنکھیں سوجی تھیں۔سرمئی رنگ کے نائٹ سوٹ میں ملبوس ٹیڈی بیئر سینے سے لگائے وہ مزید سونے کا ارادہ رکھتا تھا۔

زبرج نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔وہ جھجھکتا ہوا آیا۔باپ کے قریب آ کر اسکے ماتھے اور چہرے کو دیکھا۔

"آپ کو درد ہو رہا ہے تو میں بعد میں آجاؤں؟"زبرج کو اس وقت اسکی معصومیت پہ بے تحاشا پیار آیا۔وہ دانین کی گود سے اٹھ بیٹھا۔اپنی اسٹک اٹھائی اور حمدان کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ کی طرف گیا۔دانین نے اسے احتیاط سے لٹایا۔زبرج نے دوسری طرف سے حمدان کو بیڈ پہ آنے کا کہا۔وہ باپ کو دیکھتا رہا۔

"نہیں اسکی ٹیوشن کا وقت ہے۔"وہ منع کرتے ہوئے بولی جسکو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے زبرج نے اسے اپنے ساتھ لٹایا۔کمفرٹر اسکے اوپر ڈالا اور لیمپ بجھا دیا۔اسکا ٹیڈی اس سے لے کر دوسری طرف رکھا۔

"سونے دو ہمیں تم جاؤ،پڑھنے کے لئے ساری زندگی پڑی ہے۔"اس نے حمدان کے گرد بازو حمائل کیا تو وہ کھکھلایا۔پھرباپ کے سینے سے لگ کر آنکھیں بند کر لیں ایسے جیسے وہ واقعی سو گیاہو۔دانین اول توہنس پڑی۔پھر حمدان کے دوسری طرف آ کر لیٹ گئی۔اور اپنا بازو اسکا گرد حمائل کیا۔

اس دن سے زندگی میں مثبت تبدیلیوں کا دور شروع ہوگیا تھا۔وہ اب صبح یوگا کیا کرتا تھا۔پھر حمدان کو ہوم ورک کرواتا۔گھر میں دانین ک ناک دم کئے رکھتا۔اور بقایا وقت وہ اپنا محبوب شوق ہیکنگ کرتا۔اسکیپر سے رابطہ بحال ہو گیا تھا اور اب وہ اسے مختلف کام سونپتا رہتا

تھا۔وہ تیزی سے بہتری کی طرف آ رہا تھا۔اب دانین اسے اسٹک کے ساتھ ہی باہر بھی لے جاتی تھی۔لندن ایک بار پھر جی اٹھا تھا۔وہ سرخ بس میں یہاں سے وہاں سفر کرتے۔پرانی مارکیٹس جاتے۔لندن کی قدیم عمارتوں پہ گھنٹہ گھنٹہ تبصرے کرتے۔

ٹاور برج کے سامنے کھڑے ہو کر کئی کئی گھنٹے باتیں کرتے۔زبرج چونکہ کھانے پینے کا شوقین تھا سو وہ اسے ہر اس دیسی ریستوران لے جاتا جہاں کچھ بھی اچھا ملتا ہو۔وہ لفظوں میں اچھا نہیں تھا تو عمل سے مداوا کرتا رہا۔ایک اور تبدیلی بھی آئی تھی۔اب وہ اسے پھولوں کی دکان پہ رک کر ہر رنگ کے ٹیولپس خرید کر دیتا تھا۔وہ انکار نہیں کرتی تھی۔کر بھی کیسے سکتی تھی؟اس نے اپنے اپارٹمنٹ میں ہر جگہ سفید ، جامنی،سرخ اور گلابی ٹیولپس رکھ دییے تھے۔اور اب دیکھ بھال وہ دونوں نہیں کرتے تھے۔اب دیکھ بھال وہ کرتا تھا جسے پھولوں سے عشق ورثے میں ملا تھا۔

وہ زبرج کی کاربن کاپی تھا۔باتیں،عادات،ذہانت بس ایک پھولوں کا عشق تھا جو اس نے ماں سے لیا تھا۔اور پھول بھی ٹیولپس۔زبرج کو اب بھی پھولوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا لیکن اس نے پاکستان میں اپنے گھر کے قریب جبل سے کہہ کر ایک چھوٹی سی شاپ بنوا لی تھی۔وہ پر یقین تھا کہ اس میں وہ ہر رنگ نسل کے پھول بھر کر دانین کو اسکا شوق واپس دے گا۔اور اگر وہ یہ کام نہیں بھی کر سکا تو اسکا ولی عہد یہ ذمہ داری اپنے سر لینے کو تیار نظر آتا تھا۔

چند ماہ کٹھن تھے مگر باب دہر ایک بار پھر انکے ساتھ مہربان ہو چکا تھا۔دہر ہر اس انسان کے لئے مہربان ہے جو اپنے ساتھ مہربان رہا ہو۔جس نے اپنے لئے کوشش کی ہو۔

"سننے میں آیا ہے کہ حسن سلطان آج کل "**ڈیٹس**"مار رہا ہے۔"خوش گپیوں کے دوران سید شادان کی زبان کو کھجلی ہوئی تو اس نے ایک پول کھولا۔ حسن سلگ ہی تو اٹھا۔باقی سب کی دلچسپیوں میں اضافہ ہوا۔

"تم میری جاسوسی کر رہے ہو؟ذلیل آدمی۔"

"میں اور تمہاری جاسوسی؟بھائی تم ایسے ناکام عاشق ہو جہاں جاتے ہو تمھارے کارنامے ہوا میں خوشبو کی طرح پھیل جاتے ہیں۔"وہ آرام سے لیٹ گیا۔پھر محظوظ نظروں سے حسن کو دیکھا۔"یہ قصہ تم سناؤ گے یا میں اپنی زبان کو زحمت دوں؟"

"تم چپ رہو۔صرف قصہ نہیں سناؤ گے تم تو نیشنل اور شان مسالحہ بھی لگاؤ گے۔"اس نے گلا کھنکھارا۔اور سب کو ایک ایک نظر دیکھا۔وہ سب کچھ سننے کے لئے منتظر تھے۔حسن سلطان نے آنکھیں بند کیں،وقت میں سفر کیا۔آس پاس برقی قمقمے غائب ہوئے اور کورٹ کے اونچے اونچے ستون بڑی ہی تمکنت اور غرور سے کندھے اٹھائے ہوئے چند لمحوں کے لئے کہانی کا حصہ بننے کے لئے تیار ہوئے۔

اگست کی جھلسا دینے والی دھوپ میں وہ فون کان سے لگائے ہوئے کورٹ کے احاطے میں کھڑا تھا۔چہرے پہ دبا دبا غصہ تھا۔اور پسینے کی ننھی ننھی بوندیں بھی۔سخت سست کہہ کر اس نے کال

کاٹی تو بے اختیار سامنے رکنے والی پولیس کی گاڑی پہ نظر پڑی۔خاتون اہلکاروں کے ساتھ ایک لڑکی گاڑی سے باہر نکل رہی تھی۔ حسن ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

اس نی سفید اور سیاہ رنگ کا لیڈیز تھری پیس پہن رکھا تھا۔پیروں میں صاف جوتے تھے۔ حسن کو اسکی صرف یہی عادت بہت پسند رہی تھی۔ کرمنل تھی لیکن جوتے اچھے پہنتی تھی۔ بالوں کی بیچ والی مانگ نکال کر انکو کس کر جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔رنگت سانولی تھی اور نقوش بے حد عام۔اسکا گول مٹول سا سراپا اسے اپنی عمر سے بے حد کم بتاتا تھا۔اسے دیکھتے ہوئے حسن کے ذہن میں پہلی ملاقات کی یاد تازہ ہوئی۔پچھلی ملاقات میں وہ اس پولیس موبائل میں بیٹھ رہی تھی۔ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔

کوئی ایک سال قبل کا ذکر ہے۔عدالت کے احاطے میں معمول کا رش تھا۔شور بھی اپنے عروج پہ تھا۔عام دنوں کی بے زاری عنقا تھی آج اچھے موسم نے عدالت پہ اپنااثر چھوڑا تھا۔ہلکی ہلکی بوندا باندی طبیعت پہ خوشگوار تاثر چھوڑ رہی تھی۔ حسن اپنے اسسٹنٹ کے ساتھ چلتے ہوئے اس سے مختلف چیزوں کے متعلق رائے لے رہاتھا۔اسکے ہاتھ میں اپنا ایک بیگ بھی تھا۔اور وہ کافی تھکاہوا لگ رہا تھا۔

”ویسے یہ آپ نے اچھا نہیں کیا وکیل صاحب۔“آواز پہ اس نے مڑ کر دیکھا۔خواتین کے نرغے میں وہ آرہی تھی۔وہی جسے ایک کیس میں جھوٹی گواہی کے لئےایک سال کی سزا ہوئی تھی۔اور وہی جسے سزا دلوانے والا وہ خود تھا۔وہ آنکھیں سکیڑے اسے دیکھنے لگا

"تھوڑی سی بات یہاں سے وہاں کیا کر دی آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے۔سزا ہی لگوا دی؟اب ایسا بھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا میں نے۔"وہ مسلسل بول رہی تھی۔خاتون اہلکار اسے زبردستی لے جا رہی تھیں۔وہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ رہی تھی۔

"بات کرنے دو مجھے۔حسن بات کریں مجھ سے۔اللہ معاف نہیں کرتا آپ جیسے ظالموں کو۔مجھ جیسی مظلوم سے کیا بیر تھا؟"

"اے رکو۔"حسن نے آواز دے کر اہلکار کو روکا۔وہ سب رک گئے۔لڑکی پوری طرح اسکی طرف مڑی۔اسکی رنگت دمک رہی تھی۔چہرے پہ دبا دبا جوش در آیا۔

"تمھیں سمجھایا تھا ناں گواہی مت بدلو۔اب دیکھو بھگت رہی ہو ناں۔کیا ضرورت تھی جھوٹی گواہی کی؟"وہ اسے گھرک رہا تھا۔

"چھوڑیں یہ عدالت کے بے کار قصے آپ مجھے یہ بتائیں میرے ساتھ کافی پینے چلیں گے؟"

حسن نے غور سے اس عجیب و امیر نمونی کو دیکھا۔سفید رنگ کی گول گلے والی شرٹ کے اوپر گہرے جامنی رنگ کا بلیزر اور ہم رنگ ٹراؤزر پہنے وہ خود کو امیر عورت دکھانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی مگر حسن سلطان ایک نظر میں اس سوٹ کی مالیت اور کوالٹی بتا سکتا تھا۔اس سے بات کرنے کا وہ ایک بے حد بھونڈا طریقہ اپنا چکی تھی۔۔

"بی بی تم جیل جا رہی ہو۔ایک سال تو کہیں نہیں گیا۔جیل میں چائے پلاؤ گی مجھے؟یا وہاں سے بنوا کر کورٹ بھجواؤ گی؟"

"جیل سے واپس بھی آنا ہے میں نے ویسے بھی یہ پہلی بار نہیں ہے۔ایسی گواہیوں کے چکر میں تین چار بار short period پہ جیل جا چکی ہوں میں۔اس بار تھوڑا زیادہ جھوٹ بول لیا۔" حسن نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔یعنی وہ ان لوگوں میں سے تھی جو چند روپوں کے لئے جھوٹی گواہی دیتے ہیں؟اسے بے اختیار تاسف ہوا۔

"آپ یہ بتائیں چائے پیئیں گے میرے ساتھ۔آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔میں نے ایک دو بار پہلے بھی آپ کو اپروچ کرنے کی کوشش کی ہے۔آپ تو ہاتھ ہی نہیں آتے یار۔"

حسن کا چہرہ سرخ ہوا۔وہ بھرے احاطے میں کس قدر بے باکی سے آفر کر رہی تھی۔

"میں کرمنلز کے ساتھ چائے کافی نہیں پیتا۔" ذرا سختی سے کہا۔

"لیکن میں جب واپس آؤں گی تب ایک کرمنل نہیں رہوں گی۔اپنے کیئے کی سزا کاٹ کر واپس آؤں گی۔میری واپسی پہ تو میں پارسا بن کر آؤں گی۔"

"آپ کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے؟میں آپ کو جیل بھیج رہا ہوں۔اور آپ مجھے کافی کی آفر دے رہی ہیں۔" حسن کو لگا جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔وہ آگے بڑھنے لگا۔

"میرا دل دیکھیں پھر تو۔آپ کے سارے قصور بھول بھال کر آپ کے ساتھ چائے کافی پینا چاہتی ہوں۔یہ بتائیں پھر میں ہاں سمجھوں؟" وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نظر نہیں ہٹا رہی تھی۔حسن نے مڑ کر ایک نظر اس آفت کو دیکھا۔وہ ہنوز آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اسے تک رہی تھی۔

"مس پارس اپنی سزا کاٹ کر واپس آنا اگر یاد رہا کوئی حسن سلطان ہے اس دنیا میں تو کال کر لینا۔کافی کیا ڈنر بھی کروں گا تمھارے ساتھ۔" وہ جل کر کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔اسکا اسسٹنٹ مسکراتے ہوئے اسکے پیچھے گیا تھا۔

"میں آپ کی موجودگی کبھی نہیں بھول سکتی سلطان صاحب۔" اس نے ایک بار پھر ہانک لگائی۔

پارس بغیر ماتھے پہ شکن لائے مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔جیسے اسے یقین تھا وہ واپس بھی آئے گی اور اسے یاد بھی رکھے گی۔وہ واقعی اسکی موجودگی کو نہیں بھول سکتی تھی۔

پورے ایک سال بعد وہ اسے پولیس موبائل سے اترتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ہلکا سانولا رنگ۔گول مٹول سا چہرہ، بھرے بھرے گال اور اسکی چمکدار آنکھیں سب بلکل ویسا ہی تھا۔مگر آج وہ اچھی لگی تھی۔حسن سلطان اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔وہ کورٹ کی راہ داریوں میں ایک دو بار پہلے بھی اس سے مل چکا تھا مگر بات نہیں ہو پائی تھی۔وہ جیل میں ایک ملزم سے ملنے گیا تھا بات تب بھی نہیں ہو پائی تھی۔لیکن یہ لڑکی اور یہ چہرہ اسے یاد تھا۔ایک سال قبل وہ اسکی موجودگی نہ بھولنے کا تہیہ کئے ہوئے تھی اور آج ایک سال بعد اسے معلوم ہوا کہ بھولا تو وہ بھی نہیں تھا۔

وہ پولیس والوں کی معیت میں چلتی ہوئی جا رہی تھی مگر حسن کے سامنے رک گئی۔وہ بھی ہاتھ کے اشارے سے پولیس اہلکاروں کو رکنے کے لئے کہہ چکا تھا۔اس کچہری میں اس سیاہ سفید کوٹ پینٹ میں حسن سلطان ایک بے حد مختلف انسان تھا۔بارعب، معتبر۔اور وہ کون تھی؟ایک کرمنل اور جھوٹی۔

"آپ کو یاد ہے وکیل صاحب؟میری چائے آپ پہ ادھار ہے۔" وہ اسکے قریب رک کر دلکشی سے کہہ رہی تھی۔

حسن گردن جھکا کر مسکرایا۔اور اسکی ڈھٹائی کو داد دی۔

"مس میں آپ کو اور آپ کی چائے کو نہیں بھولا۔لیکن ایک بات بتائیں مجھ سے کیوں ملنا ہے آپ کو۔یعنی ایک سال بعد بھی؟"

"بتایا تو تھا آپ اچھے لگتے ہیں مجھے۔اور لگتے رہیں گے۔" وہ اسکے چہرے ہ نظریں جما کر بے نیازی سے بولی۔

"آپ میرے ساتھ فلرٹ کر رہی ہیں۔حلانکہ میں ایک شریف خاندان کا مرد ہوں۔"

"دو تین دفع جیل کی ہوا کھائی ہے اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں کوئی شریف نہیں ہوں۔" وہ خفاہوئی۔پھر حسن کا مسکراتا چہرہ دیکھا خفگی دور ہوگئی۔"خیر چھوڑیں آج میری رہائی ہے موڈ خراب نہیں کرنا۔ہم اس ویک اینڈ پہ چائے پیئیں گے۔کیفے ونگ چارم،شام پانچ بجے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھی۔ایک قدم،دو قدم، تین قدم۔

پھر اس نے مڑ کر دیکھا۔حسن سلطان نے بھی عین اسی وقت گردن پھیر کر دیکھا۔لڑکی کی آنکھیں گویا چمک اٹھی ہوں۔عدالت کی عمارت سے دور کہیں چھن کر آتی دھوپ نے ان دونوں کے چہرے بیک وقت منور کیئے۔وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرارہے تھے۔

"شریف گھروں کے مرد یوں لڑکیوں کو مڑ مڑ کر نہیں دیکھتے وکیل صاحب۔"

پارس نے ہانک لگائی۔ کئی لوگوں نے مڑمڑ کر دیکھا۔ حسن کو خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر جب تک وہ راہداریوں میں اوجھل نہیں ہو گئی وہ اسے دیکھتا ہی رہا تھا۔ وہ چلی گئی تب بھی کئی لمحے مسکراہٹ اسکے چہرے سے جدا نہیں ہو سکی۔

وہ اس سے نہیں ملے گا یہ خیال اسکے ذہن میں تھا مگر ویک اینڈ پہ وہ تیار ہوا۔ باقی پلانز کینسل کئے۔ اپنے سب سے پسندیدہ جوتے پہنے اور وہ کیفے ونگ چارم میں موجود تھا۔ ہلکے بھورے رنگ کی گول گلے والی شرٹ کے اوپر کیمل کلر کا کوٹ اور ہم رنگ پینٹ پہنے بالوں کو اچھے سے سجائے۔ وہ اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ یا شاید اس کے اس طرح دیکھنے پہ کنفیوژن کا شکار ہو رہا تھا۔ بہرحال جو بھی تھا اس نے ایسی صورتحال کا سامنا زندگی میں پہلی دفع کیا تھا۔ وہ یہاں desperate ہو کر نہیں آیا تھا اسے یقین تھا چائے ایک بہانہ ہے۔ وہ لڑکی اس سے کچھ مختلف کہنا چاہتی ہے۔

”آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟“

”بتایا تو تھا آپ اچھے لگتے ہیں۔ آپ کا کام پسند ہے۔“

”کہیں میں آپ کو اپنے بھائی جیسا تو نہیں لگتا؟“

”استغفراللہ . . . . “اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”پھر میں آپ کو کسی کزن کے جیسا لگتا ہوں؟ یا پھر میں آپ کے بیٹے جیسا ہوں؟ یا ابو جیسا؟“ وہ آنکھیں چھوٹی کئے تفتیش کرنے لگا تھا۔

"بڑے ہی کوئی بدذوق انسان ہیں آپ۔ نہیں لگتے آپ مجھے بھائی، ابو، بیٹے یا پھر کچھ اور۔ موڈ ہی غارت کر دیا۔" وہ بری طرح بد مزہ ہوئی۔ کافی کا مگ دھپ سے میز پہ واپس رکھا۔ اسکی چھوٹی آنکھوں میں ناگواری اتر آئی تھی۔

"یعنی زندگی میں پہلی بار نہ میں بھائی زون ہوا، نہ فرینڈ زون۔؟" وہ ہلکی آواز میں بڑبڑایا۔ پھر ہاتھ باہم جوڑ کر آگے کو ہوا۔ آنکھوں میں اب کے دلچسپی تھی۔

"یعنی میں آپ کو آپ کے کسی سابقہ تعلق کی یاد نہیں دلاتا؟"

"اب ایسا بھی نہیں۔" وہ افسردہ ہوئی۔ "میرا ایکس بلکل آپ کے جیسا تھا۔" اور یہ ٹوٹے حسن سلطان کے ارمان۔

"مجھے آپ کو دیکھ کر فورا وہ یاد آیا تھا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔"۔

"میں . . . ." وہ جیسے چند لمحوں کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔

"اسکی دو سال پہلے ڈیتھ ہو گئی تھی اور وہ اب بھی میرے خواب میں آتا ہے" . . . .

"بہت ہو گیا بی بی۔" وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "بھائی زون، سچوئیشن زون، فرینڈ زون سب ہوا تھا میں۔ لیکن آج تک میں کبھی" **لاش زون**" نہیں ہوا۔" صدمہ گہرا تھا۔

"ارے میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ اصل میں ایک کیس ہے میں چاہتی ہوں آپ وہ لے لیں۔ میں۔۔۔"

حسن بغیر کچھ سنے اور کہے آگے بڑھ گیا۔وہ اسکے پیچھے نہیں گئی۔بس وہیں سے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

"میں تو بس آپ کو کلئیر کر رہی تھی یار۔اچھے تو آپ ہی لگتے ہیں۔"

حسن نہیں مڑا۔بھائی زون۔فرینڈ زون۔سب ٹھیک تھا۔لاش زون ہونا اؤنہوں یہ بہت زیادہ ہو گیا تھا۔وہ جس افسردگی اور طیش کے عالم میں وہاں سے نکلا تھا۔حال میں گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے اسکے دوست اس سے زیادہ جاہلانہ انداز میں ہنس رہے تھے۔البتہ وہ کمپوزڈ تھا۔اسکے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی تھی۔

"حسن تمھارے ہاتھ میں لڑکی کی لکیر ہی نہیں ہے۔"زخرف تاسف سے بولی۔

"لکیر؟بھائی لکیر بہت بڑی بات ہے۔اسکے ہاتھ میں لڑکی کے نام کا نقطہ بھی نہیں ہے۔"شادان چمک کر بولا۔

"اس نے دوبارہ ٹیکسٹ نہیں کیا؟"کام کا سوال تو اب زلطان کی طرف سے آیا تھا۔

"کیا تھا۔اسے کسی پہ کیس کرنا ہے اور وہ چاہتی ہے یہ کیس میں لوں۔اسکے علاوہ اس نے ایک نوٹ بھیجا جس میں اپنے ایکس اور اپنے تعلق کے بارے میں لکھا تھا۔دیکھتے ہیں اب کیا ہوتا ہے۔"

"تم اس سے ملنا،پتہ نہیں کیوں لیکن مجھے وہ سول میٹ والی وائب آ رہی ہے۔"دانین نرمی سے بولی۔

”مت ملنا، مجھے تو لاش والی وائب آ رہی ہے۔“زبرج نے ٹانگ اڑائی۔

”یہ لاش کے ساتھ بھی رہنے کو تیار ہو جائے گا بھائی۔ اسکی فکر کس کو ہے؟“شادان کی اپنی تازہ تازہ منگنی ہوئی تھی وہ تو ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔

حسن جل کر کوئی جواب دے رہا تھا۔ شادان بدلے میں اسے اور تپا رہا تھا۔ فرصت کے یہ چند لمحے تھے جو انکو میسر تھے۔ جن میں سکون تھا اور محبت تھی۔ خاندان اب جڑ چکا تھا۔ سبق سیکھ چکا تھا۔ اب فاصلے آ سکتے تھے بدگمانیاں نہیں۔ پورے چاند کی اس روشن رات میں وہ تمام لوگ ایک کہانی کا حصہ معلوم ہوئے۔ کہانی وہ جو خوبصورت تھی۔ خوفناک اور حسین بھی۔ دہر نے ان پہ جو باب کھولا تھا وہ نعمت کا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بیتی جا رہی تھی۔ گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھا زبرج کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ دانین اسکے کندھے پہ سر رکھے سو گئی تھی۔ اور حمدان اسکی گود میں بیٹھا تھا۔ زلطان کی کتنی ہی منتوں کے بعد بھی وہ صفدر مینشن میں رات نہیں رکا۔ اگر وہ نکاح کے بجائے عام حالات میں آیا ہوتا تو سب سے پہلے وہیں جاتا جہاں اب جا رہا تھا۔ حمدان نے سوال کر کر کے اسے اچھا خاصا تھکایا ہوا تھا۔ زبرج ہی کی طرح وہ اپنے باپ سے بہت زیادہ قریب تھا۔

”بابا گاڑی میں پیٹرول نہ ہو تو کیسے چلے گی؟“وہ باہر گزرتی گاڑیوں کو دیکھ ایک بار پھر پوچھ رہا تھا۔

"بیٹا پھر ہم پیٹرول ڈلوا دیں گے۔"

"بابا میرا بھائی کون ہوگا؟ جیسے آپ کا بھائی ہے۔ جبل چاچو اور بہرام چاچو۔" ایک اور سوال۔

زبرج نے گہری سانس لی۔ "جبل اور بہرام کے بچے تمھارے بھائی ہوں گے۔" وہ تحمل سے بولا۔

"وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"گاڑی میں پیٹرول ڈلوانے گئے ہیں۔" دانین مدھم سا بڑبڑائی۔ زبرج ہنس پڑا۔ وہ جاگ گئی تھی اور اسے پتہ بھی نہ چل سکا۔ دانین اب پہلے سے بہت بہتر ہو گئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پہ اپنی محرومیاں لے کر نہیں بیٹھتی تھی۔ یہ محرومی تھی بھی نہیں اللہ کا لکھا تھا جسے وہ مان گئی تھی۔ یوں بھی آج کل وہ اور زبرج یتیم خانے سے بچہ ایڈاپٹ کرنے کا سوچ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی زور گڑھ کی حدود میں داخل ہو گئی۔ پل کے قریب گاڑی رکی، اور انکو باہر آنا پڑا۔ ملگجے اندھیرے میں زبرج دیکھ سکتا تھا کہ پل کے اس پار کوئی کھڑا تھا۔ اسے یقین تھا وہ آئے گا۔ اسے آنا ہی تھا۔ جبل اجلال خان کبھی بھی زبرج شاہنواز کی واپسی سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ اسکے قریب آنے لگا۔

آخری بار یہاں آ کر وہ گھٹنوں کے بل گرا تھا۔ آخری بار یہ پل اسکے خون سے سرخ ہوئی تھی مگر اس بار وہ چھڑی کے سہارے چل رہا تھا۔ جسم سلامت تھا۔ دہر کے بدلتے چکر اسے راس آئے تھے۔

وہ پل کر اس پار جبل کے قریب آ کر رکا۔ جبل مسکراتے ہوئے جھکا۔ حمدان کو اٹھایا۔ اسکے دونوں گال چومے، ماتھا چوما پھر سینے سے لگایا۔ وہ کھکھلایا تھا۔ اسے نیچے اتار کر اب وہ زبرج کو گلے لگا رہا تھا۔ اسے ضرورت تھی۔ آج اسے واقعی ضرورت تھی۔ وہ بے حد تھک کر اسکے گلے لگا تھا۔ جیسے میلوں کی مسافت طے کر آیا ہو۔ بھائی، دوست، مسیحا۔ وہ کئی طرح سے جبل کا قریبی تھا۔

زبرج چند لمحے خاموشی سے اسے سینے سے لگا کر کھڑا رہا۔ مضبوط حصار، ڈھارس دیتا وہ لمس۔ جبل کے لئے یہ لمحات بے حد سکون کے تھے۔

"اللہ تمھارے لئے بہتری کرے گا۔" وہ جبل کے کان کے پاس جھک کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔ جبل نے آنکھیں موند لیں۔ گلے میں کچھ اٹکا تھا۔ وہ رونا چاہتا تھا۔ اسے رونا ہی آ رہا تھا۔

کچھ وقت بعد وہ دونوں جبل کے گھر کی چھت پہ موجود تھے۔ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے وہ قہوے کی پیالیوں کو خالی کر رہے تھے۔ جبل کے چہرے پہ آزردگی رقم تھی۔ کم از کم زبرج کے سامنے اسے تاثرات اور غم پہ بند بٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

"تمھیں کیسے پتہ میں آجاؤں گا؟" زبرج نے سیگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مجھے حمدان نے بتایا تھا۔ اور اگر تم پاکستان میں ہو تو ظاہر ہے تمھیں یہاں تو آنا ہی تھا۔"

"بیٹا میرا ہے جاسوسی تمھارے لئے کرتا ہے۔" اس نے سیگریٹ کا کش لینا چاہا مگر جبل اسکے لبوں کے درمیان سے سیگریٹ نکال چکا تھا۔ چہرے پہ سختی اور ناگواری تھی۔

"یہ بے غیرتی دوبارہ دیکھی تو اسی سیگریٹ سے جلاؤں گا۔"

”کیا یار وہاں دانین یہاں تم۔ کبھی کبھار تو پیتا ہوں۔“ زبرج بری طرح بدمزہ ہوا۔

”تو کبھی کبھار یہ جھک مارنے کی ضرورت کیا ہے؟“

”تم زیادہ باپ مت بنو۔“ زبرج بگڑا۔

”تم جیسی اولاد سے میں بے اولاد اچھا ہوں۔“ وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔

”پتہ تھا مجھے تم یہی زہر اگلو گے پھر بھی پتہ نہیں کیوں یہاں آگیا میں۔“ خفگی سے کہتے اس نے خشک فروٹ کی مٹھی بھرلی۔

”میرے لئے مرے نہیں جا رہے تھے تم، یہاں تمھیں تمہارا پیٹ کھینچ کر لایا ہے۔ مورے کے ہاتھ کے دیسی کھانے کہاں ملتے تمہیں؟“

”مروت وہ میری بھی مورے ہیں۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے "**کمفرٹ**" کا درجہ اختیار کر گئے تھے۔ زبرج جسے دوستوں کے درمیان میانہ روی سے کام لینا نہیں آتا تھا اب وہ سیکھ گیا تھا اور جبل کے پاس اسکی واپسی خود ساختہ تھی۔ وہ ایسے جڑ چکے تھے جیسے کبھی الگ ہی نہ ہوئے ہوں۔ اگلے کئی لمحے وہ دونوں لندن ،زور گڑھ اور اپنی زندگی کے مختلف معاملات پہ بات کرتے رہے۔ پھر بہت دیر بعد زبرج نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ وہاں ملال تھا۔

"مجھے معاف کرنا جبل۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "تم مجھے گالیاں دے لو لیکن یہ بات یاد رکھنا میں نے تمہارا برا نہیں چاہا۔"

"جانتا ہوں۔ جانے دو۔" اسکا دل بھاری ہوا۔ بڑی مشکل سے تو خیال جھٹکا تھا۔

"رونا چاہتے ہو تو رو لو۔"

جبل ہنس پڑا۔ بے اختیار۔ پھر گہری سانس لی اور ایک بار پھر ہنس پڑا۔ اور پھر رو پڑا۔ لب بھینچ گئے اور وہ رونے لگا۔ زبرج نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ تھپکا مگر وہ روئے گیا۔ اسکی آنکھوں سے گرم گرم سیال اسکے چہرے پہ بہنے لگا۔ ایک عرصے سے سنبھالی اذیت آج دوست کے سامنے ڈھل کر بہہ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ڈل کا غبار باہر آنے لگا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا مجھے اتنا دکھ ہو گا۔" وہ آنکھیں رگڑنے لگا۔ "میں نے تو ایسا کوئی گناہ بھی نہیں کیا تھا جس کی ایسی سزا ملتی۔" ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے ہوئے پہلا گلا کیا۔

پھر وہ کہتا گیا۔ ہر دکھ، ہر تکلیف۔ سب کھول کر رکھ دیا۔ زبرج اسے سنے گیا۔ یہاں تک کہ آسمان پہ سفیدی چھاگئی۔ یہاں تک کہ جبل سنبھل گیا۔ یہاں تک کہ اسکے آنسو خشک ہو گئے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تم ایسے دوبارہ روئے تو مجھے بھی رونا آجائے گا۔"

جبل کئی لمحے وہاں بیٹھا رہا۔ زبرج خاموشی سے اسکے ساتھ بیٹھا تھا۔ دوست کا ہونا بھی ٹیک ہوتا ہے۔ کئی لمحے بعد اس نے گہری سانس لی۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ زبرج کو اٹھایا اور اسکی اسٹک اسکے ہاتھ میں دی۔ جھک کر اسکے پیروں میں جوتے ڈالے۔

"آؤ چائے پینے چلیں۔اسکائی ہائی چلیں گے۔پیسے تمھارے۔"

"آدھی رات سویا نہیں اور اب چائے پینے نکلو گے وہ بھی میرے پیسوں سے۔بھائی محبت تمہاری گئی ہے نقصان میرے ہو رہے ہیں۔"

"اس وقت میں دکھی ہوں مجھ سے ایسی باتیں مت کرو میں اور دکھی ہوجاؤں گا۔" وہ اسے ساتھ لئے چلنے لگا۔

"اور یہ دکھ ختم کب تک ہو گا؟"

"اگلے دو سال تک بلکل نہیں۔"وہ اسی رنج سے بولا۔

زبرج گہری سانس بھر کر رہ گیا۔جبل اب اسے مزید کچھ بتا رہا تھا وہ سنتا رہا۔ہاں محبت نہیں ملی۔زور گڑھ تو ملا ناں؟اور اگر زور گڑھ کی بقا نہ بھی ملتی تب بھی زبرج شاہنواز کا واپس مل جانا ہی اسکے لئے بہت تھا۔زندگی سے شکوے بہت کم رہ گئے تھے۔یہ دوست اسکی زندگی کا چارم تھا۔لکی چارم۔

جبل اجلال خان کو اسکا وہ دوست واپس مل گیا تھا جس کے بعد اس نے کبھی دوست نہیں بنائے تھے۔

چند ماہ بعد۔

سبز بیلوں سے ڈھکی اس کیفے کی دیواریں آج بھی ویسی تھیں۔ تروتازہ اور شاداب۔ بالکنی کے ساتھ رکھی میز کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ لڑکی بامشکل اپنی مسکراہٹ چھپائے اپنے سامنے بیٹھے مسلسل بولتے ہوئے آدمی کو سن رہی تھی۔ اسکے آنکھ کے نیچے اور لبوں کے قریب زخم کا نشان تھا۔ چہرے پہ برہمی تھی۔

"حانی تم ہنسنا بند کر دو، ورنہ بہت غصہ آجائے گا مجھے۔" وہ انگلی اٹھا کر وارن کرتے ہوئے بولا۔ اب کے وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔ "اچھا خاصا میں اپنے سٹوڈیو سے نکلا ہوں اور پارکنگ کی طرف گیا۔ کمینے کوئی دو لوگ تھے میرے منہ پہ کپڑا ڈال کر مار کر چلے گئے۔ میں تو آج کل بہت آسان حدف بن گیا ہوں۔"

"تو انہوں نے بتایا تو ہوگا کیوں مارا ہے؟" وہ یونہی ہنستے ہوئے بولی۔ اسکی آنکھیں اسکا چہرہ وہ ہنستی تھی تو شادان کا دل روک دیتی تھی۔

"کہہ رہے تھے میں نے جو کام شروع کئے ہیں وہ چھوڑ دوں زیادہ حق حق کی رٹ نہ لگاؤں۔ واپس اسی کام کی طرف آؤ چاہو تو پیسہ بڑھا دیں گے۔"

"اور تم اب کیا کرو گے؟" وہ سنجیدہ ہوگئی۔

شادان مسکرایا۔

"اگلی بار اپنی ماں کو بھیجیں شاید مان جاؤں۔"

حنزلہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے آگے کو ہوا اسکی چائے اسکے سامنے رکھی۔

"مذاق کر رہا ہوں اب یہ نہ ہو تم جا کر اپنے بھائیوں کو بتا دو اور اگلی مار میں ان سے کھاؤں۔"

"میرے بھائیوں کو خوامخواہ ولن بنا کر رکھا ہے تم نے۔اپنی حرکتوں پہ غور کیا ہے کبھی؟"

"ہاں تو بی بی یہ کہاں کا اصول ہے حرکتیں اچھی نہ ہوں تو بھائیوں سے پٹوا دو۔وہ مجھے دیکھتے ہی ایسے ہیں کہ کب موقع ملے اور کب اپنا ہاتھ مجھ پہ صاف کریں۔"

"تم اگر اپنی حرکتیں درست نہیں کرو گے،میرے یہی اصول ہیں کم از کم تم سیدھے تو رہو گے۔"وہ ہنوز خفا تھی۔شادان نے ٹھنڈی آہ خارج کی۔دل پہ ہاتھ رکھ کر اسے تھپتھپایا۔

"کاش تم اکلوتی ہوتیں ......"اس نے ہزاروں دفع دہرائی جانے والی خواہش ایک بار پھر دہرائی۔وہ ہمیشہ کی طرح پھر سے بھڑک اٹھی تھی۔اب اگلے کئی دن وہ اسے مناتے گزارنے والا تھا لیکن ... لیکن ٹھیک ہے اچھا ہے۔وہ ساتھ تھی تو سب تھا۔زور گڑھ کی برف اور خوف کے درمیان جو اسے ملا تھا وہ واقعی اسکا خزانہ تھا۔

"تم واقعی اب بھی اس کیس کو فالو کرو گے؟"کچھ دیر بعد وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔سر کی چادر درست کرتے ہوئے اسکی آنکھوں میں شادان فکر دیکھ سکتا تھا۔

"کم از کم اس مار سے ڈرنے والا نہیں ہوں میں۔انکا کام ہے روکنے کی کوشش کرنا اور میرا کام ہے سچ اور حق بولنا۔دیکھتے ہیں کون جیتتا ہے۔"

وہ نئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے یہ سید شادان اسے بہت مختلف لگا۔اپنی محبت پہ لاڈ آنا،غصہ آنا اور پیار آنا مختلف ہوتا ہے۔اپنی محبت پہ فخر ہونا یہ دنیا

کا سب سے خوبصورت احساس ہوتا ہے۔اور شادان کو دیکھتے ہوئے حنزلہ کا دل ہر دفع اس احساس سے بھر جاتا تھا۔اسکی دعائیں قبول ہوئیں تھیں،اور بے شک اس آدمی کے حق میں ہوئی تھیں۔

چند ماہ کے دوران ہی وہ سب بدل کر رہ گئے تھے۔یہ وہ لوگ نہیں رہے تھے جو سات جنوری کو تھے۔شادان نے جب لائیو ٹی وی پہ بیٹھ کر جھوٹ گڑھنے پہ انکار کیا تو اسے باقاعدہ طور پہ جاب سے فارغ کر دیا گیا۔وہ پچھلے ماہ سے ایک چھوٹے چینل کے ساتھ کام کر رہا تھا سات جنوری والا سید شادان شاہ ایسے چینل پہ لعنت بھی نہ بھیجتا،مگر وقت انسان کے اندر بہت کچھ بدل دیتا ہے اور اسکے اندر بھی بدلا تھا۔کم از کم یہاں اسے جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔

اسلام آباد کے ایک اپارٹمنٹ کا منظر ہے۔سید شادان شاہ ہانپتا ہوا کچھ بیگز اپنے اپارٹمنٹ کے دوسرے کمرے میں رکھ رہا تھا۔ٹی وی لاؤنج میں صوفے پہ پیر پسارے بیٹھا حسن سلطان سینے پہ رکھی باؤل میں سے چن چن کر کاجو کھا رہا تھا۔شادان کمرے سے باہر آیا تو اسے مزے سے کاجو کھاتے ہوئے دیکھا۔

”اپنا سامان تم نے مجھ سے اٹھوایا کیونکہ تمھارے پیٹ میں درد تھا اب کیا ہوا؟ صحیح ہو گیا سب؟“وہ سلگ کر کہتا آگے آیا اور باؤل اچک لیا ایک تو نوکری گئی تھی اوپر سے یہ آدمی خرچہ بڑھا رہا تھا۔۔

"تو؟تم کیا چاہتے ہو ساری زندگی اسی درد میں مبتلا رہوں؟تم جیسے حاسدوں کی وجہ سے ہی یہی حالت ہے میری۔ذرا سا کچھ کھا پی لوں آدھی دنیا جلنے لگ جاتی ہے۔"

شادان نے دانت پہ دانت جما کر ضبط کیا۔حسن اور شادان آج کے بعد سے اپارٹمنٹ شیئر کرنے والے تھے اور یہ پہلا دن ہی شادان کے لئے بے حد مشکل ثابت ہو رہا تھا۔حسن سلطان کی سنگت بھلا کسی کے لئے آسان ثابت ہوئی ہے۔؟؟اس کا بے اختیار دل چاہا تھا اس آدمی کو دھکے مار کر اپنے گھر سے نکالے۔

"میرا میٹر نہ گھمانا میرے گھر میں رہنے کے کچھ اصول ہیں اور وہ اصول تمھیں سیکھنے ہوں گے ورنہ لات مار کر باہر نکال دوں گا۔"

حسن اٹھ بیٹھا۔تفصیل سے اسکا جائزہ لیا۔اور سر کو اثبات میں ہلایا۔

"تمھارے گھر میں رہنے کے اصول ہیں سمجھ گیا۔لیکن یہ گھر ....."اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنی سلطنت کی نشاندہی کی۔"یہاں کا ڈیڑھ سال کا ایڈوانس کرایا دیا ہے۔اور اب یہ میری سلطنت ہے۔جو چاہوں کروں۔تم جیسوں کو تو میں پوچھوں بھی ناں ہنہہ۔"

شادان نفی میں سر ہلاتا اٹھ گیا تھا۔**(ابھی نیچے سے اور سامان اوپر لانا تھا۔بعد میں آکر وہ سلطنت کے اس راجہ کو جوتے مار کر سیدھا کرے گا۔)**دروازے کی طرف جاتے جاتے وہ ایک پل کو رکا۔مڑ کر حسن کو دیکھا جو بازو آنکھوں پہ رکھے اب سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ڈرامہ کر لیا، کھا لیا،اسکرولنگ کر لی اب سرکار کے سونے کا وقت تھا۔

”کل زبرج سے بات ہوئی تھی۔وہ بتا رہا تھا تم نوید صاحب کے خلاف فضل صاحب کا کیس لے رہے ہو۔بھول گئے ہو ان سے تمھارے خاندان کے کتنے اچھے ٹرمز ہیں اور انکا بیٹا وہ تمہارا دوست بھی تو ہے۔تمہاری ساکھ کو نقصان پہنچے گا اور ...... “ایک لمحے کا توقف کیا۔”تم خاموش بھی رہ سکتے ہو۔کوئی مسئلہ نہیں شہر بھرا پڑا ہے وکیلوں سے۔“

دروازے کے ہینڈل کوہاتھ میں لئے کھڑے اور صوفے پہ بیٹھے مرد کے درمیان خاموشی کا وقفہ آیا۔

”مجھ سے سوال میرے تخت کا ہو گا۔“وہ دھیرے سے بولا۔”حسن سلطان اب غلط کو غلط کہے گا اور ڈنکے کی چوٹ پہ کہے گا۔“

”تمہارا تو سارا سرکل اس طرح تباہ ہوجائے گا۔“

”ایسے سرکل کو تباہ ہی ہوجانا چاہیے،جو میری آخرت تباہ کرے۔“زور گڑھ کی قید،وہ گولی،وہ زخم ،وہ رونا،وہ جلن ایک ایک لمحہ آنکھوں کے آگے سے گزر گیا۔وہ اس زندگی کو نہیں بھول سکتا تھا کبھی نہیں۔

شادان نے مذید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کیا۔بے اختیار یاد تو اسے بھی بہت کچھ آیا تھا۔سر جھٹکتے ہوئے باہر نکل گیا۔روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی آہستہ آہستہ سب نارمل ہونے لگے گا.... آہستہ آہستہ....

حسن سلطان کو ملنے والے دو کیس باقاعدہ معذرت کے ساتھ واپس لئے گئے تھے کیونکہ اب وہ غلط بات پہ **"مجھے کیا؟میں تو ٹھیک ہوں ناں؟"** نہیں کہا کرتا تھا۔اب وہ ثبوت اور گواہیوں کے ساتھ

اپنے "morals" پہ بھی ایک نگاہ ڈال لیا کرتا تھا۔اسکی زندگی میں کئی دوست چھوٹ رہے تھے۔کئی لوگ مخالف ہو رہے تھے اور وہ دنیا کو یکدم رنگ بدلتے دیکھ رہا تھا مگر اب حسن سلطان خاموش نہیں رہتا تھا۔وہ زور گڑھ کا اندھیرا آج تک نہیں بھولا تھا۔وہ اندھیرا جس نے اس پہ منافقین کے چہرے واضح کر دیئے تھے۔

زلطان صفدر چند سال تک جھوٹ کی جو سیاست کرتا رہا تھا وہ سچی کب ہوتی گئی اسے معلوم نہیں ہوا۔وہ قائد تو یوں بھی تھا مگر سچ نے اسکی زبان،اسکے لفظوں کو جو تاثیر دی تھی لوگ اسکے ایک پیغام پہ کھنچے چلے آتے تھے۔ وہ اب مصلحتیں چھوڑ چکا تھا۔زور گڑھ اسے آج بھی کسی فلم کی طرح یاد تھا۔باقیوں کے برعکس وہ ان سات دنوں کا ذکر نہیں کرتا تھا مگر جو اسکے دل کے ساتھ ہوا تھا وہ اسے آج بھی یاد تھا۔اسے موت کا خوف دلایا جا رہا تھا مگر وہ تو موت کو بے حد قریب سے دیکھ آیا تھا ناں؟اب صرف ایک چیز ہوئی تھی وہ موت سے نہیں ڈرتا تھا۔لوگوں کے دھمکی آمیز لفظوں سے نہیں ڈرتا تھا۔کیونکہ اسے یقین تھا موت کاتب تقدیر کے ہاتھوں میں ہے۔اگر زور گڑھ میں نہیں آئی تو اب بھی نہیں آئے گی اور اگر آنی ہوئی تو اسکے آگے کوئی بند نہیں بٹھایا جاسکتا۔

چند دن قبل پاکستان میں کوئی کرکٹ لیگ شروع ہوئی تھی جس میں فلسطینی پرچم لے کر آنے پہ پابندی تھی۔ ان دنوں فلسطین میں ظلم وبربریت کی ایک داستان رقم کی جا رہی تھی۔اور کئی مسلمان ممالک نے چپ سادھ لی تھی۔حق کے لئے اور ظلم کے خلاف جو آوازیں اٹھتی ہیں وہ پہلی

آوازیں مضبوط ہوتی ہیں۔اور پھر ان مضبوط آوازوں کے پیچھے ڈرے، سہمے، کمزور نعرے بھی بلند ہوتے ہیں۔المیہ یہ تھا کہ مضبوط آوازیں خوف زدہ تھیں۔مگر ہر مضبوط آواز نہیں۔

"سر آپ کو اندر جانے سے پہلے یہ اتارنا پڑے گا۔"اسٹیڈیم کے اندر جاتے ہوئے زلطان صفدر سے سیکورٹی چیف نے کہا۔اسکے دائیں بائیں چلتا عوام کا سمندر اسکے ساتھ ٹھہرا تھا۔اس نے گلاسز اتار کر غور سے اس آدمی کو دیکھا۔پھر سر کو ہلکی سے جنبش دی۔بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔

"اوکے لیکن میں وجہ جاننا چاہتا ہوں؟"

"سر یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے اور۔۔"

"فلسطین،اول تو دینی مسئلہ ہے۔پھر سماجی اور پھر اخلاقی اور اگر کسی انسان میں یہ سب نہیں تو فلسطین پہ ہونے والا ظلم ایک انسانی مسئلہ ہے۔"اس نے سنجیدگی سے کہا۔لوگ موبائل میں اسکی ویڈیوز بنا رہے تھے۔وہ ایک بار پھر ٹرینڈ کرنے والا تھا مگر اس بار ایک صحیح مقصد کے ساتھ۔اس بار اسکے دل میں کوئی نمودو نمائش کی چاہ نہیں تھی۔

"دنیا کے کسی بھی خطے میں کسی بھی قوم کے ساتھ ہونے والا ظلم ناقابل قبول ہے۔کہیں بھی ہونے والے قتل اور زبح ہونے والے انسان کوئی سیلف ڈیفینس نہیں ہیں۔ ایک لیڈر کا فرض ہے کہ وہ اپنی طرف سے solidarity دکھائے۔میں بس وہی کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔اگر میں نہیں جا رہا تو یہ سب نہیں جائیں گے۔"اپنے عقب میں کھڑے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

آس پاس کھڑے منچلے ہوٹنگ کرنے لگے تھے۔سیکورٹی افسراپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ان کیمرہ کے سامنے تو وہ اسے کچھ نہیں سکتا تھا۔ہاں مگر آج ذرا غیر ملکی پی آر کم ہوجانی تھی۔غیرت بیچ کر جو تمغے ملنے تھے آج ان سے ہاتھ دھونا پڑ جانا تھا۔

کچھ دیر بعد سٹیڈیم کے نسبتاً شاہی حصے میں بیٹھا زلطان صفدر ایک ٹویٹ کررہا تھا۔الفاظ وہی تھے جو وہ کچھ دیر قبل کہہ کر آیا تھا۔

منٹوں کے اندر re tweet ہوئے جن میں پیش پیش چار اہم لوگ تھے۔جو اس پہ ذمہ داری تھی آجکل تخت نشین اسے نبھا رہا تھا۔

صبح ابھی تازہ تھی۔شادی کے بعد وہ ایک لمبی چھٹی پہ گئی تھی لوگوں اور اسکے کولیگز کے لئے وہ اسکی شادی کی چھٹی تھی مگر زخرف وقار کے لئے وہ چھٹی اپنے اعصاب بحال کرنے کے لئے بے حد ضروری تھی۔زور گڑھ کے سات دن ستر سالوں کی طرح رگوں میں اتر گئے تھے۔اس تازہ صبح میں سفید قمیض شلوار کے ساتھ سیاہ کوٹ پہنے فائلز سینے سے لگائے اس نے عدالت کی راہداریوں میں قدم رکھا۔کئی لوگوں نے اسے مبارک باد دی،کئی نے اسے سلام کیا۔وہ سر کے خم اور ایک مسکراہٹ سے جواب دیتی رہی۔ہاں مگر آج زخرف کا دل بھاری تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کچھ وقت بعد یہ لوگ اسکے ساتھ نہیں ہوں گے،اب نہیں تو پھر نہ سہی۔دل کو تھپک کر سلایا۔اور آگے بڑھی۔

چلتے چلتے وہ یکدم رک گئی۔احاطے میں لگے چائے کے اسٹال کے ساتھ کھڑے ہاتھ میں چائے کا کپ لئےاپنے ساتھ کھڑے ایک مرد سے بات کرتے ہوئےاس آدمی کو دیکھ زخرف ٹھہر گئی تھی۔چند پل اسے دیکھتی رہی اور وہ وہی تھا تھا۔اسکے چہرے پہ ایک مسکراہٹ در آئی۔اور اگلے لمحے وہ اسی کی طرف قدم اٹھا رہی تھی۔

"جبل ....."پکار تھی کہ کیا جبل ساکت رہ گیا۔وہ تو اسے بھولنے والا تھا یوں اچانک سامنے کیسے آگئی وہ؟چائے کا کپ لبوں سے لگاتے وہ ٹھر گیا۔

"ڈونٹ ٹیل می تم مجھے کڈنیپ کرنے آئے ہو یہ میرا ایریا ہے۔"

سرمئی لباس والا مرد دھیرے سے اسکی طرف مڑا۔نگاہوں کا نرم ارتکاز لوٹ آیا۔لبوں پہ ہلکا سا تبسم بھی اور آنکھوں میں کوئی روشنی بھی۔

"میں آج کل شرافت کی زندگی گزار رہا ہوں خاتون۔"وہ مسکرایا تھا۔آسمان پہ قوس قزح سی بکھر گئی۔ بادلوں نے آج بوندا باندی کا عندیہ دیا۔

"اوہ پلیز ... شرافت تم سے سو فٹ کی دوری پہ رہتی ہے۔"

"یہ تو پھر شرافت کی بد قسمتی ہے۔میرے ساتھ کا شرف کھو دیا۔"وہ اب کے کھل کر مسکرایا۔وہ اپنی باتوں سے،لہجے سے اور اعتماد سے یونہی مقابل کو چت کر دیتا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ صبح صبح یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"صبح؟"جبل نے اسکی کلائی پہ بندھی گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔"خاتون اس وقت میں دوپہر کا کھانا کھاتا ہوں۔ہماری صبح پانچ بجے ہو جاتی ہےاور آٹھ بجے ختم۔"

"ٹھیک ہے پھر چلو تمھیں اچھا سا کھانا کھلاتی ہوں۔تم ہمارے مہمان ہو۔"وہ خوش دلی سے دعوت دے رہی تھی۔جبل نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے غور سے اسے دیکھا۔

"سچ سچ بتائیں اپنے گارڈز سے پٹوانے لے کر جا رہی ہیں ناں؟"

زخرف پھر سے ہنس پڑی۔"لیکن تم تو شریف ہو ناں تمھیں کیوں پٹواؤں گی؟"

"آپ کے سامنے ماضی کا ریکارڈ ذرا خراب رہا ہے۔"اسکی چائے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔وہ ایک بار پھر وہی جبل اجلال خان تھا جسے سرمئی آنکھوں کے آگے باقی سب بھول جاتا تھا۔

"میں کچھ دیر کے لئے تمہارا ماضی بلکل بھول جاؤں گی۔ڈونٹ وری۔"

"اور کچھ وقت بعدیاد آگیا تو؟"جبل اسی ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔

"تم بہت بولتے ہو۔"اس نے گہری تکان زدہ سانس خارج کی۔

"پہلے ایسا نہیں تھا پھر زور گڑھ میں ایک لڑکی آئی۔سات دن وہاں رہی اور ستر گھنٹے اسکی زبان چلتی رہی۔مجھ پہ اثر ہوگیا اسکا۔کسی عامل وغیرہ کو جانتی ہیں آپ؟کوئی توڑ کوئی شفا؟"

زخرف نے آنکھیں گھمائیں۔جیسے کہا ہو واٹ ایور۔"خیر یہ بتاؤ یہاں کیوں آئے ہو؟"

جبل نے سنجیدگی سے اپنے ساتھ کھڑے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ میرے گاؤں کا آدمی ہے۔بھائیوں سے کچھ تنازعہ ہے۔انہوں نے کورٹ میں کیس کر دیا اسکے ساتھ آنے والا کوئی نہیں تھا اور وکیل بھی نہیں تو میں چلا آیا۔مورل سپورٹ یونو۔“

”کیا کیس ہے؟مجھے ڈیٹیلز دو میں دیکھ لوں گی۔“اس نے خوش دلی سے آفر کی۔

”ہم آپ کی فیس افورڈ نہیں کر سکتے خاتون۔کیوں مجھے دیوالیہ کرنے پہ تلی ہیں۔“بات فیس کی نہیں تھی بات اسکے قریب رہنے کی تھی وہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔کیوں کیا بس نہیں رہنا تھا؟

”میں آج کل کم فیس لیتی ہوں بلکہ جن کے بارے میں مجھے یقین ہو انہیں میری مدد چاہیے تو فیس نہیں لیتی۔تم چلو میرے ساتھ۔“اب کے اسکا لہجہ اور انداز بے حد سنجیدہ تھا۔

یہ آفر جبل کے لئے نہیں تھی کسی قسم کے تعلقات کے لئے نہیں تھی۔یہ آفر آج کل اسکا ضمیر دیتا تھا۔وہ خود کو آزاد کروانا چاہتی تھی ماضی کے ہر اس سیاہ باب سے جس نے اسکی زندگی کو تاریک کیا۔

اسکے پیچھے قدم اٹھاتے اس سے ہلکی پھلکی بات کرتے ہوئے جبل خان کو اندازہ ہوا تھا وہ بدل گئی ہے۔یہ وہ عورت نہیں تھی جس سے وہ ملا تھا۔جانے کیوں مگر اسے خوشی ہوئی تھی۔

زخرف وقار جو شہر کے امرا کے کیس لڑا کرتی تھی آج کل وہ اپنے تخت کے لئے سچی تھی۔اور اسکے آگے کھڑے سوالی کے وہ برانڈڈ کپڑے اور جوتے نہیں دیکھتی تھی۔اسکے بینک بیلنس میں کمی آنے لگی تھی لیکن وہ صرف کاغذ کے ٹکڑے تھے زور گڑھ کی ٹھٹھراتی سردی میں وہ اسکا لباس نہیں بن سکے تھے تو اب کیا خاک کام آتے؟

زبرج شاہ نواز کہانی کا سب سے سرمئی کردار تھا۔ وہ آج بھی ہیکنگ کرتا تھا۔ مقاصد مگر بدل گئے تھے۔ وہ اب ایک این جیو کے ساتھ منسلک تھا اور پراجیکٹ کے پیسے اگر کسی افسر کے بینک اکاؤنٹ میں جاتے تھے تو وہ بس ایک کام کرتا تھا کسی بھی طرح اس خبر کو لیک کر دینا۔ آہ معصوم آدمی۔ وہ سامنے نہیں آتا تھا مگر سکرین کے پیچھے بیٹھ کر وہ ایسے ایسوں کو سامنے لے آتا تھا کہ عقل دنگ رہ جائے۔

"چھوڑ کیوں نہیں دیتے یہ کام؟" نیم اندھیرے کمرے میں جو واحد روشنی تھی وہ جلتی ہوئی سکرینز کی تھی۔ سکرین پہ چلتے نمبرز اسکے چہرے پہ پڑ رہے تھے۔ اور وہ کانوں پہ بڑے بڑے مائیکس لگائے کھٹاکھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔ پھر کچھ لمحات بعد وہ پیچھے ہو کر بیٹھ جاتا، کبھی ناخن چباتا، کبھی بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ پوری طرح منہمک تھا۔

"تم سے کہہ رہا ہوں، چھوڑ کیوں نہیں دیتے ہو یہ کام؟" سیاہ رنگ کی شالوار قمیض کے ساتھ سفید سوئیٹر والا مرد آگے آیا اور زبرج کے کان سے مائیکس اتارتے ہوئے کہا۔ ایک ہاتھ میں کافی کا کپ تھا جسے وہ زبرج کے سامنے رکھ رہا تھا۔

"چھوڑ دیتا ہوں۔ تم مجھے گود لے لو، میرے خرچے اٹھاؤ میں یہ سب چھوڑ دیتا ہوں۔"

"تمھیں گود لینے سے میں زہر پینا پسند کروں گا۔" وہ اسکے عقب میں کھڑے ہو کر اسکے کندھوں پہ اپنے ہاتھوں سے دباؤ دینے لگا۔ "تم میرا پیسہ اور پیار کھا کر ڈکار بھی نہیں مارو گے اور

اگلے دن دوبارہ ہیکنگ کرتے ہوئے نظر آؤ گے۔ مسئلہ تمہارا اپنا دماغ ہے جس میں شیطان ہے۔ "

"بہت سوچا تھا چھوڑ دوں۔ لیکن نہیں چھوڑ سکتا۔ پیسے کی ضرورت ہے مجھے۔ زلطان کی رقم دینی ہے۔ گھر چلانا ہے اور سب سے بڑھ کر یہاں بیٹھ کر اس سکرین کے پیچھے میں میرا سرکس چلا سکتا ہوں۔ اسکے پیچھے دنیا غلام ہے میری۔ کوئی پابندی نہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔" جبل اسکے کندھے دبا رہا تھا زبرج نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔ اب کبھی کبھی احساس ہوتا تھا اس نے اس آدمی کے بغیر اتنے سال کیسے گزار دیے؟

"وہ سب ٹھیک ہے لیکن یہ کام تمھیں کوئی ترقی نہیں دے گا۔ دن بہ دن دلدل میں دھنستے جا رہے ہو۔"

"نکل آؤں گا یار۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ اور گردن پیچھے گرا دی۔ جبل کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکا۔ "اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن برے کام نہیں کرنا چاہتا اب۔"

"پھر اچھے کام کرو۔" ترنت مشورہ آیا۔

"کر رہا ہوں۔ شاہ زیب وحید اور دیگر لوگوں کے متعلق ایک رپورٹ تیار کی ہے کل تک اسے آدھی دنیا دیکھے گی۔ این جیوز کا پیسہ کھا کھا کر اپنے محل کھڑے کے لئے انہوں نے۔"

وہ اب کافی کا مگ اٹھا رہا تھا۔ ایک گھونٹ بھرا پھر جبل کو دیکھا۔ "آئندہ کافی بنانے کی کوشش مت کرنا۔" بے حد سنجیدگی سے ایک اخلاقی مشورہ دیا۔

"بندہ اچھے کام کرے تو سر عام کرے یہ سکرین کے پیچھے چھپ کر کیوں؟" وہ اسکے ساتھ والی کرسی پہ آ کر بیٹھا۔

"کیونکہ میں فلحال اتنی ہی غیرت حاصل کر چکا ہوں۔غلط کام نہیں کروں گا لیکن اچھے کام کرنے کے لئے سامنے آنے کا جگرا چاہیے اگر فورا سامنے آگیاناں تو اگلے دن میری لاش اٹھائی جائے گی اور دنیا ایک اچھا انسان کھو دے گی۔" اسے تاسف سا ہوا۔

"دنیا والوں سے تمہاری اتنی محبت دیکھ میری تو آنکھیں بھر آئیں۔" سرمئی آنکھوں والے مرد نے طنز کیا۔زبرج مسکراتے ہوئے اپنا کام دوبارہ شروع کرچکا تھا اب حق و انصاف کے لئے کم از کم خاموشی نہیں رہے گی اتنا طے تھا۔

ان پانچ لوگوں نے ایک جماعت بنائی تھی جو ملک میں ہر ناانصافی کے خلاف تھی۔ہر ظلم پہ ٹویٹس ہوتے تھے،لوگوں کو گھر سے باہر نکالا جاتا تھا،احتجاج ہوتے تھے،اور کئی بار انصاف مل جایا کرتا تھا نہ بھی ملتا تو ان لوگوں نے کوشش کبھی چھوڑی نہیں تھی۔وہ بدلے تھے صرف اپنے لئے نہیں قوم کے لئے بھی۔تخت سے وفاداری اور اسکی عزت بڑی شے ہوتی ہے اور وہ انہیں مل گئی تھی۔

زور گڑھ پہ ٹھنڈی میٹھی ہواؤں کا راج تھا۔سورج بادلوں کی ٹولیوں سے اٹھکھیلیوں میں مصروف تھا۔ایم پی اے صاحب کے آفس سے نکلتے جبل اجلال خان کے چہرے کے تاثرات سپاٹ

تھے۔باہر اسکا انتظار کرتے گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے بہرام نے اسکا چہرہ دیکھا اور اسکے دل کو جیسے کچھ ہوا ہو۔

"کیا ہوا منظور نہیں کیا؟" وہ اسکے قریب کھڑا تشویش سے پوچھ رہا تھا۔جبل جواباً خاموش رہا۔بہرام کا ازلی غصہ عود کر آیا۔"مجھے جانے دو اندر ابھی دو دو ہاتھ کر کے آتا ہوں اسکی تو . . . . . . ووٹ لینے تو ایسے آتا ہے جیسے اسکی ماں چھوڑ کر گئی ہو میں ۔"

"میرے بھائی،میری جان پراجیکٹ منظور ہو گیا ہے۔"جبل نے اسکے سینے پہ دونوں ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔وہ مسکراہٹ جو زور گڑھ نے کئی سال دیکھنے کی تمنا کی تھی۔جبل کے دل میں وہ سکون تھا جسے پانے کے لئے وہ کتنے سالوں سے بھٹک رہا تھا۔قائد کو علاقے کی خدمت کا موقع اور فنڈز دونوں مل گئے تھے۔کئی سالوں کا جنون اور محنت رنگ لے آیا تھا۔بہرام بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یعنی کالج بھی بنے گا . . یعنی اسکول بھی اور کمپیوٹر سینٹر بھی یعنی سب چیزوں کے لئے مان گیا؟"

جبل نے کندھے اچکائے اور ایک بازو اسکے کندھے پہ پھیلایا۔"دس ہزار ووٹ دلوائے ہیں اسے،نہ مانتا تو مجھے منوانا آتا تھا۔"وہ اسے لئے گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔بہرام ہنوز بے یقین تھا۔اگلے دو سے تین گھنٹے وہ دونوں اور گاؤں کے چند لڑکے زمینوں کے چکر لگاتے رہے۔مختلف کالز ہوتی

رہیں۔اینٹیں، سیمنٹ اور بجری کے ٹھیکے دیے گئے۔جبل اس کام کو جلد از جلد شروع کرنا چاہتا تھا۔جس کے پیچھے ایک محبت چھوٹ گئی وہ اس عشق کو کسی معراج پہنچانا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بہرام کے ساتھ اسی گھر آگیا تھا جہاں سات جنوری کو کچھ لوگ اسکے مہمان بنے تھے۔وہاں اب بھی کئی چیزیں تھیں جو بلکل ویسی تھیں۔جیسی اس روز۔تہہ خانے کے زینے اترتے ان دونوں کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔انکے پیچھے زبرج تھا جو اسٹک کے سہارے چل رہا تھا۔تہہ خانے میں اسکی اسٹک کی ٹک ٹک کی آواز گونج رہی تھی۔وہ تینوں نیچے آئے،وسط میں آکر رکے اور چاروں اطراف کا جائزہ لیا۔سیلن زدہ دیواریں،اکھڑا پینٹ،کاٹھ کباڑ،اور بہت کچھ غیر ترتیب تھا۔

"جگہ اچھی ہے۔اگر اسے کمپیوٹر سینٹر میں تبدیل کریں تو سینٹر کا بجٹ ہم مشینوں پہ لگا سکتے ہیں۔"زبرج ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔گھر،عمارتیں،زمین کس مول میں بکیں گی،کیسے بکیں گی یہ اسے معلوم ہوتا تھا۔کوٹھیاں اس سے بات کرتی تھیں۔زمین اسے راز بتاتی تھیں اور یہ فن اسے اپنے باپ سے ملا تھا۔

"اور میری ایک بات غور سے سنو جبل۔لڑکیوں کے لئے الگ وقت اور الگ کلاسز کا بندوبست ہم نے لازمی کرنا ہے ورنہ کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو اس لئے بھی نہیں پڑھاتے کہ انہیں اپنی بہن بیٹیوں کا پردہ عزیز ہوتا ہے۔"

جبل اسکی طرف مڑا۔چہرے پہ محظوظ سا تاثر تھا۔

"آپ نے تو میری آنکھیں کھول دیں جناب، میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں گا؟ مرشد اپنے ہاتھ دیجئے فقیر چوم کر واپس دے دے گا۔"

زبرج کو رہ رہ کر تپ چڑھی۔"تم پیدا ہی اتنے بے غیرت ہوئے تھے یا بعد میں کوئی الگ کورس کیا تھا؟"

"میں تو اچھا خاصا معصوم آدمی پیدا ہوا تھا۔لیکن میرا ایک کزن تھا۔دنیا جہاں کا فراڈ اور بے غیرت۔اسکا رنگ چڑھا مجھ پہ۔"

"بہرام بھائی کو سمجھالو بھری جوانی میں مرنے کا شوق چڑھا ہے اسے۔"اکتاہٹ سے کہتے وہ زینوں کے عقب میں لگے پائپس کی طرف آیا۔بہرام اب فرش پہ بیٹھا وہ دروازہ دیکھ رہا تھا جو ایجنٹ کی دنیا میں لے جاتا تھا۔اسے بہت کچھ یاد آرہا تھا۔

"تم اپنی فکر کرو بھائی صاحب ہر دفع زور گڑھ سے زندہ وپس نہیں جاؤ گے۔"

وہ پائپ چیک کرتے ہوئے واپس آیا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے پیر پسار کر جبل کے ساتھ آ کر بیٹھا۔کئی لمحے دونوں خاموش رہے۔یہاں اس تہہ خانے سے زندگی تین سو ساٹھ ڈگری پہ تبدیل ہوئی تھی وہ اس جگہ کو ساری زندگی یاد رکھنے والے تھے۔

"مجھے اب آخری چیک اپ کے لئے لندن جانا ہے۔"

موبائل پہ انگلیاں چلاتے ہوئے جبل کی انگلیاں ایک لمحے کے لئے ساکت ہوئیں۔زبرج کا علاج،اسکی بیماری،وہ آج بھی اسے ہانٹ کرتی تھی۔آج بھی وہ اسکے زخم، اس اسٹک سے نظریں چراتا تھا۔

"کب جانا ہے؟"اس نے آہستگی سے پوچھا۔دل یکدم ہر شے سے اچاٹ ہوگیا تھا۔

"اگلے مہینے کی تیس کو۔"

"زلطان جا رہا ہے ساتھ؟"

"میں چاہتا ہوں تم ساتھ چلو۔"زبرج کے کہنے پہ وہ گردن پھیر کر اسے دیکھنے لگا۔"علاج کروائیں گے کچھ دن گھومیں گے۔تمھارے لئے کوئی گوری تلاش کریں گے۔پھر واپس آجائیں گے۔"وہ مسکرا رہا تھا۔

"میرا ویزہ نہیں لگے گا۔"

"لگ چکا ہے بھائی۔زور گڑھ کے علاوہ کسی چیز پہ دھیان دو تو پتہ لگے دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔"اس نے بہانہ رد کیا۔"۔پھر بتاؤ چل رہے ہو ساتھ؟"

جبل نے کچھ سوچنے کی اداکاری کی۔پھر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم کس خوشی میں مجھے ساتھ لے کر جا رہے ہو؟"

"اس بیماری سے بہت ڈر گیا ہوں۔تم ساتھ ہوگے تو حوصلہ ہو گا۔"

وہ جو اسے مزید سخت سست کہنے کا ارادہ رکھتا تھا یکدم ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔زبرج کے چہرے پہ کچھ تھا جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔

"باقی سب کے ساتھ مختلف تعلق ہے اور تمھارے ساتھ، تمھارے ساتھ مجھے حوصلہ رہتا ہے۔تم میری مورل سپورٹ ہو۔"

جبل نے اسکے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ڈھارس دیتا وہ لمس۔زبرج مسکرایا۔

"بولو ناں چل رہے ہو؟"

"مجھے ایموشنل مت کرو خبیث،اپنا چھپا ہوا ایجنڈا بتاؤ۔"

"یار دانین کو نہیں لے جا رہا میں۔ادھر مجھے بخار بھی ہو جائے وہ ڈیڑھ لیٹر آنسو بہا لیتی ہے۔پھر میں بیمار آدمی اسکی تیمارداری کرتا ہوں اور اب حمدان کا اسکول بھی ہے۔سب ڈسٹرب ہو جائے گا۔"

"یعنی میں تمہاری بیوی کی replacement بن کر جارہا ہوں؟"وہ تپ گیا۔

"سیدھی طرح چل رہے ہو یا اٹھا کر لے جاؤں؟"

"تم دونوں لڑنا بند کرو گے؟"بہرام اکتایا۔"یہ نہیں چل رہا تو مجھے ساتھ لے جاؤ۔بچپن سے لندن جانے کا شوق ہے۔"

”بتاتا ہوں تمہاری منگیتر کو انگریز لڑکیاں دیکھنے کا شوق چڑھا ہے تمھیں؟لندن جا کر لڑکیاں دیکھنا چاہتے ہو؟“زبرج کے کہنے پہ وہ کلس کر رہ گیا۔

”میں عاشقی بھی اوقات میں رہ کر کرتا ہوں۔اپنے بھائیوں کی طرح بڑے بڑے ہاتھ نہیں مارتا۔“بہرام چمک کر بولا۔

”کیونکہ تم میں ہمارے جیسے اسکلز نہیں ہیں۔دانین جیسی کوئی لڑکی تمھیں دیکھے بھی ناں اور زخرف جیسی تو تم پہ پرچہ کٹوا کر آئے۔“

”اسکا نام اس طرح مت لو شادی شدہ ہے وہ۔“جبل نے سنجیدگی سے ٹوکا۔اب وہ اسکی بات نہیں کرتا تھا۔اپنے ساتھ تو بلکل نہیں۔چند لمحے آکورڈ سی خاموشی کی نظر ہوئے۔پھر زبرج نے اس خاموشی کو توڑا۔

”اچھا یہ سب چھوڑو مجھے یہ بتاؤ ایم پی اے نے پراجیکٹ کیسے منظور کر دیا؟مجھ سے زلطان نے کہا تھا وہ بات کر کے دیکھے گا میں نے منع کر دیا۔مجھے یقین تھا تم خود کر لو گے۔“زبرج عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔سارے وقت میں پہلی بار جبل کے چہرے پہ حقیقی مسکراہٹ آئی تھی۔کسی عزم جیسی مسکراہٹ۔

”دس ہزار ووٹ لے کر گیا تھا پچھلی دفع اس دفع میں نے صرف یہ کیا کہ اسے چھوڑ ایک دو دفع اسکے مخالف کے ساتھ نظر آیا۔اب سیاست دان اپنے دام میں آیا بندہ کہاں چھوڑتے ہیں۔خود

سے بلا کر پراجیکٹ منظور کروائے۔اگلی بار یہاں حکومت بنانی ہے تو سردار جبل اجلال خان کے ساتھ تعلقات درست رکھنے ہوں گے۔"

زبرج نے افسوس سے نفی میں سرہلایا۔"یعنی میں یہ امید چھوڑ دوں کہ تم کوئی کام سیدھے طریقے سے کر سکتے ہو۔"خود تو جیسے صاحب امام پیش تھے۔

"خیر اب میں نکلتا ہوں ویسے ہی کافی دیر ہوگئی ہے۔دانین کو لاؤں گا اگلی بار۔"وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں ہاں جاؤ یہ نہ ہو رات کا کھانا نہ ملے۔"

زبرج نے کچھ سخت سست کہنے کو منہ کھولا پھر رہنے دیا۔اسے دانین کی کال آنے لگی تھی۔جبل نے اسے زینے طے کرتے اوپر جاتے ہوئے دیکھا۔یکدم بہت کچھ یاد آیا تھا۔تھے تو سارے کمبخت مگر یاد بھی آتے تھے۔بہرام اسکی نظروں کا ارتکاز دیکھتا رہا۔

"ایک بات پوچھوں لالہ؟"

"جیسے میرے منع کر دینے پہ نہیں پوچھو گے۔"وہ جھلایا۔بہرام ہولے سے مسکرایا۔

"تم ان سب کو یاد کر رہے ہو؟"

"ابھی اتنے برے دن بھی نہیں آئے میرے۔میں بس یہ سوچ رہا ہوں یہاں آتے ہوئے وہ کیا تھے اور اب اگر جا کر دیکھو تو وہ لوگ بلکل بدل گئے ہیں۔کتنا فرق آگیا ہے ناں"؟

زینوں سے اترتا کوئی ملازم چائے لے کر آیا تھا۔اس نے ٹرے اور کپ رکھے پھر پلٹ گیا۔

”ہماری وجہ سے ہدایت مل گئی ان کو؟“

”اونہوں ..... جو کیا انہوں نے خود کیا۔ہمارا مقصد کیا تھا کچھ لوگوں کو حبس بے جا میں رکھنا انہیں ٹارچر کرنا۔اذیت دینا۔یہ کوئی درست کام تو نہیں تھا۔ہم صرف ہمارا سوچ رہے تھے۔خود غرض ہوگئے تھے۔“اس نے چینک اٹھائی اور ایک کپ میں قہوہ بھرنے لگا۔

وہ کبھی کبھار قہوے کی گرتی دھار کے ساتھ یاد آتی تھی۔اب بھی آتی تھی۔مگر جبل اجلال خان دل کو لگا میں ڈالنا سیکھ گیا تھا۔

”مجھے یقین نہیں آتا وہ اتنے بے وقوف کیسے ہو گئے؟ہم نے اتنے دن ان پہ ظلم کیا۔“بہرام عجیب سے انداز میں کہہ رہا تھا۔پھر رکا۔”تمھیں نہیں لگتا ہم وہی سب دہرا رہے ہیں؟بدلا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ہم نے پہلے بھی کسی کو کڈنیپ کیا،ٹارچر کیا اور اب دوبارہ وہی تو کرنے جا رہے ہیں۔میں اب اس کام کے لئے راضی نہیں ہوں۔اور وہ سب لوگ مجھے انکی بھی سمجھ نہیں آتی ایک بار ٹھیک ہوجانے پہ راہ راست پہ آجانے کے بعد بھی آخر انکو ضرورت کیا ہے دوبارہ اس سب میں پڑنے کی؟“

جبل زیر لب مسکرایا۔ایک پیالی اسکے لئے آگے کی اور دوسری اپنے سامنے رکھی۔اسے دیکھا اور دھیرے سے کہنے لگا۔

"جو انسان لمبا عرصہ اندھیرے میں رہے ہوں۔جن کے پیٹرنز غلط رہے ہوں وہ درست سمت پہ آ بھی جائیں تو پرانے انداز نہیں بھول پاتے۔وہ فلمیں ڈرامے ہوتے ہیں جہاں ایک انسان سدھر گیا تو دوبارہ برائی کو دیکھتا بھی نہیں اسکے قریب بھی نہیں جاتا۔اصل زندگی میں انسان کا سامنا برائی سے بار بار ہوتا ہے۔یہی تو امتحان ہوتا ہے۔ہر مومن کا امتحان اور اسکا کوئی انت نہیں ہوتا۔"اس نے قہوے کی پیالی لبوں سے لگائی۔

"ان پانچوں نے اندھیرے سے روشنی کی طرف بس دیکھا ہے۔آنکھیں،عمل اب بھی اسی اندھیرے کے عادی ہیں۔تم،میں،زبرج کوئی بھی انہیں ان اندھیروں سے کھینچ کر نہیں لاسکتا کیونکہ یہ انکا اپنا کام ہے۔بدی سے نیکی تک کا سفر چلتا رہتا ہے۔ایک چوٹ انسان کو مومن نہیں کرتی مومن بننے کے لئے دل پہ کئی چوٹیں کھانی ہوتی ہیں۔کئی زخم سہنے ہوتے ہیں۔انکا وقت شروع ہو چکا ہے۔پہلے زخم نے کچھ سکھایا ہے اب اگلا زخم انہیں مذید سکھائے گا کیونکہ دنیا اپنے rules and regulations توڑنے والوں کو نہیں بخشتی۔"

"یعنی انکے ساتھ وہ ہوگا جو ہمارے ساتھ ہوا؟"

"اور ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا؟"جبل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔کبھی کبھی اسے بہرام بہت معصوم لگا کرتا تھا۔

"زبرج اور تمھارے درمیان کچھ اچھا نہیں رہا۔میں قاتل بننے والا تھا یہاں تک کہ میں نے اپنے ہی بھائی کے ساتھ دھوکہ کیا۔"جبل کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔اس نے آج تک بہرام کو اس بات

کے لئے معاف نہیں کیا تھا۔" زبرج نے صحت کھو دی۔ حزلہ اب معصوم نہیں رہی۔ عیسیٰ مجھ سے اپنے راز نہیں کہتا اور تم .... "جبل کے لاڈلے بھائی کی آنکھوں میں کچھ در آیا۔" تم نے آج تک مجھے معاف نہیں کیا۔ نہ کبھی کرو گے۔ میرا تو بڑا نقصان ہوا ہے۔ تمھارے نقصان گننے سے بڑھ گئے ہیں۔"

جبل نے خشک فروٹ مٹھی میں بھر لیا۔ چائے کے کچھ گھونٹ بھرے۔" میں واقعی تمھیں اس سب کے لئے معاف نہیں کر سکا نہ کروں گا۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم دونوں کے درمیان چیزیں پہلے جیسی نہیں رہیں۔ تم بھائی ہو میرے، ہمیشہ عزیز رہو گے فلحال زخم تازہ ہے کچھ وقت بعد میں بھول جاؤں گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

" معاف تب بھی نہیں کرو گے؟"

" جبل اجلال بھی اپنے rules and regulations توڑنے والوں کو معاف نہیں کرتا۔"

بہرام کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ کاش اس نے پہلے دن سے کچھ اصول نہ توڑے ہوتے، کچھ لوگوں کے خلاف وہ نہ گیا ہوتا۔ زندگی ٹھیک تھی، اچھی تھی مگر وہ بہت کچھ کھو چکا تھا۔ شاید جبل ٹھیک کہتا تھا۔ برا کام ختم ہونے پہ یونہی اگر مگر پچھتاوے کا شکار کر دیتا ہے۔

" ہم انہیں روک نہیں سکتے جبل؟ ہم اگر چاہیں تو انکو بچا سکتے ہیں۔ ورنہ کچھ وقت بعد وہ لوگ بھی ہماری طرح پچھتائیں گے۔" بہرام کے دل کو کسی طور تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

جبل نے قہوے کی پیالی واپس ٹرے میں رکھی۔ اور سنجیدگی سے اپنے بھائی کو دیکھا۔

"تم کسی کو نہیں بچا سکتے۔ ہر شخص نے اپنے حصے کی ہزیمت اٹھانی ہوتی ہے۔ ہر شخص کے حصے کے پچھتاوے مقرر ہیں۔ موجودہ دور کے انسان کو لگتا ہے وہ صحیح کام غلط طریقے سے کرے گا تو فرق نہیں پڑے گا ان پانچوں کو بھی یہی لگتا ہے اور کچھ غلط نہیں لگتا۔ جس زندگی سے وہ نکل آئے ہیں وہاں آسانیاں تھیں اور یکدم وہ آسانیاں چھوڑ نہیں سکتے۔ وہ اب بھی سیاہی کے پردوں میں چھپیں گے۔ اور نقصان اٹھائیں گے۔ انسان کی growth کا سفر ختم نہیں ہوتا یہ چلتا رہے گا اور اس نے چلنا ہے۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ ان پانچوں نے ایک جنگ لڑ لی چند برائیاں چھوڑ دیں۔ اور اب مذید برائیاں آئیں گی، کچھ اور جنگیں باقی ہیں۔ اور یہ ہر انسان کو اپنے زور بازو پہ لڑنی ہے۔ کہانیاں کبھی بھی ختم نہیں ہوتیں انکا نیا باب شروع ہوجاتا ہے۔ جو باب دہر انہوں نے کھولا ہے اس کا دوسرا باب اب شروع ہونے والا ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بہرام کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اسکے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے گیا تھا۔

"اس لئے بہرام خانا . . . . تم انکے غم میں گھلنا چھوڑ دو۔ انکا سفر شروع ہوا ہے اور اسکا انت وہ خود کریں گے۔ سفر ہمارا بھی وہی ہے لیکن کیا ہے کہ ہم ذرا منجھے ہوئے کھلاڑی ہیں۔"

وہ اب اسکے کندھے پہ بازو پھیلائے باہر جا رہا تھا۔ "کہیں تمھیں اپنے بہنوئی کی فکر تو نہیں ہو رہی؟"

"استغفراللہ . . . ." وہ کڑوے لہجے میں بولا۔ "حانی کی پرواہ نہ ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے اسے مارتا میں۔ ایسے بہنوئی سے بندہ بغیر بہنوئی رہے۔"

"اب اتنا برا بھی نہیں ہے یار۔ہمارے سامنے کتنا شریف بن کر تو رہتا ہے وہ۔"

"بس ہمارے سامنے،ورنہ اسکے اعمال نامے شیطان دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو روئے۔"

جبل اسکی بات پہ ہنس رہا تھا۔بہرام جلے کٹے انداز میں مزید کچھ کہہ رہا تھا۔دونوں بھائی ایک ساتھ چلتے ہوئے جا رہے تھے۔زور گڑھ کی ترقی اب انکی منتظر تھی انکی باتیں اور انکی کہانی جاری تھی۔اب آوازیں معدوم ہوتی چلی گئیں۔

"یہ "**تائیز**" کیا چیز ہے؟"حسن اس روز زلطان کے گھرڈنرپہ آیا ہوا تھا۔جب سراج نے اس سے سوال کیا۔ڈنر ٹیبل پہ اس وقت زلطان،زخرف،سراج اور حسن تھے۔ملازم زرا فاصلے پہ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

"حاتم تائی کا تائی لے کر ہم نے "**تائیز**" بنا لیا ہے۔ہم سب تائیز ہیں۔ہم پانچ لوگوں کی بنائی ہوئی ایک این جیو۔ویسے اسکی فاؤنڈر زخرف ہے۔"اس نے زلطان کے ساتھ بیٹھی زخرف کی طرف اشارہ کیا۔اس نے سر کے خم سے کریڈٹ وصول کیا۔

"اور اس نیک کام کا خیال،بلکہ صاف صاف بتاؤ اتنا پیسہ کہاں سے آیا؟"سراج نے بازو سینے پہ باندھے سنجیدگی سے سوال کیا۔اسکی چبھتی ہوئی نظریں انہیں اپنے آر پار گڑتی محسوس ہوئیں۔

حسن نے باچھیں پوری کی پوری کھول دیں۔"میرے دوستوں نے جو ماضی میں کالے کانڈھ کئے تھے بس اسی پیسے کو سفید کر رہے ہیں۔" وہ سراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔زلطان اور زخرف نے آنکھیں گھمائیں۔(**کچھ پیسہ صاف بھی تھا ہنہہ**)

ڈھیر سارا پیسہ تھا جو شادان شاہ کے گھر کی دیواروں کی وال پیپر میں چھپا ہوا تھا۔زخرف وقار نے جس سے ڈھیر سارے ہیرے خرید کر رکھے تھے۔زلطان صفدر کا پیسہ چھتوں کی سیلنگز سے باہر ابل رہا تھا۔وہ اس سارے پیسے کو اکھٹا کر کے بیٹھے تو اول تو فخر ہوا، پھر شرم آئی۔غیرت بھی آئی۔پھر افسوس ہوا۔کیا ہیں یہ کاغذ کے ٹکڑے جن کی خاطر موجودہ دور کا انسان ایمان سے لے کر آخرت تک بیچنے کو تیار ہے؟

"موٹوmotive کیا تھا؟اور یہ این جیو کیا کرنے والی ہے؟" سراج نے اب کے زخرف کو دیکھ کر پوچھا تھا۔اسکی نو بیاہتا بھابی۔جو سج سنور کر اپنے سرتاج کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"زبرج کے ایکسیڈنٹ کے بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ اگر وہ اس وقت چل رہا ہے۔ٹھیک ہے تو وجہ اللہ کے بعد پیسہ ہے۔ہمارے ملک کی اسی فیصد آبادی کے پاس اضافی پیسہ تو نہیں ہے پھر کوئی اپنے عزیز کو مرتے ہوئے چھوڑ دے؟" وہ ایک لمحے کو رکی۔"تائیز اول تو ایک ہسپتال بنائے گا۔اور اسی دوران ہم ایک لمبی چین بنائیں گے۔جس سے مستحقین کو اپنے گھر والوں کے علاج کے لئے خوار نہیں ہونا پڑے گا۔کسی کو ہونا بھی نہیں چاہیے۔اگر ہمارا زبرج ٹھیک ہو سکتا ہے تو پاکستان کے ہر زبرج کا صحت پہ حق ہے۔"

سراج نے انہیں یوں دیکھا جیسے وہ واقعی ان سے بڑا متاثر ہوا ہو۔بس ہاتھ اٹھا کر تالیاں بجانا رہ گیا تھا۔

"میری آنکھوں میں تو آنسو آگئے تمہاری اس قدر بھلائی کا سن کر۔اس سے پہلے کہ میں رونے لگوں مجھے یہاں سے جانا چاہیے۔" کٹیلے انداز میں کہتا ہوا۔

وہ جوس کا گلاس ہاتھ میں لئے اٹھ کر چلا گیا تھا۔کاش وہ ان پہ لعنت بھیج سکتا۔اوہ خدایا کوئی پیسہ کوئی خیرات کرنے کے لئے تھا؟

موجودہ دن کا ذکر ہے۔ایئر پورٹ کے رش میں ملکی اور بیرونی ملک فلائٹس کے لینڈ اور ہونے کا انتظار کرتے وہاں کئی لوگ جمع تھے۔کراچی ایئر پورٹ لوگوں کے سمندر سے ڈوب رہا تھا۔ایئر پورٹ کے باہر تین لوگ کھڑے تھے۔سفید رنگ کے کاٹن کے کلف لگے ہوئے جوڑے۔سر پہ سندھی ٹوپی اور اپنی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے وہ جامشورو لے کر جانے والے اپنے مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے۔چہرے پہ اشتیاق تھا۔

"شادان سائیں کو بھی اللہ جانے یہ شوق کب چڑھا۔خوامخواہ خواری ہو گی اور کیا۔" انکا لب و لہجہ ٹھیٹھ سندھی تھا۔

"سائیں نے جو کہا ہے،وہ کرنا ہے۔ایک لفظ بھی آگے پیچھے نہیں۔" دوسرے آدمی نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"لو بھلا میں سائیں کی حکم عدولی کروں گا کیا؟سائیں پہ سر قربان۔" وہ جذباتیت سے بولا۔وہی جزباتییت جو سندھ اور پنجاب کے ہر گاؤں میں اپنے مرشد کے لئے موجود ہوتی ہے۔

وہ تینوں اب دوبارہ ایئر پورٹ سے آنے والے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ہاتھ میں ایک بورڈ پکڑ رکھا تھا۔انکے مہمان جلد آنے والے تھے۔شادان سائیں نے جو کہاتھا وہ کام تو انہوں نے کرنا ہی تھا۔

"میں اس وقت راضی تو ہوگئی تھی،لیکن اب میرا دل ذرا گھبرا رہا ہے۔"زلطان شیشے کے سامنے کھڑا تیار ہو رہاتھا۔جب اسکے عقب میں کھڑی زخرف تشویش سے بولی۔وہ مڑا،اسکے سامنے آکر رکا اور بازو اسکے آگے کئے۔

"یہ فیصلہ تمہارا اپنا تھا زی۔لیکن اس وقت بھی تمھارے پاس ٹائم ہے۔میں چاہتا تو تمھیں روک سکتا تھا لیکن پھر تمھارے اندر کی وہ عورت جاگ جاتی۔جامشورو پہنچنے میں ابھی وقت ہے۔تم راستہ بدل سکتی ہو۔"زخرف نے بغیر کچھ کہے اسکی شرٹ کے بازو فولڈ کئے۔وہ ہر روز ایسے کئی چھوٹے چھوٹے کام اس سے کرواتا رہتا تھا۔زلطان کے لئے زخرف کو اپنی ذات میں مشغول رکھنا بہترین مشغلہ تھا۔

"کم از کم میرے لئے مت ڈرو تم۔تائیز میرا اپنا فیصلہ تھا۔مجھے تو بس یہ فکر ہے کہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔"

"جب تک وہ حسن سلطان کا پلان تھا تب تک تمھیں ڈرنا چاہیے تھا۔اب وہ ایجنٹ اور اسکے ماسٹر مائنڈ کا تراشا ہوا پلان ہے۔اب فکر چھوڑ دو۔" اس نے برش زخرف کے ہاتھ میں دیا اور خود ذرا سا جھکا۔وہ اب اسکے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

"تم جبل کی تعریف کر رہے ہو؟ اوہ مائی گاڈ میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔" وہ زلطان کا چہرہ دیکھ کر متجب ہوئی۔

زلطان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دوسرے ہاتھ میں پکڑی پرفیوم کی شیشی اسے تھمائی۔

"ہے تو وہ دنیا کا سب سے گھٹیا آدمی لیکن دماغ تو ہے اسکے پاس۔وہ بھی ایک بہترین دماغ۔"

اس نے بازو زخرف کے آگے کیئے۔وہ اب اسکی دونوں کلائیوں پہ اسپرے کر رہی تھی۔ساتھ گردن پہ بھی اسپرے کیا۔زلطان نے اپنی ایک کلائی کو اسکی گردن سے مس کیا۔اب اسکی بیوی سے وہی خوشبو آنی تھی جو اسکے اپنے وجود سے۔

"شادان کے لوگ سنبھال تو لیں گے ناں؟" نئ فکر نے اسے آن گھیرا۔

زلطان اب اسے اپنی ٹائی تھما رہا تھا۔

"یہ پلان کامیاب ہو جائے گا؟" وہ ٹائی اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے متذبذب تھی۔زلطان اسکا آگے ہلکا سا جھکا۔تاکہ اسے ٹائی باندھنے میں آسانی ہو۔

”یہ پہلا قدم ہے زخرف۔پلان تو بہت آگے تک کا ہے۔اور اسے کامیاب ہونا ہی ہے۔اسٹیبلشمنٹ میں ہوں۔میرا خاندان ہے۔ قانون کی پیچیدگیاں تم جانتی ہو۔لوگوں میں حسن اور شادان پاپولر ہیں۔زبرج سکرین کے پار آدھی دنیا سنبھال لے گا۔فکر کیوں کرتی ہو؟“اسکے چہرے سے پریشانی زائل ہونے لگی۔

”تم دنیا کی فکر چھوڑ دو بس میرا خیال رکھا کرو۔“وہ مسکراتے ہوئے اب گھڑی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔وہ سنگھار میز سے اسکی گھڑی اٹھانے لگی۔چہرے پہ خفگی تھی۔

”شادی نہیں کی میں نے تو جیسے بچہ ایڈاپٹ کر لیا ہے۔“بڑبڑاتے ہوئے وہ اب اسے گھڑی پہنا رہی تھی۔زلطان ہر روز کی طرح اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔اسے زچ کرنا دنیا کا سب سے خوبصورت کام تھا۔

حسن سلطان کا پلان سننے کے لئے وہ تمام لوگ آگ کے دائرے کے گرد بیٹھے تھے۔تہہ خانے کی ٹھنڈک میں وہ انہیں جھلسانے والا تھا۔

”ہم قاضی کو اٹھوالیں گے۔جس طرح جبل خان نے ہمیں قید کر کر رکھا ہے اسی طرح ہم قاضی کو رکھیں گے۔لیکن اس پہ ہماری شناخت واضح نہیں ہوگی۔اور اس سے پہلے ہمیں ایک ڈرامہ کرنا ہوگا۔قاضی کو اغوا کرنے سے پہلے میں اپنے کسی امیر دوست کے اغوا ہوجانے کا ناٹک سامنے لاؤں گا۔خبروں اور سوشل میڈیا کو یہ یقین دلوانا ہوگا کہ کوئی **"رابن ہڈ"** نامی گروپ ہے جو امراء کو اغوا کر کے ان سے غریبوں کی مدد کرواتا ہے۔ قاضی سے پہلے ایسے دو کیسز لازمی لانے

ہوں گے۔تیسرا کیس قاضی کا ہو گا۔تاکہ اسے ذرا برابر شک نہ ہو کہ یہ سب زور گڑھ سے کسی نے کیا ہے۔سیدھی طرح زور گڑھ کا پیسہ ہم واپس نہیں لا سکتے۔یہ ہماری زندگی کا پہلا اور آخری کرائم ہو گا۔(**واقعی**؟)

اسکا یہ پلان اس وقت ان لوگوں نے سنتے ہی انکار کر دیا تھا مگر رفتہ رفتہ وہ پانچ اور چھٹا جبل خان یہ اعتراف کر چکے تھے کہ اس پلان کے بغیر کچھ بھی واپس نہیں مل سکتا۔ہاں مگر انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ یہ انکی زندگی کا آخری کرائم ہو گا۔جیسے زندگی تو انکی انگلیوں پہ تھرکتی تھی ناں۔

وہ ایک گودام نماجگہ تھی۔جہاں آس پاس ڈرم تھے۔ڈیزل کے کین تھے۔ڈھیر سارا کاٹھ کباڑ تھا۔حبس اور گرمی تو جیسے چاروں اور پھیلی ہوئی تھی۔گودام کے احاطے میں عین بیچوں بیچ دو کرسیاں رکھی تھیں۔کرسیاں خالی نہیں تھیں۔دو کرسیوں پہ دو ہی نفوس تھے۔

ایک لڑکا تھا۔کوئی پچیس چھبیس کے ہندسے کو چھوتا،دوسری کرسی پہ ایک لڑکی تھی۔جس کی آنکھیں بند تھیں۔اور چہرہ ہر قسم کے زخم سے پاک۔

ذرا سے فاصلے پہ چہرے کو سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپائے کچھ لوگ کھڑے تھے۔انکا لباس بھی سیاہ تھا۔انکے چہرہ

ے نظر نہیں آتے تھے ہاں مگر آنکھیں واضح تھیں۔گہری سرمئی آنکھوں والا مرد گردن ڈھلکائے غور سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔جو قاضی کا بڑا بیٹا تھا۔صبور علی۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ قاضی نہیں ہے۔“

"سائیں یہ قاضی کا بیٹا ہے۔"انکے عقب میں کھڑے آدمی نے جواب دیا۔"اور یہ لڑکی اسکی گرلفرینڈ۔جب ہم نے لڑکے کو اٹھایاتو یہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی میرے بے بی کو مت لے کر جاؤ ڑے میرے بے بی کو مت لے کر جاؤ۔"وہ باقاعدہ لہک لہک کر بول رہا تھا۔"پھر کیا تھا سائیں نیاڑیں (**لڑکی**) تھی۔ہم نیاڑیوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔عزت پردے سے گودی (**ادب کا طرز تخاطب**)کو بھی ساتھ لے آئے۔شادان سائیں ہم نے ٹھیک کیاناں؟"وہ داد طلب نظروں سے اپنے سائیں کو دیکھ رہا تھا۔سائیں کا بس نہیں چلتا تھا انکی گردن مروڑ دے۔

"ملیو تا پہنجو منہ کارو تھئو پر چھاکیاں،بابا سائیں جا خاص آہیو تہاں۔(**کیا تو اپنا منہ کالا ہے لیکن کیا کروں بابا سائیں کے خاص ہو تم۔**) "وہ بے بسی سے بڑبڑایا۔"اسکی ماں کو بھی لے آتے گھر سے۔اب انکو یاد آئی تو کیا ہو گا؟"

"تم نے انکو صحیح ہدایات نہیں دی تھیں؟تمہیں خود جانا چاہیے تھا۔"زلطان سارے وقت میں پہلی بار بولا۔اسکی آنکھوں میں ناگواری تھی۔اسے پلان میں جھول نہیں چاہیے تھا۔

"میں کیسے جا سکتا تھا سی سی ٹی وی میں میرا چہرہ آجاتا اور پورے ملک میں ٹرینڈ کر رہا ہوتا۔ان دونوں نے بھی ایئرپورٹ سے دور گاڑی رکوائی تھی۔میں ذرا سی بھی کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔"

"پہلی بار اندازہ ہورہا ہے تم سے رشتہ کر کے غلطی تو نہیں کر دی؟"جبل کی بات پہ شادان کے بدن میں جیسے انگارے لوٹ گئے۔وہ تڑپ کر اسکی طرف مڑا۔

"میں نے بھی پہلی بار وہ خاندان دیکھا ہے جو لڑکے کی شرافت نہیں کرمنل ریکارڈ چیک کرتے ہیں۔کیا کریں؟ تمھارے خاندان میں شادی کرنے سے پہلے تین چار قتل کر آئیں؟ڈاکے ڈالیں؟ "

"مجھے کوئی میرا کام تو سمجھاؤ۔"بہرام کے ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگی۔وہ ابھی ابھی آیا تھا۔"**یہ تو مار کے " م" سے ہی مر جائے گا۔**"اس سے اچھے تو پہلے ہاسٹیجز تھے۔مار کر مزہ تو آتا تھا ہنہہ۔

معاًلڑکی کو ہوش آنے لگا تھا۔وہ نیم وا آنکھیں کھولے انکی طرف دیکھنے لگی۔جیسے اپنی یہاں موجودگی پراسیس کرنا چاہتی ہو۔اسکی آنکھوں کے آگے منظر دھندلا پڑ رہا تھا۔آوازیں غیر واضح تھیں۔

وہ لوگ ابھی کچھ اور کہتے کہ کان میں لگے ننھے ایئرپیس پہ زبرج شاہنواز کی بھاری آواز گونجی۔سکرین کے سامنے بیٹھا وہ سنجیدگی سے کچھ کہہ رہا تھا۔اسکے سامنے،آس پاس سکرینز تھیں۔جن پہ مختلف مناظر تھے۔

"وہ کوئی آسان حدف نہیں ہیں۔"

اسکی آنکھیں نیم وا تھیں مگر اسکے ہاتھ اپنی رسی سے نکلنے کے لئے متحرک تھے۔وہ نیم وا آنکھیں ان پانچ لوگوں کو اسکین کر رہی تھیں۔ان آنکھوں میں سمجھداری اور سفاکی تھی۔

"وہ لڑکی اسکی گرل فرینڈ نہیں باڈی گارڈ بھی ہے۔کراٹے،جوڈوماسٹر اور ایک وقت میں اس نے کسی ڈرگ مافیاکے کام کرنے کو باقاعدہ ٹریننگ کر رکھی ہے۔"

وہ رسی کو ایسی مہارت سے اپنے ہاتھوں سے نکال رہی تھی کہ وہاں کھڑے ان تمام لوگوں کو اسکے ہاتھوں کی حرکت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔وہ اسکا چہرہ دیکھ رہے تھے اور وہ لڑکی انکے ہاتھوں کے ہتھیار۔

”وہ ایک وقت پہ دس سے پندرہ مردوں سے اکیلے لڑ سکتی ہے۔اسکا ایک دماغ چار لوگوں کے دماغ پہ بھاری ہے۔اور اسکا حملہ اچانک۔بچ کر رہنا۔فوکس لڑکی پہ رکھو، قاضی کا بیٹا کٹھ پتلی ہے۔قاضی تب تک نہیں مانے گا جب تک یہ لڑکی ہار نہیں مان لیتی۔“

وہ چند لمحے گردن ڈھلکائے پڑی رہی۔اسکی ایکسرے کرتی آنکھوں نے ایک لمحے میں انہیں جانچ لیا۔وہ اس سے نظر ہٹائے ہوئے تھے انکا دھیان کہیں اور تھا۔بجلی کے کوندے کی طرح سے اٹھ کر اس نے حسن سلطان کو اپنی طرف گھمایا اور اپنے رسیوں والے ہاتھ اسکی گردن میں باندھ دیئے۔یہ سب سیکنڈز کے اندر ہوا تھا۔وہ بلبلایا مگر لڑکی اسکی پیٹھ پہ گھٹنا مار کر اسکی آنکھوں کو ابلنے کے قریب لائی۔یہ لڑکی واقعی عام لڑکی نہیں تھی۔

”کون ہو تم لوگ اور ہمیں یہاں کیوں لائے ہو؟“وہ حسن کی گردن پہ رسی کا دباؤ بڑھاتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔آنکھیں ایک ایک کو تک رہی تھیں۔بدن چوکنا۔باقی سب اسے دیکھنے لگے کھیل شروع ہو چکا تھا۔

"بیٹھ کر بات کرتے ہیں میڈم،وائلنس پھر ہمیں بھی آتا ہے۔"شادان نے ہاتھ اٹھا کر بات کرنا چاہی مگر وہ ایک قدم پیچھے ہوتے ہوئے اسکی گردن پہ دباؤ بڑھانے لگی۔حسن کی جلد چھلنے لگی تھی۔اسکا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"پیسہ؟کوئی مفاد؟کوئی کام۔کیا چاہیے تمھیں قاضی صاحب سے؟"وہ سرخ اور محتاط نگاہیں ان پہ جمائے ہوئے پوچھ رہی تھی۔جبل نے آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا مگر اسی پل اسکی نظر لڑکی کے عقب میں چہرے کو ڈھانپے،ڈر مز کے پیچھے سے نکلتی حنزلہ پہ پڑی۔وہ منہ پہ انگلی رکھے انہیں خاموش ہونے کا کہہ رہی تھی۔اسکا ہر ہر قدم محتاط تھا۔

"جو بات کرنی ہے مجھ سے کرو۔قاضی صاحب کے بیٹے کو جانے دو۔"

"قاضی کے بیٹے کو ہرگز مت جانے دینا۔"اسپیکر میں آواز ایک دفع پھر زبرج کی آواز ابھری۔"یہ لڑکی صرف ایک قربانی ہے۔یہ لڑکا چلا گیا تو چاہے تم اسکو مار دو اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔جبل،زلطان فوکس۔"

"میری بات مانو،پیسہ۔مفاد،کام۔میں سب کرواسکتی ہوں۔قاضی کے بیٹے کو جانے دو۔میں۔"

سر پہ لگنے والی پستول کی ضرب سے وہ بے اختیار کراہی پیچھے مڑنا چاہا مگر ضرب ایک بار پھر لگی تھی۔اسکا دماغ گھوم کر رہ گیا۔پے در پے تھپڑوں سے اسکا چہرہ سرخ پڑ گیا۔۔برق رفتاری سے اسے رسیوں میں باندھا گیا۔پیر یہاں تک کہ اسکی کمر بھی کرسی سے جوڑ کر جکڑ دی گئی۔اسکا سر

بہت بری طرح چکرا رہا تھا۔لڑکے کو پوری طرح ہوش آگیا تھا۔اور اب وہ اس لڑکی کو یوں اس طرح بندھے دیکھ کر موٹے موٹے آنسو رونے لگا تھا۔وہ ممی ڈیڈی بچوں کا لیڈر تھا۔

"میں بلکل ٹھیک ہوں کچھ نہیں ہوگا۔"وہ اسکی طرف دیکھ کر اسے تسلی دینے والے انداز میں بولی۔"مجھ سے بات کرو،جو چاہیے مجھے بتاؤ اسے باہر بھیجو۔"وہ کرسی پہ پھڑپھڑا رہی تھی۔اسکا بس نہ چلتا تھا ایک ایک کو زندہ گاڑ دے۔

تائیز کی آنکھیں بیک وقت چھوٹی ہوئیں۔ایک نظر انہوں نے روتے ہوئے موٹے لڑکے کو دیکھا۔پھر دوسری نظر اس ایتھلیٹ پہ پڑی۔پھر انکے لبوں کو شیطانی مسکراہٹ نے چھوا۔پھر کندھوں پہ ہاتھ رکھے ایک دائرہ بنا۔وہ سب ایک دائرے میں کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں ابھرتی شیطانی چمک دیکھ رہے تھے۔وہ سب ایک ہی تو تھے۔

"لڑکی مشکل ہدف ہے۔" جبل نے اقرار کیا۔

"لڑکا بے حد آسان ہدف ہے۔"زخرف نے کندھے اچکائے۔

"کیسے ؟"

"عاشق کی اولاد ہے۔جو کام پیسہ،طاقت،عقل نہ کروائے وہ اسکا عشق کروا دے گا۔"زلطان بے نیازی سے بولا۔

"پھر شروع کرتے ہیں ؟"

دائرہ ٹوٹ گیا۔جیب سے ٹیپ نکالتے ہوئے شادان اس لڑکی کی طرف بڑھا۔حنزلہ اسکے ساتھ تھی اور باقی لوگ انکے عقب میں ہاتھ باندھے دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔وہ جھٹپٹاتی لڑکی کے آگے جھکا۔ٹیپ کھول کر اسکے منہ پہ لگائی۔حنزلہ نے اسکے ماتھے اور آنکھوں میں گرتے بینگز ہٹائے۔وہ دونوں اب اسکے سامنے ایک ہی پوزیشن میں جھکے ہوئے تھے آنکھیں ایک ہی انداز میں مسکرا رہی تھیں اور لبوں پہ بے اختیار ایک ہی فقرہ آیا تھا۔

"بھلی کرے آیا۔(خوش آمدید)"

باب دہر ایک بار پھر کھل چکا تھا۔اس بار مگر کردار،حالات واقعات مختلف تھے۔بے حد مختلف۔کہانی ختم نہیں ہوئی نئے انداز میں شروع ہو چکی تھی۔

ختم شد۔